

روزانہ درس قرآن کریم

تفسیر

سورة لقمان — (مکمل)

سورة السجدة — (مکمل)

سورة الاحزاب — (مکمل)

سورة سبأ — (مکمل)

سورة فاطر — (مکمل)

سورة یس — (مکمل)

سورة الصفات — (مکمل)
(جلد ۱۵)

— افادات —

حضرت مولانا سونو شہید الحق دہلوی دام برکات
خطیب جامع مسجد نور گوہر نوالہ، پاکستان

طبع گیارہ

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ لقمان تا سورہ الصّٰفّٰت) جلد ۱۵
افادات حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتب الحاج لعل دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شمالا مارٹناؤن لاہور
تعداد طباعت پانچ سو (۵۰۰)
سرورق سید الخطاطین حضرت شاہ نقیس الحسنی مدظلہ
کتابت محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ
قیمت ۲۸۰/- (دو سو اسی روپے)
تاریخ طبع گیارہ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ بمطابق جون ۲۰۰۸ء

ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ (۵) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار اولپنڈی
- (۲) مکتبہ رحمانیہ اقراء، منٹرارو بازار لاہور
- (۳) مکتبہ قاسمی، الفضل مارکیٹ لاہور
- (۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- (۶) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۷) مکتبہ اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایسٹ آباد
- (۸) مکتبہ اعلم ۱۱۸ اردو بازار لاہور
- (۹) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۱۰) مکتبہ اعلم ۱۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین مع عالم العرفان فی دروس القرآن جلد ۱۵

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۰	مازاد اور بانی	۱۹	پیش لفظ - اصلاح عمل دین صاحب
۵۱	قریب پر دلیل	۲۵	سنبھائے گفتنی از محمد فیض خان سواتی
۵۳	درس چہارم ۴ آیت ۱۱۴	۲۹	سورۃ لقمان (مکمل)
۵۳	ربط آیات	۳۰	درس اول ۱۰ آیت ۱۵۲
۵۳	حضرت لقمان کی شخصیت	۳۰	نام اور لواحق
۵۵	خیریت کا حضور	۳۱	مضامین سورۃ
۵۶	حضرت لقمان کی تعلیمات	۳۲	حروف و مقطعات
۶۱	یہیے کر نصیبیں	۳۳	کتبہ سیکر کی آیتیں
۶۲	شکر کا اصول	۳۴	پرہیز اور رحمت
۶۴	درس پنجم ۵ آیت ۱۱۵ تا ۱۱۷	۳۵	نماز پر استقامت
۶۵	ربط آیات	۳۶	زکوٰۃ کی ادائیگی
۶۵	شرک کی ممانعت	۳۶	ایمان بلا خیرت
۶۷	شرک کی تعریف	۳۸	درس دوم ۲ آیت ۱۷۶
۶۹	والدین کے حقوق	۳۸	ربط آیات
۷۰	ماں کا خصوصی حق	۳۹	مولود میث
۷۱	رضاعت کا مسئلہ	۴۳	قرآن سے روگردانی
۷۲	شرک کا حکم	۴۳	درس سوم ۳ آیت ۱۲۸
۷۲	والدین سے من سلوک	۴۵	ربط آیات
۷۳	خانی راستے کا اتباع	۴۵	اجزائے ایمان
۷۵	درس ششم ۴ آیت ۱۱۶ تا ۱۱۹	۴۹	آسمان اور پادشوں کی تخلیق

۱۰۴	ربط آیات	۷۶	ربط آیات
۱۰۵	کشتی رانی بطور ثانی	۷۶	اعمال کی پیشی
۱۰۷	صبر و شکر کی منزل	۷۷	نماز کی تاکید
۱۰۸	توحید کی دلیل	۷۹	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
۱۰۹	قیامت کا طوفان	۸۰	صبر کی ترغیب
۱۱۰	دنیا اور شیطان کا دھوکہ	۸۱	تجبر کی ممانعت
۱۱۲	درس دہم ۱۰ (آیت ۳۴)	۸۱	چال میں میانہ روی
۱۱۲	ربط آیات	۸۲	آواز کی پستی
۱۱۲	مفتاح الغیب	۸۳	درس ہفتم (آیت ۲۰ تا ۲۳)
۱۱۳	شان نزول	۸۵	ربط آیات
۱۱۳	وقوع قیامت کا علم	۸۶	تسخیر ارض و سما
۱۱۳	نزول بارش کا علم	۸۷	تجلیل نعمت
۱۱۵	حمل کا علم	۸۸	دلائل توحید
۱۱۵	آمدہ کل کا علم	۸۹	آباد اجداد کی اندھی تقلید
۱۱۶	جلے موت کا علم	۹۱	ایمان کا مضبوط کھڑا
۱۱۸	اکوان اور احکام کا علم	۹۲	کفر کا انجام
۱۱۸	علم غیب پر اصولی بحث	۹۳	درس ہشتم (آیت ۲۵ تا ۳۰)
۱۲۱	سورة السجدة (مکمل)	۹۵	ربط آیات
۱۲۲	درس اول ۱ (آیت ۵ تا ۵)	۹۶	دلائل توحید
۱۲۳	نام اور کوائف	۹۷	توحید کے چار درجے
۱۲۳	سابقہ سورة کے ساتھ ربط	۹۹	اللہ کی صفات کمال
۱۲۴	فضائل سورة	۱۰۰	بعث بعد الموت
۱۲۵	مضامین سورة	۱۰۳	درس نہم ۹ (آیت ۳۱ تا ۳۲)

۱۵۲	۲۵ درس تیسرا - آیت ۱ تا ۱۰	۱۵۲	۲۵ درس تیسرا - آیت ۱ تا ۱۰
۱۵۲	۲۶ رابطہ آیت	۱۵۲	۲۶ رابطہ آیت
۱۵۲	۲۷ نظریہ اعدائے	۱۵۲	۲۷ نظریہ اعدائے
۱۵۳	۲۸ نسیب ربہ ۲ بار	۱۵۳	۲۸ نسیب ربہ ۲ بار
۱۵۵	۲۹ اہل ایمان کی نعمان نوری	۱۵۵	۲۹ اہل ایمان کی نعمان نوری
۱۵۰	۳۰ اظہار کبر	۱۵۰	۳۰ اظہار کبر
۱۵۰	۳۱ دنیا میں کتنا نسیب	۱۵۰	۳۱ دنیا میں کتنا نسیب
۱۵۹	۳۲ آیات الہی سے اعراض	۱۵۹	۳۲ آیات الہی سے اعراض
۱۶۱	۳۳ درس چہم - آیت ۱ تا ۲۶	۱۶۱	۳۳ درس چہم - آیت ۱ تا ۲۶
۱۶۲	۳۴ رابطہ آیت	۱۶۲	۳۴ رابطہ آیت
۱۶۲	۳۵ نزول آرات	۱۶۲	۳۵ نزول آرات
۱۶۳	۳۶ حقاقت میں نسیب کی تردید	۱۶۳	۳۶ حقاقت میں نسیب کی تردید
۱۶۵	۳۷ عبادت اور امانت	۱۶۵	۳۷ عبادت اور امانت
۱۶۶	۳۸ مسلمانوں کی کج روی	۱۶۶	۳۸ مسلمانوں کی کج روی
۱۶۷	۳۹ عوڑی سمیٹا دیا	۱۶۷	۳۹ عوڑی سمیٹا دیا
۱۶۸	۴۰ قیامت کے دن فیصلہ	۱۶۸	۴۰ قیامت کے دن فیصلہ
۱۶۹	۴۱ مقام سعادت	۱۶۹	۴۱ مقام سعادت
۱۷۰	۴۲ درس ششم - آیت ۱ تا ۳۰	۱۷۰	۴۲ درس ششم - آیت ۱ تا ۳۰
۱۷۰	۴۳ رابطہ آیت	۱۷۰	۴۳ رابطہ آیت
۱۷۱	۴۴ پانی کی بھربھائی	۱۷۱	۴۴ پانی کی بھربھائی
۱۷۳	۴۵ پانی کے خواہ	۱۷۳	۴۵ پانی کے خواہ
۱۷۳	۴۶ دلائل قدرت کا مشاہدہ	۱۷۳	۴۶ دلائل قدرت کا مشاہدہ
۱۷۵	۴۷ فیصلے ۲ دن	۱۷۵	۴۷ فیصلے ۲ دن

۱۵۲

۱۵۲

۱۵۲

۱۵۳

۱۵۵

۱۵۰

۱۵۰

۱۵۹

۱۶۱

۱۶۲

۱۶۲

۱۶۳

۱۶۵

۱۶۶

۱۶۷

۱۶۸

۱۶۹

۱۷۰

۱۷۰

۱۷۱

۱۷۳

۱۷۳

۱۷۵

۱۷۵

۲۰۰	درس سوم ۳ (آیت ۶)	۱۷۶	درگزر اور انتظار
۲۰۰	رابطہ آیات	۱۷۶	فضائل سورۃ
۲۰۱	نبی اور مومن کا تعلق	۱۷۹	سورۃ الاحزاب (مکمل)
۲۰۲	نبی بمنزلہ باپ	۱۸۰	درس اول ۱ (آیت ۳ تا ۱۱)
۲۰۳	نبی کو تصرف کا حق	۱۸۱	نام اور کوائف
۲۰۴	ازواج مطہرات مومنوں کی ماہیں	۱۸۱	زمانہ نزول
۲۰۵	قرابتداروں کا حق	۱۸۱	مضامین سورۃ
۲۰۶	ساتھ تینوں کے ساتھ احسان	۱۸۴	سلبقہ سورۃ کے ساتھ رابطہ
۲۰۸	درس چہارم ۴ (آیت ۸ تا ۱۱)	۱۸۳	شرف خاتم النبیین
۲۰۸	رابطہ آیات	۱۸۳	خوفِ خدا
۲۰۹	میں تاقِ انبیاء	۱۸۳	مہربنت کی ممانعت
۲۱۲	حضور علیہ السلام کی خصوصیت	۱۸۶	چار اہلئے دین
۲۱۳	میں تاق کی غایت	۱۸۷	اتباعِ وحی
۲۱۵	درس پنجم ۵ (آیت ۱۲ تا ۱۹)	۱۸۷	گمراہ کن لیڈر
۲۱۶	رابطہ آیات	۱۸۹	اسلاف کی قربانیاں
۲۱۷	جنگِ احزاب	۱۸۹	توکل علی اللہ
۲۱۸	الغنائم اللیہ کا تذکرہ	۱۹۱	درس دوم ۲ (آیت ۴ تا ۵)
۲۲۰	منافقوں کی بھروسہ	۱۹۲	رابطہ آیات
۲۲۲	درس ششم ۶ (آیت ۱۳ تا ۲۰)	۱۹۳	گھار کا مسئلہ
۲۲۵	رابطہ آیات	۱۹۵	منہ بولے بیٹے کا مسئلہ
۲۲۶	منافقوں کی طرف سے حوصلہ شکنی	۱۹۵	حضرت زید کا واقعہ
۲۲۷	منافقوں کے جھوٹے ہانے	۱۹۷	میتھی کی بیوی سے نکاح کا مسئلہ
۲۲۷	دشمن کی مدد	۱۹۸	حقیقی باپ کی طرف نسبت

۲۵۵	عورت کے لیے پردہ	۲۲۹	سرت سے فخر لیکن نہیں
۲۵۷	اہل بیت کی طہارت	۲۳۰	شافعیین کو بکرورانی
۲۵۷	انفرادی اہل بیت	۲۳۱	بہاد سے فرار
۲۵۹	کتاب و حکمت کی تعلیم	۲۳۲	درس ہفتم (آیت ۲۱۲ تا ۲۱۷)
۲۶۱	درس دہم ۱۰ (آیت ۱۲۵)	۲۳۵	رابطہ آیات
۲۶۱	رابطہ آیات	۲۳۵	اصول حدیث
۲۶۳	مسلمان مرد و زن	۲۳۷	ایمان و اطاعت میں اضافہ
۲۶۳	اہل ایمان مرد و زن	۲۳۸	الیائے عبد
۲۶۳	اطاعت گزار مرد و زن	۲۳۰	کافروں کی آہمی
۲۶۳	سچے مرد و زن	۲۴۰	بنی قرظہ کی سرکاری
۲۶۵	صابر مرد و زن	۲۴۲	فتح نبیر
۲۶۶	عاجز مرد و زن	۲۴۳	درس ہشتم ۸ (آیت ۲۱۸ تا ۲۲۱)
۲۶۶	سستی مرد و زن	۲۴۵	رابطہ آیات
۲۶۷	روزے دار مرد اور زن سے ذرا کویں	۲۴۵	ازواج مطہرات کا مطاہر
۲۶۷	معاظنین ناموس مرد و زن	۲۴۶	ازواج سے علیحدگی
۲۶۸	ذاکرین مرد و زن	۲۴۷	غذا بن نیرت کی قناعت پسندی
۲۶۹	بخشش اور اعتراف عظیم	۲۴۸	دنیا اور آخرت میں سے انتخاب
۲۷۰	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۲۲۹ تا ۲۳۰)	۲۴۹	مزارعہ جہاں حسبہ اہلب
۲۷۱	رابطہ آیات	۲۵۰	یمنی کا وکیل ابو
۲۷۱	اللہ اور رسول کا فیصلہ	۲۵۲	درس شہم ۹ (آیت ۲۳۲ تا ۲۳۳)
۲۷۲	شان نزول	۲۵۳	رابطہ آیات
۲۷۲	زید کا نکاح زینب سے	۲۵۳	ہجرت المومنین کے لیے سیرت مکتبہ
۲۷۳	زید اور زینب میں عدم مخالفت	۲۵۴	تبرق جاہلیت

۲۹۸	صفائی کی گواہی	۲۷۵	حضور علیہ السلام کے دل میں خلش
۲۹۹	نبی بطور مبشر و منذر	۲۷۶	زید سے طلاق اور حضور سے نکاح
۳۰۰	داعی الی اللہ	۲۷۸	درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۳۸ تا ۴۰)
۳۰۰	سراج منیر	۲۷۹	ربط آیات
۳۰۱	آپ علیہ السلام کا تذکرہ توہرات میں	۲۷۹	نبی علیہ السلام کے لیے تسلی
۳۰۲	شعبان نبی کی شہادت	۲۸۱	سردوں کے باپ ہونے کی نفی
۳۰۳	اہل ایمان کے لیے بشارت	۲۸۱	ختم نبوة کا مسئلہ
۳۰۳	مشن پر استقامت	۲۸۲	جھوٹے مدعیان نبوت
۳۰۶	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۴۹)	۲۸۵	قادیانی فتنہ
۳۰۶	ربط آیات	۲۸۷	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۴۱ تا ۴۴)
۳۰۶	عدت کے مسائل	۲۸۷	ربط آیات
۳۰۷	طلاق قبل از مساس	۲۸۸	ذکر الہی کی فضیلت
۳۰۸	دوران عدت کے احکام	۲۹۰	تبیح کی تاکید
۳۰۹	عائلی قوانین کی خرابیاں	۲۹۱	رحمت خداوندی کا نزول
۳۱۰	اچھے طریقے سے رخصتی	۲۹۱	ظلمت سے نور کی طرف
۳۱۰	انسانی ہمدردی کا اصول	۲۹۲	دعا بطور سلام
۳۱۱	اسلام اور غیر مذاہب کا تقابلی جائزہ	۲۹۳	درس چہار دہم ۱۴ (آیت ۴۵ تا ۴۸)
۳۱۳	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۵۰)	۲۹۴	ربط آیات
۳۱۳	ربط آیات	۲۹۵	حضور علیہ السلام بطور شاہ
۳۱۴	تعدد ازواج کی اجازت	۲۹۵	شاہد کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی
۳۱۵	کثرت ازواج پر اعتراض	۲۹۶	الشرک و حدانیت کی گواہی
۳۱۶	لوٹنوں کی حدت	۲۹۷	تبلیغ دین کی گواہی
۳۱۷	خاندانی صحابہ عورتوں سے نکاح	۲۹۷	اعمال امت کی گواہی

۳۴۶	درس ہجرت ۳۰ (آیت ۵۶)	۳۱۸	ہجرت کے سبب کی اجازت
۳۴۶	رابطہ آیات	۳۱۹	اسطہ اللہ کی نعمت
۳۴۶	تھوڑے درود و صلوات	۳۲۰	درس ہجرت ۱۶ (آیت ۵۲ تا ۵۰)
۳۴۸	درود کی فریضیت	۳۲۱	رابطہ آیات
۳۴۹	درود کی فضیلت	۳۲۱	ہجرت کے لیے ایمان بطور شرط
۳۵۰	درود پڑھنے کا طریقہ	۳۲۲	بہر مساوات کی اجازت
۳۵۱	اسلام پیشگی کی فضیلت	۳۲۳	سزایا بلای کی گناہت
۳۵۱	درود شریف پڑھنے کا نذر	۳۲۵	قبل از بلایوں کا قات
۳۵۲	درس سب سے زیادہ (آیت ۵۵ تا ۵۸)	۳۲۶	گوشی نکلنے کا رواج
۳۵۳	رابطہ آیات	۳۲۸	درس ہجرت ۱۸ (آیت ۵۲ تک)
۳۵۵	اللہ تعالیٰ کو اپنا برائی	۳۲۹	رابطہ آیات
۳۵۶	سچی گزینا، برائی	۳۲۹	دعوت طعام کے آداب
۳۵۶	اپنا برائی کی سزا	۳۳۰	شان نزول
۳۵۶	عاصی مہتروں کو اپنا برائی	۳۳۱	دعوت و نذر
۳۵۸	بیتان اور صبح گناہ	۳۳۱	کھروں میں دانے کے آداب
۳۶۰	درس سب سے دو (آیت ۲۳ تا ۲۲)	۳۳۲	کھانا کھانے کے بعد
۳۶۱	رابطہ آیات	۳۳۳	حیا خیز دایاں سب
۳۶۱	پرہیز کا صلہ	۳۳۳	پرہیز کی پابندی
۳۶۳	پرہیز کی حکمت	۳۳۴	درس گزرتی ۱۱۹ (آیت ۳۳ تا ۳۲)
۳۶۵	تعمیری قانون	۳۳۸	رابطہ آیات
۳۶۶	اللہ کا اہل کستہ	۳۳۸	اجامات المؤمنین سے نکلنے کی گناہت
۳۶۸	درس سب سے دو (آیت ۲۷ تا ۲۸)	۳۳۹	گناہت نکلنے کی وجوہات
۳۶۹	رابطہ آیات	۳۳۳	محرم سے پردہ کی ضرورت نہیں

۳۸۸	شاہ عبدالعاقب کی تفسیر	۳۶۹	وقوع قیامت کا علم
۳۸۹	مولانا عثمانیہ کی تشریح	۳۷۲	کفار پر لعنت
۳۹۱	سزا اور جزا	۳۷۳	افسوس کا اظہار
۳۹۳	سورۃ سبأ (مکمل)	۳۷۳	پیشواؤں کے خلاف شکایت
۳۹۴	درس اول (آیت ۱ تا ۶)	۳۷۵	درس سبب چہارم (آیت ۲۳ تا ۲۶)
۳۹۶	نام اور کوائف	۳۷۵	ربط آیات
۳۹۶	سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط	۳۷۶	موسیٰ علیہ السلام کو ایذا رسانی
۳۹۷	مضامین سورۃ	۳۷۷	جاوے گریز
۳۹۷	حمد باری تعالیٰ	۳۷۸	جہانی عیبت کا شاخاڑ
۳۹۹	خدا تعالیٰ کا علم محیط	۳۷۸	بدکاری کا الزام
۴۰۰	وقوع قیامت	۳۷۹	اہل ایمان کو تقویٰ
۴۰۱	جزائے عمل کی منزل	۳۸۰	قولِ سدید کی ترغیب
۴۰۳	قرآن کی حقانیت	۳۸۰	سچائی کا فائدہ
۴۰۴	درس دوم ۲ (آیت ۷ تا ۹)	۳۸۱	اطاعت کا اصول
۴۰۵	ربط آیات	۳۸۲	درس سبب پنجم ۲۵ (آیت ۷ تا ۱۲)
۴۰۵	بعثت بعد الموت	۳۸۲	ربط آیات
۴۰۷	کفار کا انکار	۳۸۳	ان ان کا حملِ امانت
۴۰۷	دیوانی کا اتمام	۳۸۴	عرض اور ابی کا مفہوم
۴۰۸	توحید کے درجات	۳۸۵	حملِ امانت کی علت
۴۰۹	مشرک کے لیے سزا	۳۸۵	عہدہ تکلیف
۴۱۱	درس سوم ۳ (آیت ۱۰ تا ۱۱)	۳۸۶	جنید بغدادی کی ترمیح
۴۱۱	ربط آیات	۳۸۷	مجدد العتہ ثانی کا نظریہ
۴۱۲	داؤد علیہ السلام کے فضائل	۳۸۷	امانت بصورت اور مردِ نواہی

۳۳۵	سندھو شیب	۳۱۳
۳۳۶	جنات کی تفسیر ذریعہ معجزات	۳۱۴
۳۳۸	درس ہفتم ۲ (آیت ۱۵ تا ۱۷)	۳۱۵
۳۳۹	رابط آیات	۳۱۶
۳۳۹	قرم سب	۳۱۶
۳۴۱	سیدنا رب	۳۱۷
۳۴۲	جادو طیب	۳۱۸
۳۴۵	قرم سب کی تباہی	۳۱۸
۳۴۷	درس ہشتم ۷ (آیت ۱۸ تا ۲۱)	۳۲۰
۳۴۸	رابط آیات	۳۲۱
۳۴۸	نمایاں بنتیاں	۳۲۱
۳۵۱	بجے سفر کی دعا	۳۲۲
۳۵۱	اہل سب کی شکل تباہی	۳۲۳
۳۵۲	شیطان کی فتنہ کاری	۳۲۳
۳۵۳	درس ہشتم ۸ (آیت ۲۲ تا ۲۴)	۳۲۶
۳۵۵	رابط آیات	۳۲۶
۳۵۵	قرن نازنی	۳۲۸
۳۵۶	شرک فی التہذیر والعبادت	۳۲۹
۳۵۷	جبری سفارش کا معنیہ	۳۳۱
۳۵۸	جانز سفارش	۳۳۱
۳۵۹	فرشتوں کی بیہ بسی	۳۳۲
۳۶۱	درس نہم ۹ (آیت ۲۳ تا ۲۴)	۳۳۳
۳۶۲	رابط آیات	۳۳۳

۳۱۳	دارو طیب اللہ کی تعریف امانی
۳۱۴	معجزہ اور کرامت
۳۱۵	پیدائش اور پرندوں کی ہمزائی
۳۱۶	لہستہ کی تفسیر
۳۱۷	شان نزول
۳۱۸	ہفتہ کی کافی
۳۱۸	پیشہ طہی
۳۱۸	اعتزال پندی
۳۲۰	درس چہارم ۴ (آیت ۱۲ تا ۱۳)
۳۲۱	رابط آیات
۳۲۱	سیمان علیہ السلام کا تذکرہ
۳۲۲	ہر کی تفسیر
۳۲۳	تفسیر کا چشمہ
۳۲۳	جنات کی تفسیر
۳۲۶	محوالوں کی تفسیر
۳۲۶	قدیم مجسم سازی
۳۲۸	حوض نمایاں اور دلچسپی
۳۲۹	شکر نزاری کے کام
۳۳۱	درس پنجم ۵ (آیت ۱۱)
۳۳۱	رابط آیات
۳۳۲	ریست المقدس کی تفسیر
۳۳۳	سیمان علیہ السلام کی وفات
۳۳۳	جنات کی وفات کا ملو

۴۸۸	درس دوازدهم ۱۲ (آیت ۴۵ تا ۴۵)	۴۶۳	روزِ بذریعہ آسمان و زمین
۴۸۹	رابطہ آیات	۴۶۴	رزق بہ دست خدا
۴۹۰	فرشتوں کی عبادت	۴۶۵	دلیل ترجیح
۴۹۲	جنات کی پرستش	۴۶۶	ذمہ داری اپنی اپنی
۴۹۳	ظالموں کے لیے عذاب	۴۶۷	شرک کی تردید
۴۹۳	رسالت کا انکار	۴۶۸	عالمی نبی
۴۹۴	عربوں کی لاطمی	۴۶۹	دفعہ قیامت
۴۹۵	سابقہ اقوام کا حشر	۴۷۰	درس دہم ۱۰ (آیت ۳۱ تا ۳۳)
۴۹۷	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۲۶ تا ۵۴)	۴۷۱	رابطہ آیات
۴۹۹	رابطہ آیات	۴۷۲	قرآن پاک کی حقانیت
۴۹۹	غور و فکر کی دعوت	۴۷۳	تابع اور متبوع کی کشمکش
۵۰۱	ذاتی مفاد کی نفی	۴۷۵	عیسائیت کا جال
۵۰۲	حق و باطل کی کشمکش	۴۷۷	شرک کا وبال
۵۰۳	آخرت میں لازمی گرفت	۴۷۸	قبر پرستی
۵۰۷	سورۃ فاطر (مکمل)	۴۷۹	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۳۲ تا ۳۹)
۵۰۸	درس اول ۱ (آیت ۱)	۴۸۰	رابطہ آیات
۵۰۸	نام اور کوائف	۴۸۱	مسترفین کا انکار رسالت
۵۰۹	مضامین سورۃ	۴۸۱	مال و اولاد پر فخر
۵۱۰	فاطر یا بدیع	۴۸۲	شانِ نزول
۵۱۱	چار صفات خداوندی	۴۸۳	رزق کی کشادگی اور تنگی
۵۱۴	فرشتوں کی تخلیق	۴۸۵	خوشحالی ذریعہ قرب نہیں
۵۱۴	فرشتوں کی صلاحیت	۴۸۶	مجرمین کے لیے سزا
۵۱۶	تخلیق میں اضافہ	۴۸۶	انفاق فی سبیل اللہ

۵۳	۵۱۷	فرب کبریٰ کی تفسیر	درس دوم ۲ (آیت ۱۲۲)
۵۳۳	۵۱۸	درس پنجم ۵ (آیت ۱۱۴)	رابطہ آیات
۵۳۵	۵۱۸	رابطہ آیات	باب ۲
۵۳۵	۵۱۹	تحلیق انسانی کے مراحل	شرک کی آئینہ
۵۳۷	۵۲۱	ایمان اور کفر کا تقابل	حقوق کے حقوق
۵۳۷	۵۲۲	امت ابن و تفسیر تہلیل	بیاضغفہ کنندہ آیات
۵۵۰	۵۲۳	عبدالرحمن باطلی سے سبق	انعامات الہیہ
۵۵۲	۵۲۳	درس ششم ۶ (آیت ۱۱۵)	لذائقہ صفت اللہ ہے
۵۵۳	۵۲۵	فقہاء اہل السنہ	تعلیٰ کا مضمون
۵۵۰	۵۲۷	معاشرہ اطفال کی فخر	درس سوم ۳ (آیت ۱۰۷)
۵۵۷	۵۲۷	ایمان بالغیب	رابطہ آیات
۵۵۷	۵۲۸	غناز اور تزکیہ	وقت قیامت کا وعدہ
۵۶۰	۵۲۹	درس ہفتم ۷ (آیت ۱۱۹)	شیطان کا اغوا
۵۶۱	۵۳۰	رابطہ آیات	شیطان سے بچنے کا طریقہ
۵۶۱	۵۳۱	نیب و بہ کی مثال	انسان کی افسوسناک حالت
۵۶۳	۵۳۲	ساجد مرنی و مند	کھڑا اور ایمان کا غبار
۵۶۷	۵۳۳	ہر قوم کے لیے مندر	درس چہارم ۴ (آیت ۱۰۸)
۵۶۹	۵۳۴	درس ہشتم ۸ (آیت ۱۲۰)	رابطہ آیات
۵۷۰	۵۳۵	رابطہ آیات	نیکی اور برائی میں تقابل
۵۷۱	۵۳۷	میلوں اور پیمانوں کی تخلیق	تعلیٰ کا مضمون
۵۷۳	۵۳۸	پیاروں کی گناہیاں	بقائے حیات کے وسائل
۵۷۳	۵۳۹	عابدوں کی تخلیق	عبادت کا اعلیٰ مدار
۵۷۳	۵۴۰	اجلی عورتی کو عبودیت	فریاد اور عمل سماج

۶۰۵	اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت	۵۷۷	نفع بخش تجارت
۶۰۷	سورۃ یونس (مکمل)	۵۷۸	قرآن کی حقانیت
۶۰۸	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۷)	۵۷۹	درس ششم ۹ (آیت ۳۲ تا ۳۷)
۶۰۹	نام اور کوائف	۵۸۱	رابطہ آیات
۶۰۹	مضامین سورۃ	۵۸۱	درمائے کتاب
۶۱۰	فضائل سورۃ	۵۸۲	اہل جنت کے لیے نعمات
۶۱۱	حروفِ بیسن	۵۸۳	اہل جہنم کے لیے سزا
۶۱۳	قرآن پاک کی حقانیت	۵۸۵	عمر کا استعمال
۶۱۳	تصدیقِ رسالت	۵۸۶	منذریں کی آمد
۶۱۵	مقصد نزولِ قرآن	۵۸۹	درس دہم ۱۰ (آیت ۳۸ تا ۴۱)
۶۱۷	درس دوم ۲ (آیت ۸ تا ۱۲)	۵۹۰	رابطہ آیات
۶۱۸	رابطہ آیات	۵۹۱	عالم الغیب ذات
۶۱۸	گلے کے طوق	۵۹۱	خلافتِ ارضی
۶۱۹	آگے پیچھے دیواریں	۵۹۳	ناشکر گزاری کا انجام
۶۱۹	شاہ ولی اللہ کا فلسفہ	۵۹۴	شرک کی تردید
۶۲۰	ایک اشکال اور اس کا جواب	۵۹۶	شفاعت کا غلط تصور
۶۲۲	صراطِ مستقیم کی تلاش	۵۹۷	نظامِ کائنات کا استحکام
۶۲۳	جزائے عمل کی منزل	۵۹۹	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۴۲ تا ۴۵)
۶۲۳	آثار کی توضیح	۶۰۰	رابطہ آیات
۶۲۶	درس سوم ۳ (آیت ۱۳ تا ۱۹)	۶۰۱	مشرکین مکہ کا غرر تک
۶۲۷	رابطہ آیات	۶۰۲	مشرکین کی بری تدبیر
۶۲۷	بستی میں سرملین کی آمد	۶۰۳	یقین لازمی وقوعات
۶۲۹	اہل بستی کی طرف سے تکذیب	۶۰۴	سابقہ لوگوں کے نقش قدم پر

۶۵۷	حضرت زینبہ بنت جحش کی شہادت	۶۲۱	سیدنا کا نام
۶۵۸	جیزانہ علی کی منزل	۶۲۱	اہل بیت کی بڑا لشکر
۶۵۹	انفاق فی سبیل اللہ	۶۲۳	اہل بیت کی دینی
۶۵۹	تفسیر: حق کی حکمت	۶۲۳	سیدنا کا جواب
۶۶۱	قرآن کی آیت کا دعوہ	۶۲۳	درس چہارم (آیت ۳۲: ۳۲)
۶۶۲	درس مضمون (آیت ۵۹: ۵۹)	۶۲۴	رابطہ آیات
۶۶۳	رابطہ آیات	۶۲۶	ایک مومن کی شہادت
۶۶۳	قرآن کی آیت اور بعث	۶۲۷	قریب پر استقامت
۶۶۶	جیزانہ علی	۶۲۸	مومن آدمی کا نقل
۶۶۷	پروہ و کار کا سلام	۶۲۹	اہل بیت میں شہادت
۶۶۸	میزبان کی جیگی	۶۳۰	مومن آدمی کی حسرت
۶۶۹	درس ششم ۸ (آیت ۲۰: ۲۸)	۶۳۱	ظالم آدمی کی مذمت
۶۷۰	رابطہ آیات	۶۳۳	درس سہم ۵ (آیت ۳۳: ۳۰)
۶۷۱	شیطان کی اطاعت	۶۳۳	رابطہ آیات
۶۷۲	صراطِ مستقیم	۶۳۵	زمین کی روئیدگی
۶۷۲	شیطان کا اغوا	۶۳۶	جرم کی پیدائش
۶۷۳	انسانی اعصاب کی شہادت	۶۳۸	رات دن کا تفسیر و تہجد
۶۷۴	دیگر اشیاء کی گواہی	۶۳۸	سورت اور چاند کی گردش
۶۷۵	عذرا کی طرف سے حکمت سزا	۶۵۰	فعلی نظام
۶۷۶	بڑھاپے کی حالت	۶۵۳	درس ششم ۶ (آیت ۳: ۵۰)
۶۷۸	درس ششم ۹ (آیت ۶۹: ۷۱)	۶۵۵	رابطہ آیات
۶۷۹	رابطہ آیات	۶۵۵	کشتی بطور نشان قدرت
۶۷۹	شکر گوئی کی نفس	۶۵۶	ذرائع نقل و حمل کی تخلیق

۷۸۱	آسمان دنیا کی زینت	۷۸۱	شعر گئی میں استثنیٰ
۷۸۲	درس دوم ۲ (آیت ۱۱ تا ۳۵)	۷۸۲	قرآن بتابد اشعار
۷۸۳	رابط آیات	۷۸۳	موشیوں کی پیدائش
۷۸۴	تخلیق انسانی بطور دلیل	۷۸۴	موشیوں بطور خدام
۷۸۵	منکرین کی حجت بازی	۷۸۵	شرک کی تردید
۷۸۶	دوزخ کی طرف روانگی	۷۸۶	قلبی کا مضمون
۷۸۷	آب اور متبوع کا مکالمہ	۷۸۷	درس دہم ۱۰ (آیت ۱ تا ۸۳)
۷۸۸	غذاب میں اشتراک	۷۸۸	رابط آیات
۷۸۹	درس سوم ۳ (آیت ۳۶ تا ۶۱)	۷۸۹	انسان کی پیدائش
۷۹۰	رابط آیات	۷۹۰	دوبارہ زندگی پر توجہ
۷۹۱	شرک پر اصرار	۷۹۱	درختوں سے آگ کی مثال
۷۹۲	شرک کا وبال	۷۹۲	آسمان وزمین کی مثال
۷۹۳	مخلصین کے لیے انعامات	۷۹۳	اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ
۷۹۴	خوب سیرت و خوبصورت عورتیں	۷۹۴	سورة الصافات (مکمل)
۷۹۵	جنتی اور دوزخی کی ملاقات	۷۹۵	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۱۰)
۷۹۶	بیت بڑی کامیابی	۷۹۶	نام اور کوائف
۷۹۷	درس چہارم ۴ (آیت ۲۲ تا ۴۳)	۷۹۷	مضامین سورة
۷۹۸	رابط آیات	۷۹۸	فرشتوں کی صف بندی
۷۹۹	مقدمہ کا درخت	۷۹۹	صف بندی کی اہمیت
۸۰۰	دوزخیوں کی خوراک	۸۰۰	زجر کی ضرورت
۸۰۱	اندھی تقلید	۸۰۱	ذکر الہی
۸۰۲	منذریں کی آمد	۸۰۲	وحدانیت کی گواہی
۸۰۳	درس پنجم ۵ (آیت ۴۵ تا ۹۸)	۸۰۳	رتب المشارق

۷۵	۷۷	ایساں کی دعوت قرعہ	فوج علیہ السلام کی دعا
۷۸	۷۸	ایساں کا مرتبہ	نسل انسانی کی بظاہر ذریعہ
۷۸	۷۹	لوٹا کی دعوت	ابراہیم علیہ السلام اور قلعہ سلیم
۷۷	۷۹	جانے عبرت	ابراہیم علیہ السلام کا درس قرعہ
۷۷	۸۰	درس ہفتم ۸ (آیت ۱۳۹ تا ۱۴۸)	کذب شکار
۷۷	۸۱	رابطہ آیات	بت شکنی
۷۷	۸۱	پرسوں کا تذکرہ	کفار کا ترجمہ
۷۷	۸۲	پرسوں کی نکلنے اجنادی	ابراہیم کو عبادت کی کرشمہ
۷۷	۸۳	عصمت انبیاء	درس ہشتم ۶ (آیت ۱۱۳ تا ۱۱۹)
۷۷	۸۴	مولانا مردودی کی تفسیر	رابطہ آیات
۷۷	۸۴	کشتی میں سواری	ابراہیم کی ہجرت
۷۷	۸۵	قرعہ انمازی	بیٹے کے لیے دعا
۷۷	۸۵	پھیل کے پیٹ میں	ابراہیم کا خواب
۷۷	۸۵	پیٹ سے براہ گ	خواب کی حقیقت
۷۷	۸۵	بستی میں دلچسپی	اسما جمل کی قرآنی
۷۷	۸۵	درس نهم ۹ (آیت ۱۳۹ تا ۱۴۱)	اسما جمل کی شہادت
۷۷	۸۵	رابطہ آیات	قرآنی اسماعیل! اسماعیل
۷۷	۸۵	خدا کی اولاد کا عقیدہ	خانہ ان ابراہیم
۷۷	۸۵	جنات سے شہادت دہنی کا عقیدہ	درس مقدمہ (آیت ۱۱۳ تا ۱۳۸)
۷۷	۸۵	شوقی عقیدہ کی تردید	رابطہ آیات
۷۷	۸۵	مخلصین کی جماعت	موسیٰ اور ہارون کا ذکر
۷۷	۸۵	فرشتوں کی سمت ہندی	ایساں کا تذکرہ
۷۷	۸۵	خدا تعالیٰ کی تین	جبل بت کی پرچا

۷۹۹	غذاب کا مطالبہ	۷۹۳	درس دہم ۱۰ (آیت ۱۶ تا ۱۸۲)
۸۰۰	خلاصہ مضامین	۷۹۴	ربط آیات
۸۰۰	رسولوں پر سلام	۷۹۵	ہدایت یا شکی کے لیے شکرین کا عذرنگ
۸۰۱	حمد باری تعالیٰ	۷۹۶	انبیاء کی مدد کا وعدہ
		۷۹۸	جند اللہ کا غلبہ

عصرہ کی سعادت حاصل کرنے واسطے
فعلی تائین و حضرات کے لیے انمول تحفہ
احکام عمرہ
زیارات مکہ المکرمہ و مدینۃ المنورہ



تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

قیمت
۱۸ روپے



صفحات
۹۶

ملنے کا پتہ

مکتبہ دوس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِحَمْدِهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ . آمَنَّا بِعَدُوِّ

بِسْمِ اللّٰهِ تعالیٰ کی کرم فرمائی پر جس قدر میں شکر یا ادا کریں کم سے کم وہ اپنے آپ پر نیک سے قرآن پاک کی خدمت میں یہ عظیم کام ہے۔ اسے سلسلہ دوس انفران کی اشاعت کا کام جاری ہے اور اس وقت اس کی پندرہویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ چوتھا سورتوں لقمان، آل عمران، الاحزاب، سبا، غلط ریختن اور العنکبوت پر مشتمل ہے۔ ان سورتوں میں صرف سورۃ الاحزاب مدنی سورۃ ہے جس میں عزودہ احزاب کے بعد نازل ہوئی۔ باقی چھ سورتیں مکی ہیں اور ان کا زمانہ نزول عام طرد پر ہی زعمی کا وہی دور ہے۔ چنانچہ ان سورتوں کے مضامین کا معلق ہے۔ تو تمام مکی سورتوں میں چار بیاری عقاید پر ترمیم، رسالت، قرآن پاک کی تعریف اور فروع قیامت کے تذکرے کے علاوہ بعض ضمنی مسائل بھی آئے ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ لقمان میں مذکورہ بیاری عقائد کے علاوہ حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو بعض نصائح کا ذکر ہے جن میں سرفروست شرک کی تردید اور والدین کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز اسرار المعروف اور ہیمن اننگر، صبر کی عظمت طرد کی نہایت اور اپنی چال اور آواز کو سباز رکھنے کا حکم ہے۔ اس سورۃ میں اللہ نے اپنی بعض صفات کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر سارے مندرجہ بالا ہی میں اور تمام درشت عقیدے پر ایمان اور ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے کلمات لیکن شروع کرے تو سارے مندرجہ بالا کی سیاسی ختم ہو جائیگی۔ جسکے اللہ تعالیٰ کی صفات ختم نہ ہوں گی۔ اللہ نے کیا و مبلو کی اہم تعلیم کی تردید فرمائی ہے۔ اور شرک کے ذمہ میں کفر کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جب مشرک لوگ

سمندر میں پھنس جاتے ہیں تو خالص اللہ کو پکارتے ہیں۔ مگر جب خشکی پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔ سورۃ کے آخر میں اللہ نے ان پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کا علم اللہ نے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔

اگلی سورۃ آلہم سجدہ ہے۔ اس میں اہل عرب کو ان کے بڑے اعمال سے ڈرایا گیا۔ پھر تخلیق کائنات اور تخلیق انسان کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر پیش کر کے اللہ کی وحدانیت پر بطور دلیل پیش کیا ہے۔ بعثت بعد الموت کا خصوصی تذکرہ ہے اور حساب کتاب کی منزل کا بھی۔ مجرم لوگ عذاب الہی کو دیکھ کر دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش کا اظہار کریں گے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکے گی۔ اللہ نے سجد گزار بندوں کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ خوف و امید کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر اللہ کی بارگاہ میں مناجات پیش کرتے ہیں۔ کفار کی طرف قیامت کے روز خدا پر ایمان لانے کے متعلق فرمایا کہ اس دن ایمان لانا کچھ مفید نہیں ہوگا۔ اس دنیا میں ہی انسان ایمان سے مشرف ہو کہ کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے بعد مدنی سورۃ الاحزاب آتی ہے جس میں ۵۰۰ میں پیش آنے والے غزوہ احزاب کا ذکر ہے۔ مشرکین، یہود اور منافقین نے ملی بھگت کر کے مدینہ طیبہ پر زبردست حملہ کیا تھا، جس کے جواب میں مسلمانوں نے مدینہ کے ارد گرد خندق کھود کر اپنا دفاع کیا تھا اور اس طرح مخالفین کا یہ گٹھ جوڑنا کام ہو گیا تھا۔ البتہ اس غزوہ کے بعد اہل اسلام نے یہودیوں کے گٹھ بنی قریظہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا، تمام باغ مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔ اس زمانہ کے عرب متبلیٰ کو حقیقی بیٹے والے حتمق دیتے تھے جس کی تومرید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت زینبؓ کے حضرت زیدؓ سے نکاح اور طلاق اور محاصرہ حضور علیہ السلام سے نکاح کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں نبی علیہ السلام کے بعض خانگی معاملات کا ذکر بھی ہے۔ ازواج مطہرات نے ضرچہ بڑھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کا مال چاہتی ہو

تو یہ نہیں فارغ کیے دینا ہوں اور اگر اللہ اس کے رسول کو پہنچا تو پھر موجودہ
 وسائل پر کفایت کرو۔ اس سورۃ میں پرشکس کے منہم بھی ہیں، میثاقِ نبیاء کا ذکر
 ہے، اہل بیت کی تعلیم اور تم نبوت کو مستوجبی آگیا ہے۔ یہی کی انوارِ نور ہونوں
 کی ہائیں قرار دیکر ان کے ساتھ نفاق کو ہتھیار کے لیے حرام قرار دیا ہے، انوارِ نور
 کی تعلیم و ترقی اور صلۃ و سلام پڑھنے کا حکم ہے، آپ کے لیے ایک وقت
 چار سے زیادہ بیویوں کی ضروری اجازت ہے، اس کے علاوہ نبی علیہ السلام کو ذات
 پہنچانے پر کفایت سزا کی وعید بھی آئی ہے۔

سورۃ سبا ایک شمس، قیصر، یعنی اور ملک کے نام سے موسوم ہے۔
 اللہ نے قرآن سبالیٰ نثر شمالی، استعجاب، امر سبزی و شادابی اور باغات کا ذکر
 کیا ہے۔ اس کے ساتھ اس قوم کے طرد و تکبر اور نڈاسے دوری کا ذکر بھی ہے
 جب اللہ کا غضب آیا تو ان کا بنایا ہوا سرسبز اور شادابی کا شاخیں بند لٹ گیا
 اور تمام امانات اور کھیتیاں تباہ ہو گئیں اور لوگ دو دستہ حلاوتوں کی طرف چلے گئے۔
 بنیادی عقاید کے علاوہ اس سورۃ میں اصحابِ اعداء اور تہذیبِ انسانی پر
 زور دیا گیا ہے، اللہ کے عظیم القدر انبیاء، ذوالقدر اور عظیم القدر علیہم السلام اور ان کو
 پہنچانے والے انعامات کا ذکر ہے۔ ذوالقدر علیہ السلام کے اہم قدر پر فوسہ کا ذکر ہے
 اور آپ کو فرضِ معانی عطا کرنے کا بھروسہ من مذکور ہے۔ میان علیہ السلام
 کو ان نروعا کے تہذیب میں اللہ نے مثالِ حکومت عطا کی اور جنت، جوار
 تانبہ کو آپ کے لیے مسخر کر دیا، اس سورۃ مبارکہ میں عظیم القدر علیہ السلام کی وفات کا توہمی
 ذکر ہے کہ آپ لائمی کے مہارت کے شرف سے کفر سے خائف کائنات سے
 جاتے مگر پھر پر ہا ہر بیتات کو اس کا حکم نہ ہر سنا۔

دیگر معنی سورۃوں کی طعن سورۃ فاطر میں بھی چار بنیادی عقائد کا ذکر ہے
 اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تار کا خموشی ذکر ہے کہ اگر وہ کسی کو کوئی چیز دینا چاہے
 تو کوئی رک نہیں سکتا اور اگر وہ کسی کو کوئی شے نہیں سکتا تو

اور عزت کا سرچشمہ صرف ذاتِ خداوندی ہے شیطان کے منکر و فریب سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اللہ نے کفر اور ایمان کا تعاقب بھی پیش کیا ہے۔ ہر قوم میں مندر بھیجنے کا ذکر ہے اور نافرمانوں کو دائمی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اگر کوئی مندر آگیا تو ہم زیادہ ہدایت پر ہوں گے۔ مگر جب اللہ کا آخری نبی آگیا تو یہی لوگ آپ کے دشمن بن گئے۔ اللہ نے یاد دلایا کہ تم سے پہلے لوگ تم سے زیادہ طاقتور تھے جن کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ مگر تم اپنی کے نقش قدم پر چل کر بہتری کی توقع کیے کر سکتے ہو؟ یہ تو اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ فوراً گرفت نہیں کرتا۔ ورنہ زمین پر کوئی بھی چلنے پھرنے والا جاندار باقی نہ بچتا۔

سورۃ یس ایک اہم سورۃ ہے جس کو قرآن پاک کے دل سے تعبیر کیا گیا ہے اس سورۃ کورات کے وقت تلاوت کرنے سے اللہ کی طرف سے مغفرت کا اعلان ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ کی رضا اور آخرت کا گھر مطلوب ہے وہ اس سورۃ کی تلاوت کیا کرے۔ اپنے فرمایا۔ یہ سورۃ میری امت کے ہر فرد کے سینے میں محفوظ ہونی چاہیے۔ مرض الموت میں مریض کے سر ہانے یہ سورۃ پڑھنے سے اُس کی روح آسانی سے نکلتی ہے اور اُس کو ایمان نصیب ہوتا ہے۔ دینے بھی زندگی کے اہم مواقع پر اس کی تلاوت اکیس کا حکم رکھتی ہے۔ اس سورۃ میں توحید، وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر مؤثر پیرائے میں کیا گیا ہے۔ بخون کی بختی اور اُن کی سزا کا ذکر ہے جب کہ اہل ایمان کے لیے انعامات کی خوشخبری دی گئی ہے اس سورۃ مبارکہ میں ایک بستی کا ذکر بھی ہے جس میں رسول یا مبلغین آئے مگر انہوں نے تکذیب کی۔ شہر کے دو سکر کنارے سے آکر ایک شخص نے بستی والوں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے اس کو بھی قتل کر دیا اور مرسلین کو بھی زچھوڑا پھر ایک چیخ اُٹی اور سارے بستی والے نابود ہو گئے۔ وقوع قیامت کے سلسلہ میں صہ تانی، مردوں کے زندہ ہونے اپنے رب کی طرف تیزی سے جانے اور دوبارہ بعثت پر لوگوں کی حیرت کا ذکر ہے۔ پھر اہل جنت کے انعامات کا ذکر ہے۔ مجرموں کو علیحدہ

ہو جانے کا حکم ہے، اللہ نے تمہاری نفع ان کو یاد دلایا ہے کہ میں نے تمہیں شیطان کی اتباع سے منع کیا تھا مگر تم میں سے اکثر اس کے پیچھے پھرتے ہوئے جہنم تک پہنچ گئے۔

سورۃ الصفات میں بنیادی عقائد کے علاوہ حضرت نوحؑ اور اسمٰعیلؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، الیاسؑ اور یونسؑ علیہم السلام کا خصوصی ذکر ہے۔ اللہ نے شکرگوں کے اس عقیدہ کی تردید کی ہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں اور مادہ جن خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اس طرح جنات کو خدا تعالیٰ کے سرالمانے کو شکر کے عقائد میں داخل کر کے اس کی تردید کی گئی ہے۔ اللہ نے فرشتوں کو سجدہ ماننے کی بھی لفظی فرمائی ہے۔ بلکہ فرشتے قرآن اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کے حکم سے سرسوز و خوف میں لرزے ساس سورۃ میں خدا کے مخلص بندوں کے لیے انعامات کا ذکر ہے جنہوں کو وہ فریاد کو جنہم میں تلاش کر کے ان سے سوال و جواب کا بیان اور وہ فریاد کرنے والی سزا کی جھکیاں بھی اس سورۃ میں موجود ہیں۔

الحمد للہ دروس القرآن کی طباعت و اشاعت کا کام حسب توقع جاری ہے اور اب صرف ماٹھے سات پارے کی طباعت باقی ہے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے توقع ہے کہ یہ کام بھی چند مہینوں میں پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا اور اس طرح قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کا ایک بڑا ذریعہ مکمل ہو جائے گا۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ حضرت مولانا مصطفیٰ صاحب کی صحت اور روزگاری عمر اور اس کام میں حصہ لینے والے تمام کارکنان کے لیے خیر و برکت کی دعا کریں۔

احقر العباد

ذہاج (علی دین دایم۔ اے)

شلا مارٹن، لاہور

لے ایڈیٹر محمد العرفان فی دروس القرآن میں جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ (فیاض)

سخنہائے گفنی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم
الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين . اما بعد
فَإِنِّي حَدِيثٌ لِبَعْدِ أَيُّمُونَةٍ ۝

قرآن کریم کو کھنٹا، اس کے معانی و مطالب میں متنبز اور غور و فکر کرنا، برہمان کے
یہے نہایت ضروری ہے کیونکہ انشاء اللہ عزت کا برگزیدہ اور آخری کلام ہے۔ اس
میں مومنین کے لیے رشد و ہدایت کے ہمیشہ باخترانے اور فزولان کے گراں قدر نفاذات
ہیں۔ یہ نبی نوح انسان کے کھنٹے جہاں ایک مکمل قانون و دستور ہے وہاں اقوام عالم کے لیے
غور و محض کے تمام طور طریقہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ رہتی دنیا تک انسانیت
کے لیے آئین اور پروردگار ہے۔ اس پر عمل پیرا ہو کر ہی آخری نجات کی راہ ہموار ہوسکتی
ہے مگر دنوں عروج و زوال میں اس عظیمہ مقررہ عمل کرنے اور یاد کرنے سے والہیت سے
میںسا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گزری ہے۔

ان الله يرفع به هذا الكتاب الشرف تعالى اس کتاب کی بدولت بہت سی
اقولینا ویضع بہ الخون (مصلحین) قرآنی کو بلند ہی رکھا کرتے روز دریں گراؤ دینا
نہیں آج عثمان نے قرآن کریم پر چھینے کی بجائے گناہ و شرکین کے نظارہ کو بنا رکھا ہے
خاندانہ کریم سے اس آخری کلام کو فراموش کر دیا ہے اور سے پس پشت ڈال کر اغیار کی
تعمیر میں فخر محسوس کر رہا ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں ہر دو چیز موجود ہے جو تمام دنیا کے
انگاموں سے بے نیاز کر دیتی ہے لیکن اس پر عمل پیرا ہونا شرط اولیٰ سنہ اللہ و ہوا ہی صورت
میں ممکن ہے کہ پہلے اسے سمجھا جائے قرآنی سلسلے میں تغیر عالم العرفان فی دروس القرآن

کامفیہ اور مقبول عام پروگرام کتابی شکل میں علوم کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگ قرآن مجید کے صحیح ترجمہ اور تفسیر سے باخبر ہو سکیں۔ بحالہ العرفان کی پندرہ صوبوں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جو کہ سات سو ترقی پر مشتمل ہے۔ سورۃ لقمان، سورۃ الحجۃ، سورۃ الاحزاب، سورۃ سبا۔ سورۃ فاطر، سورۃ یس اور سورۃ الصفات کی مکمل تشریح اس کے اندر درج ہے۔ سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی انتہائی سادہ، دروازے دو، دو، ہلکے پھلکے اور اور دلنشین انداز میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور احادیث صحیحہ و غلطہ و راشدین کے تعامل، صحابہ کرامؓ کے آثار، ائمہ متبوعینؓ کے اقوال، سلف صالحینؓ کے ارشادات، بالخصوص امام ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حکمت و فلسفہ اور اکابر علماء دین کے مسلک و مشرب کے مطابق تفسیری نکات کے خزانوں کو علوم الناس کے سامنے کھولا گیا ہے۔ ہر طبقے کا آدمی اس کو سمجھ سکتا ہے خواہ وہ معمولی اردو و خوان ہو یا متوسط پڑھا لکھا یا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو قرآن کریم کو سمجھنے میں مکمل تعاون حاصل کر سکتا ہے چونکہ اس جلد میں سورتوں کی نسبت سے مختلف موضوعات ہیں جس کے مطالعہ سے ذہن میں کسی قسم کا کوئی خلجان یا پیچیدگی باقی نہیں رہتی۔ اس جلد میں جملہ نفاہانے زندگی پر بحث کی گئی ہے۔ خواہ وہ معاشیات سے متعلق ہوں یا اقتصادیات و سیاسیات سے جمہوری نظام ہو یا ملکیت، ڈکٹیٹر شپ ہو یا مارشل لا، سٹیٹ ڈری ہو یا جاگیر داری تمام نظاموں کی خرابیوں کو طشت از باہم کیا گیا ہے اور قرآن کریم کو بطور نظام زندگی پیش کیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں جلد باطل نظاموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے انقلابی پروگرام سے روگردانی اور اس کے بھیاک نتائج کا ذکر ہے اور مسلمانوں میں پائے جانے والے جلد روگ از قسم لہو و لعب اسراف و تبذیر، تعیش و آرام طلبی، شراب نوشی و حرام کاری، نشہ خوئی و بدکاری، اثرات سانی و زنا کاری، بلڈ گم بازی، سینیٹا مینی اور جلد رسومات باطلہ جیسے بیسودہ کاموں پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے، مسلمانوں کے تنزل کے جملہ اسباب اور ان کا انکار کے ہاتھوں کٹھن تیلی بنا اور ان کے ہر جائز و ناجائز کام میں تسلیم خم کرنا امر کچھ دوس چین و برطانیہ، فرانس، جرمن اور دیگر سپر پاورز سے بوجہ ضعف ایمان مرعوب و مغلوب ہونا، خدا نے

ودعہ لاشربک کی ذات پر بھروسہ کرنے کی بجائے اختیار کا درست محو بننا یہ سب
اس دور قرآن کریم کو پس پشت ڈالنے کے اسباب و محرکات ہیں جن کا تذکرہ بڑے
احسن پیرائے میں اس جلد کے اندر کیا گیا ہے۔ اس جلد کے بعد ایسی جگہ کا پانچ جلدوں
میں یہ تغیر یا تبدیلی کر چینی گئی۔ اس جلد میں انھوں نے اکثر و بیشتر مقامات پر ملاحظہ
میں لکھا ہے کہ کتاب امدیث اور بعض دیگر کتابوں کے حوالہ جات جدید مندرج کر
دیئے ہیں۔ اگر کسی صاحب کو اس جلد میں یا اس سے قبل کی جلدوں میں کوئی قابل
اصلاح بات نظر آئے یا کتابت وغیرہ کی کوئی غلطی نظر آئے، وہ ضرور مطلع کرے
تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔

دوسری جلد ^۲۔ دوسری جلد امدیث جلد اول کے بعد دوسری جلد کی کتابت
میں کچھ بوجھ ہے اس جلد میں بھی امام احمد بن حنبلہ کی مسند امام کی منتخب امدیث
کی تشریح و معالم العرفان فی دوسرے القرآن کی طرز پر تخریب شائع ہو کر منظر عام پر
آ رہی ہے۔ محترم دوست جناب جلال احمد ناگ صاحب نے معالم العرفان فی
دوسرے القرآن اور دوسری امدیث کو بڑی جدوجہد اور جانفشانی سے کیٹ میں
مخفیہ کیا ہے جسے اصلاح لعل دین صاحب نے مناسب عنوانات کے ساتھ
صلحہ قرطاس پر منتقل کیا ہے اللہ تعالیٰ ان حضرات کی کوششوں کو کامیاب
فرمائے اور ان سب کے آخرت کا ذخیرہ بنائے، اور دوسری امدیث جلد دوم میں بھی حضرت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امدیث کو سمجھنے کے لیے نہایت عام فہم انداز
اختیار کیا گیا ہے جس سے ایک عام اور دو خواں بھی بڑی آسانی کے ساتھ
مدیث کا مخموم اور تشریح سمجھ سکتا ہے۔ قرآن علی ایجاب اس کتاب میں نہیں
کی گئیں، ہر مدیث پر علیحدہ نمونہ اور مسند احمد طبع پیردیت کا بقیمہ صخر حوالہ
بھی ملاحظہ کر دیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی اصل کتاب سے مدیث تلاش کرنا چاہے
تو اسے کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ ہو۔ قارئین کرام دوسری امدیث کی ہر جلدوں
کی اشاعت کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جلد مشکلات آسان فرمائے، اور
تہ اب تک دوسری امدیث کی چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں، ۱۰ فیاض،

اپنے غیب کے خزانے سے ان کی اشاعت کے لیے سامان پیدا فرمائے۔ آمین

خطبات سواتی ۱۔ قارئین کرام کے لیے ایک مشردہ جان فزایہ بھی ہے کہ دروس القرآن اور دروس الحدیث کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حضرت صوفی صاحب مظلہ کے جموع کے خطبات کو بھی کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا ایک اہم کام شروع ہو چکا ہے۔ یہ خطبات بڑے بڑے علمی و تحقیقی موضوعات پر مشتمل و مخموی ہیں۔ محترم دوست جناب انجم طبع نے عرصہ پندرہ سال قبل سے بڑی محنت لگن اور شوق و ذوق سے تسلسل کے ساتھ تمام خطبات کو کیسٹوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ یہ ان کا بڑا قابل داد کارنامہ ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر عنایت فرمائے۔ ان خطبات کے شائع ہونے کے بعد جو لوگ ان سے استفادہ کریں گے انہیں ان خطبات سے بے حد بیٹھا رہیں، علمی، تحقیقی اور سیاسی معلومات حاصل ہوں گی ۱۹۸۲ء کے سال کو منتخب کر کے اس کے خطبات کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا کام محترم بزرگ اکا ج لعل دین صاحب نے شروع کر دیا ہے۔

قارئین سے التماس ہے کہ اس کار خیر کی تکمیل کے لیے اللہ رب العزت کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ اس کام کی اشاعت کے لیے آسانی پیدا فرمائے اور صاحب دروس حضرت صوفی صاحب مظلہ اور جملہ اراکین انجمن اور جو حضرات اس مشن میں دامن، درمے، قدمے، سخی حصہ لے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو استقامت علی الخیر نصیب فرمائے اور آخرت کے لیے ذخیرہ بنائے۔ احقر کے ساتھ اس جلد کی پروف ریڈنگ میں حافظ محمد اشرف یاسین گجراتی نے حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اس کار خیر میں تعاون پر اجر جنزلی عطا فرمائے۔ آمین۔ و سلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

احقر
محمّد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرسہ نصرة العلوم گوجرانوالہ
۱۱ محرم ۱۴۱۵ھ - ۲۷ جون ۱۹۹۴ء

۱۔ خطبات سواتی کی اب تک چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ (فیاض)

سُورَةُ
لُقْمَانَ
مَكْتُمٌ

لقمان ۳۱

آیت ۱ تا ۵

اتل ما اوحی ۲۱

درس اول ۱

سُورَةُ لُقْمَانَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ اٰیَةً وَالْبَيْعُ زَكُوٰتٍ
سورة لقمان مکی ہے۔ یہ پچیس آیات اور چار رکوع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الْم ۱ تِلْكَ اٰیَةُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۲ هُدًى وَّ
رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۳ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَلِیُوْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۴
اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ رَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۵

ترجمہ ۱۔ اَلْم ۱ یہ آیات ہیں حکمت والی کتاب
کی ۲ یہ ہدایت اور رحمت ہے نیکی کرنے والوں کے
لیے ۳ جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ
کو اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۴ یہی لوگ ہیں
ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے اور یہی لوگ ہیں فلاح
پانے والے ۵

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ لقمان ہے۔ یہ نام اس سورۃ کے دو سے
رکوع میں آمدہ لفظ لقمان سے اخذ کیا گیا ہے۔ حضرت لقمان ایک نیک صالح
اور دانا انسان تھے۔ پرانی قوموں کے مال میں ان کے مال اور ان کی نصیحت آموز

نام اور کوائف

تقریر کا ذکر کرتا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی، اور وہ نصیحت اس سورۃ مبارکہ میں بھی مذکور ہے۔

یہ سورۃ مبارکہ کسی دور کے وسطی زمانہ میں نازل ہوئی۔ جب کہ حضور علیہ السلام کی ہجرت کے چھ یا سات سال گذر چکے تھے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ الطہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ کی چونتیس آیات اور چار رکوع ہیں۔ اور یہ ۶۲۸ الفاظ اور ۲۱۱۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین پروردگار

اس سورۃ کے مضامین بھی دیگر کئی مشرقیوں کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ اس میں اسلام کے بنیادی عقائد کے علاوہ بعض منہی احکام بھی آگئے ہیں، اللہ نے نکست و ڈانڈی کے اصول کو سامنے رکھ کر کافر و شرک کی مذمت بیان فرمائی ہے اور ساتھ ساتھ توحید کا سنہل بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اُسکی قدرتِ اہم کے دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں، تاکہ توحید کا سنہل اسی طرح مجھ میں آجائے۔ وقوعِ قیامت اور ماسیہ اعمال کا ذکر بھی ہے۔ رسالت کا سنہل بھی بیان ہوا ہے اور ساتھ منکرین رسالت کا رد بھی آگیا ہے قرآن پاک کی حقانیت و صداقت اور اس کے وحی الہی ہونے کا ذکر ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اخلاقی تعلیمات اور نصیحت کی گزراں بابا ہیں، یہاں کو گئی ہیں۔ اللہ کی کتاب سے مستفید ہونے والے اور اس سے امرِ اعلیٰ کرنے والوں کا حال اور ان کا انجام بیان ہوا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ گذشتہ سورۃ التہم میں زیادہ تر امرِ اعلیٰ کرنے والوں کا ذکر تھا، جب کہ اس سورۃ میں خدا تعالیٰ کی توحید، اُس کی کتاب اور نصیحت کو لٹنے والوں کا ذکر ہے۔ گذشتہ سورۃ میں اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے قرآن میں اعلیٰ طرح کی شایں بیان کر کے متعلق کو لکھا ہے، اسی طرح اس سورۃ میں بھی سکیمائز مثالوں کے ذریعے سنہل توحید کو وضاحت کی گئی ہے۔ اور شرک کی تہمت بیان کر کے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

لے کثاف ۳۶۹ و تفسیر المیزانی ص ۳۱۱ ۲ معارف القرآن ص ۲۴۵ (فیاض)

گذشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کا آغاز بھی حروف مقطعات سے ہوا ہے۔
 قرآن پاک کی کل انیس سو تین سورتوں کا آغاز مختلف حروف مقطعات سے ہوا ہے۔ اس
 سورۃ کے علاوہ سورۃ بقرہ، سورۃ عنکبوت، سورۃ روم، سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کا
 آغاز بھی انہی حروف سے ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ (اے اللہ
 تعالیٰ سے جبرائیل علیہ السلام اور تم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ یہ
 قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی جانب سے جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے حضرت محمد مصطفیٰ
 صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر آئے مراد الاء
 یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق خاص طور پر انسان پر بے شمار
 نعمتیں نازل کی ہیں۔ اس لیے فرمایا فَذَكَرُوا الْآلَاءَ اللّٰهِ (اعراف - ۶۹) اللہ تعالیٰ
 کی نعمتوں کو یاد کرو اور ان کا شکر یہ ادا کرو، مگر وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ
 (سبا - ۱۳) اللہ کے شکر گزار بندے بہت تنگڑے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ آل سے
 آئی اور تم سے سجد اور ملک مراد ہے۔ اور اس طرح مکمل مفہوم یہ بنتا ہے کہ تمام نعمتیں خدا تعالیٰ
 کی جانب سے ہیں اور ساری بزرگی اور عظمت اسی کے لیے ہے۔

نعمتیں دو قسم کی ہیں یعنی مادی اور روحانی۔ مادی نعمتیں تو ہر مومن، کافر، گورے،
 کالے، چرند، پرند اور جانوروں کو بھی حاصل ہیں، البتہ روحانی نعمتوں سے خاص لوگ
 ہی مستفید ہوتے ہیں۔ قرآن کریم روحانی نعمتوں میں سے سب سے اعلیٰ نعمت
 ہے۔ اسی لیے آگے اسی کا ذکر آ رہا ہے۔ اس کے بعد دوسری بڑی نعمت پیغمبر
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ (اے الزار، آل سے لامع یعنی چمکدار اور تم سے متوالی مراد
 ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان چمکنے والے انوار کا نظارہ کرتا ہے تو اس سورۃ کو پڑھ

۱۔ تفسیر کبیر ص ۶۷ و تہذیب المقایس ص ۳۱۲ تنویر المقایس ص ۳۱۲ ابن کثیر ص ۱۲
 ۲۔ دالاتقان اردو ص ۲۵ (فیاض)

لو کہیں کہ اس میں حکمت کی بلند ترین چیزیں مذکور ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ اپنے ذوق اور کشف کے مطابق ان حروف کے متعلق بتاتے ہیں کہ عالمِ غیب سے جو حقائق اس مادی جہان میں متعین ہوتے ہیں، وہ لوگوں کے بُرے عقائد اور اعمال و اخلاق سے مسلط ٹکراتے سہتے ہیں تو ان کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس سورۃ مبارکہ میں عالمِ غیب سے آنے والے حقائق کی طرف اشارہ ہے۔

امام جلال الدین سیوطی اور مہتمم و محقق حضرت ابن عربی نے یہ حروف متعلقات سے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا سکتا۔ حضرت علیہ السلام نے تو ان حروف کی از خود تشریح کی ہے اور نہ ہی صحابہ کرام نے ان کے متعلق دریافت کیا۔ بلکہ اسی طرح تلاوت کرتے رہے۔ حضرت علیؑ کے زمانہ میں ان حروف کے متعلق کچھ سوالات اٹھے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تقریباً ہم کے لیے کچھ معانی بتائے۔ ہر سلامتی والا راستہ میں ہے کہ اللہ اعلم بالصواب۔ یہ جڈا لٹا ہوا ہے کہ ان حروف کی حقیقی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لہذا علوم کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ان حروف سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے ہمارا اس پر ایمان ہے ہمیں اس کلام میں بدلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

ارشادِ باری ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقْوَاهُ ۖ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ** (آیت ۱۶۶)۔
 اس آیت میں حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں، حکمت والی جی مراد لیا جا سکتا ہے اور حکم بھی مطلب یہ کہ یہ مضبوط کتاب کہ آیتیں ہیں۔ جہاں تک حکمت کا تعلق ہے اس کا ذکر آگے عقاب کے واقعہ میں آ رہا ہے۔ قرآنِ کریم بلاشبہ حکمت پر مشتمل ہے، جسے اللہ لاؤن ہے **يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَلَا يَذَرُهُ ۗ وَاللَّهُ تَعَالَىٰ جَبَّارٌ عَزِيزٌ** (آیت ۲۶۹)۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے

لے اللہ العزیز البکیر ص ۹۳ سے جلالین ص ۹۳

سے سورۃ البقرہ ص ۲۰۶، طبری ص ۱۹۱ (فاضل)

حکمت اور دانائی عطا کرے۔ اور جسے اُس نے حکمت عطا کر دی، اس کو خیر کثیر عطا کر دیا گیا۔ حکمت کو خیر کثیر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا مکمل نصاب قرآن کریم میں موجود ہے اس کے علاوہ پیغمبر کی زبان سے جو شرح بیان ہوتی ہے وہ سنت نکلاتی ہے اور وہ بھی حکمت میں داخل ہے۔

فرمایا، یہ ایسی کتاب حکیم کی آیتیں ہیں جو ہُدٰی وَرَحْمَةً لِلْمُحْسِنِينَ نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ قرآن کریم میں بیانات اور ہدٰی دو الفاظ آتے ہیں جیسے فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنْ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰی (البقرہ - ۱۵۹) بیشک وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ بیانات اور ہدٰی کو چھپاتے ہیں۔ محققین فرماتے ہیں کہ بیانات سے مراد وہ واضح و واضح باتیں ہیں جو ہر عام و خاص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ ان میں خدا تعالیٰ کی توحید، ذکر شکر، صبر وغیرہ چیزیں شامل ہیں اور ہدایت میں وہ چیزیں شامل ہیں جو اساتذہ سے سیکھے بغیر سمجھ نہیں آتیں۔ اسی لیے امام بخاری فرماتے ہیں كَرِهْنَا الْعِلْمَ بِالْتَعَلُّعِ يَعْنِي عِلْمَ سَيِّئَةٍ سِوَا مَا آتَى كَوْنِي شَخْصًا كَمَا هِيَ تَوْفَرِيَا، قُرْآنٌ نَبِيٌّ بِن سَكَا۔ اس قسم کی باریک باتوں کو ہدایت سے تعبیر کیا گیا ہے تو فرمایا، قرآن کریم ایک تو ہدایت ہے اور دوسری چیز رحمت ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت پر چلنے لگتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الاعراف - ۵۶) بیشک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہو جاتی ہے۔ ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ رحمت کی صورت میں نکلتا ہے۔ جس شخص کا سنجیدہ درست ہوگا، ایمان صحیح ہوگا۔ توحید پر استقامت ہوگی۔ اعمال و اخلاق ٹھیک ہوں گے۔ وہی شخص نیکی والا ہوگا۔ اور اللہ کی رحمت اس کے قریب ہوگی۔ بہر حال رحمت

ہدایت اور
رحمت

کی نیا دہائیت ہے جو سب کے لیے ہے مگر اس سے فائدہ منگی والے ہی اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے سورہ البقرہ کی ابتداء میں قرآن کریم نے **تَمَّتْ قُرْآنَنا نِعْمَتِنا لَکُمُ الیومَ** (آیت ۲۰) کہا گیا ہے یعنی یہ چار آیت متفقوں کے لیے مفید ہوتی ہے۔

منہاج
استقامت

اہل آیت میں اللہ تعالیٰ نے محسنین میں نبی کریم ﷺ کے والوں کے بعض اوصاف بیان کیے ہیں جن میں سے پہلا صفت یہ ہے **الَّذِینَ یُقِیْمُونَ الصَّلٰوةَ** کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔ نماز علق بالشرک کی درستگی کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔ یہ اعمال مقررہ ہیں سے پیشہ فہرست ہے۔ یہ حالت عبادات ہے کیونکہ اس میں کوئی فعلی اور قلبی مادی عبارات شامل ہیں۔ نماز کے دوران انسان کی زبان پر خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور مناجات ہوتی ہے، آدمی کے اعضاء و جوارح اطاعت الہی میں بہترین مصروف ہوتے ہیں اور قلب میں مشروع و منضوع ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کو اللہ کا قرب دلانے والی اولین عبادت قرار دیا گیا ہے۔ سورہ العلق کے آخر میں ہے **قَاتِبْکَ وَاَقْرَبْ** یعنی نماز کے ذریعے سجدہ ریز ہو کر خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر لو۔

موظا امام باہکت میں حضرت عمر فاروقؓ کا وہ سرکار ہر دو ہے جو اپنے خلافت اسلامیہ کے تمام گرزوں کو لکھا تھا **اَنْ یَمِیْنُ اَھْیَ اُمُوْرِکُمْ عِنْدِی الصَّلٰوةَ** تمہارے کاموں میں اس سے میرے نزدیک اہم ترین کام نماز ہے۔ جس نے نماز کو قائم کیا۔ اس نے سانسے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ باقی چیزوں کو بھی بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ عربی اہل ایمان کے زمانے میں عاتق کے گور زیادہ دوسرے اعلیٰ افسر رگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے وہ صلاحیت ملنے لوگ تھے اور کتاب اللہ کو جانتے تھے۔ یہاں سے زمانے میں مالکوں کی اکثریت فساد و فحار پر مشتمل ہے۔ یہ شکل صورت اسلامی اور نہ اخلاقی

نے موظا امام باہکت ص ۵ (قیاض)

اعمال۔ عالمگیر، صلاح الدین ایوبی، ناصر الدین التمش اور محمود غزنوی جیسے حکمران اسلامی تاریخ میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ اسلامی تعلیمات سے واقف تھے۔ اور ان کا عمل بھی صحیح تھا۔ آج کے احکام تو نماز کا تمسخر اڑاتے ہیں اور نمازیوں کی تحقیر کرتے ہیں بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ یہ دو رکعت کے امام کیا جانیں افسوس کہ انہوں نے نماز کی حقیقت کو نہیں سمجھا، ورنہ نماز کا یوں مذاق نہ اڑاتے۔

فرمایا نیکی والے لوگوں کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں اور دوسری یہ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا ذکر اس مکی سورۃ میں آیا ہے حالانکہ زکوٰۃ ہجرت کے بعد ۲ھ میں فرض ہوئی تھی امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ بھی ابتدا میں ہی فرض ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس کا تذکرہ سورۃ منزل میں بھی ہے حالانکہ یہ سورۃ نبوت کے بعد پہلے سال ہی نازل ہو گئی تھی، البتہ زکوٰۃ کا نصاب ۲ھ میں مقرر ہوا، جو کہ صاحب نصاب آدمی کے لیے چالیسواں حصہ ہے۔ نقد مال میں سے اڑھائی فیصد سالانہ، پانچ اونٹوں میں ایک بکری تیس گائے بھینسوں میں ایک بچھڑا، چالیس بکریوں میں ایک بکری، زمین کی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ، اور معدنی پیداوار کا پانچواں حصہ ادا کرنا لازمی قرار پایا۔ الغرض مکی زندگی میں زکوٰۃ کے طور پر کچھ نہ کچھ حصہ ادا کرنا ضروری تھا۔ پھر جب مدنی زندگی میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو مال کا نصاب اور شرح ادائیگی بھی مقرر ہو گئی۔

فرمایا نیکی والوں کی تیسری علامت یہ ہے وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ

يُوقِنُونَ کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ وقوعِ قیامت، مناسب اعمال اور جزا سزا پر ایمان لانا بھی مسلمان کے بنیادی عقائد میں شامل ہے، جو شخص نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے مگر آخرت پر یقین نہیں رکھتا اس کی نماز و زکوٰۃ کا کچھ فائدہ نہیں۔ نیکی والے لوگوں کو یقین ہے کہ قیامت کا دن آنے والا ہے۔ اُس دن

زکوٰۃ کی ادائیگی

ایمان بالآخرت

اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اعمال کا حساب کتاب دینا ہے، فرمایا میں لوگوں
 میں یہ تین اوصاف پائے جائیں گے أُولَئِكَ عَلَفٌ هَدَىٰ مِنْ رَبِّهِمْ
 یعنی رب کی طرف سے وہی لوگ ہدایت پر ہوں گے وَأُولَئِكَ هُمُ
الْمُعْتَبِرُونَ اور غلام بھی انہی کے حصے میں آئے گی۔ یہی لوگ آخرت میں کامیاب
 کامران ہوں گے۔ یہ لوگ خدا کے مذاہب سے کجی کو راحت کے ساتھ ہمک پیچھا نہیں
 گئے۔ سورة المؤمنین ہے فَمَنْ رُفِعَ رَجَعَتِ الشَّارِدُ وَأُدْخِلَ
الْحَبِطَةَ فَفَعْدُ فَأَزْذَرِ آیت ۱۸۵۔ جو شخص روزِ آخر سے کجی اور جنت
 میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ ترفرا یا یہ تینوں لوگ کامیاب ہو جائیں گے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ
سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٦﴾ وَإِذَا تَتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا
وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَانَ لَمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ
وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٧﴾

ترجمہ :- اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو خریدتے ہیں
کھیل کی باتوں کو تاکہ گمراہ کریں اللہ کے راستے سے بغیر علم
کے۔ اور بنتے ہیں ان چیزوں کو ہنسی۔ یہی لوگ ہیں جن
کے لیے ذلت ناک عذاب ہے ﴿۶﴾ اور جب پڑھی جاتی
ہیں اُس پر ہماری آیتیں تو پشت پھیرتا ہے تلخ کرتے
ہونے لگتا اُس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ گویا کہ اُس
کے کانوں میں بوجھ ہے۔ پس ایسے شخص کو خوشخبری دے
دیں کہ عذاب کی ﴿۷﴾

سورۃ کی ابتدائی آیات میں حکمت والی کتاب قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت
کو بیان فرمایا۔ نیز فرمایا کہ قرآن حکیم سرسرد ہدایت ہے جس کو اختیار کرنے والے نیکو کاروں
کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبیؐ والے
لوگوں کے اوصاف بھی بیان کیے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اور
آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں۔ فرمایا ایسے ہی لوگ ہدایت پر ہیں اور یہی منجلیح
پانے والے ہیں۔

ربط آیت

مظہین کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے ان بچت لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اپنی مجالس، منہ اور مہٹ دھری کی بنا پر قرآن پاک کی طرف توجہ نہیں کتے بلکہ کیں تماشا گاہا، جھانڈا اور دیگر واہیات و نوازات میں رغبت رکھتے ہیں۔ ایسی ہی چیزوں میں پڑھ لوگ دین کی طرف توجہ لپڑوہ ہو جاتے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے -
وَمِنَ السَّامِيْنَ مَنْ قَسَّصَ سِيْرَى كُتُبِهِمْ فَسَوَّىٰ أَعْيُنَهُمْ
بعض وہ ہیں جو فرشتے ہیں کھیل کی باتوں کو لیکھنے سے سبیل اللہ لغیر
عَلِمُوْا مَا كُوْرَةُ اللّٰهِ كَالسُّعْتِ سے گمراہ کر دیں نادانی اور بے بھیگی کے ساتھ وَيَجْعَلُوْهَا
هَمْزًا اور بولتے ہیں ان چیزوں کو بے مذاق کا ذریعہ أَوْ لِيْلَتًا لَّهُمْ مَّعَادِبُ
مُظْهِرِيْنَ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت نامک عذاب ہوگا۔

مظہین کرم فرشتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ہر وہ چیز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اسکی عبادت کے راستے میں رکاوٹ بنے۔ جب قرآن پاک کا نزول ہوا لگا اور لوگ اس سے متاثر ہونا شروع ہوئے تو مشرکین، منکر کو محنت تشریح ہوتی اور انہوں نے اس پر دوگرام میں مہلک کی کاوشیں کھڑی کرنے کی کوشش کی۔ مشرکین میں سے ایک شخص نصرانین عاریت ابن عمر ابن کلدہ جس آری تھارت کے لیے کثرا ایران کی طرف جایا کرتا تھا۔ لوگوں کو قرآن کی طرف متوجہ اور جذبہ کرامت شخص نے کثرت شروع کی کہ جو مصلی اللہ علیہ وسلم تمہیں قوم عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں، آؤ میں تمہیں بہمن، اسفندیار اور ایران کے پرانے بادشاہوں کے قصے سنائوں جو عاد اور ثمود کی کہانیوں سے کہیں زیادہ دلچسپ ہیں، پھر کہتے مصلی اللہ علیہ وسلم تمہیں نمازیسا مشکل کام بتاتے ہیں جس کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا آؤ میں تمہیں

لہ روح المعانی ص ۳۶۶ و ابن کثیر ص ۳۶۶ و تفسیر الرازی ص ۶۶ و صفحہ التفسیر ص ۳۶۶
تہ روح المعانی ص ۳۶۶ و تفسیر ص ۳۶۶ و صحاح الترمذی ص ۳۶۶ و مدارک ص ۳۶۶ و زاد المسیر ص ۳۶۶
و تفسیر المعانی ص ۳۶۶ و تفسیر القرآن ص ۳۶۶ و تفسیر البلاغی ص ۳۶۶ (فیض)

خوش طبعی والی چیزیں تباؤں جن سے کم از کم تمہیں تفریح تو حاصل ہو۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ لغویات میں مصروف رہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں چنانچہ بعض کمزور ذہن کے لوگ اُس شخص کی باتوں میں آکر اسلام کی دعوت سے منہ پھیر لیتے اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو دین اسلام سے ہٹانے والی، احکام شرعیہ سے باز رکھنے والی یا کسی گناہ کا سبب بنتی ہو لہذا الحدیث میں شامل ہے جو چیزیں فرائض سے روکتی ہوں وہ ناجائز اور حرام ہیں بعض چیزیں مکروہ تحریمی کے درجے میں آتی ہیں۔ اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ شکار میں اس قدر انہماک نہیں رکھنا چاہیے کہ اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے نماز ہی ضائع ہو جائے۔ ایسی صورت میں شکار حرام کے درجے میں آجائیکا۔ البتہ بعض کھیل جائز بھی ہیں جن سے کوئی دینی یا دنیاوی مقصد حاصل ہو۔ یا تفریح طبع ہی حاصل ہوتی ہو، اگرچہ ایسی چیزوں کو پسند نہیں کیا گیا مگر ان سے منع بھی نہیں کیا گیا لہذا یہ مباح کے درجے میں آتی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر کھیل کی چیز باطل ہے سوائے تین چیزوں کے یعنی گھوڑ دوڑ، تیر اندازی اور بیوی کے ساتھ دل گنجی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسابقت یعنی دوڑ میں مقابلہ کرنا بھی مباح ہے، یہ دوڑ خواہ پیدل ہو گھوڑے، سائیکل یا گاڑی وغیرہ پر ہو مگر ایسی دوڑ شرط سے خالی ہونی چاہیے۔ اگر ساتھ شرط بھی ہوگی تو پھر یہ جوڑے میں شمار ہو کر حرام ہو جائے گی۔ اس قسم کے کھیل تفریح کے لیے ہوں یا صحت کے قیام کے لیے یا بحفظ انعام کی خاطر ہوں تو پھر بھی جائز ہے، ان میں لاکھی، فٹ بال، تیر اندازی، نشاندازی، کشتی اور تیراکی وغیرہ بھی شامل کیے جاسکتے ہیں آلات ضرب و صر کے استعمال میں مہارت پیدا کرنا بھی مباحات میں شامل ہے۔

۱۔ ابن کثیر ص ۲۲۱ در روح المعانی ص ۶۱۶ و نظری ص ۲۵۸

(فیاض)

۲

۳

۴

البتہ جو کھیل کود انسان کے ذائقے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ ان کی مہارت نہیں ہے۔
 شطرنج، چومس، ٹائٹ، کبوتر بازی، بٹیر بازی، کتوں اور دیگر جانوروں کی لڑائی، چنگاٹ
 گولیاں کھیلنا، آتش بازی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو سیکرہ و تجمی اور عام کے وجہ سے
 ہیں۔ یہ شطرنج قدم اڑانے سے پہلے آئے ہیں اور آج بھی مختلف طبقات میں پائے
 جاتے ہیں۔ البتہ اس نسلے میں ان میں بہت سی چیزوں کا اضافہ بھی ہوا ہے اس
 وقت کرکٹ، کھیل ماری دنیا میں رائج ہے مگر یہ ترویج اوقات کے سوا کچھ نہیں
 ظہور چیزوں کی حد تک لڑکوں کے سروں پر سوار ہو چکی ہے۔ پتے سینا گھروں میں جا کر دل
 بھڑایا جاتا تھا اب ہر گھر سینا گھر کی پکارت ہے جہاں ٹیلی ویژن اور ریڈیو چلے جیسے
 میں سے سولہ گھنٹے لوگوں کو حضرات میں مصروف رکھتے ہیں۔ وی سی آر کی کوئی
 عمدہ نہیں چلے ہے۔ چڑ ہیں گھنٹے اس کے سامنے بیٹھے ہو۔ اب کبھی بازو میں
 ویڈیو گیمز کی وبا پھیل چکی ہے جس میں ترویج اوقات کے علاوہ ترویج مال بھی ہوتے
 ایسی چیزوں میں چلنے کرنے دنیا ہی نقصان کی فکر ہوتی ہے اور ذرا ڈوبی نقصان
 کا ڈر بغیر اولہ قدم کے ڈرامے، ماری ماری رات کیوں میں ترویج اوقات، آرٹ گیلریاں
 بین فنون لطیفہ کی پیشکش، تصاویر وغیرہ کی نمائش، ہنسی مذاق کی مجلسیں، یہ سب
 چیزیں ہمارے تمدن کا حصہ بن چکی ہیں مگر بالکل ناہانز ہیں۔ اسلئے ان کی پرکھنا مہارت
 نہیں دیتا۔

اب تو رائج گانا بھی فنون لطیفہ میں داخل ہو چکا ہے جسے کچھ کا حصہ سمجھا
 ہے۔ مختلف ملک میں اتفاق و فرد کا تبادلہ کرتے ہیں اور اس طرح ایک ملک
 کی عرائی اور فحاشی دوسرے ملک میں بھیج جاتی ہے۔ رائج گانا سیریلوں، ٹیلی ویژنوں،
 ہندوؤں اور دہروں کی تزیین ہے جو سماج میں بھی مورد کرائی ہے۔ مالاخذا
 یہ شیطانی کام ہے اور انسانی ذہن کو غلط راستے پر ڈالنے کا ذریعہ ہے۔ گانے کے
 متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ انسان کے دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

سے عالم التزیین، ۱۹۶۵ء و قرطبی، ۱۹۶۵ء (خلاصہ)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، امام حسن بصریؒ وغیرہم لہو الحدیث سے گانا بجانا سزا دیتے ہیں۔

قدیم زمانے میں رقص و سرود کے لیے لوندلیوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور آزاد عورتیں یہ پیشہ اختیار نہیں کرتی تھیں۔ اس مقصد کے لیے لوندلیوں کو خاص طور پر ٹریننگ دی جاتی تھی اور وہ بھٹلوں میں تفریح کا سامان پیدا کرتی تھیں۔ مگر اس زمانہ میں نہ صرف آزاد بلکہ تعلیم یافتہ لڑکیوں نے ناچ گانے کو آرٹ کے طور پر اپنا لیا ہے۔ اس کے لیے تربیت گاہیں قائم ہو چکی ہیں جہاں سے اس نام نداد فن کی ڈگریاں ملتی ہیں۔ حضور کا فرمان تو یہ ہے کہ گانے بجانے والی لوندلیوں کی ضریرہ و فروخت بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ فحاشی پھیلانے اور لوگوں کو غلط راستے پر ڈالنے کا سبب بنتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایسی لوندلیوں کی کھائی کو بھی حرام قرار دیا ہے مگر دیکھ لیں آج ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے؟ موجودہ دور کی ایک ٹریڈ میں امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایک ایک فلم سے لاکھوں روپے کھاتی ہیں اور ایک ایک گانے کی ریکارڈنگ کے لیے ہزاروں روپے وصول کرتی ہیں۔ لوگ ان کو بڑا مقام دیتے ہیں اور ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ یہ سب لہو الحدیث کا حصہ ہیں۔

گانے کے لیے استعمال ہونے والے آلات موسیقی بھی حرام ہیں۔ اسی لیے قرالی بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعریف غزل یا نعت کی صورت میں کی جائے تو جائز ہے بشرطیکہ اُس کے ساتھ آلات موسیقی استعمال نہ ہوں۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں ہے کہ ان سے قرالی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ قرالی جائز ہے۔ مگر اس کی بعض شرائط بھی ہیں کہ اس میں آلات موسیقی استعمال نہ ہو، گانے والی

عورت یا بے ریشم بچہ نہ ہو لیکر گانے والا آدمی متشرع ہو۔ حمد و نعت کے فصل کا مقصد تقرب الہی ہو کر کفیل تماشا۔ دیکھ میں ہماری قرآن کس طرح ان شرع لفظ پر برسی اُتتی ہیں۔ چہ دہری افضل حق مرہوم نے کہا تھا کہ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ساری رات قرآن پڑھ رہتی ہے، جب فجر کی نماز کا وقت ہوتا ہے تو سننے نہ مانے کے سوجاتے ہیں۔ اللہ! اللہ! ایسی فصل سے کیا فائدہ ہو گا جبکہ وجہ سے نماز ہی ضائع ہو گئی، آج خود ہی فیصلہ کریں کہ ایسی مجلسوں سے اللہ اور اس کا رسول قرآن ہوں گے یا ناراض۔ جو چیز نمانے سے غافل کرتی ہے وہ تو زنی محنت ہے۔ جو قرآن مذکورہ مشرک لفظ کے بغیر ہوگی وہ حرام یا مکروہ تحریمی کے زمرے میں آئے گی۔

قرآن سے
برگزرانی

فَرِیَاقًا مِّنْ مَّيْمَنِهِمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کہ حالت یہ ہے کہ اِذَا جِئْتَنِي تَحْتِیْبِہِ
اَلِیْقِنَا وَ لَوْ مُسْتَكْبِرًا کہ جب ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ پشت پھیر کر تنہا کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اللہ کے کلام کی کچھ پروا نہیں کرتے كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ كُوَکُبًا لَّمْ تَسْمَعْ انہوں نے اس کو سنا ہی نہیں حَكَاتُ فِيْ اٰذَانِهِمْ وَ قَرَأُوْا كِرًا کہ ان کے کانوں میں ڈاٹھے ہوئے ہیں اور وہ محنت سے بیکسر محروم ہیں۔ تمام غافل لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ آیت الہی نشیہ وقت اندھے اور بہرے سوجاتے ہیں۔ ان کا فائدہ تو اسی میں ہے کہ وہ کلام الہی کو نہیں اس میں غور و فکر کریں اور اس کے مطابق عقیدہ اور عمل بنائیں نہ کہ اس کو سنی ان کو سنی کر دیے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا هَبْطَ سُرَّةِہُمْ سَابِغٌ اَلْسِنٰہُمْ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیں۔ یہاں پر خوشخبری کا لفظ حکم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان کو مطلع کروں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دردناک آواز تیار کر رکھا ہے۔ جس میں انہیں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہو گا اور ان کی رٹائی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

اتلما اوصی ۲۱

لقمن ۳۱

درس سوئم ۳

آیت ۱۱۲۸

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ
 النَّعِيمِ ⑧ خَلِيدِينَ فِيهَا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا
 وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑨ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
 بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَالْقَى فِي الْأَرْضِ
 رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ
 كُلِّ دَابَّةٍ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا
 فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ⑩ هَذَا خَلْقُ
 اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ لَوْلَا
 سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ⑪

ترجمہ :- بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنوں نے
 اچھے کام کیے، ان کے لیے باغات ہیں نعمتوں کے ⑧
 ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں ۔ وعدہ ہو چکا ہے
 اللہ تعالیٰ کا سچا ۔ اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے ⑨
 پیدا کیا ہے اُس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جن کو
 تم دیکھتے ہو ۔ اور ڈال دیے ہیں اُس نے زمین میں بوجھل
 پہاڑ تاکہ وہ حرکت نہ کرے تمہارے ساتھ ۔ اور پھیلا
 دیے ہیں اس نے زمین میں طرح طرح کے جانور ۔ اور

آہرا ہے ہم نے آسمان کی جانب سے پانی برس آگائے ہیں
ہم نے زمین میں ہر قسم کے عہدہ جوڑے (۱) یہ ہے اللہ
کی پیدا کردہ چیز۔ پس تولاؤ مجھے کیا پیدا کیا ہے انہوں
نے جو اُس کے سوا ہیں، بگو علم لوگ کھل گھر ہی میں ہیں (۱)
سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت اور صدفقت
بیان کی اور پھر مہینوں کے اوصاف بیان کر کے ان کی فلاح کا ذکر کیا۔ اس کے
بعد اشقیٰ کی کارگزاری اور ان کے انہام کو بیان کیا۔ کہ وہ دنیا میں کیسی تاشے
کو رانج کر کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے مٹا چاہتے ہیں اب آج کی پہلی
دو آیات میں اہل ایمان کا ذکر کر کے انہیں جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔
پھر اللہ کی قدرت کی نشانیوں کی گئی ہیں۔ اور انہیں توحید کی دلیل کے طور پر پیش
کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ شرک کی تردید بھی ہو گئی ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ بِمَا تَعْمَلُ
الَّذِينَ آمَنُوا بِحَسَبِ
شَرِكِ الْفَاقِ . جنت و غیرہ کی طرح ایمان بھی قرآن پاک کی ایک اصطلاح ہے .
ان میں سے ہر اصطلاح کا ایک خاص معنی ہے جس کو اننا ضروری ہے . ایمان کی
تواریف قرآن پاک کی مختلف آیات میں کی گئی ہے اس کے علاوہ حضور علیہ السلام کی
ایک بڑی واضح حدیث بھی ہے جس سے ایمان کا مفہوم مکمل کھل کر سامنے آتا ہے
حدیث بھرمل میں ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا فَاتَّخِذْنِي
عَبْدَ الْاِذِيْعَانِ سَمِعْتِمْ بِمَا يَبْتِئُ كَرَامِيَانِ كِيَا چيز ہے . تو آپ علیہ السلام نے
فَرَا اَنْ تُوْمِيْتِ يَا لَلّٰهِ وَ مَلِيْكِيْتِهٖ وَ كُتُبِيْتِهٖ وَ رُسُلِيْتِهٖ وَ اَلْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَ تُوْمِيْتِ بِالْقَدْرِ حَبِيْبِهٖ وَ سَيْرِهٖ مِنْ اللّٰهِ تَعَالٰى
وَابْتِغِيْتِ بَعْدَ الْمَوْتِ اِيْمَانِ اس چیز کا نام ہے کہ تم اپنے اختیار اور

اردے سے اس بات کی تصدیق کر دے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے ، وہ واجب الوجود ، خالق کل ، مدبر ، مجود برحق اور غیر مرئی ہے ۔ بغیریک اس کی ذات اور تمام صفات پر ایمان لانا ضروری ہے ۔ اگر کسی چیز کے بارے میں دل میں خلل پیدا ہو تو ایمان ضائع ہو جائے گا ۔ بعض اوقات ایمان کا معنی یقین بھی کر دیا جاتا ہے ۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ یقین تو کبھی اضطراری حالت میں بھی ہو جاتا ہے ۔ مثلاً کوئی حادثہ پیش آگیا تو کسی چیز کا یقین آگیا ۔ یہ مستقل یقین نہیں ہوتا حقیقت میں ایمان تصدیق کا نام ہے اپنے دل سے اپنے اختیار اور ارادے سے تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ واقعی وحدہ لا شریک ہے ۔

ایمان کا ایک جزو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق ہو گیا اور دوسرا یہ کہ انسان فرشتوں پر بھی یقین رکھے کہ وہ اللہ کی مقدس اور نورانی مخلوق ہے جسے اللہ نے بنی نوع انسان کی مصلحت کے لیے انسانوں کی پیدائش سے اربوں کھربوں سال پہلے تخلیق کیا ۔ فرشتے بَلَّ عِبَادًا مَّكْرُومُونَ (الانبیاء ۲۶) وہ خدا کے معزز بندے ہیں اور ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں وَهُمْ بِأَمْرٍ يَعْملُونَ (الانبیاء ۲۷) وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں فرشتے ہماری طرح جسم اور اس میں روح رکھتے ہیں ۔ اس سے علاوہ مشرقی والا ایمان مراد نہیں جو کہتے ہیں کہ فرشتے کوئی مخلوق نہیں بلکہ انسان کی ایک اچھی قسمت کا نام ہے ۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اپنی کتاب حجۃ اللہ الابلغہ میں وضاحت کی ہے کہ فرشتے وجود رکھتے ہیں اور ان کے جسم میں بھی روح ہے البتہ ان کے اجسام بہت لطیف ہیں ۔ علاوہ اعلیٰ سے لیکر علاوہ اسفل تک فرشتوں کے سات طبقات ہیں اور ان میں سے ہر ایک طبقے کا مادہ تخلیق الگ الگ ہے ۔ فرشتوں کے علاوہ اللہ کی مخلوق جنات بھی وجود رکھتے ہیں ۔ البتہ

شریعت شیعین کی رو میں گئی ہوئی ہیں جو شریعتوں کی ہیں۔ فرشتے فرشتے۔ جنت اور
شیاعین سب جو روح رکھتے ہیں۔ اس آدمی جہان میں ہیں نظر نہیں آتے جیسا یہ
جہان تبدیل ہو جائیگا اور انکو جہان آنے کا قوسب کچھ نظر آنے کے گا۔

ایمان کا ایک جزو اللہ کی تائید کرنا ہے اور قرآن مجید پر ایمان لانا
یعنی رکھنا ہے۔ قرآن پاک کی ہر بات کو برحق کہنا اور اس پر عمل کرنا اور سچے
اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پیچھے ہونے تمام انبیاء پر یقین رکھنا بھی جزو ایمان ہے۔
اللہ نے نبی زرع انسان کی ہدایت کے لیے اپنے ابن انبیاء کو بعثت فرمایا۔ ان
کو شریعتیں دکھائی اور صحیفے عطا کئے۔ ہم دلت سے سب انبیاء کی تصدیق کرتے
ہیں کسی ایک نبی کا انکار کرنے والا بھی کافر ہو جائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے آج تک جو
کچھ کائنات میں ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ
کے علم وحکمت اور ارادے کے مطابق ہو رہا ہے حَقَّقَهُ فَقَدَرَهُ (زمین ۱۹)
اللہ نے ہر چیز کو مدبر فرمایا اور اس کی تقدیر بنائی۔ لہذا تقدیر الہی سے انکار کرنے
والا بھی ایمان سے خالی تصور ہوگا اور اس کی کوئی بھی قبول نہیں ہوگی۔ اسی طرح
بعثت بعد الموت پر یقین رکھنا بھی جزو ایمان ہے۔ مرنے کے بعد ہر انسان کو دوبارہ
زندہ کیا جائے گا۔ قیامت قائم ہوگی۔ حساب کتاب کی منزل آئے گی اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا
گو ان سب چیزوں کی تصدیق کرنا ضروری ہے اللہ کا فرمان ہے وَمَنْ
يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ
سَبِيلًا سَلْبًا لَّيْسَ لَهُ آرَاءُ ۝۱۲۹۰ (ہم نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی صفات
کا انکار کیا، یا اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کیا تو وہ
گمراہ ہو کر رہ جائیگا۔ ایسے شخص کو نہایت نہیں مل سکے گی۔ جو ایمان ایک ایسی چیز ہے
جس پر عمل کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ہے فَسَلِّ
مِنَ الْعِبَادَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ هَذَا كَقَوْلِكَ لَسَعِيْبِهِ وَالْآخِرَ ۝۱۲۹۰

جو شخص نیک اعمال انجام دے گا بشرطیکہ اس میں ایمان موجود ہو تو اس کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی، اگر ایمان کی بجائے کھڑا اور شرک بھرا ہوا ہے تو اس کھپاڑوں جتنے بڑے بڑے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے اور انسان مجرم بن کر دائمی جہنم کا مستحق سمجھ کر گا۔ ایمان ہرنیکی کی جڑ اور بنیاد ہے اسی لیے تمام انبیاء اور ان کے متبعین اولیاء اور بندگان دین سب سے پہلے ایمان کی درستگی کی تعلیم دیتے ہیں۔ آپ کسی بزرگ کی کوئی کتاب یا مخطوطہ اٹھا کر دیکھ لیں، انہوں نے پہلا سبق ایمان کی درستگی کا ہی دیا۔ ہرنی نے بھی یہی تعلیم دی قَالَ يُقِيمُوا آعِبَادَةَ وَاللّٰهُ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ (ہود- ۸۴) اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بہر حال یہ سارے اجزائے ایمان ہیں جن کی تصدیق کرنا ضروری ہے ورنہ ایمان مکمل نہیں ہوگا۔

فرمایا، وہ لوگ جو ایمان لائے وَحَمِلُوا الصَّلٰتِ اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے۔ نیک اعمال تو بے شمار ہیں تاہم بنیادی طور پر ان سے فرائض مراد ہیں۔ حضرت مہدی ثانیؑ فرماتے ہیں کہ ایمان اور توحید کی درستگی کے بعد فرائض اربع یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج نیک اعمال ہیں۔ دیگر نیک اعمال میں جہاد، قربانی، صلہ رحمی، صدقہ، خیرات، حسن اخلاق وغیرہ شامل ہیں۔

تو فرمایا ایمان لانے کے بعد جن لوگوں نے اچھے اعمال انجام دیے۔ كَهٰٓؤْ جَدَّتْ النَّعِيْمُ اُنْ کے لیے نعمتوں کے باغات ہیں خَالِدِيْنَ فِيْهَا وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے عام طور پر جنت کے ذکر کے ساتھ اللہ نے جَدَّتْ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (البینۃ- ۸) کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ ایسے رنگینی باغات ہوں گے جن کے سامنے سرسبستی ہوں گی۔ فرمایا وَعَدَّ اللّٰهُ حَقًّا يَّهٗ اللّٰهُ كَاوَدُّهُ جَوَّجًا ہے۔ جو سچا ہے۔

اعمال صالحہ
اور انعام

اس میں ٹک و شکر کوئی گناہ نہیں **وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** خدا تعالیٰ کو مل قدرت کا ایک اور نکتہ والا ہے۔ اس کا ہر کام رحمت پر مبنی ہے۔ ان کی تخلیق اور پرورش سب کا سامان غار اس کے حکم سے ہی واقع ہوئی ہے۔

آسمانوں کی
ساتھ ساتھ کی
تخلیق

فرمایا اللہ تعالیٰ ایسا مکمل قدرت۔ کہ ایک سے اور ایسا حکم ہے جس نے **خَلَقَ السَّمٰوٰتِ سَبْعًا وَ اَرْضًا عَمِدَةً وَّ تَوَاتُوهَا** بغیر ستاروں کے آسمان پیدا کیے نہیں تم دیکھتے ہو۔ حضرت عبدالرحمن بن عباس فرماتے ہیں کہ آسمان کے ستاروں تو میں بجز تمہیں نظر نہیں آتے۔ **وَالَّذِي فِي الْاَرْضِ رَوٰسِيٌّ وَّ اَنْبۡيَاۡءٌ** اور زمین میں جو پہاڑ رکھ دیئے **اَنۡ تَسۡبۡدَ بِكُمۡ** اگر وہ کسی طرف جھک نہ جائے یعنی ڈرنے نہ دئے ایک حادثہ مثال ہے کہ اگر کشتی میں ایک طرف بوجھ زیادہ ہو تو وہ چلنے وقت اس طرف کو ڈھلک جائیگی لہذا اس کو متوازن بنانے کے لیے دوسری طرف بھی بوجھ رکھ کر پڑتا ہے۔ زمین بھی ایک گروہ ہے جو فضا میں معلق ہے۔ قدیم فلاسفہ کہتے تھے کہ زمین مائیں ہے مگر جدید ماہرین نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ جوگ کہ ہے اور جس گھنے میں پتہ نہ گئے گرد گھومتی ہے۔ جب کہ سال بھر میں سورج کے گرد ایک چکر مکمل کرتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ جب یہ حرکت کرتی ہے تو اس پر بوجھ ہر چیز بھی حرمت کرتی ہے لہذا اس کے ڈرنے کا کیا مطالبہ؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جو زمین پر زمین کے ساتھ تمام چیزیں بھی حرکت کرتی ہیں مگر بعض مقامی عوامل ہی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے زمین کے توازن میں خلل واقع ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر زمین کے بعض خطے میلانی اور زیادہ ہیں۔ بعض علاقہ نشیب اور بعض علاقہ کھڑے ہیں۔ اسے نشیب و فراز کی وجہ سے زمین کے توازن میں خرابی پیدا ہو کر وہ ڈول مکتی تھی یا ایک طرف کو جھک سکتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس توازن کو برقرار رکھنے کے لیے مناسب خطوں میں بڑے بڑے پہاڑ کھڑے کر دیئے ہیں۔ جن کی وجہ سے اس کو ڈول متوازن ہو گئی ہے اور یہ کسی ایک طرف کو ڈھلک نہیں جاتی۔

لہ تفسیر توبی لقاہ ص ۳۳۳ و ابن کثیر ص ۳۳۳ علی روح المعانی ص ۳۳۳ (ایضاً)

پرانی تحقیق کے مطابق دنیا کے بلند ترین پہاڑوں کی بلندی تین میل کے قریب ہے۔ زمین کی وسعت کے اعتبار سے اتنے بڑے پہاڑ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے گنہ کے اوپر ایک جو کاسٹروں کا حصہ رکھ دیا گیا ہو۔ پہاڑوں کی بلندی کے متعلقے میں سمندروں کی گہرائی کہیں زیادہ ہے، گمرہ ارض کے ارد گرد چودہ کروڑ برس قبل پر سمندر پھیلے ہوئے ہیں اور انسانوں اور جانوروں کی رہائش کے لیے خشکی کا حصہ صرف ایک چوتھائی کے قریب ہے، لہذا پورے گمرہ ارض میں توازن برقرار رکھنے کے لیے اللہ نے جو جبل پہاڑوں کو تخلیق فرمایا ہے

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آتے تہیہ دیکھ کایہ مطلب لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں جگہ جگہ پہاڑ نصب کر کے میدانی لوگوں کو اضطراب سے محفوظ کر دیا ہے۔ پہاڑوں میں پیشمار پتھر، درخت، جھڑی بوٹیاں اور طرح طرح کی معدنیات ہوتی ہیں جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اگر پہاڑ نہ ہوتے تو میدانی علاقوں کے رہنے والے لوگ بہت سی چیزوں سے محروم رہ جاتے جو ان کے لیے وجہ اضطراب بنتی۔ قرشاہ صاحب فرماتے ہیں کہ زمین کے ڈولنے کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں کے بغیر زمین کے رہنے والے مضطرب ہو جاتے۔ اللہ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین کے اضطراب کو نہیں بلکہ لوگوں کے اضطراب کو دور کر دیا۔

آگے ارشاد ہوتا ہے **وَبَشِّرْ فِيهَا مِنْ كَلِّ دَابَّةٍ** اور اللہ نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے ہیں۔ بومیشیوں کو تو اللہ نے خاص طور پر انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے اور ان کے علاوہ بھی اللہ نے بہت سے جانور اور کیڑے مکوڑے پیدا کیے ہیں۔ جو انسانوں کی خدمت پر مامور ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

پھر فرمایا **وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً** اور ہم نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا ہے۔ یہ بھی انسانوں اور جانوروں کی حیات کے لیے ضروری ہے۔ پانی نہ صرف جانوروں

جانور اور
پانی

کی پینے کی ضروریات پر ہی کرتا ہے مگر بالواسطہ ان کی خوراک کا انحصار بھی پانی پر ہی ہے
 فرمایا اسی پانی کے ذریعے فَالْيَوْمِ نَسْتَأْذِنُهَا مِنْ كُلِّ رَوْحٍ كَيْ نَسِيرَ بِمَنْتَ زَمِينِ
 میں ہمہ جہت سے پید کیے ہیں، اللہ نے آسمان کی طرف سے ہر رخ پر مگر ہوا کو
 اور کراہت دہشت پیدا کیے ہیں۔ طرف طرف کے جہول پہل اناج اور سبزیاں پیدا کی ہیں جو
 ان نون اور جانوروں کی خوراک بنتی ہیں۔ سورۃ القدر میں اللہ نے پانی کا یہ کمال بھی بیان
 کیا ہے کہ جیسو! زمین پر طرف طرف کے رزق، پرنے اور بیلوں میں جو نعمت تینوں
 اور نعمت ذاتوں کے پہل پیدا کرتے ہیں حالانکہ کھینٹی پستلہ و واجد (آیت ۴)
 وہ سب ایک ہی پانی سے تیار ہوتے ہیں۔ کوئی چیز اسل پہل ہے۔ کوئی بڑا کوئی چیز
 ہے کوئی شراب اور کوئی رو، کسی کا ذائقہ مشابہ کسی کا چھچکا اور کسی کا کڑوا سجا
 پانی سب کے ایک ہی گھاٹ سے ہے یا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بہت بڑا شاہکار
 ہے۔ ایسے عجیب مغرب اسودھی انجام دیتا ہے جو تمام قدروں کا مالک اور ہر چیز
 کا مافیہ اور مبر ہے

قریب پر
 دلیل

آگے ارشاد فرماتا ہے هَذَا أَحْسَنُ اللَّهِ بِسَبِّ كَيْفَ الشَّرِّ كَالْيَوْمِ نَسِيرَ بِمَنْتَ زَمِينِ
 آسمان سے لے کر زمین تک اور زمین اور بندوں کے اندر کی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے
 پیدا کی ہے۔ فَالْيَوْمِ نَسِيرَ بِمَنْتَ زَمِينِ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لے کر زمین تک اور
 بندوں کے اندر کی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ آجیت روا اور مشکل کتاب لکھا ہے
 انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ جب کسی دور سے پیدا کچھ نہیں کیا۔ تو پھر وہ خود
 کا کیا حق رکھتے ہے؟ یہ ایسی دلیل ہے جسے عالم اور جاہل بجاں طور پر کچھ سنا ہے
 مفسر حقانی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ کسی راستے پر ایک عیسائی پارٹی
 لوگوں کو اپنی طرف توڑ کر گئے کچھ اٹھنا سوایع مذہبے، خدا کی عبادت، دوزخ انہوں نے
 اور اختیار ہے۔ اتنے میں ایک آن پڑو دینی اولیٰ کو صر سے کھڑا اور کئے لگا کر پارٹی صا
 تم سوایع عذر اللہ کو نہ کہ سہوت یعنی لائق بنائے ہو۔ بعلبار تو بتلاؤ کہ کائنات کی تمام
 چیزوں کا خالق کون ہے؟ پارٹی کئے لگا کر ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر وہ دینی کئے

لگا کہ اگر ہر چیز اللہ کی پیدا کردہ ہے تو تبتلاؤ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی کچھ پیدا کیا ہے؟
 پادری لاجواب ہو گیا کہ جو کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں وہ خدا یا خدا کا بیٹا کیسے ہو گیا
 اس آیت کبریٰ کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اگر تمہارے خود ساختہ معبودوں نے کچھ پیدا کیا ہے
 تو دکھا دو کون سی چیز پیدا کی ہے اور اگر کوئی چیز پیدا نہیں کی تو پھر وہ حاجت روا اور
 مشکل کشا کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر ان کو مصیبت کے وقت کیوں پکارتے ہو اور ان
 کے سامنے نذو نیاز کیوں پیش کرتے ہو؟ وہ تو خود لاچار اور در ماندہ ہیں۔ وہ خود ہر
 چیز اللہ سے طلب کرتے ہیں، بھلا تم ان سے کیا توقع رکھتے ہو؟

فرمایا حقیقت یہ ہے **بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ** ہ
 کہ ظالم یعنی مشرک لوگ ہی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ اتنی واضح دلیل ہے
 کہ جو شخص خود محتج ہے وہ دوسرے کو کیسے سکتا ہے اور معبود کیسے بن سکتا ہے؟
 اللہ کا فرمان تو یہ ہے **يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرَّحْمٰن - ۲۹)**
 آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ ہی کے سامنے دست سوال دراز کرتی ہے مگر تم کہتے
 ہو کہ فلاں بھی رزق، اولاد، کاروبار وغیرہ دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دلیل
 کے ذریعے شرک کا رد بھی فرما دیا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ إِنْ شَكَرْ لِلَّهِ وَمَنْ
يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ
اللَّهَ عَنِّي حَمِيدٌ ﴿۱۴﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق وہی ہم نے لقمان کو حکمت دیا کہ
شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے ۔ اور جو شخص شکر ادا کرے
ہے ، پس بے شک وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے نفس
کے ذمے اس کے لیے ، اور جو شخص ناشکری کرتا ہے پس
بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور غورنظوں والا ہے ﴿۱۴﴾

باطل آیت

سورہ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی صداقت و حقانیت اور قرآن
کے عقل و نقل و لافیل پیش کیے ، اب اس رکوع میں حضرت لقمان کی کچھ نصیحتیں
بیان کی گئی ہیں جن میں سے اہم ترین نصیحت اللہ تعالیٰ کی توحید کرنا اور شرک سے
نفرت کرنا ہے ۔ شرک اور کفر کی قباحت اس کے بعد کی آیات میں بھی آ رہی ہے
توحید کا اثبات اور شرک کی تردید بھی گزشتہ اور آج آیت میں ذرا زیادہ ہے ۔

حضرت لقمان
کی نصیحت

نزول قرآن کے زمانہ میں اگرچہ لقمان کی حکیمانہ باتیں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں
ذہان زوہد نامہ نصیحتیں سنا کر آپ کی شخصیت کے اہل میں مغربوں کو ہم سب سے ماہر ثابت
پایا جا آئے ۔ حضرت لقمان کس زمانے میں اور کس مقام پر ہوئے ہیں ، نیز آپ نے کون سے
پانچ سو مغربوں کی خدمت میں رہے ہیں ، بعض کہتے ہیں کہ آپ سوڈان کے شمالی علاقہ توبہ
کے کسی سیاہ فام جہمی آدمی کے غلام تھے ، جب کہ درستہ حضرت کے تھے یہ کہہ

لہ قرطبی ص ۱۴۱ و در مشرق ص ۲۱۶ و طبری ص ۱۴۱ (فیاض)

آپ میں کے رہنے والے آزاد آدمی تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت لقمان عاوانیہ میں سے تھے۔ جب قوم عاد ہلاک ہو گئی تو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والے لوگوں سے چلنے والی نسل عاوانیہ کہلائی، آپ انہی لوگوں میں سے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حیر قبیلے کے بادشاہوں میں سے ہوئے ہیں انہی بادشاہوں میں بیع نامی مشہور بادشاہ بھی گزرا ہے بعض کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت لقمان شاد کے بھائی تھے۔ شاد تو بڑا جاہل اور ستبہ شخص تھا، تاہم اس کی ہلاکت کے بعد اقتدار لقمان کی طرف منتقل ہو گیا ذوالقرنین کی طرح آپ نہایت ہی صالح آدمی اور عادل بادشاہ تھے۔

حضرت لقمان کے زمانے کے متعلق بھی قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر آپ کو عاوانیہ سے تسلیم کیا جائے تو آپ کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل کا ہے، اور آپ کو بنی اسرائیل کا فرد تصور کیا جائے تو آپ کا زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ اس دور میں حضرت داؤد، اور حضرت لقمان کی رفاقت کا ذکر بھی ملتا ہے بلکہ بعض کہتے ہیں کہ آپ اس زمانے میں قاضی تھے۔ بہر حال یہ زمانہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام سے کم و بیش ایک ہزار سال قبل کا ہے۔ حضرت لقمان بنی اسرائیل اور عربوں میں یکساں طور پر مشہور تھے، بلکہ بنی اسرائیل کے پاس آپ کا ایک صحیفہ بھی تھا جس میں مذکور نصلح اشال لقمان کے نام سے مشہور ہیں۔ اس صحیفہ کی نقول یورپ کے بعض کتب خانوں میں اب بھی ملتی ہیں۔

جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان مومن، نیک آدمی اور اللہ کے ولی تھے، محمد بن اسحاق، امام شافعی اور بعض دوسرے حضرات آپ کو نبی بھی تسلیم کرتے ہیں مگر یہ بات درست نہیں بلکہ اکثر و بیشتر مفسرین آپ کو صالح آدمی ہی مانتے ہیں۔ البتہ آپ بہت بڑے حکیم، دانشور اور عالم فہم آدمی تھے اور اسی بنا پر آپ مہذب دنیا

۱۔ حقانی ص ۲۸۸ ۲۔ حقانی ص ۲۸۸ ۳۔ روح المعانی ص ۲۱۲ و منظری ص ۲۶۵

۴۔ روح المعانی ص ۲۱۲ و تفسیر الثعالبی ص ۲۰۶ ۵۔ معالم التنزیل ص ۱۵۴ (فیاض)

میں مشورے

حکمت
مضمون

ارشاد ہوا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ اور البتہ تحقیق ہونے
حضرت لقمانؑ کی حکمت عطا فرمائی، حکمت کا لفظ قرآن وحدیث دونوں جگہ ذکر ہے
سورۃ لقمان، سورۃ صافات اور بعض دیگر سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ
کے ذرائع نفسی میں سے ایک یہ فرض بھی بیان کیا ہے وَتُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَةَ میں آپ لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ لقمان
میں ہے يُؤْتِيكَ الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ اور وَمَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ
فَقَدْ أُوتِيَ حَسَنًا كَثِيرًا (آیت ۲۶۹) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے
حکمت عطا کرتا ہے، اور جسے حکمت عطا کی گئی اسے غیر کثیر سے لازماً کیا، اسی طرح
ترمذی شریفین کی روایت میں آتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ
صَالِحَةُ الْمُؤْمِنِينَ حَقِيقَتٌ وَجَدَهَا هَذَا هُوَ الْحَقُّ بِهَا مَعْنَى حِكْمَتِ بَرٍّ
کی گمشدہ میراث ہے۔ جہاں بھی اسے پاتا ہے حاصل کر لیتے

ابن وریق اور بعض دیگر حضرات حکمت کو تعریفیں اس طرح کرتے ہیں کہ ہر
وہ بات جو فضائل سے نصیحت کا باعث ہو، برائی اور حماقت سے روکے اور
بندگی پر آمادہ کرے، وہ حکمت ہے، بعض مفسرین، جن میں صاحب تفسیر مظہری بھی
شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ حکمت کا مضمون یہ ہے مَعْرِفَةُ أَحْضَلِ الْأَشْيَاءِ
بِأَفْضَلِ الْعُقُوبِ یعنی افضل چیز کو افضل علم کے ساتھ جاننا حکمت کہلاتے ہے
علم ہے کہ افضل ترین چیز کو ذاتِ خداوندی اور اس کی صفات میں، اور افضل علم
علم حضوری ہے جو انسان کے قلب میں موجود ہو، تو گویا علم حضوری کے ساتھ ذات
وصفاتِ خداوندی کو پہچاننا حکمت ہے۔

۱۔ ترمذی —
۲۔ مظہری ص ۲۶۶
۳۔ (فیاض)

بیعتی شریعت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے رَأْسُ الْحِكْمَةِ تَخَافَةُ اللَّهِ
یعنی حکمت کی جڑ اور بنیاد اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ بہر حال عام فہم الفاظ میں یوں کہہ
سکتے ہیں کہ دانائی، عقل، فہم، فراست اور فرزانگی کا نام حکمت ہے، حکم اور حکمت میں
یہ فرق ہے کہ حکمت ہمیشہ درست بات کی طرف منسوب کی جاتی ہے جب کہ حکم میں
غلطی کا امکان بھی ہوتا ہے جیسے مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ تَحْكُمُونَ كَيْفَ تَكُونُونَ
کیسے غلط لٹا فیصلے کرتے ہو۔ تاہم حکمت ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی بلکہ جس پر
اللہ مہربانی کرے، اُس کو عطا فرماتا ہے۔

حکمت کی ایک عام تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے مَنْ اتَّقَنَ الْعِلْمَ
وَالْعَمَلَ يَقْدِرْ طَاقَتَهُ یعنی حکیم وہ شخص ہے جس نے اپنے علم اور عمل دونوں
کو پختہ کر لیا۔ دانشور وہی آدمی ہوگا جس کے علم کے ساتھ عمل بھی ہو، وگرنہ بے عمل آدمی
حکیم نہیں ہو سکتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت یعنی فہم و فراست، دانائی اور عقلی
حضرت لقمانؑ کو وافر مقدار میں عطا فرمائی تھی، جن کا ذکر تمام مفسرین، مؤرخین اور دانشور
کرتے ہیں۔ ان کی عجیب و غریب مثالیں اور حکمت کی باتیں ان کے صحیفہ میں بھی موجود ہیں
امام بیضاویؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ کہ ایک
موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمانؑ سے کہا کہ بکری ذبح کر کے اُس کے
گوشت کا بہترین حصہ میرے پاس لاؤ۔ آپ نے تعمیل حکم کی، بکری ذبح کی اور
اس کا دل اور زبان حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا، کچھ وقفہ
کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کرو اور اس کے
گوشت کا بہترین حصہ میرے پاس لاؤ، حضرت لقمانؑ نے بکری ذبح کی اور دوسری
دفعہ بھی دل اور زبان کا گوشت ہی پیش کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے

حضرت لقمانؑ
کی حکیمانہ
باتیں

۱۔ بیعتی ۲۔ ۳۷ معینہ ۳۔ روح المعانی ص ۸۳
۴۔ منظری ص ۳۶۶ و معالم التنزیل ص ۱۵۵ (فیاض)
۵۔ بیضاوی ص ۲۲۸

بہترین اور بہترین چیزوں میں دل اور زبان کو ہی کیسے تسلیم کیا کہنے لگے حضرت اگر انسان کا دل اور زبان درست ہے تو اس سے پاکیزہ چیز ان کی جسم میں باہر کوئی نہیں۔ اور اگر یہ دونوں خراب ہو جائیں تو پھر اس کے بڑی چیز بھی کوئی نہیں ظاہر ہے کہ اگر قلب میں نرا ایمان ہے تو وہ اور بھی کی باتیں ہیں اور زبان سے بھی ایسی باتیں اور بری ہی تو پھر این دونوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، اور اگر دل میں کفر، شرک کیلئے بغض و عداوت نفاق ہے، اور زبان سے فرض کلامی برکت ہے تو ان سے بڑھ کر بڑی چیز بھی کوئی نہیں۔ غرضیکہ ایمان نسنے یہ نہایت ہی ٹھیک بات کی۔

مشہور شبہ کہ حضرت ایمان کسی لئے معجزہ ہے۔ جب کچھ علم حاصل ہوا پس لوٹے تو راستے میں اپنا نام بدل گیا۔ پوچھا میرے والد کا کیا حال ہے؟ خادم نے کہا کہ وہ گرفتار ہو چکے ہیں۔ ایمان لے ڈرایا ملککت آسمانی اب میں اپنے معاملہ کا خود، آنکس بن گیا ہوں، والد کی موجودگی میں ہر چیز کے وہی ذمہ دار تھے مگر اب یہ ذمہ ڈرتی مجھ پر آئی ہے۔ پھر آپ نے بیوی کا حال پوچھا تو خادم نے بتایا کہ وہ بھی گرفتار ہو چکی ہے کہنے لگے افسوس! اب مجھے بستر تبدیل کرنا پڑے گا اس کے بعد میں کے متعلق پوچھا تو وہی جواب دیا کہ وہ بھی گرفتار ہو گئی ہے۔ حضرت ایمان نسنے کا مسرت و عجب و تعجب اب میری پر وہ ہو چکی ہو گئی۔ میں کی دوسرے بہت سی ذمہ داریاں تھیں اس کی دیکھ کر میرا پردہ رو گیا۔ پھر آپ نے بھائی کا حال پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ بھی گرفتار ہو گئے ہیں۔ حضرت ایمان کہنے لگے انقطاع ظہری سہ میری پشت ٹوٹ گئی ہے۔ بھائی بھائی کا سارا ہوتا ہے۔ ہر برکت پر الحسن و یاجعہ آدمی اپنے بھائی کے ساتھ ہو سکتے۔ مشہور مقولہ ہے۔

ہر کہ ہزار ہزار
وقت ہزار ہزار

جس کا بھائی نہیں، اس میں قوتِ بازو نہیں۔ جس طرح ماں کے بغیر شفقت اور باپ کے بغیر سرپرستی نہیں ہوتی، اسی طرح بھائی کے بغیر قوتِ بازو نہیں ہوتی۔

مولانا دہلوی نے یہ حکایت اپنی مشنوزی میں بیان کی ہے کہ حضرت لقمانؑ غلام تھے آپ کے آقا نے بعض درسِ غلاموں کے ہمراہ آپ کو اپنے باغ کی حفاظت پر مامور کیا۔ اس دوران باقی غلام تو باغ سے پھل توڑ کر کھاتے رہے مگر حضرت لقمانؑ نے بالکل کچھ نہ کھایا کیونکہ وہ اسے امانت میں خیانت سمجھتے تھے۔ ایک موقع پر آقا باغ میں آیا تو اسے پھل کا کچھ گرا پڑا حصہ ملا۔ دریافت کرنے پر باقی غلاموں نے کہا کہ یہ پھل لقمانؑ نے توڑ کر کھایا ہے۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا، اے آقا! آپ ہم سب خادموں کو گرم پانی پلا کر دوڑنے کا حکم دیں تو آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ سب نے قے کی جس سے کھانے ہوئے پھل کی نشاندہی ہو گئی۔ صرف لقمانؑ کی قے ایسی تھی جس میں سے پانی کے سوا کچھ رہ نہ ہوا، اور مالک کو تپہ چل گیا کہ سائے غلاموں میں سے صرف آپ ہی امانتدار ہیں مشہور ہے کہ لقمانؑ نے کہا کہ میں نے بہت سے جیوں کی زیارت کی ہے بنی اسرائیل کے دور میں انبیاء کثرت سے آتے تھے اور خود لقمانؑ کی عمر بھی ایک ہزار سال تھی لہذا ان کی بہت سے انبیاء سے ملاقات بعد از قیاس نہیں فرماتے ہیں کہ ان انبیاء کے اقوال میں سے میں نے آٹھ باتوں کو خوب یاد کیا ہے، اور وہ یہ ہیں:-

- (۱) اگر جسم نماز کی حالت میں ہو تو رول کی حفاظت کرو۔
- (۲) اگر کھانے پر بیٹھے ہو تو حلق کی حفاظت کرو اور ضرورت سے زیادہ نہ کھاؤ۔
- (۳) اگر کسی غیر کے گھر میں جانا ہو تو آنکھوں کی حفاظت کرو۔
- (۴) اگر لوگوں کے درمیان بیٹھے ہو تو زبان کی حفاظت کرو۔
- (۵) ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو۔

(۶) ہر وقت نوست کو یاد رکھو۔

(۷) کسی اپنے باپ کے ساتھ اسٹان کرو تو میٹول ماڈو۔

(۸) جوتیر سے ساتھ برائی کا سلوک کرے۔ اس کو بھی میٹول ماڈو اور کسی کے سامنے نہ کرے۔

کسی نے حضرت لغمان سے پوچھا: حضرت! آپ اس مرتبہ تمہارے کیسے پیٹے
کہ اللہ نے آپ کو بڑی فہم و فراست عطا کی ہے۔ فرمایا:

(۱) اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے

(۲) امانت کی اور اللہ کی وجہ سے

(۳) سچا برسنے سے

(۴) لاپرواہی باتوں کے ترک سے

پھر کسی نے پوچھا: لغمان! تم فلاں غذاؤں کے خلاف تھے، تم میں فہم و فراست،
عقلندی، دانشوری اور فراخی کیسے آگئی؟ اس کو امام ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں نقل
کیا ہے کہ حضرت لغمان نے فرمایا کہ مجھے یہ چیزیں اس وجہ سے حاصل ہوئی ہیں کہ
میں نے:-

(۱) نگاہ کو ہمیشہ نیچا رکھا ہے۔

(۲) زبان کو فضول باتوں سے روکا ہے۔

(۳) خرد آک کر صحیح بنایا ہے۔

(۴) اپنے امور کی حفاظت کی ہے۔

(۵) سچا برلا ہے۔

(۶) عہد کو پورا کیا ہے۔

(۷) مسلمان کی عزت کی ہے۔

(۸) پڑوسی کی حفاظت کی ہے

(۹) لایعنی چیزوں کو ترک کیا ہے۔

حضرت لقمانؑ کا یہ قول بھی مشہور ہے **ضَرْبُ الْوَالِدِ كَالضَّمَادِ** یعنی والد کا بچے کو تلبیہ کے لیے مارنا بچے کے لیے بمبزلہ کھار کے بے بچے کو سزائش کرنا بری بات نہیں بلکہ اس کے حق میں اچھی ہوتی ہے۔ **سُحْرَىٰ صَاحِبِ الْقَوْلِ** بھی ہے "مہر پر سے ضرب استاد بہتر ہے"

استاد کی مار والدین کی شفقت سے زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ آپ کا یہ قول بھی ہے **إِيَّاكَ وَالذَّيْنَ فَإِنَّهُ ذُلُّ النَّهَارِ وَهَسْرَةُ اللَّيْلِ** یعنی قرص سے بچو کیونکہ یہ دین کی ذلت اور رات کی فکرمندی ہے۔

ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمانؑ سے پوچھا **كَيْفَ أَصْبَحْتَ** یعنی آپ کا کیا حال ہے تو کہنے لگی **أَصْبَحْتُ فِي يَدِ غَيْرِي** میں اپنے آپ کو غیر کے ہاتھوں میں پاتا ہوں۔ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ غیر ہاتھ سے مراد دست قدرت اور مدد ہے۔ حفیظ جالندھری نے بھی کہا ہے۔

دیکھو اور گیانی دنیا ہے فانی

آگ لگی ہے حسن میں

دل ہے پانے بس میں

اسی طرح اگر کوئی امام مائت سے پوچھتا **كَيْفَ أَصْبَحْتَ** یعنی آپ کا کیا حال ہے، تو جواب دیتے **عَمٌّ يَنْقُصُ وَذَلُوبٌ تَنْزِيْدٌ** یعنی عمر گھٹ رہی ہے، اور گناہ بڑھ رہے ہیں۔

حضرت لقمانؑ سے بھی منقول ہے کہ میں نے بہت سی کڑوی چیزوں کو چکھا ہے۔ مگر فقر سے زیادہ کڑوی چیز کوئی نہیں پائی۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی

فخر سے پناہ مانگی سے اَللّٰهُمَّ اَلْقِبْ اَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ الْمُدْبِقِ لَنْ
 الشَّرِّ! میں تیری ذات کے ساتھ تو ہی میں ملائیت کے فخر سے پناہ مانگتا ہوں۔

آپ کا یہ قول یہی ہے کہ دنیا میں اُن سے بہتر تو ایسے کی طرف پشت اور اُخراست
 کی طرف دُعا کر لیں دنیا کو تم قریب بگوشہ ہو وہ بہت جیسے اور میں اُن کی
 کی طرف جاسے ہو وہ حقیقت میں بہت قریب سے آپ سے یہی متحمل ہے
 کہ کھانا کھلانے کے لیے پرہیزگار دل کر تلاش کرے اور اُن سے کے لیے علماء کو
 تلاش کرو۔ ترمذی شریعت میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ
 بخت اور دعوت کا کھانا حقیقی آدمی کو کھلائے کیونکہ وہ کھانا کھاکر نہ اٹھتا اور دنیا
 عبادت کہتے گا اور اس کا نصیب بھی فائدہ ہوگا۔ برضاوات اس کے اگر ناسخ فاجر
 کو کھلاؤ گے تو وہ ناشدنی کہتے گا۔ گناہ کا مرتکب ہوگا اور اس میں تمہارا بھی حصہ ہو
 گا لہذا فرشتے ہیں کہ بناؤ سے میں شریک ہو کہ اس سے آخرت یاد آئیگی۔ نیز
 شادی میں جانے سے گریز کرو کہ اس سے دنیا یاد آتی ہے، آپ نے یہ بھی سن لیا
 کر: اپنی زبان سے اَللّٰهُمَّ اَعْفِ عَنِّي لِي كَمَا كَرِهْتَ لِي مَا تَعَالَىٰ لِي سَتِ اُنْفِئِلُ
 کی معافی طلب کیا کرو۔ حدیث میں آئے کہ خود حضور علیہ السلام ایک ایک
 مجلس میں ستر ستر مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔

بے گناہ کو
 نصیبیں

حضرت عثمان نے پہلے بیٹے کو بہت سی نصیحتیں کیں جن میں سے بعض کا
 ذکر اہل آیات میں آیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بہت سے
 پند و نصیحتیں کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے بیٹے سے کہا يَا بُنَيَّ اِنَّ الدُّنْيَا
 بَعْدُ عَيْشٌ قَلِيلٌ فَهِيَ خَالِقٌ كَثِيرٌ اَنْ يَّبْنِيَّ دُنْيَا اَيْبُ كَرًا
 مندر ہے جس میں بہت سی مخلوق جاکر ہو چکی ہے۔ یاد رکھو! اس پند کو کئی نکت

۱۶۵ در سنن ترمذی ص ۱۶۵

(فیاض)

۱۶۵ در سنن ترمذی ص ۱۶۵

پار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا تمہارے لیے بمنزلہ کشتی کے ہے، خدا کی نجات پر بھروسہ تمہارا بادبان ہے اور اس سفر میں تمہارا ترشہ تقویٰ ہے۔ پھر اگر تم اس سفر کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو سمجھ لینا کہ اللہ کی رحمت سے بچ گئے اور اگر ہلاک ہو جاؤ تو اسے اپنے گناہوں کی شامت سمجھنا۔

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا کہ علماء اور حکماء کی مجلس میں منور بیٹھا کرو کیونکہ علم و حکمت کے ذریعے اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ آپ کا یہ قول بھی مشہور ہے کہ اے بیٹے! میں نے بڑے بڑے پتھروں اور وزنی لوہے کو اٹھایا ہے فلَمْ أَحْمِلْ شَيْئًا أَثْقَلَ مِنِّي جَابِلُ سُوَيْدٍ مَّكَرٌ میں نے بڑے بڑے پروسی سے بوجھل کسی چیز کو نہیں اٹھایا۔

ارشاد خداوندی ہے کہ ہم نے حضرت لقمانؑ کو حکمت عطا کی اِنَّ اسْتَكْرًا لِلّٰهِ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فہم و فراست اور عقل و دانش جیسی بلند چیز عطا کی ہے، اس انعام پر اس کا شکر یہ ادا کرو اور یاد رکھو۔ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ جو کوئی شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنی ہی بھلائی کے لیے کرتا ہے۔ خدا کی ذات و صفات میں شکر کرنے سے کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَیْسَ شُكْرُكُمْ لَآ زَیْدًا لَّكُمْ وَلَکِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابَآلَآئِدِ لَشَدِیْدٌ (ابراہیم۔ ۷) اگر انعام پا کر میرا شکر ادا کرو گے تو میں مزید نعمتیں عطا کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کا اظہار کیا تو پھر یاد رکھو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے، مطلب یہ کہ شکر گزاری میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ دنیا میں اس کے انعام و اکرام میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا اخلاق درست ہوتا ہے اور آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں۔

شکر کا اصول

۱۔ درمنثور ص ۱۶۲

(فیاض)

۲۔ درمنثور ص ۱۶۳

مَرْيَا وَمَنْ كَفَسَ فَإِنَّ اللَّهَ يَجْزِي حَسْبَهُ اور جس شخص نے انکسوی کی، تو
 اللہ تعالیٰ بے نیاز اور توہینوں والا ہے۔ کسی کی انکسوی سے خدا تعالیٰ کا تو کب نہیں جا رہا ہے
 عا، البتہ وہ خود ہی مستوجب سزا کا۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، اسے کسی کے شریک، شری
 کی کچھ پروا نہیں۔ وہ ہر حال میں توہینوں والا ہے۔ کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ
 کرے، وہ کمال صفات کا مالک ہے اور اس کی ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔

وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهِ وَهُوَ يُعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا
تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾
وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ
وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَفِصْلَةٌ فِيْ عَامَيْنِ اَبٍ
اَشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَى الْمَصِيْرِ ﴿۱۴﴾ وَانْ
جَاهِدْكَ عَلٰی اَنْ تُشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا
وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَىَّ ثُمَّ اِلَىَّ
مَرْجِعُكُمْ فَاُنۢبِئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ:- اور (اس بات کو یاد کرو) جب کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے اور وہ اس کو نصیحت کر رہے تھے، اے بیٹے! نہ شرک کرنا اللہ کے ساتھ۔ بیشک شرک البتہ بہت بڑا ظلم ہے ﴿۱۳﴾ اور ہم نے تاکید سے حکم دیا ہے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں۔ اٹھایا ہے اس کو اس کی ماں نے صنعت پر صنعت پر برداشت کرتے ہوئے اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہوتا ہے دہم نے اس کو حکم دیا کہ شکر ادا کرو پیر اور اپنے ماں باپ کا

میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے (۱۴) اور اگر وہ تمہیں چھو کر
 کہیں اس بات پر کہ تم میرے ساتھ شریک کرو میں چیز
 کو جس کو تمہیں ملے نہیں، میں اُن کی بات نہ مانوں اور
 رفاقت اختیار کرو اُن کے ساتھ دنیا میں دستہ کے
 مطابق اور پردہ کر لو اُس کے ساتھ آئی جو عین کبت
 ہے میری طرف۔ میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر
 آنا ہے۔ پھر بتا دوں جو تم کو وہ کام جو تم کی کرتے
 تھے (۱۵)

باطل آیات

گذشتہ آیات میں حضرت لقمان کی حکمت کو ذکر فرمایا اور اس ضمن میں
 اُن کو اجمالی تعریف بھی عرض کر دیا تھا۔ حضرت لقمان اللہ کے نیک بندے
 اور دانشور تھے۔ اللہ نے اُن کو حکمت سے وافر عطا فرمایا تھا اُن کی آیات
 میں لقمان کی وہ جگہ نہ ہیں جہاں کہی ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو بطور نصیحت
 کہی تھی۔ ان نصائح میں اولین نصیحت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک
 نہ بناؤ اور ہی اُن کے حکم جو تم نے کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ انہوں نے شرک کیجیے
 غلط عقیدے سے کُراہت فرمائی۔

شرک کی
 ممانعت

ارشادِ بَرّاتِ اس بات کو یاد کرو وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ جب کہ
 کہا لقمان نے اپنے بیٹے سے۔ وَكَهْوِ عِظَةٍ اس حال میں کہ آپ اس کو
 نصیحت کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وَعِظَةُ مطلب یہ بتاتے
 ہیں قہر المدارک الظلمانية بالانوار المعارف القدسانية
 میں ذہنی آرمی کو معرفت کے نور سے دور کرنا۔ یہ عقیدہ ترغیب اور ترہیب
 کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ کبھی اچھی چیزوں کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے

(فیاض)

لہ الخیر الکثیر ص ۹۰

اور کبھی بڑے عقائد و اعمال کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔ بہر حال حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو اس طرح نصیحت فرمائی **يَا بَنِيَّ لَا تَشْرِكْ بِاللَّهِ** اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ مفسرین کرام اس نصیحت کی بنیاد دو چیزوں کو قرار دیتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اُن کا بیٹا واقعی شرک میں مبتلا ہو اور آپ اُس سے ہٹانا چاہتے ہوں۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بیٹا فی الوقت شرک میں ملوث نہ ہو مگر اس کی قباحت کے پیش نظر باپ اپنے بیٹے کے ساتھ نہایت ہی خیر خواہی کا بردار دکھتے ہوئے اُسے آئندہ کے لیے بھی اس کے قریب جانے سے منع کر رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ باپ کو اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت ہوتی ہے اور اس محبت کا تقاضا ہے کہ اُسے ہر اس چیز سے دور رکھنے کی کوشش کرے جو اُس کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہو۔ بہر حال آپ نے دوسرے لفظوں میں یہ نصیحت کی کہ **بِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ** ایا نہ ہو کہ تمھارا پاؤں پھسل کر شرک کی دلدل میں پھنس جائے اور یاد رکھو **إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ** بیشک شرک بہت بڑی بے انصافی کی چیز ہے۔

ظلم کا لغوی معنی ہے وضع الشيء في غير محله یعنی کسی چیز کو بے محل رکھ دینا۔ اس میں بڑے بڑے گناہ سے لیکر چھوٹے چھوٹے گناہوں اور لغزشوں تک آجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کفر، شرک اور دیگر کبائر بھی ظلم کی تعریف میں آتے ہیں۔ قتل اور زنا جیسے بڑے افعال بھی اسی مد میں آتے ہیں۔ معمولی لغزشوں میں مثلاً یہ ہے کہ کوئی شخص جو آپس میں مسجد میں چلا جائے یا مسجد میں داخل ہوتے وقت بائیں پاؤں پہلے اندر رکھ دے تو بظاہر یہ معمولی خطائیں ہیں مگر ظلم کی تعریف میں یہ بھی آتی ہیں۔ بہر حال جس طرح شرک جیسے کبیرہ گناہ کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح کفر کے متعلق بھی

فَرَايِبَ وَالْكَفْرُ وَذَٰلِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (البقرہ - ۲۵۳) کا مفہوم
 لوگ ہیں۔ غرضیکہ اللہ ان کے اپنے لیے کفر و شرک سے منع فرمایا کہ یہ بہت بڑا غلو ہے
 کھڑا اور شرک میں فرق ہے، کفر یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کی توحید، رسالت،
 اس کے فرشتوں، کتابوں یا قیامت کا سگرے انکار ہی فرمے اور لفظ قہر سے
 کہ انسان لظاہر قرار کر کے آج بھوکے دل میں انکار کرے۔ اور شرک یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے
 کی ذات کو ان کے برابر کر لے یا ان کے ساتھ اس کی ذات، صفات یا عبادت میں کسی شے کو شریک
 بنا لیتا ہے۔ مثلاً مجوسی دوسرا لڑی کر لیتے ہیں، ایک دیوان بہت اور دوسرا ابنِ
 ایک شیر کا نڈا ہے اور دوسرا شرک کا۔ آپ نہ فرماؤ اور نہ ہی کریدہ اگرنے والا ہے اور
 دوسرا تاریخی اور بڑی اور۔ ہندوؤں میں ستان دھرمی فرسے کا عقیدہ ہے کہ خدا میں ہیں
 ایک پیدا کرتے والا، دوسرا خاں لکھنے والا اور تیسرا کرنے والا۔ یہ میں میانوں کو
 تشریح کے قائل ہیں۔ پھر باب۔ ثانی اور روح القدس تینوں کو الٹتے ہیں۔ مجوسوں
 کے دوسرا لڑی کریدہ ان کے سورۃ الفاعل کی ابتدائی آیت میں کر دی ہے کہ سب تعزیریں
 اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا **وَلَعَلَّ الظَّالِمَاتِ
 وَالسُّوءَاتِ** آیت۔ اور جس نے آج کی اور کئی دوسری چیزوں کو پیدا کیا۔ گویا
 کلمت اور لڑکھانے ایک ہی مذہب ہے۔ دو عقیدہ عقیدہ نہیں ہیں۔ وہی **الْقِسْفُ** ہے
 ہے جو ہر چیز کو مٹاتا ہے۔ اور وہی **الْمُحِيطُ** ہے جو ہر چیز کو گنا کرتا ہے
 انڈا ہنوار انصاری کا تلمیح والا عقیدہ ہمیں باطل ہے۔ یہ اللہ کی ذات میں شرک
 کی نئی نوعیت۔

دوسری قسم کا شرک یہ ہے کہ کوئی شخص مخلوق میں سے کسی کو خدا تعالیٰ کی صفات
 مطلقہ میں شریک ٹھہرائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفت **مُتَقَدِّمٌ** ہے واللہ **بِكُلِّ
 شَيْءٍ عَلِيمٌ** ذمکرات۔ ۱۶، ہر چیز کو مٹانے والا صرف خدا تعالیٰ ہے۔
أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (بختمہ صحیحہ - ۵۴) اور ہر چیز کا لحاظ
 کرنے والا بھی وہی ہے، اب اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ کے عباد

مخلوق میں سے بھی کوئی نبی، ولی، فرشتہ یا جن ہر چیز کو جانتا ہے۔ یا اُس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے تو ایسے شخص نے اللہ کی صفت میں غیر کو شریک کیا اور اس طرح شرک کا مرتکب بن گیا۔ اسی طرح صفتِ خلق بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے جیسے فرمایا اللہ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر - ۱۶۲) ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص مخلوق میں سے کسی کے متعلق عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ بھی پیدا کر سکتا ہے تو ایسا شخص مشرک ہو جائے گا۔ کیونکہ اُس نے صفتِ خلق میں اللہ کا شریک ٹھہرایا۔ انتہائی درجے کی تعظیم قولی، فعلی یا جہانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے کیونکہ معبودِ برحق اور نفع نقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ اب اگر اسی نظریہ کے ساتھ کسی غیر کی تعظیم کی جائے کہ وہ بھی نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے تو یہ بھی شرک ہے، نذر و نیاز صرف مالک اور خالقِ حقیقی کے لیے مخصوص ہے۔ اگر غیر اللہ کے سامنے پیش کی تو شرک کا ارتکاب کیا۔ (غیر کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو نذر و نیاز دی جاتی ہے)

تدبیر بھی اللہ کی صفتِ خاصہ ہے یَدِ بَرِّ الْأَمْرِ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (الکرمجدة - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ مدبر کا لفظ سورۃ النزعۃ میں فرشتوں کے لیے بھی استعمال ہوا۔ جیسے فرمایا فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا (آیت - ۵)۔ یعنی وہ امور دنیا کی تدبیر کرتے ہیں۔ مگر وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ اللہ نے دنیا کی جس ڈیوٹی پر لگا دیا ہے، وہ اس کو انجام دیتے ہیں اور از خود کوئی کام نہیں کرتے، لہذا اُن کی تدبیر بھی اللہ ہی کی تدبیر کے تابع ہے۔ بغرضیکہ اللہ کے سوا کسی چیز کی تدبیر بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ایسا اعتقاد رکھے گا۔ تو وہ مشرکوں کی صف میں کھڑا ہو جائے گا۔

شرک کی بہت سی قسمیں ہیں اور اکثر و بیشتر لوگ کسی نہ کسی قسم میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ آج کل کے تعویذ گندے بھی اسی قبیل سے ہیں۔ ایسے تعویذوں میں لبا اوقات

عزیز اللہ سے مدد طلب کی جاتی ہے کہیں یا جب ان لوگوں کو یہ سب کچھ لکھا جاتا ہے تو کہیں
خدا برحق کو پکارا جاتا ہے۔ کہیں جنات سے مدد طلب کی جاتی ہے اور کہیں شیطان
کا نام لکھ لیا جاتا ہے۔ یہ شرک کی باتیں ہیں بعض اوقات اگر مکان بنا ہے تو
اس کی جنسیا دروں میں مانا تو یہ بھی کیا جائے۔ مگر جنات خوش برہمیں اور کوئی
نقصان پہنچائیں۔ پھر اگر مسلمان یا علی یا غوث یا پیر یا مدد و خیر تو کھڑوں پر کھ
ہوتے ہیں۔ تاکہ گاڑی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ پھر بیسیوں کی طرح مسیب لگاؤ،
یا ہندوؤں کی طرح زنا سہنا، یا بھگتوں کی طرح عادت میں شرک ہوئے یا فیصلہ
بروہ صفت برائے کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر اس میں خیروں کو شریک کر لیا تو
شرک ہو گیا اور شرک کے متعلق یہاں فرمایا کہ وہ عظیم عظیم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مخلوق
میں سے ماورق الاسباب کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ ساری مخلوق عاجز ہے۔ اَفَمَنْ
يَخْلُقُ لَكُمْ لَمْ يَخْلُقْ رُحُلَكُمْ (۱۰۱) کیا یہ کہہ کر میرا زمین مان کر نہ یہ کرنے
والا بھی مخلوق برابر ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ایہ خیال کرنا بڑی ہی بے انصافی کی
بات ہے اور حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو یہی بات کہائی۔

والرین
کے متعلق

یہاں تک کہ حضرت لقمانؑ کا کلام نقل کیا گیا ہے جو آپ نے اپنے بیٹے سے کہا۔
اب اعلیٰ آیت میں اللہ تعالیٰ نے عام ان لوگوں کو خطاب کیا ہے۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ
بِعَالِيَّتِهِمْ۔ ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں یہی حکم دیا ہے۔
مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت لقمانؑ کے معنی بعد اللہ تعالیٰ کے خطاب کا اور وہ
ہیں۔ ایک دہر تو یہ ہے کہ اسم سے یہ بات کہی، مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے
بی فریاد کے بعد دنیا میں مخلوق کے حقوق کے ضمن میں والدین کا حق سب سے پہلے ہے
سورۃ بنی اسرائیل میں لکھا ہے وَوَصَّيْنَا رُبُّكَ الْآلَةَ تَبَدُّوا إِلَّا آيَاتُ
وَرِثَاتِهِمْ احْسَانًا آیت ۲۳ تیسرے پر درجہ کا فیصلہ ہے۔ کہ

صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ دیکھ لیں، یہاں بھی توحید باری تعالیٰ اور والدین کے حقوق کو اکٹھا بیان کیا گیا تو فرماتے ہیں کہ والدین سے نیک سلوک کا حکم حضرت لقمانؑ بھی اپنے بیٹے کو دے سکتے تھے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ ایسا کہہ نے ہیں ذاتی غرض سامنے آتی تھی، لہذا والدین سے حسن سلوک کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اس مقام پر بڑا قیمتی نوٹ لکھا ہے کہ حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت کے بعد اور دوسری نصیحتوں سے پہلے باپ کا حق فرمادیا کہ اللہ کے حق کے بعد والدین کا حق ہے۔ باپ نے بیٹے کو اللہ کا حق بتایا تو اللہ نے اس کو باپ کا حق بتلادیا۔ باقی پیغمبر، مرشد یا لہوی کا حق بھی اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ بھی اسی کے نائب ہوتے ہیں۔

بہر حال باقی انسانوں میں سے ماں باپ کا حق سب پر مقدم ہے۔ اس کے بعد دوسرے انسانوں کے حقوق آتے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ میں کس کے ساتھ نیکی کروں، تو آپ نے تین دفعہ ماں کا نام لیا اور چوتھی دفعہ باپ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد باقی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ چنانچہ جیسا کہ آیت کے اگلے حصے میں اشارہ ملتا ہے ماں کے حق کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

فرمایا ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا تاکید حکم دیا اور خاص طور پر ماں کے ساتھ کیونکہ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهُنَّ أَعْلَىٰ وہیں اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اس کو اٹھایا یعنی دورانِ حمل ماں نے سخت تکلیف برداشت کی، اور جب بچہ پیدا ہو گیا وَفِصْلُهُ فِصْل یعنی اور اس کا

ماں کا
خصوصی حق

دو درہ چھڑانا دو سال میں ہو آہستہ یعنی ماہ سے دو سال تک بچے کی اپنے دوسرے پر
 پرورش کی جگہ اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ اسی لیے تاکید ہی حکم و آیت وَأَشْكُرُ لِي
 کہ یہ اشکر یا ادا کرو۔ کہ میں تمہارا حقیقی نمان ہوں۔ وَلَوْلَا لَدَيْكَ اور اپنے والدین
 کا بھی شکر یہ ادا کرو کہ وہ تمہارے اس دنیا میں آنے کا ظاہری سبب سے اور انہوں
 نے ہمیں میں تمہاری پرورش کی۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ اور میں میری ہی طرف
 لوٹ کر آتا ہے۔ میں تم سے پوچھ لوں گا کہ تم نے میرے حکم کے مطابق عمل کیا ہے
 یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس تاکید ہی حکم اور والدین سے شکر سلوک کا یہ تقاضا ہے کہ ان کی
 قورن اور فضل و ندرت کی جانے اگر وہ محتاج میں تو ان کی مالی ندرت کی جانے اور اگر فی
 ہیں تو یہ بال طور پر ندرت کی جانے اور انہیں کسی بھی صورت میں طبیعت نہ پہنچائی جائے
 خاص طور پر جب وہ بڑھے ہو جائیں تو اللہ کا فرمان ہے فَلَا تَقْضُ لَهُمْ مَا
أُوتُوا وَلَا تَنْهَنَّهُمْ وَقُلْ لَهُمْ مَا قَوْلًا كَرِيمًا (یعنی اسرائیل ۳۳)
 کہ انہیں اوت تک نہ کوراد نہ ان کو مجھ کر کہہ ان کے ساتھ حرم کلام سے پریش
 آؤ۔ والدین کو ذہنی جہالت کی طرح بھی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

رضاعت
 کا حکم

اس آیت کریمہ میں رضاعت کا سنہ صحیح بیان ہوا ہے کہ بچے کی دوسرے
 چھڑانے کی مدت دو سال ہے۔ امام ابن تیمیہؒ اس کو اربعانی سال بیان کرتے ہیں
أَهْمُ جَمْعِهِمْ کے نزدیک دو سال میں سے دو درہ وَأَشْكُرُ لِي آیت سے وَلَوْلَا لَدَيْكَ
يَوْمَ تَضَعُ أَوْلَادَهُمْ حَنَانًا مَلَيْنَ لِي لَنْ تَرَوْا أَنْ تَبْنُو لَهُ رِضَاعَةً
 (آیت ۲۳۳) اور ماہینہ پختہ بچوں پر۔ دو سال تک دوسرے چھڑانے اور بچے کا
 والد رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہیے۔ سورۃ النسا آیت ۱۵ وَحَتْمًا
وَفِي سَلْبِهِ تَلْتَمِسُونَ شَهْرًا آیت ۱۵، عمل اور دوسرے چھڑانے کی مدت
 تیس ماہ ہے۔ اس سے فقہاء اکثر یہ ظاہری الفاظ کرتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ دو سال
 کی عمر کے بعد کسی غیر ماں کا دوسرے چھڑے گا تو وہ اس کا رضاعی بیٹا نہیں ہے گا۔ کیونکہ
 دو سال کے بعد اس کی رضاعت ختم ہو چکی ہے۔

پہلی آیت میں حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو مشرک کی قباحت بیان کر کے اس سے منع کیا تھا۔ پھر درمیان میں اللہ نے والدین سے متعلق حسن سلوک اور اُن کی اطاعت گزاری اور خدمت گزاری کا حکم دیا، مگر شرک کے متعلق فرمایا وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا كَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اگر تیرے والدین تجھے مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ ایسی چیز کو شرک بناؤ جس کا تمہیں علم نہیں فَلَا تَطِعْهُمَا تو اُن کی بات نہ مانو۔

اس مقام پر اللہ نے صرف شرک کے معاملہ میں والدین کی اطاعت سے منع فرمایا ہے مگر صاحب تفسیر منظر سخی اور بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ اگر والدین شریعت کے کسی بھی حکم کے خلاف مجبور کریں تو اُن کی بات نہیں مانی جائیگی۔ مثلاً والدین مجبور کریں کہ کسی فرض، سنت، ہو کدہ یا واجب کو ترک کر دو تو اولاد کے لیے حکم ہے کہ وہ والدین کی بات نہ مانیں، ہاں اگر کسی مباح عمل سے منع کریں مثلاً نفل پڑھنے کی بجائے اپنے پاس رہنے کا حکم دیں تو ایسی صورت میں نفل ترک کیے جاسکتے ہیں۔ اور اگر وہ کہیں نماز باجماعت کے لیے مسجد میں نہ جاؤ یا غیر اللہ کی نذر و نیاز دو تو اُن کا یہ حکم ماننے کی اجازت نہیں ہے۔

فرمایا والدین کے غلط حکم کا انکار کر دو، البتہ وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا دنیا میں اُن کے ساتھ دستور کے مطابق رفاقت اختیار کرو۔ اگر والدین کافر بھی ہوں تو پھر بھی دنیاوی معاملات، لین دین اور خدمت گزاری کے سلسلے میں اُن سے اچھا سلوک کر دو۔ ہمارے بزرگوں میں سے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اس حکم کی زندہ مثال ہیں۔ آپ کی والدہ آخری دم تک ہندومت پر قائم رہی۔ اگرچہ آپ بڑی عمر کے ہو چکے تھے مگر والدہ آپ کو پیٹ بھی لیتی تھی مگر آپ اُت تک نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ماں نے ایک گائے کی قرماش کی تاکہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اُسے دان (خیرت) کر سکے۔ مولانا نے گائے خرید کر دی اور ماں کو راضی

والدین سے
حسن سلوک

کی۔ اور غیر مذہب میں ہونے کے باوجود آگے پیشہ اپنے ساتھ رکھ، چہرہ آپ
 جہت کر کے افغانستان چلے گئے تو ان میں روٹنی، یہ اسلام، آقا کی برکت تھی
 کہ نواز نے غیر مسلموں کا بھی پرہیز سزا دیا۔

جیسے حضرت سیدہ اسلام نے قرآن کی والدہ سخت ناراض ہوئی تھی اور اس نے
 قسم اٹھائی کہ جب تک سیدہ اسلام کو نہیں چھوڑے گا، کھانا نہیں کھاؤں گی، آپ نے
 ان کو زبردستی کھانا کھانے کی کوشش میں کی مگر کچھ اڑا دیا تھا کہ اگر وہ جھوک سے سر
 بھی باقی ہے تو اسلام کو ترک نہیں کروں گا۔ بالآخر مال بھور ہو گئی اور اس نے حضرت
 سیدہ کو دین سے ہٹانے کی کوشش ترک کر دی۔

خدا کی آیت
 کہ تہات

آگے اللہ نے فرمایا: وَاشْتَبِعْ سَيِّدًا لَّكَ يَا مَعْرُوفُ اور اس کے
 آگے کی اتباع کرو جو میری طرف جرت رکھتے ہو، مافوقوں، کہ قروں، مشرکوں اور
 پرستیوں کا اتباع نہ کرو، بلکہ ان لوگوں کے نقش قدم پر چھوینے کا عقیدہ، اعتقاد اور عمل
 میں سے اور جن میں اطاعت اور نئی کو عنصر پایا جاتا ہے، اس آیت سے حکم گزار
 اور کلام کی تقلید بھی، بت کرتے ہیں، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد
 کا نظریہ ماننا ہی تسلیم کھاتا ہے، کیونکہ یہ نئی اور اطاعت کے لئے لوگ تھے، جنہیں لوگ اس
 تقلید کو حرام قرار دیتے تھے، اپنی طرف جاتے ہیں مگر ان لوگوں میں تقویٰ اور سچائی
 کہاں جو امام کلام میں اپنی باقی تھی، امام ابوحنیفہ، اتباع دینا بعد میں کیا جاتا ہے، یہ سب
 کھانڈ سے پیار کی لوگ تھے، سب سے کراڑے کے بعد ہی لوگ درجہ گاہ پر نہ ناز ہوتے
 ہیں، امام شافعی کی تقلید اس لئے کی جاتی ہے کہ آپ نے یہ ہی ذہنیں ڈر کھجوا
 تھے، اور اس طرح دور سے امام کلام بھی تھے، ان کو اتباع اسی تقلید نظر سے
 سخت کیا جا رہا ہے کہ یہ اصحاب امت کے دیگر لوگوں سے نئی اور تقویٰ میں
 بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے انہیں غیر انتم و فرستے گئے تھے۔

فرمایا میری طرف رجوع رکھنے والے کا اتباع کرو ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ پھر
 تم سب نے میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے فَاَنْبِئْهُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ پھر میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم دنیا میں کام کرتے ہو۔ قیامت
 والے دن تمہاری ساری کارگزاری تمہارے سامنے آجائے گی۔

اتل مآ وی ۲۱
در ششم ۶

لقمن ۳۱
آیت ۱۶، ۱۷

يٰۤاِبْنَتِي اِنَّهَا اِنْ تَكُ مَثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ
اَوْ فِي الْاَرْضِ يٰۤاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ
خَبِيْرٌ ﴿۱۷﴾ يٰۤاِبْنَتِي اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرِي الْمَعْرُوْبَ
وَاَنْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرِيْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ اِنَّ
ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَكَ
لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِيْ فِي الْاَرْضِ مَرْحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَاَقْصِدِيْ فِي مَشِيْكِ وَاغْضُضِيْ
مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: اے بیٹی! اگر ہو ایک آنے کے دانے
کے برابر ہی کوئی چیز۔ پس ہر وہ کسی چیز میں یا آسمان
وہ کسی کشتہ پر یا زمین کے کسی گوشے میں۔ اسے
گھا اُس کو اللہ تعالیٰ۔ بیشک اللہ تعالیٰ لطیف ہے اور
ہر چیز کو خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۷﴾ اے بیٹی! نہ کہو
نہاز کرو، اور حکم دینی کا اور منع کرو بڑائی سے، اور
صبر کرو اس چیز پر جو تمہارا ہونے لگے۔ بیشک یہ بات پڑھو
میں سے ہے ﴿۱۸﴾ اور نہ پیلاؤ اپنے گال لوگوں کے سامنے
اور نہ چوڑھیں میں اترتے ہوئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ

کہنا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں کیوں کہ ان اللہ لطیف خبیر ہیں اللہ تعالیٰ بہت باہیک بن اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

عناصہ کی روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا کسی انسان کا عمل اگر کسی مشہور و نامیوں کے قلب میں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے حاضر کر دیگا اور پھر جزائے عمل کے وقت اس کا شمار کیا جائے گا۔ اس امر کی تصدیق بعض دوسری آیات قرآنی سے بھی ہوتی ہے سورۃ الزلزال میں ہے فَتَنَّا يَعْسَلَ مِشْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَى ⑤ وَصَوَّبَ يَسْفَلَ مِشْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَى ⑥ اگر کسی شخص کی ذرہ بڑھیں گی یا وہی ہوگی تو میری اعمال کے وقت سامنے آئے گی۔ سورۃ الکہف میں بھی ہے وَوَجَدُوا مَا عَدِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظُنُّرُونَكَ آخِذًا آيَاتِ ۲۹۰ ہر شخص اپنا عمل اپنے سامنے حاضر ہائے گا۔ ان کے اعمال کا ٹیک ٹیک بول دیا جائے گا۔ اور کسی سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ بہر حال حضرت اعمان نے اپنے بیٹے کو خبردار کر دیا کہ تمہارا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے اور وہ اس کے مطابق پڑوگا۔ اگر انسان کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور مخلوق کی کوئی نیکی یا برائی اس سے مخفی نہیں ہے تو پھر انسان بہت سی نیکیاں اکٹھی کرنے کی کوشش کرے گا اور بہت سی برائیوں سے بچ جائیگا قرآن میں موجود ہے يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَى الشَّارِبِ وَالْعَادِقِ ۱۰ اُس دن تمام نازکوں کو شہدے ہائیں گے اور کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی۔ اُس وقت گنہگاروں کو بڑی ندامت اور شہدائی ہوگی۔ لہذا اس دنیا میں سوچی سمجھی کر کے قدم اٹھانا چاہیے۔

اس کے بعد حضرت اعمان نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت بھی کی یعنی اَفْرِحِ الْعَسْكَالَةَ اے بیٹے نماز کو قائم رکھو۔ نماز ایک ایسی اعلیٰ ترین عبادت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر شریعت میں لازم رہی ہے۔ اور یہ اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ حق تعالیٰ نے

لَمَّا خَلَقَ آدَمَ ۱۰ وَنَحْنُ نَأْتِي مَعَهُ ۱۰ (قیاض)

نماز کی تاکید

وہ سب سے پہلے اسی کے متعلق سوال ہو گا۔ کہ دنیا میں نماز قائم کی تھی یا نہیں
فارسی شاعر نے بھی کہا ہے۔

روز محشر کہ جان گزار بود

اولیں پرکشش نماز بود

نماز تقرب الی اللہ کا قوی ترین ذریعہ ہے۔ یہ ایسی جامع العبادات ہے جس میں روح و دماغ
زبان اور دیگر اعضاء و اجزایں اللہ کی تعظیم میں مشغول ہو جاتے ہیں، گویا ظاہری اور باطنی ہر ذریعہ
سے عبادت کا ذریعہ نماز ہے، نماز میں جو مناجات اور دعائیں کی جاتی ہیں ان میں تمام نیک
لوگ شامل ہوتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جب کوئی نماز میں
اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ نَا وَ عَلَیْ عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ پڑھتا ہے تو اس کا اثر ارض و سما
میں ہر نیک بندے تک پہنچتا ہے، نماز میں تمام اہل ایمان، فرشتوں اور نیک جنات
کا حق ہوتا ہے۔ جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ تمام بندوں کا حق ضائع کرتا ہے۔

نماز انفرادی عبادت بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ یہ انفرادی عبادت اس لیے ہے کہ اس کے
ذریعے ہر نمازی کی ذاتی اصلاح ہوتی ہے۔ اور اجتماعی فریضہ اس لحاظ سے ہے کہ نماز کا
قیام ہر اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ شاہ ولی اللہ اپنی کتاب ازالۃ الخفا
میں لکھتے ہیں کہ ہر مسلمان خلیفہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مساجد تعمیر کرے، ان میں امام
مقرر کرے اور نماز باجماعت اور جمعہ کا اہتمام کرے۔ دینی تعلیم کا بندوبست کرے
اور حصول انصاف کے لیے شرعی عدالتیں قائم کرے۔ حدود کو قائم کرنا، دین کی تبلیغ
کا انتظام کرنا، ملکی سرحدوں کی حفاظت کرنا وغیرہ بھی فرائض خلافت میں شامل ہیں۔
آج کل تو نظریہ بدل چکا ہے اور امور سلطنت اور مرد دین کو الگ الگ چیز سمجھا جاتا ہے
مگر حقیقت میں یہ سب ایک ہی چیز کے مختلف شعبے ہیں۔ جس طرح دیگر امور سلطنت
انجام دینا حکومت وقت کا فریضہ ہے اسی طرح نماز کا قیام بھی حکومت کے فرائض

سے نام حق صلا اللہ صلاہ ازالۃ الخفا، صہبہ (فیاض)

میں داخل ہے۔

موظا اہم ناکت نہیں سہت کہ حضرت عمرؓ نے تمام گورنوں کو سرکلر جاری کیا تھا **لِّمَنْ أَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنَّهُ عَنِ الْمَسْئُورِ** جیسک میرے نزدیک تھا ہے اہم ترین کاموں میں سے ایک کام نماز کا قیام ہے۔ تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ اس بات کا خیال رکھو کہ تمہاری عملداری میں کوئی مردوزن نے نماز نہ پورا کرے۔ قرآن پاک میں نماز کی بڑی تاکید آئی ہے۔ بتیس مرتبہ نماز اور دو رکعت کا مواظب حکم دیا گیا ہے **أَقِمْ وَاصِلًا الصَّلَاةَ وَانذِرْ الْمَلَائِكَةَ** جسے عبادہ لغویاً ایک منور مرتبہ صلوات کے ساتھ نماز کا ذکر کیا ہے۔

نماز کا حکم لینے کے ساتھ ساتھ حضرت لغمانؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت بھی کی **وَأَعِزَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنَّهُ عَنِ الْمَسْئُورِ** یعنی کا حکم دو اور بڑائی سے منع کرو۔ قرآن پاک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ ایک دوہا ہے اور اس کے اولین مخاطبین حکام وقت ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ بڑائی کو بڑے طاقت ختم کریں اور نیکی کو رائج کریں۔ اس کے بعد عام مسلمان کو بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے گھر، برادری، خاندان یا اپنے مقررہ اثر میں نیکی کا حکم دیں اور بڑائی سے روکیں۔ جم غفیر کوئی بڑائی دیکھتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ اگر وہ طاقت رکھتا ہے تو اسے ہمت سے روکے اور نیکی کو رائج کرے۔ اگر بڑائی کو طاقت سے نہیں روک سکتا تو زبان سے نیکی کی کرشمش کرے۔ اگر ایسا بھی نہیں کر پاتا تو پھر سیر اور جب یہ ہے کہ حکم از حکم اس کو دل سے ہی بڑا جانے، جھڑپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بعد انسان کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہتا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ زبان کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا علماء کا کام ہے کہ وہ اپنی تقریروں اور تقریروں کے ذریعے

امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر

یہ کام سر انجام دیں۔ اور عوام الناس کا فرض یہ ہے کہ وہ دل سے ہی نیکی کر اچھا اور برائی کر بڑا سمجھیں۔

علمائے حق نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہمیشہ ادا کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں بڑی بڑی تکالیف برداشت کی ہیں۔ دنیا میں ایسے حکمران بھی گزرے ہیں کہ اگر کسی عالم نے یہ فریضہ ادا کیا تو حکم دیا کہ اس کے دانت اکھاڑ کر اس کے سر میں بٹونک دو۔ کتنے ہی اللہ والے گزرائے ہیں جنہیں اس راستے میں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ منکرات ہماری سوسائٹی کا جزو بن چکے ہیں جن میں برائی کو برائی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ آج فلم انڈسٹری کے خلاف آواز بلند کرو، اکون سنے گا؟ عریانی، فحاشی، عیاشی، قمار بازی وغیرہ اپنے بروج پر ہیں مگر ان کی روکنے کی ہمت کس میں ہے؟ یہ تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان قبیح چیزوں کا قلع قمع کرے مگر وہاں بھی مصلحتیں آرٹے آرہی ہیں۔ بہر حال حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نصیحت بھی کی۔

انہوں نے بیٹے سے یہ بھی کہا وَاصْبِرْ عَلٰی مَا آصَابَكَ بِمَا ہر پیش آمدہ تکلیف پر صبر کرنا۔ راہ حق میں لوگ تمہیں طعنے دیں گے، ماریں پٹیں گے ذہنی تکالیف دیں گے مگر تم صبر کا دامن نہ چھوڑنا۔ دیکھو! خود حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ نے دین کی راہ میں کس قدر تکالیف برداشت کیں مگر زبان پر حرف شکایت نہ آیا۔ یہ بڑی کٹھن منزل ہے جس پر ثابت قدم رہنا اور حوصلہ نہ ہارنا۔ الَّذِي ذَلَّلَتْ مِنْهُ عَزَّوَجَلَّ اُمُورٌ يَّرْتَدُّ بِهَا نَفْسُكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ کا معنی یہ ہے کہ دین میں یہ ٹوک کر چیزیں ہیں جن پر سختی سے کاربند ہونا ضروری ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور مصائب میں صبر کرنا، آئیدی احکام میں شامل ہیں۔ اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیشک یہ چیزیں جو صلے کی بات میں سے ہیں۔ ہر آدمی ان امور پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ ان کاموں میں وہی پورا اترتے ہیں۔ جن کو اللہ توفیق دیتا ہے۔

صبر کی
ترغیب

اس کے سوا بیٹے فرمایا وَلَا تَسْمَعُوا لِمَنْ يُنَادِيكُم مِّن دُونِ اللَّهِ اور لوگوں کے سامنے اپنے گالوں کو نہ چھوڑو۔ مزہ چلا دیا کہ تمہاری کہنا غرور اور تنجہ کی مہبت سمجھا جاتا ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ اور اصل صحراؤں کی ایک بیماری کا، جسے جس کے دوران اونٹ اپنی گردن کو اڑنے کی طرف اٹھاتا ہے اس لغو کو مزاجی ٹیڑ پر تنجہ کے بیٹے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ضرر آدمی عام طور پر اپنی گردن اڑانے کے کرتا ہے۔

حضرت علیہ السلام کا فرعون سے کہہ کر جس شخص نے اپنی گردن اڑانے کی بنا اس کو لیل کر کے کا، اور جس نے قرآن سے امتیاز کی بنا اس کو عزت سمجھ لیا۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھا، اور جسے کو تیرہ بھینا اور جن بات کو اس نے ان کی تخریب کی علامات میں، ایک سے صحابی نے حضرت علیہ السلام کی نصرت میں عرض کیا کہ میں تم کو اس کے ساتھ تھکے کر کے پھینکا ہوں اور کبھی کسی وہ لباس جسے اچھا لگتا ہے، اور جسے تم نے کہا میں جسے ہی استعمال کرتا ہوں، اچھا لباس پہننا ہوں، لڑکیا یہ چیزیں تمہیں دانی ہے؟ فرمایا نہیں، بلکہ یہ تو جمال ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ بِئِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ وَسَيَكُنُّ السَّيِّئُ بِعَدُوِّ الْحَقِّ وَعَدُوُّ الشَّاكِرِ اللہ تعالیٰ خود خوبصورت ہے، اور خود بصری کو پسند کرتا ہے، البتہ تنجہ یہ ہے کہ جن کو تمہارا ہے اور لوگوں کو تمہارے

فرمایا تنجہ نہ چھوڑو وَلَا تَمَسُّ فِي الْأُضْغَرِ مَسَّحًا اور زمین پر اترتے ہوئے نہ پیو، یہ بھی تنجہ کی نشانی ہے اور یاد رکھو بِئِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنِ اسْتَفْتِيَ النَّاسَ فِي شَيْءٍ اللہ تعالیٰ خود راہنمائی اختیار کرنے والے آدمی کو پسند نہیں کرتا بلکہ اسے تو عابثی اور انہی ہی پسند ہے چنانچہ حضرت امان نے بیٹے کو نصیحت کی کہ وَأَقْبِسْ فِي مَشْيِكَ اپنی چال میں ممانہ رہی اختیار کرو، بخود آدمی زمین پر آکر کھڑے ہوئے اور پاؤں اڑاؤ۔

تنجہ کی ممانہ

چال ممانہ

سے آتا ہے مگر تم ایسا نہ کرنا کیونکہ یہ سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔ خود حضور علیہ السلام کی چال اگرچہ تیز ہوتی تھی مگر آپ آگے کی طرف جھکے ہوئے نظر آتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں۔ آپ قدم کو گھسیٹ کر نہیں بلکہ اٹھا کر رکھتے تھے یہ آپ کی تواضع کی علامت تھی۔ طبیعت کے خلاف نہ بہت چیز چاں چلنا اچھا ہے اور نہ بہت سست بلکہ میان روی ہی بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے نہ کہ اکثر۔

سک السلوک جلد بزرگ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ لا تمہر پھلتے ہوئے قدم سے جھک کر جا رہے تھے، کسی نے دریافت کیا، اے علیؑ! کیا تمہاری پشت پر کوئی بوجھ رکھا ہے جو اس قدر تمہارے بار ہے ہو؟ فرمایا، میں جھک کر کیوں نہ چلوں کہ میری پشت پر اتنا بڑا بوجھ ہے جس کو اٹھانے سے زمین، آسمان اور سپاروں نے عجب انکار کر دیا۔ مگر حَمَلَهَا إِلَى نَسَانٍ (الاحزاب ۴۲) امن بوجھ کو انسان نے اٹھالیا۔ یہ انسان کے مکلف ہونے کا بوجھ تھا جو اس نے اٹھالیا۔ تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں شریعت کے منشا اور حضور علیہ السلام کی سنت کے مطابق جھک کر چلتا ہوں۔

حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو چال میں میان روی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا وَاعْظُمْنَ صَوْتَكِ اپنی آواز کو پست رکھا کرو۔ آواز کو بلا ضرورت بلند نہ کرنا سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔ اللہ نے بطور تشبیہ فرمایا إِنَّ أَسْفَلَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيمِ بیک آوازوں میں سے قبیح ترین آواز گدھے کی ہے۔ جو آدمیوں کے لیے سخت مکروہ ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب مرغ فرشتے کو دیکھتا ہے تو آواز نکالتا ہے۔ لہذا جب مرغ کی آواز سنو تو اللہ کا فضل مانگو۔ اور جب گدھا شیطان کو دیکھتا ہے تو سخت ناگوار آواز نکالتا ہے، لہذا ایسے وقت میں شیطان اور اس کے وساوس سے خدا کی ذات کے ساتھ پناہ پکڑا کرو۔ بغرضیکہ انسان کو بلا وجہ

آواز کی
پستی

۱۔ روح المعانی ج ۹ ص ۲۱

۲۔ سک السلوک ص ۲۹

۳۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۹ و تفسیر ثعالبی ج ۲ ص ۲۹ (فیاض)

کو از بندہ کر سکتے استرا کرنا، یہ ہیں۔

یہ تمام دینی اور اخلاقی نصیحتیں ہیں جو حضرت لغمانؑ نے اپنے بیٹے کو کہیں
 مگر تمام نبی نوح انسان کے لیے نکالے ہوئے ہیں۔ اور وہاں آدمی کے لیے یہاں تک کہ آدھ میں۔ حضرت لغمانؑ نے
 حکم سنی دانشور آدمی تھے۔ اور وہاں آدمی کو یہ بتا ہے جو توحید پر کا بندہ ہو۔ اور
 اللہ کے شکر سے مستغفر ہو۔ ماں باپ کا خدمت گزار اور اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر ماننا ہو
 وہاں آدمی وہ سبے ہو نماز پڑھنا ہو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فریضہ ادا کرنا
 ہے۔ مصائب پر صبر اور سحر سے پرہیز کرنا ہے۔ ایسا شخص زمین پر اترا کرتا نہیں
 چلتا اور اپنی آواز کو بھی پست رکھتا ہے یہ سب چھکنا باتیں ہیں جو سب کے
 لیے ضروری ہیں۔ ان نصائح پر عمل آدھ کامیابی کی ضمانت ہے۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَاوَاتِ
 وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرَةً
 وَبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ
 بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّبِينٍ ②۰
 وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا
 بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ
 الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ②۱
 وَمَن يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
 فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ وَإِلَى اللَّهِ
 عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ②۲ وَمَن كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ
 كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا
 عَمِلُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ②۳
 نَتَّبِعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ
 عَذَابٍ غَلِيظٍ ②۴

ترجمہ: کیا، تم نے نہیں دیکھا کہ بیک اللہ تعالیٰ نے
 سخر کیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے

اور جو کچھ زمین میں ہے اور پوری کی ہیں اُس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں۔ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو صیغہ اُکرتے ہیں اللہ کے پاس سے ہیں بغیر ہدایت اور روشنی کتاب کے (۲۱) اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس چیز کی جس کو اللہ نے آدرا بنے۔ تو کہتے ہیں کہ ہم پیروی کریں گے اُس چیز کی جس پر اِلاہم نے اپنے اہل ایمان کو اگرچہ شیطان اُن کو بلا ہے دوزخ کے عذاب کی طرف (۲۲) اور جو شخص تابع کہنے لگا اپنے پیہرے کو اللہ کے۔ اور وہ بھی کرنے والا ہو، پس بیٹک اُس نے چلا لیا ہے مضبوط کڑا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اہم سب کاموں کا (۲۳) اور جس شخص نے کفر کیا۔ پس دُغم میں ڈالے تھکو اُس کا کفر۔ ہماری طرف ہی اُن کا لوٹ کر آنا ہے۔ پس ہم اُن کو بتلا دیں گے جو کچھ وہ عمل کرتے تھے۔ بیٹک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کو (۲۴) ہم غاڈہ پنہانیں گے اُن کو شواری مت تک۔ پیہر ہم اُن کو مجبور کریں گے سخت عذاب کی طرف (۲۵)

بیت آیت

گزشہ رکعت میں حضرت لقمانؑ کی کچھ نصیحتیں بیان ہوئیں جن میں سے اولین نصیحت ترمیم باری تعالیٰ پر استقامت کے متعلق تھی۔ شرک کو نظر نہ پائے قرار دیا گیا، اور اس سے بچنے کی تلقین کی گئی۔ پھر والدین کی فرمانبرداری کا حکم دیا اور ساتھ ہی واضح کر دیا کہ اگر وہ شرک پر آمادہ کریں تو ان کی بات نہ مانو ایسی صورت میں والدین کی نسبت اللہ کا حق مقدم ہے کہ اُس کے ساتھ کسی

کو شرک نہ بنایا جائے۔ اس کے بعد محاسبہ اعمال اور اللہ تعالیٰ کی صفات علیہ وسعت کا ذکر ہوا۔ پھر نماز کی تاکید ہوئی اور ساتھ ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی کہا مصائب پر صبر کرنا، غرور و تکبر سے بچنا اور زمین پر اترتے ہوئے نہ چلنا۔ اپنی چال میں میاں روی اختیار کرنا، اور آواز کو بھی پست رکھنا۔ یہ سب اخلاقی تعلیمات اور پیش قیامت نصیحتیں ہیں جو لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو کیں۔

تسخیر ارض و سما

جیسا کہ میں نے عرض کیا حضرت لقمانؑ کی نصائح میں سرفہرست توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے متعلق نصیحت تھی۔ اب اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعض عقلی دلائل پیش کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے الْكَرْتَرُوا اے مخاطبین! کیا تم نے نہیں دیکھا؟ رویت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بصری اور دوسری قلبی۔ اس مقام پر رویت قلبی مراد ہے کہ کیا تم نے غور نہیں کیا، یعنی اس چیز کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی کہ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

تسخیر کا معنی کسی چیز کو تابع کر دینا ہوتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو کوئی چیز براہ راست کسی شخص کے قبضہ میں لے دی جاتی ہے کہ جس طرح چاہے اُسے استعمال کرے یا اُس سے کام لے۔ جب جانور یا زمین، کسی آدمی کے تصرف میں ہوتی ہے تو وہ زمین میں کاشتکاری کرتا ہے اور اُس سے پھل اور اناج حاصل کرتا ہے یا اس پر تعمیر کرتا ہے۔ اسی طرح جانوروں کو بار برداری یا کاشتکاری کے لیے استعمال کرتا ہے، اُن کا دودھ اور اُون حاصل کرتا ہے اور بعض کو ذبح کر کے اُن کا گوشت بھی استعمال کرتا ہے۔ تسخیر کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی چیز کو براہ راست کسی فرد واحد کے سپرد تو نہیں کیا جاتا بلکہ اُسے خاص ضابطے کے مطابق کام میں لگا دیا جاتا ہے جس سے انسان اور جانور مستفید ہوتے ہیں۔

سورج، چاند، ستارے وغیرہ اسی قبیل سے؛ یہ جہنم نے پھر دہلاہم میں لگے ہوئے ہیں اور لوگ ان سے گری، رگزشنی، سفید لگ اور تقویم وغیرہ نافذ اٹھاتے ہیں، تو گویا ایسی چیزوں سے لوگوں کا مستفیہ ہونا ہی ان کے لیے سیر ہے۔ اس طرح انسان فضاؤں، ہڈوں اور باڑوں سے مستفیہ ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا ہی انسانوں اور دیگر جانداروں کی خدمت کے لیے کیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں ہے **حَلَقَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ** جب یہ آیت (آیت- ۲۹) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے زمین کی ہر چیز کو اپنے ہاتھ سے کے لیے پیدا کیا ہے۔ تو جب تک قدرت کا یہ نظام قسمی قائم ہے لوگ اس سے استفادہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ لہذا انسانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ ان چیزوں کے خالق خداوند کریم کا شکر یہ ادا کریں، اس کی وعدہ آیت کو تسلیم کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔

فرمایا ایک تو تمہارے لیے آسمان وزمین کی چیزوں کو مسخر کر دیا، اور دوسرا آسمان یہ کیا **وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً** کہ اس نے تم پر ظاہر اور باطنی نعمتیں نکل کر دیں، ظاہری نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں، جن کا ادراک انسان حواس سے کرتا ہے۔ جیسے دیکھنا، سنانا، ٹھونان، سونگنا اور چھیننا وغیرہ، یہ اللہ کے بہت بڑے انعام ہیں جن کی عام طور پر قدر نہیں کی جاتی۔ ان حواس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب ان میں سے کوئی چیز سلب کر لی جاتے، غرضیکہ انسان کو اس دنیا میں میسر تمام مادی چیزیں اس کے لیے ظاہری نعمت ہیں۔ ان میں مال و دولت، مکان، دکان، کارخانہ، زمین، باغ، مزارع وغیر ذہ، طرہ طرح کے کھانے، لباس، بڑھکا لباس اور استعمال کی تمام چیزیں شامل ہیں۔

اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جن کا ادراک باطنی قوتی یعنی دل و دماغ کے ذریعے غور و فکر سے کیا جاتا ہے۔ ان میں ایمان، جاہلیت، وحی الہی اور معلوم ہیں جہاں حقیقت

نعمتیں ہیں جن کے بغیر انسان جانوروں سے بھی بدتر بن جاتا ہے۔ اللہ نے ایسی ایسی کمال ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کی ہیں کہ انسان کسی ایک نعمت کا بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ مگر یہ اس کی قسمتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا ناشکر گنہگار بنتا ہے اور اس کی ذات، صفات اور شان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی توحید کو مانتا ہے۔ بہر حال اللہ نے واضح کر دیا کہ میں نے تو انسان کو عطا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اب انسان ان چیزوں سے کس حد تک فائدہ اٹھاتا ہے، یہ اس کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔

ظاہری اور باطنی انعامات کا مقصد تو یہ تھا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے مگر صورت حال یہ ہے وَمِنَ النَّاسِ اور لوگوں میں سے

بعض ایسے بھی ہیں مَنْ سِجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى

اور کتبِ مبینہ جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔ اللہ نے اس مقام پر ان تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ لوگ توحید خداوندی کا انکار کرنے کے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں مگر علم، ہدایت اور روشن کتاب میں سے اپنے حق میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔

پہلی چیز علم ہے جس سے عقلی دلیل مراد ہے کہ کافر اور مشرک شرک کے حق میں کوئی عقلی دلیل پیش نہیں کر سکتے جس کی بناء پر وہ دوسروں کو خدا تعالیٰ کا شرک بٹھرانے میں پھیلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں بہت سے دلائل پیش کیے ہیں۔ ان میں ارض و سما کی تخلیق، پہاڑوں کو کاڑھ دینا،

آسمان کو بغیر ستون کے کھڑا کرنا، جانوروں کو زمین میں بچھیر دینا، بارش اتار کر اس سے بارونق اور عمدہ قسم کے پھل، پھول اور اناج پیدا کرنا شامل ہے۔ یہ

سب عقلی دلائل ہیں جن میں غور و فکر کرنے کے انسان توحید الہی کو سمجھ سکتا ہے مگر اس کے برخلاف شرک کے حق میں کوئی بھی عقلی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔

دوسری چیز کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ بغیر ہدایت کے اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔ ہدایت سے مراد عقلی دلیل ہے جو انبیاء کی وصیّت

دلائل توحید

سے وہی الٰہی سے حاصل ہوتی ہے یا کھلتے رہا نہیں اور شیئی لئے لوگوں صاحب
 قہم و فرست اور عقلمند لوگوں سے حاصل ہوتی ہے، انسانیت کی پوری تاریخ شاہد
 ہے کہ اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں نے ہمیشہ توحید کی طرف دعوت دی اور شرک کی
 تردید کی۔ نعمان جیسے دانشور اور عقلمند لوگ بھی توحید ہی کا سبق پڑھاتے رہے ہیں۔
 ایسے لوگ ہرزلمے میں موجود رہے ہیں جو توحید کی دعوت دیتے تھے یہ سب مع آپ
 کو کوئی بھی دانشور، عقلمند، پیکر اور صاحب علم آدمی نہیں ہے گا جو شرک کی دعوت
 دیتا ہو۔ تو معلوم ہوا کہ شرک کے حق میں نقل دلیل بھی کوئی نہیں ہے۔

تیسری چیز روایت کتاب ہے جس کے ذریعے کسی چیز کے حق میں یا اس کے
 خلاف دلیل پڑھی جاسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے چار مسئلے کتاب میں اور بہت سے
 صحیفے پلئے انبیاء پر نازل فرمائے ہیں، ان سب میں توحید کی دعوت کھٹ کھٹ
 کر معین ہوتی ہے اور بلکہ شرک کی قیامت بیان کر کے اس سے منع کیا گیا
 ہے۔ اس آخری کتاب قرآن پاک ہی کو ملے ہیں جس کا کوئی ورق، کوئی سوراہ اور
 کوئی پارہ ایسا نہیں ہے جس میں دوسری توحید نہ دیا گیا ہو اور شرک کی تردید نہ کی گئی ہو۔ یہی
 حال دوسری کتب کا اور اصناف کا ہے مگر پھر بھی لوگ شرک کی طرف مائل
 ہو جاتے ہیں حالانکہ ان سے پاس مذکورہ تین دلائل میں سے کوئی دلیل بھی نہیں
 ہے۔ اس کے برخلاف خدا تعالیٰ کی توحید پر لاکھوں اور کروڑوں عقلی اور نقلی
 دلائل موجود ہیں کہ وہ دینہ ذی لاشرک ہے۔

اللہ نے ایسے ہی بہت دوسرے لوگوں کے متعلق فرمایا: وَإِنِّي أَهْلُ الْبَيْتِ
سَمِعُوا مَا أَمَرَكَ اللَّهُ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمس چیز کا اتباع
 کرو جو اللہ نے نازل کی ہے یعنی اللہ نے کتاب، دین، باہمت، شریعت اور
 عام احکام نازل فرمائے ہیں، ان پر عمل کرو وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَتَّبِعُوا مَا وَحَدَّثْنَا
عَلَيْكُمْ ابانہذا تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے
 باپ دادا کو پایا، وہی الٰہی کو پیروی کرنا اور اسے طاعتی پر مائل ہی نہ

تقلید کہلاتی ہے۔ ایسے لوگ نہ کسی نبی کو ملتے ہیں اور نہ کسی کتاب کو اور نہ کسی نیک شخص کے اتباع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں بلکہ اپنے باپ دادا کے طریقے کو ہی اول و آخر سمجھ لیتے ہیں، اور اُس کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

آباؤ اجداد کی تقلید اس صورت میں تو جائز ہے کہ وہ اللہ کے نبی یا نیک صالح اور اللہ کے لوگ ہوں۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دوران کہا تھا۔
 وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَا اَنْ نُشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (یوسف - ۳۸) میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا اتباع کرتا ہوں اور ہمارے لیے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مٹھرائیں وہ تو اللہ کے نبی اور بڑی برحق تھے۔ ایسے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنا تو باعثِ فخر ہے، یہ تو عین سعادت ہے۔ لیکن اگر آباؤ اجداد شرکیہ، کفریہ اور معصیت والے راستے پر ہوں تو ان کا اتباع اندھی تقلید ہوگا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کا اتباع کریں گے اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوهُمْ اِلَى عَذَابِ السَّعِيْرِ اَلَمْ يَرَوْا شَيْطٰنًا اَنْ كُوِّنَ لِيْ سِدْرًا مِّنْ جَبَلٍ فَجَرْتُمُوْهُ اَمْ لِيْ اَنْ يَّجْعَلَ لِيْ سِدْرًا مِّنْ جَبَلٍ فَجَرْتُمُوْهُ اَمْ لِيْ اَنْ يَّجْعَلَ لِيْ سِدْرًا مِّنْ جَبَلٍ فَجَرْتُمُوْهُ (سورۃ بقرہ میں فرمایا کہ تم بھیر بھی اپنی کے نقشِ قدم پر چلو گے؟ یہ تو بڑی بد بختی کی بات ہے۔ سورۃ فاطر میں فرمایا کہ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے اور اُسے دشمن ہی سمجھو اِنَّ مَا يَدْعُوْنَ حِزْبًا لِّيْ كُوِّنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (آیت - ۶) وہ تو اپنے گروہ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع کر کے جہنم کے عذاب کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ لہذا بغیر سوچے سمجھے آباؤ اجداد کی تقلید نہ کسی عقلی دلیل سے ثابت ہے، نہ نقلی دلیل سے اور نہ کسی کتاب سے سورۃ بقرہ میں فرمایا کہ تم بھیر بھی آباؤ اجداد کی تقلید کرو گے اَوَلَوْ كَانَ اَبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُوْنَ (آیت - ۱۷)

اگر یہ تھا تو باپ لڑا کچھ عقل نہ دیکھتے جنوں اور نہ ہی وہ ہدایت کے راستے پر لہا۔
 کافر، مشرک اور باطل پرست لوگ جیسے اپنے باؤ اباہاؤ کی رسوم پر ہی چمکتے ہیں۔
 مشرکوں کی عمر بھی کہتے تھے کہ قصی بن کلاب جیسے بڑے لوگ گزرتے ہیں، ہم ان کا طریقہ کیوں چھوڑیں۔ یہ لوگ ہمارے سردار اور بڑی حیثیت کے ماں باپ تھے۔
 ہم سب اپنی کے متبع ہیں کیا وہ کوئی بڑوں تھے قریشیوں کے مولیٰ انکے ہر ہیں۔
 ہمارے طریقے سے روکنے والے ان ہی مشرک اور جنتی لوگ اپنے بڑوں کو بطور سزا پیش کرتے ہیں کہ یہ کام فلاں بزرگ کا ایک ادا کر دے ہے۔ کیا وہ کوئی کم عقل تھا، اور پھر اس کے ماننے والے ہزاروں لاکھوں ہیں، بھلا وہ کیسے غلط ہو سکتے ہیں؟ یہی باطل دلیل ہے، کوئی مکی یا مہلکانی رسم و رٹن یا بیلواری اور فاندان کا طریقہ استناد نہیں بن سکتا۔ لہذا مشرک کے ارتکاب میں یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔

۳

ایمان کا مشہور قول

اللہ تعالیٰ کافران ہے، یا رکھو! وَمَنْ يُشْرِكْ بِهِ فَإِنَّهُ آتَىٰ
 اللہ جس نے اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا، چہرے کا ذکر کر کے
 ذات مراد لی جاتی ہے کیونکہ چہرہ انسان کا عزیز ترین عضو ہے، جو اس ظاہر اور
 باطن اسی سزا چہرے میں ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عاجزی کے انوار کے
 لیے اسی عضو جسم کو زمین پر رکھ کر رکھو کی عبادت ہے۔ اس میں موجود و ماخوذ ہے، جو
 قریشی باطن کو رکھ کر ہے اور انسان کی شکل و صورت بھی اسی حصے سے متاثر ہوتا ہے
 تو فرما، جس نے اپنے چہرے یا ذات کو خدا کے تابع کر دیا وَهُوَ خَيْرٌ اور وہ
 شخص برومی بنی کرے والا، تو کھڑو فَقَدْ اِسْتَحْسَبْتَ بِالْعُرْوَةِ الْوَالِقَىٰ
 کہ اس نے ضرور کوٹھے کو پکڑ لیا، یہ کڑا چھوٹ تو سکتا ہے مگر ٹوٹ نہیں سکتا۔
 حضرت علیؑ اور ابن مسعودؓ کی روایت میں آتے کہ انہوں نے خواب دیکھی کہ
 وہ کسی اونچے ستون پہ چڑھے ہیں اور کہتے کہ ہاتھ میں تمام ایسے۔ جب
 انہوں نے یہ واقعہ حضور علیؑ سلام کی خدمت میں عرض کیا تو آپ علیؑ سلام نے
 فرمایا کہ تم نے ضرور کوٹھے کو پکڑ لیا ہے، تم اہل جنت میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے

کافرمان بھی ہے۔ وَيَوْمَئِذٍ بِاللَّهِ فَعَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ
 لِأَلْفِصَامٍ كَهَا (البقرہ ۲۵۶) جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اس نے گویا
 مضبوط کڑے کو پکڑ لیا جو ٹوٹے گا نہیں تو فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ
 کے تابع کر لیا، اور اس کام میں انبیاء ہمیشہ پیش پیش ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم
 علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آتا ہے اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ
 لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (البقرہ ۱۲۱) جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے
 اطاعت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے عرض کیا، مولا کریم! میں سمہ تن مطیع اور فرما نپور
 ہوں۔ تو جس کام کا حکم دے۔ میں بسر و چشم تعمیل کے لیے تیار ہوں۔ جب کوئی
 شخص اس حال میں اطاعت گزار بن جائے گا تو یقیناً کامیاب ہوگا۔ وَاللّٰهُ
 عَاقِبَةُ الْأُمُورِ اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے
 قیامت والے دن جب اللہ تعالیٰ کے حضور حساب کتاب کی منزل آئیگی، تو ہر
 چھوٹا بڑا اور نیک و بد عمل حاضر کر دیا جائیگا اور پھر اپنی کے مطابق خدا تعالیٰ
 کی عدالت میں فیصلے ہوں گے۔

کفر کا انجام

فرمایا وَصَّ كَفَرَ اور جس شخص نے کفر کیا یعنی توحید کا انکار کیا، رستا
 اور کتب ساویہ کا انکار کیا اور روز جزا کو جھٹلا دیا، تو اے نبی علیہ السلام فَتَدَا
 يَحْزَنُكَ كُفْرُهُ اے شخص کا کفر کرنا آپ کو زیادہ غم میں نہ ڈالے کیونکہ اَلْبِنَا
 مَرَجِعُهُمْ اُن سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے فَذَبَّ عَنْهَا
 عَسَلُوا اِسْہَم اُن کو بنا دیں گے جو کچھ وہ کام کہتے تھے، اُن کی ساری کارگزاری
 سے ہم واقف ہیں کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ بیشک اللہ تعالیٰ
 سینوں کے راز بھی جانتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ زبان پر آنے سے پہلے دل کی بات کو
 بھی جانتا ہے۔ وہ لوگوں کے انجام دینے والے کاموں سے کیسے غافل ہوگا؟ وہ
 تمام مخفی چیزوں کو بھی جانتا ہے، لہذا ہر شخص کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہی
 جزا اور سزا کا فیصلہ کریگا۔

مفسر قرآن مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ دوسروں کو ہدایت پر لانے کے لیے ایک خاص حد تک کوشش کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو اس کے پیچھے زیادہ نہیں پڑنا چاہیے کیوں کہ معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ خود ایسے شخص سے پیٹھے گا۔ یہاں یہ بات فرمائی ہے کہ جو لوگ کھانے کے باوجود حق کی طرف نہیں آتے، آپ ان کے ہاتھ سے زیادہ نکلنا نہ بولیں کہ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ۔ ہم انہیں تھوڑے سے عرصہ کے لیے فائدہ پہنچا نہیں گئے۔ اس دنیا کی زندگی کے دس میں پچاس، سو سال تک دنیا کی بھینٹیوں سے استفادہ ہو لیں، مال و دولت سے دل بہلائیں لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ۔ اِنِّیْ عَذَابٌ مُّجَلَّلٌ پھر ہم انہیں شدید عذاب کی طرف کٹاں کٹاں لے آئیں گے۔ وہ ایسا سخت عذاب ہو گا۔ جزا تو آپ پر داشت ہو گا، مگر برداشت کرنا پڑے گا۔ جس قسم کا جرم کیا ہو گا، اسی مناسبت سے سختی سے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہ دنیا کا مفاد تو ہر حال ختم ہونے والا ہے جو کہ بالکل ہی قلیل ہے، مگر آخرت میں کفر کرنے والوں کو شدید عذاب کا لہر بنا ہو گا۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
 لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۗ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
 لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٢٥ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ
 اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝٢٦ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي
 الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَوْ اَقْلَامٍ وَّالْبَحْرِ يَمْدُهُ
 مِنْ تَبَعِيهِ سَبْعَةً اَبْحُرًا مَا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ
 اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٢٧ مَا خَلَقَكُمْ
 وَلَا بَعَثَكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
 بَصِيْرٌ ۝٢٨ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوَلِّجُ الْاَيْلَ فِي
 النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي الْاَيْلِ وَاسْحَرَ
 الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۗ كُلٌّ يَّجْرِيْ اِلَىٰ اَجَلٍ
 مُّسَمًّى ۗ وَاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝٢٩
 ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ۗ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ
 مِنْ دُوْنِهِ الْبٰطِلُ ۗ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ
 الْكَبِيْرُ ۝٣٠

توجہ: اور اگر آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو البتہ ضرور کہیں گے: یہ لوگ کہ اللہ نے، آپ کہہ دیجئے سب تعویذ اللہ کے لیے ہے، بلکہ اکثر ان میں سے لو نہیں سمجھتے (۲۵)

اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی مطلق اور تعریفوں والا ہے (۲۶)

اور اگر ہو جائیں جو زمین میں درخت چہاں تعلیں، اور سمندر اُس کی سیاہی دیکھ جائیں، اس کے بعد سات منزلیں سمندر اُس کی مدد کریں، تو نہیں ختم ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے کلمات، بیشک اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور حکمتوں والا ہے (۲۷) نہیں ہے تمہارا پیدا کرنا اور نہ تمہارا دوبارہ اٹھانا مگر ایک نفس کی طرف بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنا ہے اور دیکھتا ہے (۲۸)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ داخل کوڑا بنے رات کو دن میں، اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اُس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک جلتا ہے ایک معطرہ وقت تک۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اُس کی خبر سمجھنے والا ہے (۲۹)

یہ اس وجہ سے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے، اور جس کو یہ لوگ پکارتے ہیں اُس کے سوا وہ باطل ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب سے بلند اور بڑی والا ہے (۳۰)

اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی توحید اور بعثت بعد از موت

کا منہ ہی کھجایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ کے آغاز میں قرآن حکیم کی حقانیت اور صداقت اور اس کے وحی الہی ہونے کا بیان تھا۔ پھر حضرت لقمانؑ کی بعض نصیحتوں کا ذکر ہوا جن میں سرفراست شرک کی تردید ہے، اس کے بعد توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے، نیز یہ بھی کہ مشرکوں کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے، نہ کسی نبی یا بزرگ کا قول اور نہ کوئی روشن کتاب ہے جس سے وہ کفر یہ اور شرکیہ عقائد کو ثابت کر سکیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا ذکر ہوا، اور یہ بھی کہ شیطان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اکثر لوگ اپنے اباؤ اجداد کی رسومات پر چلتے سہتے ہیں۔ البتہ جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کہتا ہے اور نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ گویا دین کے مضبوط کڑے کو پکڑ لیتا ہے۔ پھر اللہ نے تسلی دی کہ لوگوں کا کفر و شرک میں مبتلا ہونا آپ کو زیادہ غم میں ڈالے۔ سب نے ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے، ان کے تمام عقائد و اعمال اس کے علم میں ہیں۔ فرمایا ہم تھوڑی مدت کے لیے ان کو دنیا میں فائدہ اٹھانے کی جہلت دیں گے، اور پھر گھسیٹ کر دوزخ کے سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عقیدہ توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں کچھ دلائل نوکر کیے ہیں، اور اپنی بعض صفات کمال کو بیان کیا ہے

ارشاد ہوتا ہے وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے لَقَوْلُنَّ اللّٰهُ تَرٰیقِنَا کہیں گے کہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ یہ دلیل قرآن پاک میں بجزرت بیان کی گئی ہے کہ آپ کسی بھی مشرک سے ارض و سما کی تخلیق کے متعلق سوال کر کے دیکھ لیں وہ اسے اللہ کی طرف منسوب کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ خلق سے اپنی الوہیت کو ثابت کیا ہے کہ معبود بھی وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہے۔ اور جو خالق نہیں وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

دلائل توحید

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ صرف دہریوں کی ایک قبیل
 سی تعداد ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کو خالق تسلیم نہیں کرتے بلکہ صرف ماہیت پرست
 سمجھتے ہیں، اور نہ ہر مذہب و ملت کے ہر ایک فرخوار وہ ہے بلکہ ایسے اللہ تعالیٰ
 کی صفات خلق کا انکار نہیں کرتے بلکہ وہ، نصاریٰ، ہندو، مجوسی، سماںی وغیرہ سب
 اللہ ہی کو خالق تسلیم کرتے ہیں۔ فرمایا اگر ایسی بات ہے قُلِ الْمَلِكُ مُدَّ إِلَهُ
 تو آپ کہہ دیں کہ سب تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ كَلِمَاتُ الْكُفْرَانِ لَا تَعْلَمُونَ
 مگر ان میں سے اکثر قول یہ علم اور ہے مجھ میں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کے مالک
 خالق نہیں مگر اس کے باوجود اس کے ساتھ دوسروں کو شرک بنا دیتے ہیں۔

توحید کے
 پارہ چہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب تجلے اللہ تعالیٰ میں لکھتے ہیں
 کہ توحید کے پارہ چہ ہیں جن میں سے دو پر تو تمام مذاہب ملے متفق ہیں اور باقی
 درجات میں اختلاف کر کے کافر اور شرک بن جاتے ہیں۔ توحید کا پہلا درجہ یہ ہے
 کہ خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی وہ ایسی ذات ہے جس کا وجود خود بخود ہے
 نہ کہ کسی کا عطا کرے۔ فرماتے ہیں واجب الوجود مستجمع لجميع الصفات
 الکمال مسبراً من التقص والذوال وہ ایسی خود بخود خود ذات سے جو
 جملہ صفات کمال کی حامل اور برقص اور زوال سے پاک ہے۔ فارسی لے واجب الوجود
 کا ترجمہ خدا کرتے ہیں یعنی ایسی جتنی جو خود بخود ہے توحید کے اس مثبت پرست
 اہل مذاہب متفق ہیں۔ سوائے دہریوں کی ایک قبیل تعداد کے جو مادہ پرست
 ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ توحید کا دوسرا درجہ خدا تعالیٰ کی صفات متفق ہے
 یعنی ہر چیز کا یہ کہنے والا ایسی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ ذات کی ہر چیز خواہ جاہ
 ہوں یا اعراض ہر ایک کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس لیے کوئی ہر شے کا مذہب

لے حمید اللہ الباعث ص ۶۹

(فہام)

لے حمید اللہ الباعث ص ۵۹

کے لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا خالق بھی کوئی نہیں۔ غرضیکہ ان دو درجات میں سب کا اتفاق ہے۔

توحید کا تیسرا درجہ اللہ کی صفت تدبیر ہے یعنی کائنات کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ اس درجہ میں اکثر لوگ اختلاف کر کے شرک کے مرتکب ہو جاتے ہیں مثلاً ستاروں کا علم جاننے والے نجومی ستاروں کو مؤثر مان کر ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی عبادت بھی کرنے لگتے ہیں۔ عیسائی لوگ مسیح علیہ السلام کو خدا کی صفت تدبیر میں شریک کرتے ہیں۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو اور بعض دوسرے لوگ کسی ولی، بزرگ، جن یا فرشتے کو اس صفت میں شریک کر کے شرک بنتے ہیں۔ البتہ اہل ایمان کا نچرہ عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح خدا کے سوا واجب الوجود اور خالق کوئی نہیں۔ اسی طرح اس کے سوا مدبر بھی کوئی نہیں۔ وہ ہر چیز کی تدبیر خود بلا واسطہ کرتا ہے اور اس نے یہ اختیار کسی دوسری ہستی کو نہیں دیا۔ غرضیکہ بہت سے لوگ تدبیر میں آکر شرک کرنے لگتے ہیں، اللہ نے اس کا ذکر قرآن میں بکثرت کیا ہے۔

توحید کا چوتھا درجہ عبادت کا ہے۔ ایک مومن کا عقیدہ تو یہی ہوتا ہے کہ عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے جو واجب الوجود، خالق اور مدبر ہے۔ مگر بہت سے لوگ کسی نبی، ولی، بزرگ، فرشتے یا جن کو بھی عبادت میں شریک کرتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی عبادت براہ راست درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی۔ جب تک درمیان میں مقرر ہیں اللہ کی عبادت نہ کریں۔ ان کا یہ عقیدہ خود قرآن نے بیان کیا ہے مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر - ۳) کہ ہم ان کی عبادت تقرب الہی حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے مقبول بندے ہیں، ہماری عبادت ان کی عبادت کے ساتھ مل کر درجہ قبولیت کو پہنچتی ہے، یا یہ کہ ان ہتھیوں کو ہم اللہ کے مال سفارشی بناتے ہیں۔

انہوں نے اس عقیدے کی بھی قرآن میں جگہ مگر تردید فرمائی ہے جس قدر کہ
 یہ ہے کہ ہر شخص کی عبادت اللہ تعالیٰ براہ راست قبول کرنا ہے۔ بشرطیکہ
 وہ صحیح طریقے پر کی گئی ہو، اور میان ہر کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے عبادت
 کی قبولیت کے لیے واسطہ تلاش کرنا شرک ہے جو کہ ناقابل معافی جرم ہے،
 بہر حال اس چر تھے نبی میں قرنی، فعلی، ہائی، مالی اور ذہنی و تیز کی صورت میں
 مختلف طریقوں سے غیر اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔

بعض اوقات ہم کہتے ہیں شرک کیا ما ہے یا پکارنے میں شرک
 ہوا ہے یا قربانی میں یا تعویذ گنہے میں شرک یا ما ہے۔ بعض لوگ حکمت
 کی پیداوار میں غیر اللہ کی نذر مان کر شرک کے متعلق ہوتے ہیں، بعض
 جانوروں کے معاملہ میں اور جنس نبات اور جانور سے استہزاء کر کے شرک بن جتے
 ہیں۔ شرک کی یہ تمام قسمیں سورۃ الانعام میں بیان کر دی گئی ہیں۔

اللہ کی
 صفات کمال

ارشاد ہوا ہے۔ وَكَيْفَ يُلَاقِي السَّمْعُ وَالْأَبْصَارُ
 اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ہر چیز اس کی پیدا کردہ ہے،
 اسی کی ملکیت اور اسی کے تصرف میں ہے إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ
 بیشک اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے، کوئی شخص اس کی تعریف نہ
 یاد کرے وہ بہر حال تمام تعریفوں کا مالک ہے۔ اس کا کمال بالذات ہے،
 نہ کہ کسی دوسرے سے حاصل کردہ۔ وہ تمام عزتوں اور خوبیوں کا مالک ہے،
 وہ بے نیاز ہے کہ وہ کسی کی مدد نہ کرے۔ جو کوئی اس کے ساتھ دوسروں
 کو شریک بنائے گا وہ خود نقصان اٹھے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ کی عظمت کمال کا ذکر ہے وَلَوْ أَنَّ كَمَا فِي
الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَفْهَمُ اور اگر زمین کے تمام درخت چھریں یا چائیں
وَالْبَحْرِ يَسْمُدُ اور سمندر اس کی سی ہی میں تبدیل ہو جائے۔ مِنْ أَعْيُنِهِ
سَبْعَةُ انجیر اس کے بعد ہزار سات سمندر اس کی دوسرے لیے آجائیں اور

ان ان جن ، فرشتے ، غرضیکہ ساری صاحب شعور مخلوق ان قلموں اور سیاہی کے ساتھ لکھنا شروع کر دے ، تو تمام قلمیں ٹوٹ جائیں گی ، سیاہی ختم ہو جائیگی ۔ مگر مَا نَقِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ اَللّٰہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے ، سائنس دان کہتے ہیں ، کہ دنیا میں صرف پودوں کی دس لاکھ سے زیادہ قسمیں ہیں اور درختوں کا تو شمار ہی نہیں ہے ۔ ذرا انداز لگائیں کہ تمام پودے اور درختوں کی قلمیں بنالی جائیں اور تمام سمندروں کے پانیوں کو سیاہی میں تبدیل کر دیا جائے اور خدا تعالیٰ کے کلمات لکھنا شروع کر دیں تو یہ تمام چیزیں ختم ہو سکتی ہیں مگر پھر بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے ۔ گویا اللہ تعالیٰ اتنے کالات اور وسعت کا مالک ہے

مفسرین کہ اس کلمات الہیہ کی تفسیر دو طرح سے کرتے ہیں ۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات اس قدر وسیع ہیں جو ختم نہیں ہو سکتیں ۔ اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کے کلمات اور اس کی خوبیوں کو لکھنے لگیں تو سات سمندروں کی سیاہی لکھتے لکھتے ختم ہو جائے گی ، مگر اللہ کی صفات ختم نہیں ہوں گی ۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا میں کہا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ لَا اُحْصِيْ شَيْءًا عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَشْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ اے اللہ! میں تو تیری تعریف کو شمار نہیں کر سکتا یعنی کما حقہ تیری تعریف کہہ ہی نہیں سکتا ، تو ایسا ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف کی ہے ۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کی وسعت یا اس کی خوبیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور حکمت کا مالک ہے توحید اور صفت کمال کے مسئلہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا ہے ارشاد ہوتا ہے ، دِكْحُوْا اِمَّا خَلَقْكُمْ وَلَا بَعَثْكُمْ اِلَّا كُنْفُسٍ وَّ اَحْدَاةٍ نہیں ہے تمہاری اولین تخلیق

بعث
بعد الموت

اور نہ قطعاً دو بارہ ہی اٹھنا مگر ایک نفس کی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ کسی ایک
ذات کو آسانی کے ساتھ پیدا کرتا ہے، پھر اُس پر عزت طاری کرتا ہے اور
قیامت کرے دو بارہ زندہ کرے گا، اسی طرح پوری مخلوق کے ساتھ بھی یہی
سلوک کرنا اُس کے لیے کچھ مشکل نہیں، اس کے لیے کوئی ایک فرد یا پوری جماعت
یا قوم اور ماری کی ماری مخلوق کیسا ہے۔ اُسے پیدا کرنے، موت دینے، اور
دوبارہ اٹھانے کے لیے کوئی شفقت برداشت نہیں کرنا پڑتی۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

فرمایا اس قسم کے کمالات قدرت تم ہر روز شام ہو کر سنے ہو اَللّٰهُ
تَرَانِ اللّٰهُ كَيُوَلِّجُ الْاَيُّمَ فِي النَّهَارِ وَ كَيُوَلِّجُ السَّحَابَ فِي
الْاَيُّمِ كَيْ تَمْسُقَ مِنْ دِيحَاكَ بِيَسْتَكُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَاتِ كُرُونِ مِيْرٍ اُوْرِدِنِ كُر
رَاتِ مِيْرٍ دَاخِلِ كُرَا سَبِيْعِيْ رَاتِ اُوْرِدِنِ يَكِيْعِيْ بَعْدِ دَجْرِ جِيْعَا تِيْعِيْ
ہیں۔ اُس نے انسانوں کی حکمت کے لیے شب روز کا نظام قائم کر رکھا ہے
وَسَحَّسُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ اُوْرِدِنِ اُوْرِدِنِ اُوْرِدِنِ اُوْرِدِنِ اُوْرِدِنِ اُوْرِدِنِ
انہیں مسلسل ایک کام پر لگا دیا ہے کُلِّ يَوْمٍ يَجْعَلُ لِيَوْمٍ اَكْبَلِ عَمَلِي
اُن میں سے ہر ایک ایک مقررہ وقت نام پل رہا ہے۔ یعنی جب کہ اللہ تعالیٰ
کو منظور ہے یہ نظام شمسی کام کرنا ہے گا اور اس سے شب روز اور مہینوں
کے تغیرات و تبدل پیدا ہوتے رہیں گے پھر جب یہ مقررہ مدت پوری ہو جائیگی تو
سارا نظام درجہ برہم ہو کر نئے نظام کی آمد کا پیش منیر سے گا۔ مطلب یہ
ہے کہ جس طرح لیل و نهار اور شمس و قمر کا نظام چل رہا ہے اور پھر ایک دن ختم ہو جاتا
گا اور نیا نظام قائم ہوگا۔ اسی طرح انسان کی زندگی کا نظام بھی چل رہا ہے۔ پھر ایک
وقت آئیگا کہ قمری طور پر سب پر موت طاری ہو جائیگی اور اس کے بعد سب
کو دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا۔ پھر حساب کتاب کے لیے نیا جہان تیار ہوگا اور
جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ اِيْرِكُوْرُ! وَاِنَّ اللّٰهَ لَيَبْصُرُ عَمَلَكُمْ

خَبِيرٌ بِشَيْءٍ اَللّٰهُ تَعَالٰى تَمَعَايَ تَمَامِ اَعْمَالٍ سَعَا بِاَخْبِرُ هُوَ اُوْرُوهُ اِهْنٰى كَعَا
مطابق تمہیں بدلہ دے گا۔

فَرَمٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ يَرٰ سَبْحًا كَچھ اَسٰى لِيَسَعَا كَا كَعَا اللّٰهُ تَعَالٰى
ہی برحق ہے۔ اُس کی ہر بات مہنی برحقیقت ہے اور اُس کا ہر وعدہ سچا ہے
وہ وعدہ لاشرک ہے۔ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ الْبَاطِلِ
اور اُس کے علاوہ جس کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔ ہر ماسوی اللہ فانی ہے
کرنی چیز قائم و دائم ہونے والی نہیں۔ یہ لوگ جس نبی، ولی، بزرگ، ٹیچر، حجبر، فرشتے
یا جن کو حاجت روا یا شکل کش سمجھتے ہیں۔ سب فانی ہیں وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بلند اور بڑا ہیوں کی
مالک ہے، لہذا عبادت بھی صرف اسی کی کرنی چاہیے کیونکہ اُس کے
علاوہ ہر چیز باطل ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ
 اللَّهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ
 لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۳۱﴾ وَإِذَا عَشِيَهِمْ
 مَوْجٌ كَالظَّلِيلِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ
 فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ
 وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿۳۲﴾
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَاخْشَوْا يَوْمَآ
 يَجْزِي وَالِدٌ عَنِ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ
 عَنِ وَالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا
 تَغُرَّبَكُمُ الْحَيَوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّبَكُمُ
 بِاللَّهِ الْعُرُورُ ﴿۳۳﴾

ترجمہ - کیا تم نے نہیں دیکھا کہ فیلک بحیر میں
 ہر سمندروں میں اللہ کے فضل سے تار دو دکھانے
 تمہیں اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے۔ ایک اس
 میں آیت نشانیوں ہیں ہر صبر کرنے والے اور شکر ادا کرنے
 والے کے لیے ﴿۳۱﴾ اور جب اُصابتی ہے اُن کو
 موج سائبان کی طرح تر پلٹتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خاص

اسی کے اطاعت گزار بن کر۔ پھر جب وہ اُن کو نجات دیتا ہے خشکی کی طرف، پس بعض اُن میں سے درمیانی چال پر ہوتے ہیں اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کے ساتھ مگر ہر وہ شخص جو عہد شکن اور ناشکر گزار ہوتا ہے ﴿۳۲﴾ اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار سے اور ڈرو اُس دن سے کہ نہیں کام آئے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کے لیے اور نہ کوئی بیٹا کفایت کرنے والا ہوگا اپنے باپ کے لیے کچھ بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔ پس نہ دھوکے میں ڈالے تمہیں دنیا کی زندگی اور نہ دھوکے میں ڈالے تم کو اللہ کے ساتھ بڑا دھوکہ مارنے کے ﴿۳۳﴾

رابط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان کیے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے پہلے تخلیق کا سلسلہ سمجھایا اور اس کو الوہیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ جب خالق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں، واجب الوجود اور مدبر بھی وہی ہے تو پھر عبادت بھی اسی کی ہونی چاہیے، پھر اس میں دوسروں کو کیوں شریک بناتے ہو؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رات، دن، سورج اور چاند کے تغیرات کا سلسلہ بیان فرمایا کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں۔ خدا تعالیٰ کا علم اور قدرت لامحدود ہیں اس کی مثال اس طرح بیان کی گئی کہ اگر زمین کے تمام درخت اور پورے قلمیں بن جائیں اور ہفت اقلیم کے سمندروں کے پانی سیاہی میں تبدیل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق ان قلموں اور سیاہی کے ساتھ اُس کی معلومات یا حمد و ثنا کے کلمات سمجھنے لگیں تو فرمایا کہ قلمیں گھس گھس کر ٹوٹ جائیں گے، سیاہی کے تمام سمندر ختم ہو جائیں گے، مگر اللہ کی صفات ختم نہیں ہوں گی۔ اس چیز کو سعدی صاحب نے بھی بیان کیا ہے۔

دفترِ قلم گشت و بہ پایاں رسید و عمر ماہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

کھینچے۔ کھینچتے تمام دفتر ختم ہو جائیں گے، مخلوق کی عمر بھی جواب دے جائیگی نہیں۔
 اللہ تعالیٰ کے کسی ایک وصف کا حق بھی ادا نہیں ہو سکے گا۔ ہر مال منسخر یا
 کر اللہ کی ذات و صفات میں دوسروں کو شریک بنانا یا غیر اللہ کی عبادت
 کرنا باطل ہے۔ ہر چیز خالی ہے، حق اور ثابت صرف خدا کی ذات ہے
 اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے ہی بلند و برتر ہے اور صفات کا اعتبار
 سے بھی کبیر اور عظیم ہے، لہذا عبارت بھی صرف اسی کی ہونی چاہیے اور اس کے
 ساتھ کسی کو شریک نہیں بنانا چاہیے۔

کشتی رانی
 بطور مثال

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات کمال کا ذکر کیا ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے انسان کے روزمرہ مشابہ سے ہر آنے والے بعض حقائق کا ذکر
 کر کے انہیں توحید کے دلائل کے طور پر پیش کیا ہے، ارشاد ہوا ہے -
اللَّهُ ثُمَّ إِنَّ الْفُلْكَ لَجَرِيدٌ فِي الْبَحْرِ يَبْعَثُ اللَّهُ
 کیا تم نے نہیں دیکھا کہ چٹیک سمندر میں کشتیاں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے
 چلتی ہیں۔ جغرافیہ والے کہتے ہیں کہ پوسے کوئی ارض پر صرف ایک چوتھائی
 خشکی ہے جب کہ اس کے ارد گرد چوہہ گرد و مریخ میل پر پانی ہی پانی ہے۔ قدم
 زمانے سے بکری دستوں کو ذریعہ سفر بنایا جاتا رہا ہے۔ بڑے بڑے دریاؤں میں
 بھی ایک مقام سے دوسرے مقام تک کاسٹلٹک کے ذریعہ جہاز رہا ہے۔ اور
 آج بھی بعض دریاؤں میں بڑے بڑے ٹیمپل جیتے ہیں جب کہ بین الاقوامی نقل و
 حرکت کے لیے ٹرمنڈ کو ہی ذریعہ سفر بنایا جاتا رہا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ پہلے
 زمانے میں یہ سفر باہر پانی کشتیوں کے ذریعے ہوتا تھا جب کہ موجودہ زمانے
 میں لاکھوں ٹن وزنی جہاز ایک دو بجے ہیں جو نیچے سفر تیز رفتاری اور زیادہ سے
 زیادہ بوجھ اٹھانے کے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ تیل سے چسپا
 والے بڑے بڑے جہاز اور مینگو لاکھوں ٹن سامان ایک جگہ سے دوسرے جگہ
 منتقل کر سکتے ہیں، مگر کئی منزلوں پر بار بار جہازیں ہیں مگر سمندروں کی وسعت

کے پیش نظر ان کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہیں۔ جب ہوائیں چلتی ہیں سمندر میں طوفان برپا ہوتے ہیں تو بڑے بڑے جہاز بھی سمندری لہروں پر تنکوں کی طرح تھپیڑے کھاتے رہتے ہیں اور بعض اوقات تمام تر انتظامات کے باوجود طوفانی لہروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور غرق ہو جاتے ہیں۔ ابھی قریب زمانے میں ہندوستان کا جہاز "دارا" سمندر میں غرق ہوا تھا۔ اس پر پارہ سومافر سوار تھے۔ باہر طوفان تھا اور ادھر جہاز کے انجن میں دھماکہ ہوا، پھر کیا تھا، جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ڈوب گیا اور صرف دو اڑھائی سو آدمی بچائے جا سکے باقی سب لقمہ اجل بن گئے۔

ابھی چند سال کی بات ہے کہ فیصل آباد سے ایک صاحب اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے گوجرانولہ آئے اور کوئی مندر دریافت کرنے کے لیے یہاں مسجد میں بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ وہ اٹلی کے ایک مال بردار جہاز پر ملازم تھے۔ اسی ہزار ٹن وزنی یہ جہاز کچھ ترنارٹن لڑائے کر اٹلی سے امریکہ جا رہا تھا۔ اٹھ دس غلے کے آدمی تھے جن میں دو مسلمان اور باقی انگریز تھے۔ جہاز شدید طوفان میں پھنس کر ٹہرنے لگا۔ اس وقت اللہ کی رحمت کے سوا تمام وسائل ناکام ہو چکے تھے جب بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو انگریزوں میں سے بعض نے شراب پی کر سمندر میں پھلانگ لگا دی۔ کہتے ہیں کہ ہم دو مسلمانوں نے اللہ پر بھروسہ کر کے ایک چھوٹی کشتی کو سمندر میں اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم سمندری لہروں کے تھپیڑے کھاتے رہے۔ بھلا اتنے بڑے جہاز کے مقابلے میں چھوٹی کشتی کی کیا حیثیت تھی مگر ہم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے تھے۔ اتنے عرصہ میں باہر کی دنیا میں اس حادثے کی خبر پہنچ چکی تھی۔ کسی ملک کے ہیلی کاپٹر نے ہمیں سمندر سے زندہ نکال لیا اور لے جا کر ہسپتال میں داخل کر دیا ہفتہ عشرہ کے بعد ہماری ہوش و حواس قائم ہوئے تو وطن آنے کی اجازت ملی بمطلب یہ کہ سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چنا محض اللہ کے فضل و کرم کا سرہون منت ہے، وگرنہ وسیع و عریض سمندروں کی سطح پر ان کشتیوں اور

جہاں لوگوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، تو فرمایا کہ تمہارے دل میں چلنے والی کشتیاں اللہ کے نفل سے ہی رواں دواں ہوتی ہیں، اور ان سے مخصوص یہ ہے -
لَيْسَ بِكَ كَمُكْرَمِينَ أَيْتَهُ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کی نشان دہی کرے
 کہ دیکھو اس نے تمہاری زینت کے کیا کیا سامان پیدا کر سکے ہیں، اگر نفل و رحمت
 کا پتلا نہ ہو تو مختلف خطروں کے لوگ نعمت و رحمت محسوس کریں اور مختلف ملاحظ
 کی پیدوار سے کاغذ استفادہ نہ کر سکیں۔

میرزا
 کا منزل

فَمَا يَدْرِي أَيُّ ذَلِكَ أَذْيَبُ لَعَلِّي صَبَّأْتُ كَمَا رَبِّي نَسِئُ اس
 میں نشانیاں ہیں برصیر اور شکر کرنے والے شخص کے لیے، جو شخص مصائب و مشکلات
 میں صبر کا دامن تھامے رکھتا ہے، اور نعمت ملنے پر نہ لگا جائے، اور شکر ادا کرتا ہے،
 اس کی زمین نہ برباد ہے اور اس کے لیے مشاہدات قدرت واضح نشانیاں ہیں۔
 صبر اور شکر سب سے بڑے اصول ہیں، ایک روایت میں آ ہے کہ ایمان کے
 دو حصے ہیں، ایک صبر اور دوسرا شکر، کوئی انسان دو سالوں سے خالی نہیں بناؤ
 اُس پر تکلیف اور پریشانی کا درد ہو سکتے اور آیا آسودگی اور خوشحالی کا، جب کسی
 مومن کو پریشانی لاحق ہوتی ہے تو صبر کرے اور جب خوشحالی آتی ہے، تو شکر
 ادا کرتا ہے۔ صبح و شام میں مومن کہلانے کے حوالے سے یہی لوگ ہوتے ہیں، حضور
 علیہ السلام کا یہ فرمان بھی سنا کہ مومن آدمی کی حالت بہت خراب ہے کہ جب اُس
 کو تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور جب راحت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے
 اس کے لیے دونوں حالتیں بہتر ہوتی ہیں، تاہم عام لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے
 کہ دنیا میں آ کر کھائے یا اور چلے جاتے، جیسے لوگ کسی خوبی کے مالک نہیں ہوتے
 آخری نفل بادشاہ مبارکشاہ ظفر نے بھی کہا تھا۔ ح

ظفر اے آدمی نہ جانتے گا، اگر ہو گیا ہی رحیمِ بڑا

جیسے عیش میں باور نہ رہی، جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

جس نے آسودگی میں شکر نہ ادا نہیں کیا اور غصے میں اس کے خوف سے کان ہو

گیا، وہ انسان کہلانے کا حقدار ہی نہیں۔

توحید کی
دلیل

اگے اللہ نے ایک مثال کے ذریعے توحید پر عقلی دلیل قائم کی ہے مشرکوں کی حالت یہ ہے وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظَّلْمِ جب ان کو سمندر کی موجیں بادلوں کے سائبان کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں۔ سمندر میں طوفان اٹھ رہا ہو، کشتی بچکھوٹے کھا رہی ہو اور اُدوپر سے بادلوں نے سایہ تان رکھا ہو۔ ایسی حالت میں ہر آن ڈوبنے کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہو تو فرمایا دَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الْبُدْنَ اس وقت مشرک لوگ نہایت ہی اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ جب بچ جانے کے تمام ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں، کسی مادی امداد کی امید ختم ہو جاتی ہے تو پھر آخر کار ساری نظریں اللہ کی رحمت کی طرف لگ جاتی ہیں کہ اب اُس کے سوا اس طوفان سے کوئی نہیں بچا سکتا، وہی ذات ہے جو ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو کنارے تک لے جائے۔ لہذا كُلُّ الْكُفْرِ اُنہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت کی نگاہ ڈالتا ہے فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ اور انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے یعنی اُن کی کشتی ساحل تک پہنچ جاتی ہے اور وہ ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ تو اُن میں سے بعض میانہ روی پر ہستے ہیں۔ یعنی اگرچہ اُن میں مکمل خوف تو نہیں ہوتا، پھر بھی خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کا تصور دل میں ہونا ہے ظاہر ہے کہ توحید کو ماننے والا میانہ روی پر ہوگا۔ جب کہ کفر، شرک کا مرتکب اور ناشکر گزار آدمی اعتدال سے باہر نکلنے والا ہوگا۔ تو فرمایا کہ طوفان سے زندہ بچ سنے والے بعض لوگ تو میانہ روی پر ہوتے ہیں وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كَثِيرٌ مَخْتَارٌ کفو اور ہماری آیتوں کا ہر وہ شخص انکار کرتا ہے جو عمدتاً اور ناشکر گزار ہوتا ہے۔ خیار کا معنی عمدتاً توڑنے والا ہوتا ہے۔ جب طوفان میں پھنس گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی خالص اطاعت کا وعدہ کیا تھا، مگر جب جان بچ گئی تو پھر وہی

شکرک، جماعی اور عجم روان۔

ابو جہل کے بیٹے حضرت مکرثہ بنغ مکرثہ کے بوقدر پر مہالگ کئے تھے جہاز پر بڑھ ہو گئے مگر وہ میٹھی میٹھی پھنس گیا جب جہاز کو بچانے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو ملائح کئے گئے کہ اب خدا تعالیٰ کے سوا ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ لہذا اسی کے ساتھ گڑا گڑا کر دعا مانگ کر کہ اس پر بکری کے دماغ پر چوٹ لگی، دل میں سوچا کہ آج تک تڑپا لست، مناست اور غزنی کو بچاتے تھے، ان سے حاجت روانی اور مشکل کشائی کراتے تھے منتر آج جب حقیقتی مشکل میں پھنس گئے تو ہمیں خدا کے دماغ کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ چنانچہ دل میں پختہ ارادہ کر لیا کہ اگر خدا مان بچ گئی تو سیدھا منتر پڑھا سلام کی خدمت میں پہنچ کر ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا، یہی سبق تو وہ دیتے ہیں آج ہمیں مشکل کے وقت دیباہا رہا ہے جو رب الطہین یا نبیوں میں بچا سکتا ہے۔ وہ شعلی پر کیوں نہیں بچا سکتا، چنانچہ حضرت عکرمہ بن ابیان لائے اور بہترین مسلمان بنے، سابقہ غلطیوں کی معافی مانگی، اسلام کو بڑھ چڑھ کر خدمت کی۔ پھر عمر کے زمانہ میں ایک جہاد میں شہادت پائی، بہر حال کشتیوں کی مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ توحید ضلالت غزنی کو تسلیم کریں، اسی کو وحدہ لا شریک مانیں اور تمام عبادت میں اسی کو بچاریں۔

جس طرت دنیا میں طوفان آتے ہیں تو ہر چیز و ہر جسم ہر جان بچتا ہے۔ قیامت کا
طوفان
جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے، البتہ ان عوارض میں لوگ ایک دوسرے کی مدد بھی کر پاتے ہیں۔ طوفان، زلزلہ، باد و باران میں پھنسے ہوئے لوگوں کو بچانے کی کوششیں کی جاتی ہیں اور اس میں کسی حد تک کامیابی بھی ہوتی ہے۔ مگر ایک سب سے بڑا طوفان بھی آنے والا ہے یعنی قیامت برپا ہونے والی

ہے۔ یہ حادثہ اتنا شدید ہوگا کہ کوئی قریب ترین رشتہ دار اور یار دوست بھی ایک دو سکر کے کام نہیں آسکیں گے، بلکہ ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی اور وہ دوسرے کا پرسان حال نہیں ہوگا، اللہ نے اسی علامتہ العکبریٰ یعنی بڑے واقعہ کا ذکر فرمایا ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ كَمَا أَنْتُمْ لِرَبِّكُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ اور اس دن کا خوف کماؤ لا یجزیٰ والد عبث وکدہ جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کے کسی کام نہیں آسکے گا۔ اسی طرح وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنِّ وَالِدِهِ شَيْئًا اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے باپ کی کذابت کر سکیگا۔ مطلب یہ کہ اگر کہیں بیٹا پھنس گیا تو باپ نہیں چھڑا سکے گا اور باپ پھنس گیا تو بیٹا کسی کام نہ آئے گا۔ اس وقت صرف توحید، ایمان اور نیکی ہی کام آئے گی۔ اسی لیے فرمایا کہ اس دن سے ڈر جاؤ جب کوئی رشتہ دار، کوئی برادری اور کوئی یار دوست کسی کی مدد نہیں کر سکے گا سورہ عبس میں فرمایا اس دن یہ حالت ہوگی يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝٣٤ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝٣٥ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝٣٦ کہ آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بیٹے سے دور بھاگے گا اور کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔ ایک موقع پر خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گھر والوں سے خصوصی خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہؑ، پھوپھی سفیہؑ، چچا عباسؑ کو مطالبہ کر کے فرمایا کہ آخرت کی فکر کر لو۔ میں دنیا کے مال کے ذریعے تو تمہاری مدد کر سکتا ہوں لیکن اگر توحید اور ایمان سے خالی ہوئے تو قیامت والے دن تم کو نہیں بچا سکتوں گا۔ لہذا تم خود اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کرو۔

ارشاد ہوتا ہے إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے قیامت ضرور برپا ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئیگی اور سب کو جزائے عمل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ فَلَا تَقْسُرُوا الْهَيْئَةَ الدُّنْيَا پس اے لوگو! تمہیں دنیا

دنیا اور
شیطان کا
دھوکہ

لقمن ۳۱
آیت ۲۴

اتل ما اوحی ۲۱
درس دہم ۱۰

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنزِلُ الْغَيْثَ
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ
مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ
بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۱﴾

ترجمہ

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے قیامت
کا علم۔ اور اللہ تعالیٰ ہی وہ بارش دہتا ہے جو کچھ رحموں میں
ہے۔ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ وہ کل کیا کھاٹے گا۔
اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا۔
بیشک اللہ تعالیٰ ہی (سب کچھ) جانتے والا اور دہر چیز
کی (خبر رکھنے والا ہے) ﴿۳۱﴾

سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قرآن پاک کی حیثیت اور
صداقت کا ذکر کیا، پھر توحید اور شرک کا مسئلہ بیان ہوا اور ضمناً رسالت کا ذکر بھی ہو
گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کمال اور بعض مشاہدات قدرت کا ذکر کر کے
انہیں اپنی توحید پر بطور دلیل پیش کیا۔ اس کے علاوہ وقوع قیامت، مجاہد
اعمال اور جزائے عمل کا ذکر بھی ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات مختصہ
عالم الغیب ہونے کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔

ربط آیات

اس ضمن میں ان پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے
اور کوئی دوسری ذات ان چیزوں کا تفصیلی اور واضح علم نہیں رکھتی۔ سورۃ الانعام
میں ان چیزوں کو مفتح الغیب بھی کہا گیا ہے وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

مفتاح الغیب

لَا تَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (آیت ۵۹) غیب کی مابیاں یا غیب کا خسران
 اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اہل نعت کہتے
 ہیں صفاً جمع ہے مَفْعُجٌ یا مَفْعُجٌ کی۔ اگر یہ لفظ قرآن مجید کے ساتھ ہرگز
 اس کا معنی طراز ہوتا ہے اور اگر کسرہ اور اے کے ساتھ تو اس کا معنی چالی ہے۔
 بہر حال مطلب یہی ہے کہ ہر قسم کے غیب کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے اور کوئی
 دوسری ہستی اس کو نہیں جانتی۔

شانِ زول

بیاں یہ اشکال پیدا ہوا ہے کہ غیب کی تعداد چیزیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ
 کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف پانچ چیزوں کو ذکر
 ہی کر دیا ہے، اہم بیضاوی، امام غزالی اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں
 کہ اس آیت کا شانِ زول یہ ہے کہ ایک شخص حادثات میں غمگین ہو کر اپنے
 دل کی خدمت میں حاضر ہو کر ان پانچ ہی چیزوں کا سوال کیا تو جن کا جواب اللہ تعالیٰ
 نے اس آیت کے ذریعے سے دیا۔ اس شخص کے پانچ سوال یہی تھے کہ (۱) آیت
 کب آئے گی (۲) بارش کب ہوگی (۳) بیوی حاملہ ہے، وہ کیا ہے گی (۴) میں
 کلن کیا کام انجام دوں گا، (۵) میری مرگ کہاں واقع ہوگی، مفسرین یہ بھی فرماتے
 ہیں کہ یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو عام طور پر لوگ پیشین گوئی جانتا ہے، البتہ
 ان اشیاء کا ذکر بطور خاص کر دیا گیا ہے۔

دور
 قیامت کا
 علم

ارشادِ بَرَاءِہِ اِنَّ اللّٰهَ عَسَدُہٗ عَلِمَ السَّاعَةَ یَنبَغِ اللّٰہُ تَعَالٰی
 کے پاس ہی ہے قیامت کا علم، عربی زبان میں ساعت کا لفظ مشتق معنی
 میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی گھڑی جیڑھی ہوتا ہے اور اصل یہ لفظ گھڑی
 (WATCH) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس کا ایک معنی

لے مصباح المعانی ۱۱۳ لے بیضاوی ص ۲۲۶
 لے معالم التنزیل ص ۱۱۳ لے روح المعانی ص ۱۱۳ و تفسیر اللغوی ص ۱۱۳ (فیاض)

قیامت بھی ہے اور اس مقام پر یہ لفظ اپنی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ وقوعِ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ وقوعِ قیامت کے وقت کے متعلق سورۃ الاعراف میں ہے۔ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ (آیت - ۱۸۷) اللہ تعالیٰ ہی قیامت کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ سورۃ الزخرف میں فرمایا ہے هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (آیت - ۶۶) کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ قیامت اچانک آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟ وقوعِ قیامت کی کچھ نشانیاں اور مابعد کے بعض واقعات تو اللہ نے اپنے پیغمبر کو بتلا دیے ہیں مگر اس کے وقوع کا عین وقت اللہ نے نہ کسی فرشتے کو بتایا ہے، نہ پیغمبر کو اور نہ کسی جن کو۔ یہ علم صرف اُس کی اپنی ذات تک ہی محدود ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ فرمایا وَمِمَّنْ لَّمْ الْغَيْثُ اور وہ بارش نازل کرتا ہے۔ جہاں تک بارش کا تعلق ہے تو اس کی پیشین گوئی کسی حد تک کی جا سکتی ہے آج کل محکمہ موسمیات والے بیرومیٹر (BAROMETER) کے ذریعے ہوا کا رخ اور دباؤ معلوم کرتے ہیں اور پھر اُس سے بارش کے نزول کا علاقہ اور وقت متعین کرتے ہیں۔ ان کی یہ پیشین گوئی بعض اوقات صحیح بھی ہوتی ہے اور بعض مواقع پر غلط ثابت ہوتی ہے کیونکہ بارش کے نزول کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ مزید برآں یہ پیشین گوئی بارہ گھنٹے، چوبیس گھنٹے یا اس سے زیادہ عرصہ کے لیے ہوتی ہے کوئی بھی ماہر بارش کے نزول کا عین وقت نہیں بتا سکتا اور نہ ہی وہ حصہ ارضی متعین کر سکتا ہے جس پر بارش متوقع ہے۔ یہ بھی کوئی نہیں بتا سکتا کہ فی الواقع کتنے اونچ یا کتنی مقدار میں بارش ہوگی اور پھر یہ بھی کہ یہ مقامی طور پر مفید ثابت ہوگی یا سیلاب کی صورت میں نقصان کا موجب ہوگی۔ یہ تمام تفصیلات نزولِ بارش کا حصہ

نزول
بارش کا علم

ہیں اور ان سب کا صحیح جین عمل اللہ کی ذات کے سوا کسی کو نہیں۔

معلقہ عمل

عمل بھی ایک پرستش یا پسند ہے جسے لبریت کے متعلق فرمایا **وَيَعْلَمُ** **مَسَافِقَ الْأَرْضِ** کا وہی لفظ تعالیٰ جانتا ہے کہ جہوں میں کیا ہے، اس سے عام فہم ماہر تو یہی ہے کہ اللہ کے سوا یہی کوئی نہیں جانتا کہ اس عمل کی کچھ بڑا یا بھی۔ البریت بعد و سائنسی دور میں بعض آفات کی مدد سے یا ان کی بعض عداوت سے کسی حد تک اندازہ لگا یا جانتا ہے کہ کچھ متوقع ہے یا کچھ بگڑ اس کی پوری تفصیلات کوئی ماہر ترین ڈاکٹر بھی نہیں جانتا۔ مثال کے طور پر ہونے والا کچھ نئی عمر یا نیا بگڑنا، بھرنے کا، زندگی آسودہ ہوگی یا ننگ دہی میں مبتلا رہے گا، سمیہ ہوگا یا شقی اور صحتی طور پر شقی ہوگا یا دوزخی۔ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اسی لیے فرمایا کہ وہی جانتا ہے کہ ان کے جہوں میں کیا ہے۔

آرہ عمل کا عمل

اللہ نے جو جتنی ہمت پر فرمائی **وَمَا كُنَّا بِمَدِينَةٍ كَاتِبِينَ** کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کہتا ہے گا میں کیا کہتا ہے کہ وہ عام طور پر انسان اپنی روزمرہ زندگی کو صحیح معمولات کے مطابق لبر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اندازہ، کاشت کا، بی، صنعت و حرفت، عداوت کا مزید ای فریہ کو پیش اختیار کرتا ہے، آج کے ترقی یافتہ دور میں ہر آدمی کے روزانہ، ہفتہ وار، ماہانہ اور سالانہ معمولات ہوتے ہیں۔ اور کوئی شخص آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ آج تو اس نے اپنا کام پورا کر لیا، کل پھر نفلوں وقت پر کام شروع کر دیا، لہذا اس دور میں کل کی مصروفیت کا تعین یا عمل عمومی ہی ہت معلوم ہوتی ہے۔ مگر جو روزہ مرد یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان کو کتنے ہی واقعات معمول کے علاوہ ہی پیش آتے ہیں۔ کسی شخص کو نقصین ہو آتے ہیں کہ وہ کل اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو جائے گا۔ مگر راستے میں کسے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے اور دلچسپ کام نہ نہیں پہنچتا، آنا لیا یقین کے ساتھ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا وہ کل پورا نفلوں کو کرسے گا۔ اس ہمت کو بھی عمل

بھی خدا تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔

اللہ نے پانچویں بات یہ فرمائی وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ
تَمُوتُ كَرُمِي شخص نہیں جانتا کہ اُس کی موت کس سرزمین میں واقع ہوگی مطلب
یہ کہ اس چیز کا علم بھی اللہ تعالیٰ کی ذات تک محدود ہے۔ روزمرہ مشاہدہ میں آتا
رہتا ہے کہ انسان کسی کام کاج کے لیے نکلتا ہے تو اُس کی موت گھر، شہر اور
علاقے سے دُور دراز جگہ پر واقع ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا ہونا اُس کے وہم و گمان
میں بھی نہیں ہوتا۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو بس ریل یا ہوائی جہاز کے حادثہ میں جاں
بحق ہو جاتے ہیں اور کتنے ہی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی لاش تک نہیں ملتی
سمندروں میں ڈوب جانے والوں یا لقی و دق صحرا میں جان مینے والوں کے
متعلق کرن جانتا ہے کہ وہ کس مقام پر موت کی آغوش میں چلے گئے۔ پاکستان کی
قومی کمپنی کا ہوائی جہاز گلگت سے راولپنڈی آتے ہوئے ایسا غائب ہوا کہ آج تک
اُس جگہ کا بھی تعین نہیں ہو سکا۔ جہاں وہ گر کر تباہ ہوا۔ لاش تو کجا تھے بڑے
جہاز کا ڈھانچہ تک نہیں ملا۔ اُس جہاز کے مسافر اور عملہ نہ خود جانتے تھے کہ اُن کی
موت کہاں واقع ہوگی اور نہ ہی سپہانڈگان کو آج تک اُن کی جانے موت کا علم
ہو سکا ہے۔

مفسر ابوسعود فرماتے ہیں کہ ایک مرقعہ پر ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام
کے پاس آئے۔ اُن کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا جس کی طرف ملک الموت نے گھور
کرے گھور دیکھا۔ وہ شخص ڈر گیا اور سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے یہاں سے دور
کہیں ہندوستان کے کسی خطے میں مجھ کو دو۔ جنات اور ہوا تو سلیمان علیہ السلام کے
تابع تھے۔ آپ نے حکم کیا تو وہ شخص دور دراز علاقے میں پہنچ گیا۔ پھر آپ نے
ملک الموت سے پوچھا کہ آپ اس شخص کو گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے

جانے
موت کا علم

قرآن نے بتا کر رکھے اللہ تعالیٰ کا حکم۔ تاکہ اس شخص کی جان ہندوستان کے
 فلاح و نفع میں نلاں وقت پر قبضہ کرنی ہے۔ وقت بالکل قریب تھا مگر میں
 اس شخص کو آپ کے پاس بیٹھا دیکھ کر حیران ہوا تاکہ کتنے عرصے وقت
 میں یہ شخص قرآن معالیٰ پر کیسے بیٹھ سکے گا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہی برحق ہے۔
 اور اس کی جان وہیں قبضہ ہوئی ہے۔ اس طرح کہ وہ شخص خود اپنی خواہش پر اپنی
 جانے موت پر بیٹھ گیا اور ملک الموت نے اس کی روح اسی مقام پر قبضہ کر لی۔
 مشہور ہے کہ بعد ازاں کسی غلیظت خراب میں فرشتے کو روایت و جملہ
 سے بچنے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تاؤ میری عمر کتنی باقی ہے۔ اس کے جواب
 میں فرشتے نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جب کہ ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کھلی ہوئی
 تھیں۔ صبح ہوئی تو غلیظ نے تمام حکم کو جمع کر لیا اور خراب کی تعبیر پوچھی۔ پھر
 ایک نے اپنی اپنی بھوک کے مطابق جواب دیا کسی نے کہا کہ اے غلیظ! تیری عمر
 پانچ دن باقی رہ گئی ہے۔ کسی نے پانچ ماہ اور کسی نے پانچ سال بتایا۔ غلیظ نے تسکون
 ہوئی کسی نے مشرور دیا کہ اس کے متعلق امام ابوحنیفہؒ سے دریافت کیا جانے جب
 آپ کے ساتھ خراب کی روایت و بیان کی گئی تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاتھ کے
 اشارے کا مطلب یہ ہے کہ اے غلیظ! آپ کا سوال ان پانچ چیزوں میں سے
 ایک کے متعلق ہے بن کامل اللہ نے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ پھر آپ
 نے یہی آیت تلاوت کی۔

بہر حال اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم محیط اور مخلوق کی جہ مبہمی
 کا ذکر فرمایا اپنی وحدانیت پر دلیل قائم کی ہے۔ اس بات میں کچھ شک نہیں
 ہے کہ **إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ** اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا اور ہر
 واقعہ کی خبر رکھنے والا ہے۔ اس کے اعلا علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ یاد رکھنا چاہیے کہ غیب کی چیزوں کا تعلق یا تو احکام سے ہوتا ہے یا اکوان سے احکام سے مراد شرعی احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو بتلاتا ہے کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام، یا فلاں کام جائز ہے یا ناجائز۔ یہ احکام از قلم غیب سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا کلی علم اپنے پیغمبروں کو عطا فرمادیا۔ ہم دین کے کسی مسئلہ یا حکم کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ اس کا علم اللہ کے نبی کو نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو شرعی احکام کا تفصیلی علم دے دیا ہے یا وہ اصول بتلا دیے ہیں جن کی رو سے کوئی حکم نکالا جا سکتا ہے۔ سورۃ الحج میں بھی ہے عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿۲۶﴾ إِلَّا مَن رَّزَقَ مِن رَّبِّهِ ﴿۲۷﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات عالم الغیب ہے، وہ کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا، البتہ اپنے رسولوں میں سے جسے پسند کرتا ہے اُسے بذریعہ وحی بتلا دیتا ہے۔ جہاں تک اکوان یعنی اس کائنات میں واقع ہونے والے امور کا تعلق ہے تو یہ چیزیں یا تو مسکن سے متعلق ہوتی ہیں یا ماضی، حال یا مستقبل سے، ان کی جزئیات کا بے شمار علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی دیا ہے اور بعض دوسرے لوگوں کو بھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو بعض اکوانی چیزوں کا علم دے دیا جو اپنے جلیل القدر پیغمبر اور صاحب تورات رسول موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہیں دیا۔ البتہ شرعی احکام کا علم اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو مکمل طور پر دیا جو حضرت خضر علیہ السلام کو نہیں دیا۔ بہر حال اس آیت میں مذکور پانچوں چیزوں کا تعلق اکوان یعنی زمان و مکان سے ہے، لہذا ان کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔

اہل بدعت اور شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر، ولی اور امام بھی غیب جانتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ حقیقت میں غیب وہ

ہوا ہے جو بغیر کسی ذریعہ کے خود بخود معلوم ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو جو بت
 بتلاتا ہے اس میں ذی کافر میر شامل ہوتا ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کو بھی بعض
 اوقات کشف یا خواب کے ذریعے کچھ بتا دیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ ظہر بھی
 بغیر واسطہ کے تو نہیں ہوتا۔ اسی ظن میں بات کرنا عقل یا غور و فکر کے ذریعے
 معلوم کیا جانے وہ بھی غیب نہ رہتا۔ غیب وہی ہر گاہ جو بغیر کسی واسطے یا آئے یا
 جس کے حاصل ہوا اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جس میں ہے
 اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے۔ **قُلْ لَا يَفْهَمُونَ فِي السَّمَوَاتِ**
وَالْأَرْضِ الْقَيْبَ إِلَّا اللَّهُ (النمل۔ ۶۵) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ زمین و
 آسمان کے لوگ کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ واللہ یفعل شیئاً علیکم
 وعلوٰت (۶۰) اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ **إِنَّمَا يَفْهَمُ السَّمْعُ**
يُحِيطُ بِسُخْرٍ سَمِيحَةٍ (۵۳) ہر چیز کا اعجاز میں خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ غرضیکہ
 ظہر غیب نامہ خداوندی ہے۔ اس کا ظہر ذاتی ہے جب کہ باقی تمام مخلوق کو
 ہر وہی ظہر دیا جاتا ہے وہ عطا ہی ہوتا ہے اور غیب کی تعریف میں نہیں آیا۔ علیہ السلام
 خیر صورت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔





سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ تَرْوِيهَا ثَلَاثُونَ آيَةً وَثَلَاثُ رُكُوعَاتٍ

سورة سجده مکی ہے۔ یہ تیس آیات ہیں اور اس کے تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑی مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الْم ۱ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ
رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۲ اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ
بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا
اَنْتَهُمْ مِنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
يَهْتَدُونَ ۳ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ ۷ مَا لَكُمْ مِنْ
دُوْنِهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعَ ۷ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۴
یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمٰوٰی اِلٰی الْاَرْضِ ثُمَّ
یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ الْاَلْفَ
سَنَةِ مِّمَّا تَعْدُوْنَ ۵

ترجمہ: آیت ۱) اِنَّا كَتَبْنَاكَ اس میں ارب العالین کی طرف سے ہے ۲) کیا تھے ہیں یہ لوگ کہ اس شخص نے اس کو ٹھٹھا لیا ہے اپنی طرف سے۔ نہیں بگہر یہ حق ہے تیرے بڑے بڑے کی طرف سے تاکہ آپ ڈرائیں اُس قوم کو کہ نہیں کیا اُن کے پاس کرنی ڈرانے والا اس سے پہلے تاکہ یہ لوگ ہدایت کے راستے پر آجائیں ۳) اِنَّا كَتَبْنَاكَ اس سے جس نے پتیا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے پھر دن کے وقت میں۔ پھر وہ قافلہ ہوا عرش پر۔ نہیں ہے تمہارے لیے اُس کے سوا کرنی حاجتی اور نہ کرنی سفارش۔ کیا تم لیسیت حاصل نہیں کرتے ۴) وہ تمہیں کرتا ہے معاشے کی آسمان کی بلندیوں سے نہیں تاکہ پھر عروج کرتا ہے اُس کی طرف ایک دن میں جس کی مقدار ہزار سال کے برابر ہوتی ہے جسے تم شمار کرتے ہو ۵)

بہاول
کوالٹ

اس سورۃ کا نام سورۃ السجدۃ ہے۔ اسی نام کی ایک اور سورۃ سورۃ ممتحنہ سورۃ بھی ہے۔ اس سورۃ کا تیسرا سورۃ لقمان کے اتصال کے ساتھ کہتے ہیں یعنی وہ سورۃ مبارکہ سورۃ لقمان سے متصل ہے۔ اس سورۃ کا درست نام سورۃ المضائق ہی ہے کیونکہ اس میں بستروں کا ذکر بھی آتا ہے کہ اعلیٰ دنیا اپنے بستروں کو تہہ ڈالے۔ اس کے وقت اللہ کی بارگاہ میں مناجات سمجھنے جن۔

اس سورۃ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں سجدہ تلاوت آتا ہے۔ مگر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سجدہ تلاوت تو بہت ہی سورتوں میں آتا ہے۔ پھر اس سورۃ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا نام ہی سجدہ کے نام پر رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس سورۃ میں سجدے کا ذکر خاص انداز میں کیا گیا ہے کہ جب اہل ایمان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پاک کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اس سورۃ کا نام ہی سورۃ السجدہ رکھ دیا گیا ہے۔ اس سورۃ کی تیسٹس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ تین سو تیس الفاظ اور ایک ہزار پانچ سو اٹھارہ (۱۵۱۸) حروف پر مشتمل ہے۔ اس سورۃ کا زمانہ نزول سورۃ لقمان کے قریب قریب ہی ہے یعنی یہ بھی مکی دور کے درمیانی یا آخری دور کی سورۃ ہے۔ گذشتہ سورۃ لقمان میں حضرت لقمان کی بعض نصیحتوں کا ذکر کیا گیا تھا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی اِنَّ اَشْرَكَ لِلّٰهِ كَمَا شَكَرْتُمْ اَدَاكُمْ رَبُّكُمْ اب اس سورۃ مبارکہ میں اللہ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور وہ ہے اقامتِ صلوٰۃ۔ نماز پڑھنے والا آدمی گویا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں سورتیں آپس میں مربوط ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ تیس آیات پر مشتمل ایک ایسی سورۃ ہے جسے ایک شخص نے پڑھا تھا۔ تو اس سورۃ نے اس آدمی کے حق میں مغفرت کی اور اس شخص کو اللہ نے عذاب سے بچالیا۔ یہ وہی سورۃ السجدہ ہے۔ قرآن پاک میں تیس تیس آیات والی تین سورتیں ہیں یعنی سورۃ السجدہ، سورۃ الملک، اور سورۃ الفجر، عذابِ قبر سے بچاؤ کے لیے ان تینوں سورتوں کی تلاوت مفید ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سونے سے پہلے سورۃ الملک

سابقہ سورۃ
کے ساتھ
رابطہ

فضائل سورۃ

۵۶۔ درمنثور ص ۱۶۱

۵۷۔ درمنثور ص ۱۶۱ و فتح القدر ص ۲۲۶ و تفسیر الثعالبی ص ۲۱۲ (فیاض)

اور سورۃ السجدہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ سنا محمد میں یہ روایت بھی موجود ہے
کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ہر طور پر سورۃ السجدہ اور
سورۃ المہر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ گویا جمعہ کے دن ان سورتوں کی تلاوت سب
یعنی زیادہ باعث ثواب ہے۔

مغایض
سورت

گزشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی زیادہ تر نیا دی عقائد کا بھی ذکر ہے
چنانچہ اس سورۃ میں بھی توحید کے حقیقی اور نقلی دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ شرک کی
تردیہ ہے۔ رسالت کا بیان ہے اور قیامت اور جزائے عمل کی بات بیان
کی گئی ہے۔ جہاں تک قرآن مجید کی حقانیت اور وحدانیت اور اس کے وحی الہی ہونے
کا تعلق ہے تو یہ ذکر گزشتہ سورۃ کی ابتدا میں بھی گذر چکا ہے اور اس سورۃ کی ابتدا
میں اسی موضوعات سے برٹی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی بہت
بڑی نعمت ہے لہذا ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اللہ تعالیٰ
نے نبی علیہ السلام کو بھی قرأت میں عظیم کتاب مطلقاً فرمائی تھی مگر آپ کی قوم ہی اسرائیل
نے اس نعمت کا شکر ادا نہ کیا جس کے نتیجے میں انہیں ذلت و غلامی کا سامنا کرنا پڑا۔
لہذا اس آخری امت کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی آخری کتاب ملنے پر اس کا شکر یہ
ادا کریں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھیں، اس میں غور و فکر کریں،
اس کے اصولوں کو اپنائیں اور اُسے پوری زندگی کا دستور العمل بنائیں۔ اتنی عظیم
کتاب کی توجہ دگی میں بھی اگر ہم ہدایت کسی دوسری جگہ سے تلاش کریں تو یہ ہمارے
بڑی بڑھتی ہے۔

عقدہ زندگام
کی در آمد

ابھی گلے افبار میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ پاکستان سے جس میں آریوں
پریشانی و فکروں کے دور سے پر روز نہ ہوا ہے اس دور سے کا مقصد یہ ہے کہ
کر دیا کے دیات صحار پر روز گرام کا مطالعہ کریں اور اُسے پاکستان میں بھی نافذ

لے سنا سندھ و دکن و مشرق وسطیٰ و غیر محل میں ۱۳۴۳ م فرغ القدر ۱۳۴۳ م (فیاض)

کریں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان قوم جس کے پاس قرآن پاک میں عظیم دستور ^{معمل} موجود ہے، وہ دیہات سدھار کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے، کافر، مشرک اور اشتراکیت زدہ ملک کو ریا کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک پاکستان کے لیے اس سے بڑی لعنت کیا ہو سکتی ہے۔ سورۃ الاعراف میں اللہ کا فرمان ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقَرْيَةِ اٰمَنُوا وَاَتَقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم مَّبَدِنًا مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنَا مِنْهُم مِّمَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ رَاٰیۡتَ ۙ اِذَا كُنَّا لِلْاَرْضِ حٰقِقٰۙتًا وَّجَعَلْنَا لَهَا جِبٰلًا رٰۙسًا وَاَخَذْنَا مِنْهَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ مِثْرًا وَاَعْرَضْنَا عَنْ قَوْمِۙهَا وَاَتٰۙتٰۙتِہُمُ السَّاعَةُ وَاَنْۢبَاۙتِہُمُ السَّاعَةُ وَاَخَذْنَا مِنْۢ ہُمْ اَنْۢبَاۙتِہُمُ السَّاعَةِ وَاَخَذْنَا مِنْۢ ہُمْ اَنْۢبَاۙتِہُمُ السَّاعَةِ اے ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کئے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔ مگر ان لوگوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کی کھائی کے بدلے میں ان کو سزا دی۔ خدا نے تو ایمان اور تقویٰ کے ذریعے بتیوں کو سدھارنے کا حکم دیا ہے مگر ہم انہما کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ دیہات اور شہروں کی ترقی کے لیے قرآن سے بڑھ کر کون سا پروگرام ہے۔ کو ریا سے تو محض اتحاد کی درآمد ممکن ہے۔ ایک مسلمان قوم کو چاہیے کہ وہ ایمان، تقویٰ اور عدل کی راہ اختیار کرے تو ان کے لیے سارے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

اس سورۃ کی ابتدا بھی حروف مقطعات ^{حروف مقطعات} سے ہوئی ہے۔ ان حروف کے معانی گذشتہ سورۃ کی ابتدا میں اجمالی طور پر بیان کر دیے گئے تھے۔ جن کا بہترین مفہوم وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطی نے بیان کیا ہے اللہ اعلم ^{آعلم} بمرادہ ^{بذلت} ان حروف کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اَمَّا وَاَنْۢبَاۙتِہُمُ السَّاعَةُ ہمارا اس پر ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں ان میں حروف ^{ال} اور ^م میں سے وعلق کی انتہا سے نکلتا ہے۔ لعلق کی وسط سے اور مر کا مخرج ہونٹ میں ان حروف سے یہ نقطہ سمجھا گیا ہے کہ انسان جو

بھی کام کرے۔ اس کی ابتدا، وسط اور انتہا اللہ کے ذکر سے ہونی چاہیے۔ ایسے کام میں ضرور کامیابی ہوگی۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی دگرگوزارش کر دیتا ہے، وہ کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

قرآن کی
حقیقت

ارشاد ہوتا ہے كَذٰلِكَ نُنزِّلُ الْكِتٰبَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کہ جسے
اگر سے جانے میں کوئی شک نہیں ہے جو كِتٰبَ الْعِلْمِ کی یہ ہے جو
پردہ و کار کا عالم کی طرف سے۔ اس میں قرآن مجید کے وہی الہی اور حق و صلہ وقت
کے پیکر ہونے کا اشارہ ہے۔ یہ ایسی واضح کتاب ہے جس کی صداقت میں
شک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دراصل اللہ کی روشنی کے اس اعراض کا جواب ہے
جس میں وہ کہتے تھے اَمْ لَيْسَ لَكُمْ اَفْهٰمٌ کہ اس کتاب کو پیوستہ
انظور دکھایا ہے، حالانکہ یہ بڑی ہی پروردہ بات ہے، اللہ نے تمہاری ہی کہ
یہ سن گھڑت کتاب میں سے سَبَلًا هُوَ مَلْعُوْنٌ کہ یہ تیرے
پردہ و کار کی طرف سے حق ہے یعنی بِطَّلٰنِ کی کتاب ہے۔ اور اس کے نزول
کا مقصد یہ ہے لِيُنذِرَ قَوْمًا مَّا اَتٰهُم مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ
کہ اگر آپ نہ لائیں اس قوم کو جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کہ اگر یہ لوگ اور درست پر آجائیں۔

یہاں پر یہ اشہال پیدا ہوا ہے کہ سورہ فاطر میں تو اللہ نے فرمایا ہے وَ اَنْ
مِّنْ اٰیٰتٍ اَلْحَلٰلَ فِيْهَا شَيْذِيْرٌ آیت ۶۴، اللہ نے ہر بات میں
کئی نہ کوئی ڈرانے والا بھیجا ہے مگر کیا فرمایا کہ اس کتاب سے اس قوم کو ڈرانے والا
ہے، جن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، مفسرین کلام اس کا جواب یہ دیتے
ہیں کہ اس قوم سے فرزند بنی اسرائیل ہے، جن کے دل نہایت قریب میں کوئی نبی
بعوث نہیں ہوا تھا، حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بعد ڈیرہ ہزار برس

تک عرب کی سرزمین پر کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ اور اس لحاظ سے یہ لوگ مانتے ہی مومن تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تو بہت سے انبیاء شام و فلسطین میں آتے رہے حتیٰ کہ مین میں حضرت ہود اور صالح علیہما السلام بھی مبعوث ہوئے۔ مگر عرب کا علاقہ انبیاء کی آمد سے طویل عرصہ تک محروم رہا اور یہ لوگ وحی کے علم سے نااہل رہے۔ اس لیے ان کا لقب اُمّی مشہور ہو چکا تھا۔ چنانچہ بعض مفسرین نے اس سورۃ کا نام سورۃ الایمیین بھی بتایا ہے بہر حال مطلب یہی ہے کہ بنی اسماعیل میں طویل عرصہ تک کوئی نبی نہیں آیا تھا، لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل فرمایا کہ ان لوگوں کی تعلیم کا بندوبست کیا تاکہ یہ لوگ اللہ کے عذاب سے ڈر کر ہدایت کا راستہ اختیار کر لیں۔

آگے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان کی گئی ہے اللہ الذی

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۗ اِنَّ سِتْرَہٗ اَیَّامٍ

اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھدون کے ٹکڑے سے پیدا کیا۔ تخلیقِ ارض و سما کا ذکر قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ تو فرمایا کہ ان چیزوں کی تخلیق کے بعد سِتْرٌ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوا اللہ کریم کا عرش پرستوی ہونا متکبریت کی بات میں سے ہے۔ اس کا عرش پر قائم ہونا، اسی طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ ہم اس استوی کو عام انسان کے کرسی، صوفی یا چادر پائی وغیرہ پر بیٹھنے پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مادی اشیاء اور زمان و مکان کی قید سے پاک ہے۔ وہ ان چیزوں سے ورڈا لورڈ ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کو تجلی سے تعبیر کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم کا عکس سب سے پہلے عرش پر پڑتا ہے، جس سے سارا عرش رنگین ہو جاتا ہے۔ عرش کے نیچے حَیْطَرَةُ الْقَدَسِ کی جماعتیں رہتی ہیں۔

استوی
علی العرش

جہاں برقعہ اور تدر کے فیصلے ہوتے ہیں اور چھ ساری کائنات میں نائذ ہوتے ہیں
پھر ان فیصلوں کے نتائج پلٹ کر وہیں آجاتے ہیں۔

مشافہ

فَرَأَى مَا لَكَ مَلَكٌ مِّنْ دُونِهِ مِّنْ قَوْلٍ ذَلَّ الشَّيْخُ أَمْسَ كَسَ
علاوہ قصاصے بیٹے کوئی مانتی اور کوئی مشافہ نہیں ہے۔ اس مشافہ سے مراد
مشرف کا مشافہ ہے۔ مشرفوں کا عقیدہ یہ ہے کہ میں خود ساڑھے چھ سو دوں کی وہ
عبادت کرتے ہیں، ان کو پکارتے ہیں اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں وہ انہیں
قیامت کے دن بچائیں گے، خواہ خدا راضی ہو یا ناراض، اس قسم کی شفاعت
باطل ہے، البتہ صحیح مشافہ وہ ہوگی جس میں اِنَّ يٰۤاٰذَنَ اللّٰهِ كِيْ شَرْطِ بَرُوْجِ
اللّٰهِ تَعَالٰی جِنِّ مَشْرُوبِیْنَ کو جن لوگوں کے حق میں مشافہ کی اجازت دیں گے، وہ
مشافہ علیحدہ ہوگی اور یہ وہی لوگ ہوں گے جو کفر و شرک سے پاک اور عقیدہ قرآنی پر
پختہ ہوں گے، اگر ان کے اعمال میں کوتاہی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ مشفقوں، انصار
مخصوصاً حاکم النبیین علی اللہ علیہ وسلم، شہداء، صالحین اور کامل الایمان لوگوں کو
اجازت دیں گے اور وہ گنہگاروں کے حق میں مشافہ کریں گے۔ فرمایا تو عبد کا
یہ مسئلہ بالکل واضح ہے اَفَلَا تَنْتَظِرُوْنَ كِيَا تَمَّ اَنْ يُّقْرَءَ فِيْ
کفر کے نصیحت نہیں پکڑتے؛ اللہ تعالیٰ کی ذات پر جینے سے بلند و برتر ہے
اور اس کے سوا کوئی مانتی اور مشافہ بھی نہیں ہے، لہذا مشرف کفر کو ترک کرنے
اس کی توجیہ پر کار بند ہو جائے۔

تذکرہ

اِرشاد ہوتا ہے خدا تعالیٰ وہ ہے یَسْتَبْرَأُ الْاَهْلَ مِنَ السَّمَوَاتِ
اَلْفِ الْاَرْضِ جِبْرِاسَانِ کی بندگیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز
کی تدبیر خود کرتا ہے تَعْلَمُ كَيْفَ يَنْجِي الْاِيْمَانَ فِيْ كَيْفٍ وَكَيْفًا مَّقْدَرًا
اَلْفَ سَنَةٍ بِمَسْمَا نَعْتَهُ فَاِنْ يُّعْرَفُ بِمَسْمَا تَابَ اِسْمُ كِيْ طَرَفِ اِسْمِ
میں جس کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔ اس سے
مراد وہ جسے ہرے امر میں جنہیں اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے اور پھر ان کی تکمیل ہوتی

ہے اور ان کے نتائج اوپر چڑھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم نافذ کرتا ہے تو وہ نافذ ہو جاتے ہیں اور پھر ہزار سال تک ان پر عملہ آ رہتا ہے اور اس کے نتائج بآدم ہو کر اوپر چڑھتے ہیں اور پھر دوسرا حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون دوسرے مقام پر بھی آتا ہے وَإِنَّ يَوْمًا عَتَدْنَا لَكُم كَالْفِتْنَةِ سَنَةً وَمِمَّا نَعْتَدُونَ (الحج - ۴۷) تمہارے پروردگار کے ہاں کا ایک دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوگا۔

شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے امور اور انتظامات سے متعلق حکم عرش سے جاری ہوتا ہے۔ پھر وہ نیچے کی طرف آتا ہے تو تمام حسی، معنوی، ظاہری اور باطنی اسباب جمع ہو کر اس حکم کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں اللہ کی مشیت اور حکمت کے مطابق وہ حکم طویل مدت تک نافذ رہتا ہے اور اس کے بعد اُسے واپس لے لیا جاتا ہے اور دوسرا حکم جاری کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال پیغمبروں کی بعثت ہے۔ اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں کی تعلیم کا اثر قرون تک رہا۔ اس طرح بڑی بڑی قوموں اور نسلوں کی عملداری سینکڑوں اور ہزاروں سال تک چلتی رہی غرضیکہ فرمایا کہ اس دنیا کا ایک ہزار سال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دن کے برابر ہے۔

دوسرے مقام پر ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر بھی بتائی گئی ہے تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج - ۴) فرشتے اور جبریل امین ایک دن میں اوپر چڑھتے ہیں اور اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اُس کی طوالت یہاں کے پچاس ہزار سال کے برابر ہو گی۔ گنہگاروں کے لیے یہ دن اگرچہ اتنا طویل ہوگا۔ مگر اہل ایمان پر یہ عرصہ جلد گزر

ملے گا۔ آج ہر تہذیبِ اہل اللہ ملے دن کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر بتائی گئی
 ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک سیکنڈ جہاں سے اُس کے ہزار سال کے برابر نافذ العمل وقت
 ہے۔ پھر جب اس کے نتائج برآہ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کوئی دوسری سکیم
 نافذ کرتے ہیں۔ قوموں اور خطوں کی ترقی و عمریں کے وقت اسی طریقے سے پیدا
 ہوتے رہتے ہیں۔ بعض قومیں اور ملک عصرِ دراز تک ہمہ جہت پر متکفل رہتے
 ہیں، پھر کوئی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اُن پر زوال آجاتا ہے اور کوئی دوسری قوم
 یا ملک ترقی کی منازل طے کرتے جاتا ہے۔ عروج و زوال کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا
 رہتا ہے۔

ذٰلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٦﴾
الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ
الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ﴿٧﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ
سُلَالَةٍ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿٨﴾ ثُمَّ
سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ
السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۗ قَلِيلًا مَّا
تَشْكُرُونَ ﴿٩﴾ وَقَالُوا ۗ إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ
أِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ
رَبِّهِمْ كَفِرُونَ ﴿١٠﴾ قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ
الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ
تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾

ترجمہ:- وہی ہے جاننے والا پرشیدہ بات اور
کھلی بات کو۔ کمال قدرت کا مالک اور نہایت رحم
کرنے والا ﴿۶﴾ وہ جس نے اچھا کیا ہے ہر ایک
چیز کو جس کو اُس نے پیدا کیا ہے۔ اور شروع کی
ہے اُس نے انسان کی پیدائش مٹی سے ﴿۷﴾ پھر بنایا
ہے اُس کی نسل کو ایک حقیر پانی کے نچوڑ سے ﴿۸﴾

پھر برابر کیا اُس کو اور پھر نئی اس میں اپنی طرف سے روح اور نسلے اُس نے تھامے بیسے کان۔ آٹھیں اور دل۔ بہت نفوذاً شکر ادا کرتے ہو ⑨ اور کہ ان لوگوں نے کہ جس وقت ہم ریل میں جا رہے تھے زمین میں کیا ہم نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے؟ بلکہ یہ لوگ اپنے رب کی عطا کردہ نعمت سے کفر کرنے والے ہیں ⑩ اُسے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، وفات دینا ہے تم کو موت کا فرشتہ جو مقرر کیا گیا ہے تمہارے ساتھ۔ پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے جاؤ گے ⑪

رہنمائی

پسے سورۃ کی ابتدا میں قرآن کریم کی تعاقب اور صداقت کا ذکر ہوا، اور اس کے بعد رسالت کا، پھر قرآن کے نزول کی عرض و غایت بیان ہوئی تاکہ ان پر حلوگ اس سے ہدایت پائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کمال کا ذکر ہوا، خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان والی چیزوں کو چھ دن کے وقفے سے پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، اس کے سوا سماعت بیسے کوئی ممانق اور مددگار نہیں ہوگا، پھر توحید کیوں نہیں حاصل کرتے؟ فرما، اللہ تعالیٰ آسمان کی بنیادوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر اس تدبیر کے نتائج ایک دن میں اسی طرف چمکتے ہیں اور ایک دن کی مقدار میں سے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ یہ تدبیر خدا تعالیٰ خود کرنا ہے اور یہ کام اُس نے کسی دوسری ذات کے سپرد نہیں کیا۔ بعض دوسری صفات کی طرح تدبیر بھی خدا تعالیٰ کی صفات مختصہ میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ
کی ہدایت
مختصہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی

لحمۃ اللہ الہی الخ ص ۱۱۱ (ذیاض)

صفات کی نسبت جب اس جہان کی تخلیق کی طرف لکھا جاتی ہے تو یکے بعد دیگرے اُس کی چار
 صفاتِ مختصہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کی پہلی صفت ابداع یا فطر ہے۔ قرآن میں
 اس صفت کا ذکر جگہ جگہ آتا ہے بِدِیْعِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرہ - ۱۱۶)
 فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فاطر - ۱) وہ خدا تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا پیدا
 کنندہ ہے۔ بدیع یا فاطر ایسی تخلیق کو کہتے ہیں جو بغیر کسی مادے، آلے یا نمونے کے
 کی گئی ہو۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے نہ کوئی اس کے لیے مادہ تیار کیا گیا۔
 نہ اُن کو بنانے کے لیے کسی مشینری یا سپر کی ضرورت پڑی اور نہ ہی پہلے سے کوئی
 سمپل موجود تھے جس کی نقل کی گئی ہو، تو گویا آسمان و زمین کی تخلیق کے ضمن میں سب
 سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفتِ بدیع نے کام کیا۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت خلق ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ
 کوئی چیز کسی دوسرے مادے سے تیار کی جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام
 کو بغیر مادے کے پیدا نہیں کیا بلکہ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران - ۵۹)۔
 اللہ نے اُن کو مٹی کے مادے سے پیدا کیا۔ مطلب یہ کہ مٹی یا زمین کی تخلیق صفتِ ابداع
 کے مطابق بغیر مادے کے ہوئی تھی۔ اب آدم علیہ السلام کی تخلیق اس مٹی کے مادے
 سے ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت تدبیر ہے، کسی چیز کا گھٹانا، بڑھانا، صحت، بیماری
 ترقی و تنزل، زندہ کرنا، مارنا، غرضیکہ تمام تغیرات و تصرفات اللہ کی صفت
 تدبیر کے تحت انجام پاتے ہیں۔ یہ ساری تدبیر بھی اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے اور یہ
 کام بھی اُس نے کسی دوسری ہستی کے سپرد نہیں کیا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت تدلی ہے۔ جب
 انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو اس کے قلب پر براہ راست اللہ تعالیٰ کی تجلی کا
 عکس پڑتا ہے، اسی کو تدلی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس دنیا میں چونکہ لوگ حجاب
 مادیت، حجاب رسم و رواج یا حجابِ سود و معزفت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس لیے

یہاں اس تعلیمی کو محسوس نہیں کر سکتے۔ البتہ اگلے جہان میں پہنچ کر اس کو واضح طور پر محسوس
 کریں گے۔ جب انسان کی موجودہ زندگی ختم ہو جائے گی، اس کا یہ مادی حوالہ اتر
 چلے گا اور اندر سے اصلی انسان ظاہر ہو جائے گا اور اس وقت اس تعلیمی کا پتہ
 چل جائے گا۔ یہ تعلیمی چھوڑنا اُدھر سے آتی ہے اس لیے اس کی کشش بھی اُدھر ہی کی طرف
 ہوتی ہے یعنی یہ کشش انسان کو عالم الایمانیہ و اللہ کے کی طرف کھینچتا ہے جیسا کہ
 عکس و عکس سے محروم انسان شیخ کی طرف کھینچتا ہے، جیسا کہ اُدھر پر اور یہی والی
 کشش میں زبردست کھینچتا ہے، ہونگی جس کی وجہ سے انسان کو بڑی تکلیف پہنچے گی
 گذشتہ درس کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی مسنت نمبر کا ذکر فرمایا تھا، اسے اللہ تعالیٰ
 کے عالم الغیب ہونے کا تذکرہ ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: **ذٰلِكَ خَلِيسٌ**
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ تو یہی ذات ہے جو پریشانی اور ظاہر میں چیز کو جانتی ہے
 ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر مکان اور ہر زمان میں موجود ہے، لہذا اس سے کوئی نہ
 چھوڑ سکتا ہے، تو اس کے غیب کو جاننے سے کیا مراد ہے ہم غیب کی
 فرمائے ہیں کہ اس غیب سے وہ چیز مراد ہے جو مخلوق کی نگاہ سے غیب ہے
 ذکر اللہ کی نگاہ سے۔ اللہ تعالیٰ کا تو اپنا واضح ارشاد ہے **وَمَا يَعْزُبُ عَنْ**
رَبِّنَا شَيْءٌ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے غیب کا لفظ اضافت کے طور پر استعمال
 ہوا ہے یعنی مخلوق کے اعتبار سے جو چیز غائب یا ماضی ہے، اللہ تعالیٰ سب
 کو جانتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ **الْعَزِيزُ** کمال قدرت کا ایک اور الٰہی لقب
 نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کی دلیل ہے کہ اس نے
 انبیاء کو مبعوث فرمایا، کتب میں نازل فرمائی اور اس طرح لوگوں کے لیے ہدایت کا
 سامان مہیا کیا۔ اور پھر آخر میں قرآن پاک کے ذریعے ایک جامع پروگرام نازل
 فرمایا کہ ہر پوری کائنات کے لیے، مادی اور روحانی حیات کا انتظام فرمادے۔

عالم الغیب
 و الشہادۃ

آگے اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ جس نے اپنی پیدا کردہ ہر چیز کو خوب بنایا ہے۔ اللہ کریم نے ہر شے کو ایسی کمالِ حکمت اور کمالِ مصلحت سے تخلیق کیا ہے کہ اس سے بہتر تخلیق ممکن ہی نہیں۔ امام غزالیؒ کا قول بھی ہے کہ کائنات میں خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں سے بہتر تخلیق ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں درخت، پھاڑ، چرند، پرند، پھل اور پھول وغیرہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت کے شاہکار ہیں۔ خاص طور پر انسان کے متعلق فرمایا، لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین - ۱۴) ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ انسان کی ظاہری شکل و صورت اس کا قدر، رنگت، بال، کھال، ہاتھ، پاؤں، حواسِ ظاہرہ اور باطنہ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو کمالِ درجے کا بنایا ہے اور اس میں ضرورت کی ہر خوبی جمع کر دی ہے پھر فرمایا وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ اور انسان کی پیدائش کی ابتدا مٹی سے کی۔ انسان میں تمام تر خوبیوں کے باوجود اس کی اصل مٹی ہے جس سے آدم علیہ السلام کا پلٹا تیار ہوا۔ اللہ کا فرمان ہے خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران - ۵۹) اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کے مادے سے تخلیق فرمایا۔ الغرض! اولین انسان کی تخلیق مٹی سے کرنے کے بعد ثُمَّ جَعَلْنَا مِنْ مِّنْ سُلَّةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ اس کی نسل کو ایک حقیر قطرہ آب کے خلاصے سے چلایا۔ اب نسل انسانی قطرہ آب سے چل رہی ہے۔ یہ قطرہ عذرت کے رحم میں پہنچ کر بچے کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے اور اس طرح نسل انسانی کا سلسلہ چل رہا ہے۔

فَرَمَّا نُثَبِّتُ بِهِ أَهْلَ عَالَمِينَ پھر رحم مادر میں بچے کے اعضاء و جوارح کو درست کیا۔ ہر عضو کو اپنے ٹھکانے پر رکھا، اس میں حواسِ ظاہرہ اور باطنہ پیدا کیے جب وَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِ رَبِّكَ تو پھر اس میں اپنی

طرف سے روح مہرنگ دی لفظ رُوحاً وضاحت طلب ہے۔ لفظ اس کا معنی یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جسم سے روح مہرنگ دی۔ اسی ذریعہ اللہ تعالیٰ ترسہانیت سے پاک ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس میں روح چھڑائی مگر اس کی جھلی کے نیچے ہی انسان کی تخلیق ہوئی۔

روح الہی ایک نہایت ہی لطیف چیز ہے جو گل کے بعد جرتے پھرتے میں دوسرے زبان سے آکر انسان میں داخل ہوتی ہے۔ دراصل روح تین چیزوں کا مرکب ہے۔ پہلی چیز کس سے۔ دوسرا درمیان ان لفظ کی صورت میں داخل ہوا ہے، پھر اس کا لفظ بنتا ہے، پھر اس کے اعضاء و جوارح تیار ہوتے ہیں۔ خون پیدا ہوتا ہے اور یہ کس انسان کی خون میں ایک لطیف تیار کا نام ہے جو خون کے ذریعے پرلے جسم میں پھیل جاتا ہے۔

روح کا دوسرا حصہ نفس، لفظ اور تیسرا حصہ روح الہی کا ہے جو ان کے ساتھ آکر مل جاتا ہے۔ یہ تینوں چیزیں مل کر روح بنتی ہے۔ یہ روح چونکہ درشت جہان سے آتی ہے اور یہ مادی نہیں مگر مجرور چیز ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور ہم نے ترجمہ یہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس میں روح چھڑائی۔

کان، آنحضرت اور دل

یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر ہو رہا ہے کہ اُس نے انسان کو توں سٹی سے تخلیق کیا، پھر اس کی نسل لفظ آسم سے چھڑائی، پھر اس کو بار بار کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح چھڑائی وَجَعَلْنَاكُمْ وَالسَّمْعَ وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَرَبُّكَ فَادْرَأْهُم مِّنْ حَيْثُ رَأَيْتَ لَدُنْكَ مِنَ النَّاسِ يَنصُرُونَ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ کان اور آنحضرت انسان کے لیے ذرائع علم اور بہت بڑی نعمت ہیں۔ کانوں سے سُن کر اور آنحضرت سے دیکھ کر نتائج اذکار کے جاتے ہیں۔ انسان کے ہونے کا انحصار بھی بہت جگہ سے ہے۔ جو شخص سننے سے عاری ہوتا ہے وہ کوئی لفظ لول ہی نہیں سکتا۔ جب تک وہ سنے گا نہیں سیکھے گا نہیں اور جب تک سیکھے گا نہیں بول ہی نہیں سکے گا۔

اسی طرح دل بھی انسان کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ مرکزِ شعور ہے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور محبت و نفرت کے جذبات دل میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان تین چیزوں کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو جو اس خمسہ کی نعمت عطا فرمائی ہے جن کے ذریعہ انسان سننے اور دیکھنے کے علاوہ سوچ سکتا ہے، چکھتا ہے اور ٹٹولتا ہے۔ فرمایا اتنی عظیم نعمتیں حاصل کرنے کے باوجود قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ تم میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اپنے خالق اور مالک کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ ان اعضاء رُئیہ کا شکر یہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کانوں کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمودات اور دوسری اچھی باتیں سننے اپنے کاروبار، صنعت و حرفت اور فن کو سیکھنے کے لیے استعمال کر کے حلال روزی کا بند و لبت کرے۔ اسی طرح آنکھوں کے ساتھ قرآن پاک کی زیارت اور اس کی تلاوت کرے دیگر کتب و مینیہ کا مطالعہ کرے نشاناتِ قدرت کو دیکھ کر اس کی تعریف و توصیف کے کلمات زبان پر لائے اور ان سے عبرت حاصل کرے۔ اللہ کی عطا کردہ نگاہ کسی غلط مقام پر نہ ڈالے اور نہ کانوں کے ذریعے حرام باتوں کو سنے۔ اسی طرح دل کا شکر یہ یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے عجز و فقر کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانے اور اس میں بڑے دساوس اور غلط ارادوں کو داخل نہ ہونے دے۔ فرمایا تم میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے ہیں کفار و مشرکین بعث بعد الموت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ بلکہ اس بعث بعد الموت

ضمن میں طرح طرح کے اعتراضات کرنے تھے وَقَالُوا إِذَا صَلَّيْنَا فِي الْأَرْضِ كَيْفَ نَحْيُكَ أَنْ تَقُولَ إِنَّ الْإِنْسَانَ كَذِبٌ

ہمارے ذرات منتشر ہو جائیں گے اِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ تو کیا ہم پھر نئی پیدائش میں پیدا کئے جائیں گے؟ جب کوئی انسان مر جاتا ہے تو اس کو زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس کا جسم حتیٰ کہ ٹہیاں بھی گل

شرعاً جاتی ہیں۔ ان چیزوں کا مشاہدہ کر کے کفار و مشرکین کہتے ہیں کہ باطل اور جہنم
 جانے کے بعد تم دو بارہ کیسے زندہ ہو جائیں گے! اللہ نے اس لئے حساب کیا
 فرمایا کہ ان کا یہ اعتراض محض اس لیے ہے کہ اللہ نے یہ فرمایا کہ تم
 کہیں کہیں گے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کی طاقت کے مستحق ہیں۔ دو بارہ زندگی نہ
 مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اگلے جہان میں زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو
 اور اس زندگی کے عقائد و اعمال کا حساب کتاب لے اور چرامس کے نتیجے میں
 جزا یا سزا کو قبول کرے مگر یہ لوگ چونکہ اپنی جہ کر داری کی وجہ سے سزا کو قبول
 کرنے کے لیے تیار نہیں اس لیے وہ خدا تعالیٰ کی طاقت کا جی انکار کرتے ہیں
 ہیں کہ نہ دو بارہ زندہ ہو کر خدا کے سامنے پیش ہوں گے۔ حساب کتاب
 کی منزل آئے گی اور نہ جزا و سزا کا مسئلہ پیدا ہوگا۔ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا کہ یہ
 لوگ تو اپنے اس نرم و نازک جسم کی دو بارہ زندگی کا انکار کر رہے ہیں کون کون سا
 سجادۃً اَوْ حَیۡدِیۡدٌ (یعنی اسرائیلی) ۵۰۰ اسے تمہیر! آپ ان سے کہیں کہ
 اگر تم چتر یا رے میں تخت چتر بھی بن جاؤ۔ تب بھی اللہ تعالیٰ تم کو زندہ کر کے
 اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ تمہاری ان برسیدہ بدیوں کے ساتھ تو پھر بھی عیت
 کا تعلق رہا ہے۔ ہنر لے اور چتر بھی تو ایسی کوئی چیز نہیں اگر تم اتنی سخت ہنر
 میں بھی تبدیل ہو جاؤ۔ تو پھر بھی تم کو دو بارہ زندگی عطا کی جائیگی اور حساب کتاب لیا
 جائے گا۔

انسان کی
 جان کی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی موت یاد دلانی ہے۔ ارشاد
 ہوا ہے **فَسَلِّ سَلٰوٰتٍۭ عَلٰی مَلٰئِکَتِ الْمَوْتِ الَّذِیۡ وُجِّیۡا بِکُمْ**
 لے تمہارا آپ ان سے کہیں کہ موت کا وہ فرشتہ تمہیں وفات دیتا ہے۔ جو
 تمہارے ساتھ مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو زندگی عطا کرتا ہے اور پھر
 عزرائیل علیہ السلام کے ذریعے اس پر موت بھی طاری کرتا ہے۔ یہ فرشتہ اللہ کے
 چار مقرب فرشتوں میں سے ایک ہے۔ اس کے ساتھ اس کا عمل ہوا ہے

جو تمام کائنات کے انسانوں اور دیگر جانداروں کی روہیں قبض کرنے پر مامور ہے سورۃ الانعام میں ہے حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ اَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (آیت - ۶۱) جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے دیبھے ہوئے فرشتے اس کی جان کو قبض کر لیتے ہیں۔ مفسرین کرام اس کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب کسی کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو عزرائیل علیہ السلام کے ساتھی فرشتے متعلقہ شخص کی جان کو اس کے جسم حسی کہ اس کے ناخنوں اور بالوں سے سمیٹ لیتے ہیں۔ فَكُلُّوْا اِذَا بَلَغَتِ الْحُلُوْمَ (الواقعة - ۸۳) حتیٰ کہ جب وہ بالکل حلق میں آجاتی ہے تو ملک الموت اس کو لے لیتا ہے اور پھر وہ اس کو آگے لے جاتے ہیں۔

حدیث میں ایک انصاری صحابیؓ کا واقعہ آتا ہے حضور علیہ السلام اس کی نزع کی حالت میں اس کے پاس گئے۔ وہاں ملک الموت موجود تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ اے ملک الموت! میرے صحابی کے ساتھ جان کنی میں نرمی اختیار کرو۔ اس نے جواب دیا، اے محمد! خدا کی قسم میں تو ہر مومن کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتا ہوں میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں اور اس کے حکم کی تعمیل میں تلاش کرتا رہتا ہوں کہ کس شخص کی جان کو کس وقت اور کس مقام پر قبض کرنا ہے حقیقت یہ ہے کہ میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادے اور قدرت سے نہیں نکالتا میں تو صرف خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ مجھے بھی عین وقت پر ہی بتلایا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی جان فلاں، وقت اور فلاں مقام پر قبض کرنی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ملک الموت مقرر ہے جو تمہاری جانوں کو قبض کر لیتا ہے۔

فرمایا جب کسی شخص کی روح قبض کر لی جاتی ہے تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا

بعد از وفات

۱۵ ص ۳ ج

(فیاض)

۱۲۵ ص ۲۱ ج ۱ و قرطبی ص ۹۳ ج ۱۴ و درمنثور ص ۱۶۳ ج ۵

تَرْتَجِمُونَ پھر تم سب اپنے پوروں کی طرف ہی لوٹانے جاؤ گے۔ مرنے کے بعد انسان عالم برزخ میں داخل ہو جائے گا۔ اللہ کے مقرب بندوں کی مدد و توفیق اللہ ہی میں بیخ مائی ہے، اور اس کا تعلق قبر میں موجود جسم کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ جب تشریف لے جاتا ہے تو اللہ کا حکم ہوتا ہے وہاں رہتی ہے۔ عالم برزخ میں عجز اور سزا کا اس کا بھی ہوتا ہے۔ جہاں کہیں اللہ کا حکم ہوتا ہے وہاں اس کا حکم ہوتا ہے۔ اس کے بعد حشر کا تشریحاً بیان قائم ہوگا۔ وہاں پر یہ مانی جیسا کہ تمام قرنی اعمال اور اطلاق کے ساتھ موجود ہوگا۔ پھر عبادت اعمال کی منزل آئیگی، عجز اور سزا کے فیصلے ہوں گے اور پھر دائمی زندگی شروع ہو جائیگی۔ یہ جو حق بیخ مائی ہوں اَمَّا اَلْحَيٰتِیْنَ وَ اَمَّا اَلْحَيٰتِیْنَ پھر یہ تو کوئی شخص جنت میں جلا جانے کا۔ یا جہنم کا ایذا منہ بن جانے کا۔ جہنم کے عمل کا کوئی بھی ممکن انسان انکار نہیں کر سکتا، البتہ مشرک کا کفر اور نادان لوگ ہی اس کو بعید خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہم بڑے بڑے آدمی کے ساتھ تھی ہو جائیں گے تو چہرے کیسے بھی اٹھیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ جب وقت آئے گا تو اللہ کے حکم سے ہی میں تشریحاً تمام ذرات پھر اکٹھے ہو جائیں گے کہ ان پر نے جسم اللہ قرنی کے ساتھ زندہ ہو کر سامنے کھڑا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک ہے۔ جس نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا فرمادیا، اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل کام ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمَجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ
 عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا
 نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ شِئْنَا
 لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًىٰ وَلَكِنْ حَقَّ
 الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
 وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۴﴾ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ
 لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا إِنَّا نَسِيتُكُمْ وَذُوقُوا
 عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾
 إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا
 خَسِرُوا سُجَّدًا وَسَجَّوًا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
 وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۱۶﴾ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ
 عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا
 وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ ۱۔ اور اگر آپ دیکھیں (اس حالت کو) جب
 کہ مجرم لوگ اپنے سر نیچے کیے ہوئے ہوں گے
 اپنے پروردگار کے سامنے (اور کہیں گے) اے ہمارے

پروزرگوار! ہم نے دیکھ لیا اور سی لیا۔ ہیں لڑا ہمیں ہاڑ
ہم اچھا عمل کر سکیں بیشک ہم یقین کئے
وئے ہیں (۱۲) اور اگر ہم چاہیں تو مے دیں ہر نفس
کر اُس کی ہدایت۔ لیکن حق بات میری طرف سے یہ
ہے کہ میں ضرور بھروں گا جنبہ کہ جنوں اور انسانوں
سب سے (۱۳) پس ران کر گا جانے گا، چکھو اس
بڑبڑے کہ قرآن فراموش کر دیا تھا اس دن کی عداوت
کر۔ بیشک آج ہم نے تمہیں فراموش کر دیا ہے۔ اور
چکھو جسٹھ کا عذاب اس کے ہلے میں جو کچھ ہم
عمل کیا کرتے (۱۴) بیشک ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں
پر وہ لوگ کہ جب ان کو وہ یاد دلائی جاتی ہیں تو
سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور تیسع بیان کرتے ہیں اپنے
پروزرگوار کی تعریف کے ساتھ، اور وہ کبھی نہیں کہتے (۱۵)
جدا رہتی ہیں ان کی کڑوئیں اپنے بستر سے، پکارتے
ہیں اپنے پروزرگوار کو ڈرتے ہوئے اور امید کرتے
ہوئے، اور جو کچھ ہم نے ان کو مدنی دی ہے اُس
میں سے خرقی کرتے بہتے ہیں (۱۶)

بند آیت

اس سورۃ مہارکہ میں قرآن کریم کی حقانیت و صداقت کا تذکرہ ہوا۔ توحید
کے حتمی اور نقل دلائل بیان کئے گئے۔ رسالت کا بیان ہوا۔ اور ساتھ ساتھ
قیامت اور جہنم کے عمل کا تذکرہ ہوا۔ پھر تخلیق انسان کا مندر بیان ہوا۔ یہ
اس کی ہوشگزاری کا شکوہ ہوا۔ یہ وقوع قیامت کے متعلق کنارہ کی
کے انکار کا ذکر ہوا۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم مگر مٹی میں رل مل جائیں گے
تو پھر ہمارا دوبارہ زندہ ہونا کیسے ممکن ہوگا؟ انہوں نے فریاد کر دیا کہ دراصل یہ لوگ

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں۔ درمیان میں اختصار کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام کو خطاب کیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہاری جانوں کو ملک الہیہ قبض کرتے ہیں، پھر قسم اپنے پروردگار کی طرف لوٹاٹے جاؤ گے جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا فرمایا تو اب دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔ اُس کا فیصلہ ہے کہ وہ سب کو ضرور زندہ کر کے اپنے سامنے لاکھڑا کرے گیگا، اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔

اب اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کی دوبارہ زندگی کا کچھ حال بیان فرمایا ہے۔ آج تو یہ لوگ اس چیز کو ناممکن خیال کرتے ہیں مگر قیامت والے دن جب یہ فی الواقعہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیے جائیں گے تو ان کی پشیمانی قابل دیدہ ہو گی۔ فَرَأَىٰ وَقَفًا تَرَىٰ إِذِ الْعُجْبِ مَوْنًا كَسَوَارٍ وَّوَسْهِرٍ عِنْدَ رَهْمَةٍ اور اگر آپ دیکھیں ان مجرموں کو جب کہ وہ اپنے پروردگار کے سامنے سبزگوں حاضر ہوں گے، تو ذلت اور ندامت کے ساتھ عرض کریں گے دَبَّتْ آيَاتُنَا ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا وَسَمِعْنَا اور اپنے کانوں سے سُن لیا۔ اب ہمیں یقین آچکا ہے کہ جس چیز کو ہم بعید خیال کرتے تھے۔ وہ ہمارے سامنے ہے۔ لہذا اب ہماری درخواست یہ ہے۔

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا کہ ہمیں دنیا میں واپس پھیر دے۔ اب کی دفعہ ہم نیک اعمال انجام دیں گے۔ إِنَّا مُوقِنُونَ بیشک ہمیں یقین آ گیا ہے کہ تیرا وعدہ برحق ہے۔ تو نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے جو جو پیغام بھیجے۔ وہ درست ثابت ہوئے ہیں۔ اب ہم بڑے عقائد و اعمال کو ترک کر کے اچھے عقائد و اعمال اختیار کریں گے۔ سورة الشعراء میں مجرموں کا یہ بیان آتا ہے فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (آیت - ۱۰۲) اگر ہمیں دنیا میں واپس جانے کا ایک موقع مل جائے تو ہم وقوع قیامت اور جزائے عمل پر ایمان لے آئیں گے۔ تیرے انبیاء اور کتابوں کو تسلیم کر لیں گے اور نہایت

دنیا میں دوبارہ
آمد کی خواہش

اعانت گزارین کرنے کی گزارشیں کے معنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم اب جمع سے بچنے کے لیے بنائے تراش ہے۔ ہر۔ میں تمہاری شہادت سے واقف ہوں۔ تیقنت یہ ہے وَاَنْتُمْ رَاَوْا الْعَادُوْا لِيَسْمَعُوْا عَنَّا وَاَنْتُمْ لَا تَكْتَلِبُوْنَ رَانَ فَمَنْ - ۲۸۔ اگر ان کو دنیا میں لڑ ہی دیا جائے تو یہ لوگ پھر وہی کام کریں گے جن سے ان کو فتح کیا گیا ہے۔ جسک یہ جمعیت بول رہی ہے کہ واپس جا کر نیک اعمال انجام دیں گے۔ اللہ کے لڑن دنیا میں دوبارہ لوٹ آنے کا کوئی قانون نہیں ہے۔ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کا ذرا عمل ختم ہو کر دماغ شروع ہو جاتا ہے۔ لہذا اب انہیں اپنی کارکردگی کا بدلہ چیکنا ہوگا۔

میرزا نور
احمد صاحب

ارشاد ہوا ہے وَكَلِمَاتٌ لَا تَلِيكَ كَلِمَاتٌ فَتَبَيَّنَّا رَأْيَهُمْ جَاءَ فِيهِمْ قَوْمٌ مِّنْ غَيْرِهِمْ يُؤْمِنُونَ لَمْ يَلْمِزُوهُمْ بِمَا عَمِلُوا فَمَكَّنْتَهُمْ فِي دِيَارِهِمْ بِإِذْنِ اللَّهِ إِنَّهُمْ كَانُوا فِيهَا يَسْتَكْبِرُونَ

اگر ہم چاہیں تو ہم انہیں کے راستے پر چلا دیں مگر یہ تو زبردستی ہدایت پر چلانے والی بات ہوگی۔ سورۃ الانعام میں فرمایا وَكَلِمَاتٌ لِّلَّهِ لَمْ يَلْمِزْهُمْ بِمَا عَمِلُوا فَمَكَّنْتَهُمْ فِي دِيَارِهِمْ بِإِذْنِ اللَّهِ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اس کا قانون یہ ہے اِنَّا هَدَيْنَا سَبِيلَ السَّبِيلِ اِمَّا سَاكِنُوْنَ اِمَّا كُنْتُمْ كَالْعَصْرِ (۳) ہم نے انسان کی رہنمائی صرف استغیر کی طرف کر دی ہے اپنے انبیاء بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر ہدایت کے تمام سائن دیا کیلئے ہیں۔ اب یہ شخص کی اپنی سولہ پر ہے کہ وہ ہدایت والا راستہ اختیار کرتا ہے۔ یا کفر، شرک اور گمراہی والا۔ اب جو شخص اپنے اختیار اور ارادے سے ہدایت کو قبول کرے گا، وہ اس آسمان میں سرخرو ہوگا۔ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ ہدایت کے راستے پر ڈال دے تو انسان کی حیثیت ایک جانور سے زیادہ نہ ہو کہ جس طرف چاہے لڑھکا دیا۔ اللہ نے انسان کو تو اپنے علم پر اور ہدایت سے کئی اچھے نعمتیں بنا دی ہیں کہ وہ جو راستہ چاہے اختیار کرے اب اس کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار

اُس کی اپنی پسند یا پسند پر ہے

فرمایا اگر ہم چاہتے آسب کر اور راست پر لے آتے وَلٰكِنْ حَقَّ
 الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ
 اَجْمَعِينَ مگر میری طرف سے حق بات یہ ہے کہ میں جنوں اور انسانوں سے
 جہنم کو بھر دوں گا۔ جنوں اور انسانوں میں سے جو بھی کفر، شرک اور معاصی کے راستے
 پر چلے گا، سب کو جہنم رسید کروں گا۔ جب شیطان نے اللہ کے بندوں کو گمراہ
 کرنے کی قسم اٹھائی تھی تو اللہ نے اُس کے بارے میں بھی یہی الفاظ استعمال
 کیے تھے لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ
 اَجْمَعِينَ (ص - ۸۵) میں تجھے اور تیرے پیروکاروں سے جہنم کو بھر دوں گا۔
 مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے۔

پیشگی کا
 عذاب

فرمایا اب تمہاری دنیا میں واپسی کی خواہش پر پوری نہیں ہو سکتی، اب تو صرف
 دنیا کی زندگی کا بدلہ ملنے والا ہے۔ فَذُو قَوْلٍ مَّا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ
 هٰذَا اِمْسِ اب عذاب کا مزہ چکھو اس وجہ سے کہ تم نے آج کے دن کی طلاق
 کو فراموش کر دیا تھا۔ اُس وقت تو کہتے تھے کہ نہ کوئی قیامت ہے، نہ حساب
 کتاب کی منزل اور نہ ہی جزائے عمل۔ دراصل فراموش شدہ چیز کا تذکرہ نہیں کیا جاتا
 بلکہ اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی میں رہ کر
 آخرت کی زندگی کو نظر انداز کر دیا۔ لہذا اب اس کا مزہ چکھو اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ
 آج ہم بھی تمہیں نظر انداز کر دیں گے۔ آج تمہاری کوئی درخواست قبول نہیں کریں
 گے بلکہ اپنی رحمت سے دور کر دیں گے اب تمہارے ساتھ یہی سلوک ہونے
 والا ہے وَذُو قَوْلٍ مَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اب
 اپنے اعمال کی پاداش میں ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ عقیدہ بھی ایک دائمی چیز ہے
 جسے انسان اپنے ذہن و قلب اور روح میں جمالیاتا ہے۔ پھر جب یہ عقیدہ ہی
 باطل ہو جائے، انسان کفر اور شرک کو اپنے آپ پر حاوی کر لے تو اس کی سزا

جی ڈی بی

ابن ابی
کاذب

مشکورین اور گمذہبن کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا تذکرہ فرمایا
 فرمایا إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا ہے شک ایمان لاتے ہیں ہماری
 آیتوں پر الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا وہ لوگ کہ جب ان کو ان آیات
 کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے۔ يَخْرُجُوا سَخِرًا و سَخِرًا یعنی
رَبِّهِمْ تو وہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور بیعت بیان کرتے ہیں اپنے پروردگار
 کی اس کی تعریف کے ساتھ۔ آیات سے مراد قرآنی آیات کے علاوہ
 معجزات اور دلائل بھی ہیں، ہر توحید اور قیامت کے اثبات یا کفر و شرک کے
 رد میں ہو سکتے ہیں۔ آیات سے مراد ان کے لئے ماوراء ما میں ہوتے ہیں۔
 حال حاضر، جائزہ، معجزات کی تصریح، معجزات و غیرہ، امتیاز بھی آتا ہے۔ اس
 کے علاوہ آیات سے مراد قدرت کی تمام نشانیاں ہیں جن کو دیکھ کر انسان خدا
 کی وحدانیت کو سمجھ سکتا ہے۔ قرآن پاک جب اہل ایمان پر ہماری آیتیں پیش
 کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اپنے پروردگار کی بیعت و عقیدہ بیان کرتے
 ہیں۔ یہ تصدیق کہ آیات الہی سن کر اہل ایمان پر مشورع و مشورع طاری ہو جاتا ہے وہ
 سمجھ سے میں گر پڑتے ہیں، ارکان پر خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا جاری ہو جاتی ہے اور دل
 میں عاجزی اور انکساری آجاتی ہے اور تکبر و غرور و ذمہ ہوتا ہے۔ سورہ الضحیٰ
 میں یہ مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِآيَاتِنَا
رَبِّهِمْ أَعْرَضُوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيًا تَأْتِي بِهَا أَبْصَارُهُمْ
 ان کے سامنے اللہ کی آیتیں دکھائی جائیں تو وہ ان پر اندھے ہو کر نہیں گر
 پڑتے لیکن میں غور و فکر کرتے ہیں اور تعمیل احکام بھی کرتے ہیں۔
 اس آیت کو ہر پڑھنے یا سننے والے مسلمان پر سجدہ و تلاوت واجب ہو جاتا
 ہے۔ اگر ایک مجلس میں یہی آیت بار بار پڑھی جائے تو سجدہ ایک ہی بار کافی ہوگا

اور اگر مجلس کی تبدیلی کے بعد دوبارہ یہ آیت پڑھی جاسیگی تو دوبارہ سجدہ کرنا لازم ہو جائے گا۔

تکبر کی بیماری

فرمایا ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے لوگ آیات کو سن کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید بیان کرتے ہیں وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ تکبر بہت بڑی خصلت ہے، جو انان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ شیطان تکبر ہی کی وجہ سے مردود ٹھہرا۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ دیگر قباحتوں کی نسبت تکبر کو دل سے نکالنا زیادہ مشکل ہے۔ چنانچہ بیعت کا مقصد انان کی تربیت اور اصلاح ہے۔ محض رسومات از قسم عرس، قوالی وغیرہ کر لینا تو بیعت کا مقصد نہیں ہے۔ مرشد کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنے مرید کی اس طرح تربیت کرے کہ اس کی تمام بُری خصلتیں دور ہو کر اچھی خصلتیں پیدا ہو جائیں۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ بہت بڑے بزرگ، عالم دین، مفتی اور پیر بھی تھے۔ سلوک کے موضوع پر آپ کی کتاب ”تربیت الالک“ وغیرہ پڑھیں۔ آپ کے سر پر خطوط کے ذریعے اپنے اشکال پیش کرتے تھے اور آپ ہر اشکال کا علاج تجویز فرماتے تھے اور واضح کرتے تھے کہ فلاں خصلت کو اس طرح دور کرنا ہے اور اس کے مقابلہ میں فلاں عمل کرنا ہے۔ آپ سے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ ہر قسم کے لوگوں نے اصلاح کا سلسلہ قائم کیا اور درجہ کمال تک پہنچے۔ ابھی حال میں گورنمنٹی کے ڈاکٹر عبدالحیؒ فوت ہوئے ہیں آپ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے اور وکیل تھے۔ انہوں نے حضرت تھانویؒ سے بیعت کر کے علم اور تربیت دونوں چیزیں حاصل کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کایا پلٹ دی اور انہیں کمال درجے کا مرشد بنا دیا۔ بہر حال تکبر کے متعلق پرانے بزرگ فرماتے ہیں نقل الجبال ایسر من اخراج الکبر من القلوب یعنی سوئی کے ذریعے پہاڑوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا تکبر کو دلوں سے نکالنے کی نسبت آسان کام ہے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ بڑے اوصاف میں تاجر ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر
 میں نکلتا ہے، تاجر کا سکن انسان کا دل ہوتا ہے، کوئی علم کی وجہ سے تاجر میں
 مبتلا ہوا ہے، کوئی مال و دولت اور وقت کی وجہ سے، کوئی من و جمال
 اور فن کی وجہ سے، بہر حال تاجر بہت بڑی نصرت ہے۔ حدیث شریف
 میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اَلَا يَفْعَلُونَ بَعْدَ مَعْلَمٍ عَلَي كَيْفِ
 لَيْ اِيْمَانِ وَالْوَالِكِ اَيْكِدُوْرِكِ سَانِي فَعَزَّزْ لِيَا كِرُوْ . بلکہ یہ کہ خدا نے یہی
 طرف دئی کی ہے کہ لوگ فقرہ ذکر یہ تکرار فرماتے اور خدا ہی اختیار کریں۔ ارشاد
 اَلَا يَحْبِبُ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (العنكبوت: ۲۳) بیکار اللہ تعالیٰ تاجر کرنے
 انوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

تجدید گزار
 بننے

اللَّهُمَّ اٰهْلِ اِيْمَانِ كِي يَصْفَتْ بِمِي بِيَانِ فِرْدَاوِي سِي سَتَّعَا فَا جِيُوْ لِيَهْمُوْ
 عَنِ الْمَصْاحِبِ اَيُّ كِي سِي هَلْ بَسْتَرُوْنَ سِي سِي اِيَهْتِي مِي مَلَبْ يِكِرْ جِيِبْ رَا سِي
 كِرَا ذَمْ كِرْسِي كَا وَرْتِ بُو اَسِي اَرَا اِيْمَانِ مَلِي سِي نِي رُوْ كَرَمِ سِي سُوْنَ كُو مِي رَا كِرْسِي
 پُرُوْرُوْ كَارِكِي سَانِي مَانِي بُو مَاتِي مِي اُرْ بِيُوْ كِي كَحْتِي مِي اَيَا ذَعُوْنَ رِي قِيَهْمُوْ
 حَقُوْفَا وَطَمَعًا اِكَلَاتِي مِي سِي نِي پُرُوْرُوْ كَارِكُوْفُوْ اُوْرَا مِي هِدْ كِي سَا قَد
 اِسْ بَاتِ مِي قَدِ سِي اَخْتِلَافِ سِي كِرُوْ كَرْنِي مَانِي سِي مِي كِي سَتَلْعِقِ مَرُوْ اِي
 گِيَا سِي كِي اِهْلِ اِيْمَانِ سِي نِي پُرُوْرُوْ كَارِكُوْفُوْ اُوْرَا مِي كِي سَا قَدِ بَكَاتِي مِي ۔
 حضرت بلال کی مدعا یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مہر گونہ خراب اور عشا کے درمیان نماز
 ادا کی کرنے تھے اور اس آیت سے یہی نماز مراد ہے، ہم زیادہ تر حضرت سے
 فرماتے ہیں کہ اس سے تہجد کی نماز مراد ہے۔ سونے کے بعد دوبارہ اٹھ کر نماز ادا
 کرنا، بڑا مشقت طلب کام ہے مگر اس نماز تہجد کا اجر بھی بہت زیادہ ہے

سے

(فیاض)

۳۵۴ ابن کثیر

۳۵۴ ابن کثیر

حضور علیہ السلام کے بعض ارشاد سے بھی ثابت ہے کہ اس آیت کریمہ میں جس نماز کا ذکر ہے، وہ تہجد کی نماز ہے۔ آپؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ جنت میں ایسے بہترین محلات ہوں گے کہ اندر سے باہر کا اور باہر سے اندر کا بخوبی نظارہ ہو سکے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، حضور! یہ محلات کن لوگوں کی قسمت میں ہوں گے؟ فرمایا جو روزہ رکھیں گے، غزباد مساکین کو کھانا کھلائیں گے اور ایسے وقت میں نماز ادا کریں گے۔ وَاللَّاسُ نِيَامٌ؟ جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں گے اور اس سے تہجد کی نماز ہی مراد ہے۔

اور باقی رہی یہ بات کہ اہل ایمان اپنے پروردگار کو خوف اور ایمان کے ساتھ پکارتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایمان میں یہ دونوں چیزیں شامل ہیں بلکہ اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالتَّوْبَةِ اِيْمَانٌ اَدْوَى كَا اِيْمَانِ خَوْفٍ اور امیر کے درمیان ہوتا ہے، اُسے خدا تعالیٰ کے جلال و عظمت اور اُس کی گرفت کا خوف ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے جلیل القدر انبیاء بھی اُس کے خوف سے لرزتے ہیں۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ (الشعراء: ۸۲) پروردگار اِقْبَالَتِ اُسے دِنِ مِيْرِيْ لَغَزَشُوْنَ كَرَمَاعٍ فَرَمَا دِنَا۔ کہیں میری گرفت نہ ہو جائے۔ دوسری طرف مومن اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ پُر اُمید ہتے ہیں کہ وہ انکی لغزشوں کو معاف فرما کر نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ کیونکہ اُس کی رحمت اُس کے قمر پر غالب ہے۔

فرمایا اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ وہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے کے علاوہ صدقات و خیرات کرتے ہیں۔ عنسرباد مساکین

لے قرطبی ص ۱۴۱ و خازن ص ۲۲۳

(فیاض)

لے معالم التنزیل ص ۱۵۹ و خازن ص ۲۲۵

کا خیال رکھتے ہیں۔ جہاد، حج اور عمرہ کے لیے سفر حج کرتے ہیں۔ یہی اہل ایمان لوگ ہیں کہ اللہ کی آیات سن کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخِيَا لَهُمْ مِّنْ وَّتْرَةٍ
 أَعْيُنٍ عَزَاءٍ لِّبِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾
 أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا
 لَا يَسْتَوْنَ ﴿۱۸﴾ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
 الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا
 بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ
 فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن
 يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ
 ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهِ
 تُكَذِّبُونَ ﴿۲۰﴾ وَلَنذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ
 الْأَلَدِيِّ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ
 يَرْجِعُونَ ﴿۲۱﴾ وَمَن أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ
 رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ
 مُنتَقِمُونَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ :- پس نہیں جانتا کوئی نفس جو پرشیدہ رکھی
 گئی ہے ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ بدلہ اُس کا

جو کچھ وہ عمل کیا کرتے تھے (۱۷) مہل وہ شخص جو ایمان پر ہو، کیا اُس کے برابر ہو گا جو نافرمان ہو؟ یہ برابر نہیں ہو سکتے (۱۸)۔ برعکس وہ لوگ جو ایمان نہ لائے اور جنہوں نے ایسے کام کیے، پس اُن کے لیے بہشت ہیں۔ سُننے کے لیے۔ اور تمہاری اس کے بارے میں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (۱۹) اور برعکس وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کی، اُن کا ٹھکانا، دوزخ کی آگ ہے۔ جب ارادہ کریں گے کہ اس سے نکل جائیں تو اُسٹا لیے جائیں گے اس کے اندر ہی، اور ان سے کہا جائے گا چمکو دوزخ کا عذاب، وہی جس کو تم جھٹلاتے تھے (۲۰) اور البتہ جو سزا چکھائیں گے ان کو سزا ساقرب کا عذاب بڑے عذاب سے پیشہ ہوگا۔ یہ ٹوٹ آئیں (۲۱) اور اس سے بڑھ کر ظالم کرن ہے جس کو یاد دلائی جائیں اس کے پروردگار کی آنتیں، پھر وہ اُن سے اعراض کرے، بیٹھ ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں (۲۲)

رہنمائی

پہلے اللہ نے مشرکین اور مشرکین قیامت کا رد فرمایا اور اُن کی جزا کا ذکر کیا اس کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کی تعریف فرمائی کہ جب ان کو اللہ کی آنتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سمجھ رہے ہو جاتے ہیں اور کبیر نہیں کرتے بلکہ اللہ کے سامنے عاجزی و اظہار کرتے ہیں۔ راست کے وقت اُن کے پہلو بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں وہ اللہ کو اللہ کی بارگاہ میں مناجات کرتے ہیں۔ اُن کے دل خدا کے عذاب سے خوفزدہ اور وہ اس کی تمت سے پر امید ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روزی میں سے

اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

خفیۃ النعمات

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ صفات کے حامل مومنین کے لیے اپنے خفیۃ النعمات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُوهُنَّ مِمَّا أُخْفِيَ لَهُنَّ مِمَّنْ قَسَتْ أَعْيُنُنَّ لِئَلَّا يَخْفَىٰ عَلَىٰ مَنْ يَدْرُسُهُنَّ وَهُنَّ يُعْلَمْنَ أُولَٰئِكَ لِيَقُولُوا هَذِهِ نِعْمَاتُ اللَّهِ عَلَيْنَا لَئِنَّا لَمِنَ الْغَافِلِينَ۔ یعنی وہ اس چیز کے علم سے بہت خوش ہوں گے۔ فرمایا جبرائیلؑ لہما کانتوا یعملون یہ بدلہ ہے ان اعمال کا جو وہ انجام دیتے رہے۔

گذشتہ درس میں گنہگار چکا ہے کہ اللہ کے بندے راتوں کو اٹھ کر اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی اور انکاری کا اظہار کرتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ لوگ دنیا میں رات کے وقت چھپ چھپا کر بلاگاہ ایزدی میں مناجات کرتے رہے اسی طرح اللہ نے ان کے انعمات کو بھی پوشیدہ رکھا ہوا ہے جن کا علم انہیں وہیں جا کر ہوگا۔ اور وہ ان کے لیے اپنا نیک خوشی کا باعث بنیں گے۔ حدیث شریفہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی دل پر کھٹکی ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت فرمائی فَلَا تَعْلَمُوهُنَّ..... الخ

ان انعمات کا تذکرہ کرنے کے بعد استفہامیہ انداز میں فرمایا أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا کیا مبعلا ایک مومن

نیک و بد کا انجام

اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو، ایک طرف اللہ کی توحید کو تسلیم کرنے والا شخص ہے، اُس کے رسولوں کتابوں اور نبوت بعد الموت پر ایمان رکھنے والا ہے اور دوسری طرف آیات الہی کو چیلانے والا پیغمبروں کو مسخر مٹانے والا کتابوں کو تھکے کمائیاں بنانے والا اور جبرائیل علیہ السلام کو مسخر کر دینے والا ہے۔ بعد ازاں دونوں کا انجام برابر کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ نے خودی خود والا ایسے شخصوں پر دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے مل ٹھونڈا اللہ کوئی اندھیر نہ کر ہی نہیں ہے، کہ جبراً چھلا ایک جیسے ہوں، جگر دہاں تو حق و انصاف کے ٹیٹھے ہوتے ہیں۔ وہاں ایسا نادراد نافرمانوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہیں ہوگا جگر ہر ایک کا انہم اُس کے عقیدے سے ازیر عمل کے مطابق ہوگا۔

اُنکے اہل ایمان اور نافرمان کا انجام یہ بیان کیا گیا ہے آتِ الْاٰیٰتِ مَن اٰتٰسَمٰی
 بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے، ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کیا، اُس کی ذات اور اُس کی صفات میں کسی کو شریک نہیں مٹھا؛ کتب سماویہ پر یقین رکھا اور وقوع قیامت کو برحق مانا، اللہ کے تمام انبیاء اور رسول کو تسلیم کیا اور اس طرز پہلے پہلے اپنے اپنے اصلاح کی و عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
 اور اس کے بعد نیک اعمال انجام دیے۔ نیک اعمال وہی ہوں گے جن کو خدا کو دین اور شریعت سے نیک قرار دے، اور عقل سلیم سے نیک تسلیم کرے۔ ان اعمال میں سرفہرست عبادت الہیہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔ پھر نیکار، صدقہ، خیر خواہی اور احسان وغیرہ اعمال صالحہ میں شامل ہیں۔ تو فرمایا کہ ہر لوگ ایمان لائے اور پھر اپنے اعمال میں انہما سے فَلَمَّا سَوَّیْنَا جَنَّتِ الْاَمَّاوِیَیْنِ لوگوں کے لیے رہائش کے قابل بناتے ہوں گے۔ بعض باغات میں رہائش اختیار نہیں کی جا سکتی مگر اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے رکھے ہیں کہ جن کے اندر جی رہائش کی تمام سہولتیں میسر ہوں گی، گویا وہ رہائش گاہ بھی ہوگی اور سیرگاہ بھی بہر طرت کا آرام و سکون میسر ہوگا۔ ان باغات کی چیزیں وہاں دستیاب ہوگی، ایسے باغات

میں پانی کی نہریں جاری ہوں گی اور درختوں ہر طرح کے پھل موجود ہوں گے۔ فرمایا یہ سب کچھ نَزْلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اُن کی مہمان نوازی کے طور پر ہوگا اُن اعمال کے بدلے میں جو وہ دنیا کی زندگی میں انجام دیتے تھے۔

اہل جنت کو یہ نعمتیں بغیر مشقت کے حاصل ہوں گی کیونکہ یہ اُن کی مہمان نوازی کے طور پر ہوگا۔ اپنے گھر میں انسان ہر طرح کی نعمتیں حاصل کر لیتے ہیں مگر اس کے لیے محنت و مشقت کرنا پڑتی ہے تب جا کر مطلوبہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ اس کے باوجود نعمت کے ختم ہو جانے کا ہر اُن امکان ہوتا ہے، خود انسانی زندگی روبرو زوال رہتی ہے اور آخر ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتی ہے اور تمام نعمتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، موت سے پہلے طرح طرح کی بیماریاں اور حوادث پیش آتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے انسانوں کو پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ مگر جنت میں نہ تو زندگی ختم ہوگی اور نہ کسی نعمت کے چھین جانے کا خطرہ ہوگا۔ اہل ایمان کی یہ مہمان نوازی دائمی ہوگی اور یہ اس لیے کہ وہ دنیا میں اچھے اعمال انجام دیتے تھے۔

اس کے بالمقابل کفار کے متعلق فرمایا وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا بہر حال وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ فسق کا اطلاق انسان کی مختلف حالتوں پر ہوتا ہے۔ یہ لفظ مطلق گنہگار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جب کہ اس کا لغوی معنی اطاعت سے باہر نکل جانا ہے۔ اللہ نے مشرکوں کے متعلق فَسَقُوا وَكَثُرُهُمْ فَسِقُونَ (التوبہ - ۸) اُن میں سے اکثر فاسق ہیں اور کثرت کے متعلق بھی فرمایا وَكَثُرُهُمُ الْفٰسِقُونَ (آل عمران - ۱۰) اُن کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل ہے۔ منافقوں کے متعلق بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَسِقِينَ (التوبہ - ۵۳) تاہم اس مقام پر فساق سے مراد کافر ہیں کیونکہ یہ لفظ ایمان کے مقابلہ میں لایا گیا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ جنہوں نے کفر اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیا فَمَا أَوْسَاهُمُ النَّارُ اِنَّ كُفْرًا دَارِجًا کی آگ ہوگا۔ اور وہ ایسا بڑا ٹھکانا ہے جسے کما آرادوا ان ینجروا جو امنہا

کفار کا انجام

جس میں اس سے ابرہ تکھاں چاہیں گے اَلْعَبْدُ وَالْفِيْهَمَا قُواں میں وکیل لیے ہیں
 گئے اور دوزخ سے ابرہ تکھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ وَقَوْلِكَ لَقَدْ
 اَدْرَاْنُ سَعَايَاكُمۡ كَمَا يَأْتِيكُمُ السَّيْرُ الْاَلْذَى لَسْتُمْ بِه
 تَكْتَفِيْنَ اَبَعَدَ اس دوزخ کا عذاب کچھو میں کی ہمیشہ تکذیب کرتے ہے، کہ
 کوئی قیامت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی جزئے عمل کا ارتحواست کا۔ آج وہ تو قعد
 آچکا ہے۔ لہذا اس کا عذاب پرزاشت کرو۔ سورة الطور میں اہل دوزخ کے
 متعلق حکم ہے اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَاءٌ عَلَيْنَا اَلَّذِي
 رَدِيْتُمْ - ۱۰۰ کہ اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ اب سیل صبر سے عذاب کو برد
 کرو یا صبر صبری کا اظہار کرو۔ تمہارے لیے برابر ہے۔ یعنی تمہیں یہ عذاب ملتا
 ہے گا اور تمہاری بیخ و بجز راہ لگیوں جانے گی۔ بہر حال فرمایا کہ ایک مومن اور
 کافر کا انجام برابر نہیں ہو سکتا۔

دنیا میں
 کمتر عذاب

آگے اشارنے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے وَالَّذِيْ يَنْفَسُ مِنْ الْعَذَابِ
 الْاَلَذَى دُونَ الْعَذَابِ الْاَلْحَقِّ اور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے
 قریب کا عذاب ضرور چکھاتے ہیں لَقَدْ تَكْتَفِيْنَ مِيْرَجِعُوْنَ آگے یہ لوگ
 واپس لوٹ آئیں۔ آخرت کا عذاب تو بڑا اور دائمی عذاب ہے۔ اشارنے
 فرمایا کہ اس سے پہلے ہم دنیا میں کمتر عذاب کا مزہ بھی چکھاتے ہیں یہ عذاب
 یہ ہے کہ جب لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی و بارہ
 بیماری الطوفان، زلزلہ، قتل و غارتگری یا مالی و مالی نقصان کی صورت میں ان پر
 عذاب نازل فرمادیتا ہے اور اس سے متصویر ہوا ہے کہ لوگ اس سے ڈر کر
 کفر شرک اور معاصی سے باز آجائیں انہیں اس چھوٹے عذاب کے نتیجے میں
 ہو جائے اور شاید یہ فسق و فجور کو ترک کر کے بڑے عذاب سے بچ جائیں۔

لے فتح الخیر مسلماً و تعذیر الشامی بیناً (الفاضل)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
مجرمین کو دنیا میں اس دنیوی نظام کی موجودگی میں بھی بعض جرائم کی سزا دیتا رہتا ہے۔
کوئی بیماری آگئی، حادثہ پیش آگیا، جان، مال یا اولاد کا نقصان ہو گیا، نخط پڑ گیا
یا جنگ مسلط ہو گئی۔ یہ سزا ہی کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ لوگوں کی
تنبیہ کے لیے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں سعادت مند لوگ
سمجھ جاتے ہیں اور وہ جرائم سے باز بھی آجاتے ہیں مگر جو ناہنجار قسم کے لوگ ہوتے
ہیں وہ تنبیہ کا کچھ اثر قبول نہیں کرتے اور اعمال بد میں مہلک ہتے ہیں۔ اور
پھر آخر کار بڑے مذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں۔
کہ بعض اوقات لوگ سزا کے مستحق بن جاتے ہیں مگر بعض اسباب کی وجہ سے وہ
سزا کی رہتی ہے۔ پھر جب وہ اسباب رفع ہو جاتے ہیں تو مقررہ سزا طوفان
کی طرح یکدم وارد ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کا شکوہ بیان کیا ہے۔
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ أُوْرَأْسٍ مِنْهُ لَمْ يَكُنْ
ہے کہ جب اس کے سامنے اس کے پروردگار کی آیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، اور
اسے بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمائے ہیں یا اس نے اپنی وحدانیت
کے یہ دلائل پیش کئے ہیں ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا تو پھر وہ شخص اُن سے
اعراض کر جاتا ہے۔ آیاتِ الٰہی کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا بلکہ ہر اچھی بات سے اُن
سنی کر دیتا ہے۔ اللہ نے اعراض کی یہ صورت بھی بیان فرمائی ہے۔ صَلُّوا
مَنْ مَوَّظِعِي وہ اندھے، بہرے اور گونگے بن جاتے ہیں۔ حق بات سے
منہ موڑ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا إِنَّا هُمْ الْمُحْجِبِينَ
مَنْتَقِمُونَ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔ ظاہر ہے

آیاتِ الٰہی
سے اعراض

کچھ لوگ کا ارجحاً یہ کہہ کر کوئی شخص مذاقاً ہی کے اہتمام سے بیچ نہیں سکتا۔ اور
شاہ ولی اللہ شرفی فرماتے ہیں کہ مذاقاً ہی کی سزا وقتاً طویل پر لوگ تو سکتے ہیں مگر نہیں
سکتے۔ بعض مجرموں میں سزا سے بچنے کی بجائے سزا کو بھرنے کے لئے بے پروا رہنا
برماتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ بعض مجرم کی سزا آخرت کے عذاب سے
پہلے ہی سزا گئی ہے۔ جو لوگ والدین کو تنگ کرتے ہیں، قطع رحمی کے موجب
ہوتے ہیں اور عظیم ذنبا دی کرتے ہیں۔ بلا اوقات ان کو دنیا میں ہی سزا سننے
گئی ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت بیان کی ہے کہ میں
جہلم کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی لے رہا ہے۔

۱۰۱۔ حق کی مخالفت کرنا دنیا ہی میں سزا کا مستحق بنا ہے۔ آپ روزمرہ و شاہد
کرتے ہیں کہ لوگ جیسے جیسے انکار اور نعرے لگا کر احکام اللہ کی مخالفت فرما
کرتے ہیں۔ اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جو تین بھی اپنے نام نہ حقوق
کے حق میں جسٹسوں کا حق ہیں۔ سزا درایت کا بوجہ گواہی کا یا نکاح اور طلاق کا
عورتوں کو اللہ کے عطا کردہ حقوق سے سزا نہیں ہے، وہ اس دنیا کے عکس یعنی
ماکروں سے اپنے لیے سزا و حقوق طلب کرتی ہیں۔ یہی تو حق کی مخالفت ہے
جو آج سرعام ہو رہی ہے۔

(۲) دوسری چیز والدین کی نافرمانی اور ان کو ناحق تنگ کرنا ہے۔ ایسے
لوگ دنیا ہی میں سزا کے مستحق بن جاتے ہیں۔

(۳) جو شخص خود غلط کرے یا ظالم کی مدد کرے، وہ بھی دنیا میں سزا سننے
کا اہل بن جاتا ہے۔

لہ

تہ تعصی طبری ۱۱۳۱ھ و لغز الثعالبی ۱۱۳۱ھ و تغیر اللغز ۱۱۳۱ھ ۱۱۳۱ھ ۱۱۳۱ھ
و فیاض

الغرض! ان تین قسم کے جبرالم کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جس کے سامنے اُس کے رب کی آیت ذکر کی جائیں۔ اور وہ اعراض کر جائے۔ الٹریسے مجرموں سے ضرر انتقام لے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ
 فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى
 لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۲۶﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً
 يَّهْدُونَ يَا مِرْنَا لَمَّا صَبَرُوا تَوَّابُونَ ﴿۲۷﴾
 بِإِذْنِنَا يُؤَفَّقُونَ ﴿۲۸﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْفَصِلُ
 بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ
 يَخْتَلِفُونَ ﴿۲۹﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمَا
 أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ
 فِي مَسْكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً أَفَلَا
 يَسْمَعُونَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں ہم نے وہی ساری چیزیں عطا کر دی ہیں نہ ہوں آپ سب میں ان کی طاقت سے ۔ اور بنی اسرائیل سے ہم نے اس کتاب کو دیا کہ باریت بنی اسرائیل کے لیے ﴿۲۶﴾ اور بنائے ہیں ہم نے ان میں سے پیڑھا جو رہنمائی کرتے تھے ہمارے حکم سے جب کہ انہوں نے صبر کیا ، اللہ سے وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ﴿۲۷﴾ بیشک تیرا پروردگار ہی فیصلہ

کمرے گا اُن کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے (۲۵) کیا ان لوگوں کے لیے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی جماعتیں ہلاک کی ہیں جن کے ٹھکانوں میں یہ چلتے ہیں۔ بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں کیا یہ سنتے نہیں؟ (۲۶)

ربط آیات

اس سورۃ کی ابتدا میں قرآن کی حقانیت اور صداقت بیان ہوئی۔ پھر اللہ نے توحید کا مسئلہ سمجھایا۔ اس کے بعد وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا ذکر ہوا۔ پھر منکرینِ قیامت کا رد ہوا اور قیامت میں پیش آنے والے بعض واقعات کا تذکرہ ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور فسق کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا اور بطورِ تشبیہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے ہم دنیا میں کمتر عذاب بھی بھیج دیتے ہیں تاکہ لوگ بڑے عقائد و اعمال سے باز آجائیں پھر اللہ نے منکرین کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ آیاتِ الہی کو سن کر ان سے اعراض کرتے ہیں، ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار نہیں کرتے ان سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے؟

نزولِ تورات

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ تورات کا ذکر فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ الْبَيِّنَاتِ حَقِيقًا هَمَّ نَبِيُّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كِتَابَ عَطَا فَرَمَانِي - ظاہر ہے کہ اس سے مراد تورات ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر پرنازل ہوئی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی تعلیم و اشاعت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اسی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم کی تعلیم، تبلیغ اور اشاعت پر بے شمار مصائب برداشت کرنا پڑیں گی۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام

کو تسلیم ہے کہ **وَإِنَّكَ لَأَنْتَ الْغَفُورَ الْرَّحِيمَ** من لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ
 والفقہ ۶۰ ایک آپ کو بھی وہی معرکہ کی طرف سے کتاب دی گئی ہے۔ چونکہ
 آپ کے بہت سے حالات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے ملتے جلتے
 ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بطور نمونہ پیش کیا ہے کہ اسی کی طرف
 آپ بھی سیر و برداشت سے کام لے کر اُنے والی اصلاحات پر توجہ فرمائیں۔

وہ وقت یہ
 نیک کی
 ترویج

فرمایا: **ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو قرآن عظیم فرمائی فَهَلَّا تَتَّقُونَ فِيهَا** **مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا** **مِنْ حَيْثُ يَخْرُجُ مِنْهَا** **وَمَا يَضُرُّهُ مِنْ شَيْءٍ** **مِمَّا يَخْتِصِمُ** **لِئَلَّا يَتَّخِذَ اللَّهُ مِنْ خَلْقٍ كَاتِبِينَ**
 یعنی یہاں ہے اس کی ملاقات کے متعلق شک میں نہ پڑیں۔ اس سے
 کرن سی ملاقات مراد ہے جس کے متعلق ہم خود کی تعین کی گئی ہے؟
 مفسرین کو اس کی مختلف تفسیرات بیان کرتے ہیں۔ امام بیضاوی فرماتے
 ہیں کہ یہ کتاب میں وہ کی ضمیر کتاب کی طرف لائق ہے اور پورے جملے کا معنی یہ
 ہے کہ آپ کتاب کے حصے سے متعلق شک میں نہ پڑیں، یعنی جس طرف اللہ
 نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی تھی، اسی طرف آپ بھی علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی
 ہے۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو کتاب کی تعلیم و تبلیغ میں محنت و محنت کرنا پڑی
 اسی طرح آپ کو بھی محنت کا درس کرنا پڑے گی۔

صاحب تفسیر دُرُک فرماتے ہیں کہ یہاں پر وہ کی ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی عروت
 لائق ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کی عورت سے ملاقات کے متعلق
 کسی شک و تردد کا شکار نہ ہوں۔ ایسا وقت آنے والا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام
 اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور وہ اللہ سے اُن لوگوں کی شکایت کریں
 گے جنہوں نے کتاب قرآن کی تکذیب اور منافقت کی۔ اسی طرح مفسر
 علیہ الصلوٰۃ والسلام علیہم قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ کے سامنے شکایت

سے افرار اللہ تعالیٰ علیہم اری علیہم ۲۳۷

(فیاض)

شہ دُرُک ص ۲۹۰

پیش کرینگے کہ آپ کی قوم نے اس عظیم کتاب سے اعراض کیا۔ سورۃ الفرقان میں ہے -
 وَقَالَ الرَّسُولُ يُرَبِّ اِنْ قَوْمِي اخْتَدَوْا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝
 (آیت - ۳۰) اللہ کا رسول کہے گا، پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت
 ڈال دیا یعنی اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت قتادہؓ نے ایک تیسری تفسیر بیان کی ہے
 وہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ملاقات کے
 متعلق کسی شک میں نہ پڑیں۔ حضور علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین ملاقاتوں
 کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ واقعہ معراج والی حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا کہ میرا گنہگار ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہوا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مدفون
 ہیں، تو میں نے دیکھا رَأَيْتُ مُوسَىٰ قَائِمًا يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ۔ کہ
 موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر جب آپ علیہ السلام
 بیت المقدس پہنچے تو وہاں تمام کے تمام انبیاء کو موجود پایا جن میں موسیٰ علیہ السلام
 بھی شامل تھے اور آپ نے سب کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام
 سے تیسری ملاقات چھٹے آسمان پر ہوئی۔ اللہ نے آپ کی امت کے لیے
 پچاس نمازیں مقرر فرمائیں مگر جب موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے
 حضور علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ ان میں کبھی کراہیں کیونکہ آپ کی امت اتنی مشقت
 برداشت نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام بار بار اللہ کے حضور درخواست
 پیش کرتے۔ الغرض! اللہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کے متعلق
 کسی شک میں نہ پڑیں کیونکہ آپ نے بعینہ موسیٰ علیہ السلام سے ہی ملاقات کی
 تھی۔ جو کہ جسم اور روح کے ساتھ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ معراج کے موقع پر انبیاء

۱۔ تنزیہ المقیاس من تفسیر ابن عباس ص ۲۲۷

۲۔ خازن ص ۲۲۷ و منظری ص ۲۹۵ ۳۔ سلم ص ۲۶۸ و نائی ص ۲۴۲ و منذ احمد ص ۱۴۸ (فیاض)

کے رجحان سے بائیس انبیاء سے ملاقات ہوئی تھی نیز اشر نے واضح کر دیا۔ فرمایا کہ آپ شک میں نہ رہیں بلکہ آپ نے جیسا کہ نبی علیہ السلام سے ملاقات کی۔

جس نے
اشر

فرمایا ہم نے نبی علیہ السلام کو کتابِ عطا فرمائی وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّلْعَالَمِينَ
اَسْرَآؤْنَ نَبِيَّآءِ اُوْر اَسْرَآءِ كِتَابِ كُرْبَنِي اِسْرَآءِ اِلٰى كَيْفِ اِيْتِ كَاذِبِيْنَ بَايَا كِتَابِ
قرأت کے نزول کے لیے خود ہی اسراہیل نے صحرا کے سینا میں درخواست کی
تھی نبی علیہ السلام نے پائیس دن تک عہد پر اخطاف کیا تو اشر نے تختیوں پر
انہی کھائی قرأت عطا فرمائی اس کا مقصد یہ تھا کہ نبی اسراہیل اس کتاب کے قواعد و
ضوابط کے مطابق اپنی زندگیوں بسر کریں اور رضائی احکام کی تعمیل کریں۔

اَسْرَآءِ يٰۤاٰمِيْنَ فَرِّدُوْا وَّجَعَلْنَا مِثْقَلَهُۥٓ اَمْسًا لِّكَيْفَ تَتَّقُوْنَ ۝۱۱۳
اور جو نے ان میں اہم یعنی پیشوا بنائے جو ہمارے منصبے لوگوں کی ہدائی کرتے
تھے۔ اَسْرَآءِ اَمْرُ كِيْمِيْنَ سَبْتِ اُوْر يَرِ لِفْظِ تَمِيْنَ قَمْرُ كِيْمِ لُوْرُوْلَا جَا سَبْتِ اِيْمِيْنَ اَرَا
اہل علم وہ ائمہ اور رسا حکمران وقت، امام سے مراد وہ شخص ہوتا ہے۔ جس کے
قَوْلِ اَعْلٰى اُوْر اَعْلٰقِ كِي اَمْتَا كِي جَلِسِ يٰنَا كِيْمَا كَرُوْر اَلْاَشْرِيْنَ طَبْعَاتِ كِي لُوْرُ
اَمْتَا كِي قَالِ بُوْر تِي مِيْنَ فَرِّدُوْلَا اَمْرَا مِ اَسْرِ وَايَا كِتَابِ صَبْرِيْنَ قُوْرِيْ جِيْمَا
انہوں نے صبر کیا و اس کے اَسْرَا بَايَسَا يُوْرُوْلَا اُوْر وُوْر بَايَا اَيُوْرُوْلَا پَر
يعْقِيْنَ كَيْفَتِي تِي كِي مِ مِ اَسْرَا مِ مِ اَمْتَا كِي كِي مِ مِ اَسْرَا مِ اَسْرَا كِي مِ مِ

تومع، نماز، شکر، ذکر، تغیر سے زائستہ کی طرف صبر یعنی صبر پر اہمیت کا است
جدا امور ہے۔ صبر کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً صبر صبریت اور تکلیف آنے
پر ہوتا ہے یا نفس کو خواہش کی طرف جانے سے روکنے پر ہوتا ہے۔ صبر بہت
بڑی چیز ہے جس کے متعلق فرموا ہے اَلْعَمَلُ يُؤْتِي الْوَفَّاءَ الْعَشْرَ مِ اَسْرَا
تَحْرِيْمًا مِ اَسْرَا مِ اَسْرَا مِ اَسْرَا مِ اَسْرَا مِ اَسْرَا مِ اَسْرَا مِ اَسْرَا مِ اَسْرَا مِ اَسْرَا مِ اَسْرَا

(غیاض)

۱۱۳۔ اہل شکر پر صبر، قرطبی ص ۱۱۳

کے اجر ملے گا۔ گویا ہر کامیابی صبر ہے۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ جب بنی اسرائیل کو سخت ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صبر کی تلقین کی۔ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوا اللّٰهُ سَعَدَ لِقَوْمِهِ اذْ صَبَرْتُمْ وَاصْبِرُوا لِمَا كَرِهْتُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (آیت ۱۲۸)

اچھا انجام متقیوں کا ہی ہوگا۔

امامت کے لیے دوسری شرط یقین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے تمام احکام اور ان کے نتائج پر یقین ہو۔ اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جو اصول وضع فرمائے ہیں سب کو دل و جان سے تسلیم کرے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت پر یقین ہو، وقوع قیامت اور جزائے عمل پر یقین ہو۔ اللہ کی جنت اور دوزخ پر یقین ہو۔ اگر کوئی شخص متردد ہے گا۔ اور ان چیزوں پر یقین نہیں کرے گا۔ تو وہ امامت کا مستحق نہیں بن سکتا۔

امام سفیان ثوری کی روایت میں آتا ہے کہ ان سے حضرت علیؑ کے اس قول کے متعلق پوچھا گیا اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّاسِ مِنَ الْجَسَدِ یعنی صبر کا ایمان کے ساتھ وہی تعلق ہے جو سر کا جسم کے ساتھ ہے۔ اگر سر نہ ہو تو جسم بیکار ہے۔ اسی طرح اگر صبر نہیں تو ایمان ناممکن ہے۔ اس پر امام ثوریؒ نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے اس بنیادی چیز کو پکڑ لیا تو اللہ نے ان کو دنیا میں امامت عطا فرمائی۔ سورۃ الفرقان میں اللہ کے نیک بندوں کی دعائی ہے۔

وَجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ اِمَامًا (آیت - ۷۴) مولا کریم! ہمیں نیک لوگوں کا پیشوا بنا دے جو ہماری اقتداء کریں۔ غرضیکہ جب صبر اور یقین جیسی چیزیں حاصل ہوں گی تو اللہ تعالیٰ منصب امامت پر فائز کرے گا۔

مسلمان آج دنیا کی امامت سے محروم ہیں جسکی وجہ یہی ہے کہ یہ صبر اور

مسلمانوں کی
محرومی

یقین سے خالی ہیں۔ اگر وہ ابن دوجیزوں کو اپنا ہم قرابت آئے ہیں ان کے حصے میں آسکتی ہے۔ اس وقت امریکہ، روس، جرمنی، چین اور فرانس دنیا کی بیڑائی اڑتے ہیں۔ دو سو سال پہلے بظاہر دنیا کا امر تھا۔ دنیا کی باہرست اگرچہ تھوڑی سی تھی۔ آج ان اڈوں نے یہ پیشوائی محنت، محنت اور علم و ہنر کو بنا کر حاصل کیا ہے۔ وہ قدرتی ریشہ جانتے ہیں، فضائی پرندوں کو الٹا سنبھال رہے ہیں۔ اس کام میں ہر سب سے ہیں مال بردار ہو رہے ہیں۔ ہر کچھ پر دانہ نہ بکھڑا سائیں اور دنیا بھر کے کھول کے لیے محنت سے محنت کر رہے ہیں۔ انگریزوں کی مانند تین پہاڑی چوٹی تونز، البرس، کو سر کرنے کے لیے ڈیڑھ سو سال تک کوشش کرتے تھے تب جا کر پہاڑی حاصل ہوئی۔ اس کے برخلاف مسلمان کابل اور ست ہر چھکے ہیں، محنت میں ہی نہیں گت۔ آرام علی اور علی کو شکر ہو چکے ہیں اب تو یہ دو سرزوں کے چھپے ہی مل رہے ہیں۔ خود آگے قدم نہیں بڑھاتے۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کی کوئی بھی چیز نہ معیاری نہیں ہے۔ حکمرانوں کو جان بوجھ کر نہیں پڑتے۔ ہیں۔ لوگ اور ڈکٹیٹر ہیں۔ نظام سرکاری ڈاری میں اپنے ہوتے ہیں۔ مسلمان یقین سے ترقی ہو چکے ہیں لہذا یہ دنیا کی باہرست کے قابل ہی نہیں ہے۔

عربی میں
کا توام

ہمارے حکام و علمے ترقی کر رہے ہیں کہ ہم عوام کا معیار زندگی بلند کریں گے۔ عمرانی کے دعوے اور عمل میں تضاد ہے۔ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ جب تک حکام اپنا معیار زندگی عربی سطح پر نہیں لائیں گے۔ عوام کی حالت کیسے بد ہو سکتی ہے؟ آج ان حکام کی اقدار کو نکر لکھا ہے؟ یہ تو عالمیت ان کرشموں میں ہے۔ لاکھوں لوگوں کی کار استعمال کرتے ہیں۔ اس شان میں، عزیز کو قریب نہیں آتے تھے۔ لہذا لوگ اقدار کے قابل کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب تک مسلمان مسلمان اقدار رطفا نے راشین والا طریقہ اختیار نہیں کریں گے، خود عوام کی سطح پر آکر ان کا معیار زندگی نہیں اپنائیں گے، ان کو باہرست کیسے حاصل ہو سکتی ہے اور عوام کی حالت کیسے درست ہو سکتی ہے؟

ہمارے علوم ہی نماندے کہتے ہیں کہ ہر بے زمین کاشتکار کو زمین اور ہر بے گھر خاندان کو مکان کے لیے پلاٹ دیے جائیں گے۔ یہ تو جیسی ہو سکتا ہے۔ جب یہ خود اپنی زمینوں کو چھوڑ دیں۔ اگر یہ اپنی جاگیریں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو باقیوں کو تقسیم کرنے کے لیے زمین کہاں سے آئیگی؟ یہ سب دھوکہ ہے۔ جب تک تم خود علمی معیار اختیار نہیں کرو گے، علوم کا معیار کیسے بلند ہو سکتا ہے؟ جو لوگ اعلیٰ ترین دانش اختیار کرتے ہیں۔ اعلیٰ ترین ہونٹوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ بہترین کار استعمال کرتے ہیں، دیگر تمام مراعات حاصل کرتے ہیں ان کو علمی مسائل سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟

بہر حال اللہ نے اصول کے طور پر بتلادیا کہ بنی اسرائیل نے صبر کیا، ہماری آیتوں پر یقین کیا تو اللہ نے دنیا کی امامت ان کے سپرد کر دی۔ اگر مسلمان بھی دنیا کی راہنمائی کرنا چاہتا ہے تو انہی اصولوں کو اپنانا پڑے گا اور اس کے لیے سب سے پہلے خود کو تبدیل کرنا ہوگا۔ وگرنہ موجودہ اکادمی اور سربراہی دارالافتاء کی موجودگی میں تو اصلاح کی کوئی صورت ممکن نظر نہیں آتی۔

فرمایا آپ مخالفین کی ایذا رسانیوں پر صبر کا دامن نہ چھوڑیں إِنَّ دَبَابَّ
هُوَ يَقْعِبِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بیشک تیرا پروردگار قیامت والے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا فِيهِمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، ان معاملات میں جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے۔ یہ لوگ حق کی مخالفت کرتے تھے اور باطل کو رائج کرنا چاہتے تھے، اللہ کے انبیاء اور صلحیوں کو ایذا میں پہنچاتے تھے قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے تھے، ان کا عملی فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ دنیا میں تو اللہ نے ہدایت اور گمراہی کو بالکل واضح کر دیا تھا جیسا کہ فرمایا قَدْ تَبَيَّنَ الشُّدُّ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ - ۲۵۶) اس وضاحت کے باوجود جنہوں نے غلط راستے کا انتخاب کیا ان کے متعلق دو لوگ فیصلہ قیامت کے دن ہو جائے گا۔

قیامت کے دن فیصلہ

اشارہ روا ہے اَوَّلَمَ تَقْبَلُوهُمُ يَا اَنْفُسَ كَيْفَ يَأْتِيَهُمْ ان کے لیے یہ بات واضح نہیں
 ہوئی کہ اَهْدَكُنَّ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ کہ ان سے پہلے ہم نے
 کتنی ہی جہازوں کو ہلاک کر دیا ہے وَلَا تَقْبَلُوهُمُ فِي مَسْجِدِنَا یہ لوگ اُن
 ہلاک شدگان کی مجالسِ عجموں میں بیٹھے پھرتے ہیں، ان کے گھنڈرات پر سے عزتیں
 ہیں یہ لوگ بھی کسی دولت مند اور صاحبِ ثمر تھے، مگر اَنْ كَيْفَ يَأْتِيَهُمْ کا منظر اپنی
 آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ان میں سے بعض تو طبعی موت مرے اور عا د و نمود، پرانے،
 معمر لوگ اور کھلانے والے کو انہوں نے مزاج بھی کر ہلاک کیا۔ کیا یہ جہان کے لیے جانے
 عبرت نہیں ہے؟ جب یہ سرکش اور نافرمان لوگ دنیا سے نابود ہو گئے تو آج کے
 زمانہ میں اسی ڈر پر بیٹھے ملے کیسے نہی سکتے ہیں۔

فَرَأَاهُمْ فِي ذُلِّهِمْ لَا يَلِيهِمْ بَيْتُكَ اس میں نشانیاں ہیں اَفَلَا تَرَوْنَ
يَسْتَعِينُونَ کیا یہ لوگ سنتے نہیں۔ انہوں نے پرانی قوموں کی حماکت کا حال یاد
 کر کے خبردار کیا ہے۔ مگر اس کا فائدہ تو اسی کو ہوا جو ان حالات کو ہنوسنے کا۔ جس
 نے سنا ہی نہیں۔ آیت اَنْ يَكُونَ لَكُمْ اَعْيُنٌ يَرَوْنَ سے نکال دیا، دل میں جگہ ہی
 نہیں دی، انہیں کوئی عبرت حاصل ہوگی؟ وہ تو انہی کے نقشِ قدم پر چل کر انہی
 کے انجام کو پہنچیں گے۔

التجدة ۲۲

آیت ۲۷ ۲۰

ات. ل. ما اوتی ۲۱

درس ششم ۶

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ
 الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ
 أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿۲۷﴾
 وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ
 صَادِقِينَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ
 الَّذِينَ كَفَرُوا أَيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۲۹﴾
 فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَضِرُونَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک ہم
 چلاتے ہیں پانی کو خشک زمین کی طرف۔ پس ہم نکالتے
 ہیں اس کے ساتھ کھیتی کہ کھاتے ہیں اس سے ان
 کے مویشی اور یہ خور بھی۔ کیا یہ دیکھتے نہیں؟ ﴿۲۷﴾
 اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ کب ہو گا یہ فیصلہ،
 اگر تم سچے ہو؟ ﴿۲۸﴾ آپ کہہ دیجئے کہ فیصلے کے
 دن نہیں فائدہ دے گا کفر کرنے والوں کو ان کا
 ایمان لانا، اور نہ ان کو ہمت دی جائیگی ﴿۲۹﴾ پس
 رلے پیغمبر! آپ ان سے اعراض کریں، اور انتظار
 کریں، بیشک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿۳۰﴾

گذشتہ آیات میں تاریخی واقعات کی طرف اشارہ تھا کہ کیا

رابطہ آیات

کافروں اور مشرکوں پر یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ان سے پہلے ہم نے ہمت کی توہیں
 اور جہاد میں کوڑک لگایا جن کی رہائش کافروں میں آج یہ لوگ پہلے پھرتے ہیں۔ چنانچہ
 ان واقعات میں سننے والے لوگوں کے بدلے فتانیاں ہیں ایسے لوگوں کے واقعات
 تاریخ میں محفوظ اور زبان زد عام تھے جنہیں عن کر عبرت حاصل کی جاسکتی ہے۔ مگر
 یہ لوگ قریظہ کے عبرتناک واقعات سننے سے بھی عاجز ہیں، انہیں اس کا کیا
 اثر ہوگا؟۔

تاریخی واقعات کا تعلق سعادت سے ہوتا ہے لہذا اللہ نے پہلی آیت میں
 سننے کا ذکر کیا۔ اس آیت کی آیت میں بتا دینی دلیل کا تذکرہ کر کے آرزو میں فریاد
 ہے کہ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں؟ سننے اور سننے سے مراد وہی ہے کہ لوگ انہیں سن
 کر اور دیکھ کر ان میں غم و فخر کیوں نہیں کرتے اور یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ جب
 پہلے لوگ اللہ کی ازادانی کر کے اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتے تو ہم انہیں
 کے نقش قدم پر چل کر عذاب الہی سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ عزیز اللہ نے
 دونوں قسم کے دلائل سے کر خور و فخر اور عبرت پرٹھنے کی دعوت دی ہے۔

پانی کی
 بہرستی

یہ بتا دینی دلیل بانی کی بہرستی سے متعلق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، أَوَلَمْ
يَسِّرْ وَآتَانَا سُوقَاتِ الْمَسَاكِينِ وَالْمَرْغُصِ الْخَسِرَاتِ ان لوگوں نے
 نہیں دیکھا کہ ہم بانی کو خشک اور زمینیں زمین کی طرف چلاتے ہیں، جب کسی علاقے
 میں بارشیں رگ جاتی ہے، زمینیں خشک ہو جاتی ہے اور اس میں روئیدگی کی قوت
 بانی نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ سمندروں سے اول انہا سے اور پھر انہیں سے آبیاب و
 زمین کی طرف لے جا کر بارش برسا دیتا ہے جس سے ہر روز زمین بھرتے زبردستی
 ہے، اس میں روئیدگی کی قوت آ جاتی ہے، لوگ ایسی زمین پر پہنچ کر کہل چلاتے ہیں
 پھر اس میں آبان کا بیج ڈالتے ہیں فَتَخْبِتُ مِنْهُ ذُرُوعًا تو پھر ہم اس زمین
 سے کھیتی نکالتے ہیں، پھل، پھول اور آبان پیدا ہوتا ہے اور اس طرح قحط سالی اور
 بکر خورشالی کا دورہ آتا ہے۔

قرآن پاک میں اکثر مقامات پر اللہ نے پانی کے نزول کا ذکر اس طرح کیا ہے
 وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً (البقرہ - ۲۲) ہم نے آسمان کی طرف سے
 پانی نازل فرمایا۔ ظاہر ہے کہ نزولِ آب سے مراد نزولِ بارش ہے جو براہِ راست
 کسی خطہ ارض میں برس کر دیاں کی خوشحالی کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ تاہم اس مقام پر
 اللہ نے پانی کو چلانے کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف چلاتے
 ہیں۔ اس چلانے سے بادلوں کا چلانا بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے
 کسی چٹیل زمین کی طرف چل کر بارش برساتے ہیں۔ تاہم اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا
 ہے کہ ہم پانی کو ایسی جگہوں تک چلا کر لے جاتے ہیں جہاں براہِ راست بارش
 نہیں ہوتی، یا اگر ہوتی ہے تو مفید نہیں ہوتی۔ اس کی واضح مثال پہاڑوں پر ہونے
 والی بارش کی ہے کہ بارش کا پانی پہاڑوں سے نیچے ندی نالوں کی صورت میں
 بہ نکلتا ہے اور اس سے میدانی علاقے سیراب ہوتے ہیں۔ ان میں ایسے علاقے
 بھی ہوتے ہیں۔ جہاں بارش بالکل نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو کم یا بے وقت ہوتی
 ہے اور لوگ اس سے کما حقہ مستفید نہیں ہو پاتے۔ پھر جب پہاڑوں پر ہونے والی
 بارش یا پہاڑوں پر پڑنے والی برف کا پانی دریاؤں اور نہروں کے ذریعے دور دراز
 علاقوں تک پہنچتا ہے تو لوگ ہر موسم میں حسبِ ضرورت اس کو استعمال کرتے
 ہیں اور اس سے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک
 چلانے کی ایک صورت بھی اللہ نے قرآن میں بیان فرمائی ہے **الْحَرُوتِ**
أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ نِبَابٍ يَمِيعٍ فِي الْأَرْضِ
ر النمر - ۲۱ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے اور
 اسے زمین میں چشمے بنا کر چلاتا ہے۔ گویا زمین و فزنا میوں کے ذریعے پانی ایک
 جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے اور پھر لوگ ٹیوب ویلوں اور کنوؤں کے ذریعے
 پانی نکال کر زمین کو سیراب کرتے ہیں، خود بھی استعمال کرتے ہیں اور جانوروں
 کو بھی پلاتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے پانی کو وسیلہ قدرت کے طور پر پیش کیا ہے

ہاگ لوگ اس میں غور فرماتا کہ کسے صحیح نیچے یہ بیج ملیں۔

پانچ کے ذرا

اس پانی کا فائدہ ہر قسم کے اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے **مَا كَلَّ وَصَلًا**
أَلْفَ مَهْلًا وَأَلْفَ مَهْلًا جسے ان کے جانور کھاتے ہیں اور ہر خود ہی لہو
 خوراک استعمال کرتے ہیں۔ **الستر** پانی کے ذریعے گھاس، آج، چیل اور
 چربی موشیاں پیدا کرتے انٹرن اور جانوروں سب کی خوراک کا بندوبست کروا
 ہے۔ جب ٹھہرا ہوا ہے تو فصل دانے انٹرن کی خوراک بنتے ہیں، جب
 کہ گھوسر، گھاس، پھوس اور چربی پڑیاں جانور اور پھوشی کھا لیتے ہیں۔ **سورۃ النحل**
سورۃ النحل اور بعض دوسری سورتوں میں موجود ہے کہ **الستر** نے جانوروں کو
 تھاری خدمت کے لیے پیدا کیا ہے، ان کی خوراک کا بندوبست کیا ہے، پھر
 قرآن سے کام لیتے ہو، ان کو دلو جو پیتے ہو، کمال اور بال استعمال کرتے ہو
 اور ان کا گوشت بھی استعمال کرتے ہو، **عَلَيْكُمْ فِرًا وَجَعَلْنَا مِنْ آلِهَاتِهِ**
كُلَّ شَيْءٍ حَلِيًّا (الف کتبہ ۱۰۰)۔ ہر چیز کو پانی کے ذریعے
 زندگی بخشی ہے، ہر چیز کا مبادیات پانی ہے۔ تمام انٹرن، جانوروں اور نباتات
 کی زندگی پانی کے ساتھ وابستہ ہے۔

پانی انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک اہم ترین ضرورت ہے انسانی
 نشوونما کا انحصار خون پر ہے جس میں اسی فیصد پانی اور باقی بیسٹس فیصد دیگر
 نکلیات اور پروٹین ہیں۔ ہر جانور کا جسم خون کی فیخڑی کے طور پر کام کرتا ہے
 تمام خوردہ غذا میں آنتوں اور بائیک رگوں کے ذریعے جگر میں پہنچتی ہیں، اس
 فیخڑی میں **الستر** کے کمزوروں کا ندسے کام کر سکتے ہیں جو خوراک کو خون میں
 تبدیل کرتے ہیں۔ خون غذائاتی کی پیدا کردہ بہت بڑی نعمت ہے۔ جو
 مصنوعی طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے جب حادثاتی طور پر
 انسانی جسم سے خون زیادہ مقدار میں بہا جائے تو اسے پرہیز کرنے کے لیے انسانی
 خون ہی مستقل کرنا پڑتا ہے۔ **الغرض!** پانی کے بغیر خون تیار نہیں ہو سکتا

اور خون پر ہی انسانی جسم کا درود ملتا ہے، لہذا پانی ہر جاندار کے لیے نہایت ہی ضروری ہے۔ اللہ نے اسی لیے یہ احسان قبلا یا ہے کہ ہم پانی کو بخیر زمین کی طرف چلاتے ہیں، پھر اُس سے کھیتی اگاتے ہیں جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہے۔

حیوانات اور نباتات کے لیے پانی کی جس قدر زیادہ ضرورت ہے، اللہ نے اسی قدر اس کی بہم رسانی کا بھی فری انتظام فرمایا ہے۔ قدرت کا مہیا کردہ ذخیرہ آب تو بالکل معنت ہے، البتہ اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے کبھی کم اور کبھی زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کے لیے بڑا گہن پانی سے بھی زیادہ ضروری ہے، اس لیے اللہ نے اُس کو بالکل ہی فری مہیا کیا ہے ہوا ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے جسے حاصل کرنے کے لیے کسی محنت مشقت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح پانی کی سپلائی بھی بالکل فری ہوتی چلیے، اور اس پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں عائد ہونا چاہیے۔ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک کے کرنے کرنے میں حسب ضرورت پانی مہیا کرنے کا انتظام کرے۔

فرمایا ہم نے پانی کو چلا کر اس سے سبزی، پھل اور اناج پیدا کیے ہیں، اور اسے انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنایا ہے اَفَلَا يَبْصُرُونَ کیا یہ لوگ قدرت کی اس نشانی کو دیکھتے نہیں۔ اللہ نے اپنی قدرت کی ایک ایسی زندہ مثال پیش کی ہے جو ہر روز مشاہدہ میں آتی ہے، لوگوں کے سامنے بارش برستی ہے، زمین میں ہریالی پیدا ہوتی ہے۔ فصل پختی ہے اور پھر وہ جانداروں کی خوراک بنتی ہے۔ کیا یہ دلیل ان کے لیے کافی نہیں؟ گزشتہ درس میں تاریخی واقعات کا ذکر کر کے اللہ نے فرمایا، کیا یہ سنتے نہیں؟ ظاہر ہے کہ واقعات کا تعلق سماعت سے ہی ہوتا ہے اور اب مشاہداتی مثال بیان کر کے فرمایا ہے، کیا یہ دیکھتے نہیں؟ مطلب یہ کہ دونوں مثالیں غور و فکر کا مطالبہ کرتی ہیں تاکہ لوگ بعض باتیں سن کر اور بعض چیزیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں اور آنے والی ابری

دلائل کی قدرت
کا مشاہدہ

زندگی کو سزا دیں۔

فیصلہ کا
دن

سحق کے دن ہے جب اہل ایمان اور کافر میں جس میں سے ہوتے تو کافر کو
ایمان والوں کا مذاق اڑاتے۔ اس کے جواب میں اہل ایمان کہتے کہ آج تو تم ہمارے
حالات پر ہنستے ہو مگر ایک وقت آئے والا ہے جب ہم تمہارے ساتھ ٹھنڈا کر
گئے اور ذلت و خوارگی کی وجہ سے تمہاری نظریں ٹپک رہتی ہوں گی۔ اس پر کافر اور
مشرک کہتے **وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْفَتْحُ إِنَّا كُنَّا مُهْتَدِينَ**
کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتلاؤ کہ فیصلے کا وہ دن کب آئے گا جب تک کہ یہ
کوسران نظر آئے اور ہم ذلیل و خوار نہ رہیں گے۔ اس کا جواب اللہ نے یوں دیا
قُلْ لِي عَذَابٌ أَلِيمٌ آپ کہہ دیں تو میرا فتح **لَا يَنْفَعُ الْكُفْرَانَ كَذَبُوا**
الْبَيِّنَاتِ کہ فیصلے کے دن کافروں کا ایمان نہ آئے گا اور کچھ عائد نہیں آئے گا
بعض فرماتے ہیں کہ فیصلے کے دن سے مراد یومِ بَرِّ یعنی جس دن کا وہ دن ہے جس کا
کوئی عذاب حاصل نہ ہو۔ ان دو مواقع پر فیصلہ ہو گا یعنی مسلمانوں کے حق میں ہوا اور کفار
مشرکین ذلیل و خوار ہونے لگے۔ مگر یہاں یہ اشکال پیدا ہوتی ہے کہ اس دن بعض لوگوں
کا ایمان لانا ان کے لیے بلاشبہ جہنم ثابت ہوا اور ان کو کھاپا پھینک دیا جائے
میں مسلمانوں کے خلاف ہر سہرا چکا رہونے والے کافروں میں سے بعض بعد میں
ایمان لائے اور اچھی وفات دیاں پر ہوئی۔ لہذا وہ کامیاب ٹھہرے۔ اسی طرح
فتح مکہ کے دن بھی تقریباً دو ہزار کافر ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے
بڑے بڑے کارنامے نمایاں سر انجام دیے جو بلاشبہ ان کے جنتی ہونے کی
علامت ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس فیصلے کے دن سے مراد قیامت کا دن ہے

تذکرہ سید القرآن ص ۳۴۷ و زاد المرید ص ۳۴۳

(فیاض)

تذکرہ صفحہ التماسی عبدالرحمن ص ۳۴۵

کہ اُس دن ہر چیز اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لانا بہتر نہ مفید نہیں ہوگا۔ وَلَا
 هُمْ يُنظَرُونَ اور نہ ہی ان کو مزید مہلت دی جائے گی کہ دنیا میں واپس
 جا کر اپنے عقابہ اور اعمال کو درست کر لیں۔ پیچھے دوسرے رکوع کی ابتدا میں گزر چکا ہے
 کہ جب مجرم لوگ عذاب الہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو کہیں گے، رَبَّنَا
 اَقْبِرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مَوْقِنُونَ
 (آیت - ۱۲) اے ہمارے پروردگار ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، اب ہمیں دنیا
 میں واپس بھیج ہم اچھے کام انجام دیں گے اور تیری باتوں پر یقین کریں گے۔
 مگر اُس وقت کوئی درخواست قبول نہیں ہوگی اور ایسے مجرموں کو کوئی مہلت
 نہیں دی جائے گی۔ اللہ فرمائے گا اب عمل کا وقت ختم ہو کہ جزائے عمل کا
 وقت شروع ہو چکا ہے۔ اُس وقت اُن کی حالت یہ ہوگی، فَيَوْمَ لَا
 يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ
 (الرعد - ۵۷) کہ اُس دن ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ مفید نہیں ہوگی، اور نہ ہی
 انہیں خدا تعالیٰ کو منانے کا موقع ملے گا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔
 فَاصْبِرْ صَبْرًا عَظِيمًا وَ اَنْتَظِرْ اٰیٰتِنا وَ رَسٰیٰتِنا
 درگزر کریں، اُن کی طرف دھیان نہ دیں اور جزائے وقت کا انتظار کریں۔
 کہ اللہ تعالیٰ ان کی ایذا رسانیوں اور تھکے صبر کا کیا نتیجہ نکالتا ہے۔ اہل ایمان
 کو دنیا و آخرت ہر دو جگہ پر کامیابی حاصل ہوگی، جب کہ کافر اور مشرک ذلیل و
 خوار ہی ہوں گے۔ آج تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ مسیحی بھیسر مسلمان کامیابی حاصل نہیں کر
 سکیں گے مگر انہیں جلدی ہی پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کن کے ساتھ
 ہے اور وہ کسی طرح اہل ایمان کے حق میں نتیجہ نکالتا ہے اِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ
 بے شک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

یہ تین رکوع کی تیس آیات والی سورۃ ہے۔ سورۃ الملک کی بھی تیس
 فضائل سورۃ

ہی آیات ہیں۔ ان دونوں سورتوں کی مدیش میں بڑی فضیلت آئی ہے۔
 حضرت علیؓ علیہ السلام سونے سے پہلے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی
 کرتے تھے۔ مدیش میں آج ہے کہ ایک شخص بڑا کلمہ پڑھتا رہتا۔ مگر ان سورتوں
 کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ جب اس کی گرفت ہوئی تو یہ سورہ اُس پر پڑھ لینا
 کھڑی ہو گئی اور اُس شخص کے حق میں سفارش کی کہ یہ دروگاہ! یہ شخص یہی تلاوت
 کیا کرتا تھا۔ اُن اس کے حق میں یہی سفارش قبول فرما۔ بعض روایات سے
 معلوم ہوا ہے کہ دوسری سورتوں کے حلیہ میں ان دونوں سورتوں کی اشاعت
 ساڈھ گنا زیادہ ہے۔ خاص طور پر عذاب قبر سے بچنے کے لیے ان دونوں سورتوں
 کی تلاوت بہت فضیلت ہے۔ لہذا اوقات حضرت علیؓ علیہ السلام سورہ بقرہ کو جمعہ کے
 دن فجر کی نماز میں تلاوت فرماتے تھے۔ فرمایا کیا کرتا ہے۔

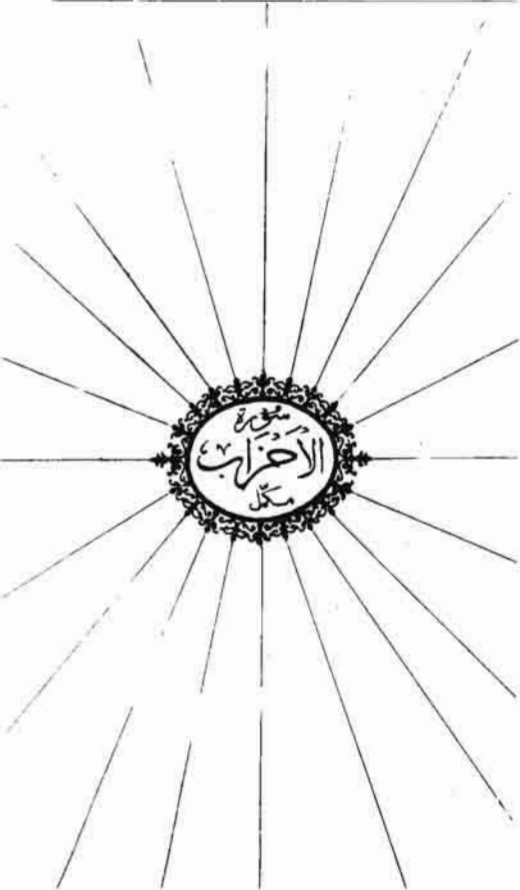
سورۃ المعانی ص ۱۱۱

سورۃ المعانی ص ۱۱۱ اور الاتقان ص ۱۱۱

سورۃ المعانی ص ۱۱۱ اور الاتقان ص ۱۱۱

سورۃ المعانی ص ۱۱۱
 (خلاصہ)

14A



الاحزاب ۳۳

اقل ما اوحى ۲۱

آیت ۱ تا ۲

درس اول ۱

سُورَةُ الْاِحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَقَسَمَ بِرُكُوعَاتٍ

سورة احزاب مدنی ہے۔ یہ تہتر آیتیں ہیں، اور اس کے نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ
 وَالْمُنَافِقِينَ إِنْ كَانَ اللَّهُ كَانَ عَلَيْهَا حَكِيمًا ①
 وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ إِنَّ اللَّهَ
 كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ② وَتَوَكَّلْ
 عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ③

ترجمہ :- اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیے، اور
 نہ کہا نہیں آپ، کافروں اور منافقوں کا۔ بیشک
 اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ①
 اور پیروی کریں آپ اُس چیز کی جو وحی کی جاتی
 ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے
 بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اس کی خبر
 رکھنے والا ہے ② اور آپ بھروسہ رکھیں اللہ تعالیٰ

پہ۔ اور کافی سے ائمہ تعالیٰ کو مہ بنانے والا ﴿۲﴾

اس سورۃ کا نام سورۃ الاحزاب ہے جو کہ اس کی بیسیوں اور کیسویں آیت میں آکر اسی الفاظ سے آغاز ہے۔ احزاب سے جمع سے حزب کی جس کا معنی گروہ جماعت یا پارتی ہوتا ہے۔ اس سورۃ میں ان غیر مسلم گروہوں کا ذکر ہے جو صحابوں کے خلاف جمع ہو کر مدینہ میں داخل ہوئے اور ان سے اس سے پہلے سورۃ الفرقان سے لے کر سورۃ التکوین تک سنی سورتیں تھیں۔ سورۃ نور کے بعد اب یہ سورۃ پھر مکی سورۃ ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی تینتر آیتیں ان لوگوں کا ہیں۔ یہ سورۃ ۱۲۹۲ الفاظ اور ۵۵ آیتوں پر مشتمل ہے۔

میکہ میں سے عرض کیا غزوۂ احزاب میں واقع ہوا تھا اور اس سے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی کیونکہ اس میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ اگرچہ امر نجی کی تحقیق سے صحابہ غزوہ احزاب میں واقع ہوئے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ غزوہ مدینہ میں واقع ہوا۔ اس جنگ میں کفار، مشرکین، یہودی اور منافقین سب اکٹھے کر لیا تھا اور مسلمانوں کو ختم کونے کے لیے مدینہ پر حملہ آور ہونے سے منکلف آئینی روایات کے مطابق اس واقعہ پر صحابہ اور ان کی تعداد ہندہ جزیرے سے کرکھیں بڑا کاس بنائی جاتی تھی جب کہ وہ اپنی جنگ مسلمانوں کی تعداد میں اور پارہیزار سے درمیان مٹی، اس موقع پر مسلمانوں نے مدینہ کے دو گروہ خندق بھی کھودے تھے اور کفار، مشرکین کے خلاف دفاعی جنگ لڑی تھی۔ اس واقعہ سے لے کر جنگ خندق بھی کہا جاتا ہے۔

مکی سورتوں میں عام طور پر فیاری عطا کا ذکر ملتا ہے جب کہ مکی سورتوں میں زیادہ تر احکام ہو گئے ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں بھی بہت سے معاشرتی احکام ملتے ہیں اور اس سورۃ کے ذریعے نازہ جاہلیت کی بہت سی رگوں کو

ختم کیا گیا ہے۔ عورتوں سے متعلق طلاق اور عدت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خصوصیات اور عام مومنہ عورتوں کے بعض مسائل بیان ہوئے ہیں۔ مشرکین متبنی یعنی منہ بوسے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے حقوق دیتے تھے، جب کہ اللہ نے اس کا رد کیا ہے۔ خاص طور پر متبنی کی بیوی سے نکاح کا مسئلہ بھی آگیا ہے۔ عورتوں کے لیے پردے کے احکام نازل کیے گئے ہیں بعض تعزیری احکام بھی آگئے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ذکر توحید اور ختم نبوت کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کا ایک خاص موضوع پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب ہیں، آپ کی تعظیم و توقیر کا خصوصی ذکر ہے آپ کے خاتم النبیین ہونے کا تذکرہ ہے۔ آپ کے لیے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت کا ذکر ہے اور آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس سورۃ مبارکہ کی سابقہ سورۃ السجدۃ کے ساتھ یہ نسبت ہے کہ سابقہ سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عام مومنین کے لیے تسلی کا مضمون بیان کیا تھا کہ آپ اپنے مخالفین کے پراپیگنڈا سے متاثر نہ ہوں بلکہ صبر کا دامن تھامے رکھیں، اپنا کام کرتے رہیں اور نتائج کا انتظار کریں اب اس سورۃ کی ابتدا ہی اللہ تعالیٰ نے تسلی کے مضمون سے کی ہے۔

سابقہ سورۃ
کے ساتھ
رابطہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انسانوں کو مختلف طریقوں سے خطاب فرمایا ہے جہاں عام مومنوں سے خطاب مطلوب ہوتا ہے وہاں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کے الفاظ آتے ہیں اور جہاں پوری بنی نوع انسان کی توجیہ مطلوب ہوتی وہاں **يَا أَيُّهَا النَّاسُ** کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے۔ البتہ جہاں خصوصی احکام بیان کرنا مقصود ہوتا ہے یا تسلی دینا مطلوب ہوتا ہے تو وہاں پر خاص طور پر نبی علیہ السلام کو خطاب کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر بھی پیغمبر علیہ السلام کو خصوصی خطاب ہے **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** اے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

شرف
خاتم النبیین

مفسرین کو کئی بار ایسے ہی خطابات سے یہ نقطہ نظر کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں دیگر انبیاء علیہم السلام کو خطاب کیا گیا ہے وہاں ان کے نام سے خطاب کیا گیا ہے جب کہ حضور علیہ السلام کو اس لیے بغیر نبی اور رسول کے لقب سے خطاب کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی تسلیو اور اکرام و تکریم محبوب ہے اس کے علاوہ جہاں کہیں خطاب کے علاوہ بھی حضور علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے تو وہاں ہی آپ کی عظمت و شرف ہی کا اظہار ہوتا ہے جیسے فرمایا: **وَمَا كُنْتُمْ بِرَبِّكُمْ رَسُولًا لَّمَّا كُنْتُمْ أَحْمَامًا** اَفَأَمَّا إِذْ أَنْزَلْنَا إِلَيْنَا الْكِتَابَ عَلَيْنَا أَنْعَابَكُمْ رِجَالِكُمْ **ال عمران - ۱۷۴** اور میں نے محمد کو اللہ کے رسول بنا کر بھیج دیا ہے۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ میں آپ طبعی زندگی گزار کر فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم دین مجھ پر ڈو گے؟ یہاں پر لفظ محمد بخیر لاکر آپ کی عزت و تکریم کا اظہار کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ محمد میں کوئیوں کے متعلق فرمایا کہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے **وَأَمَّنُوا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ** عَلَيْنَا **مَحْسَدًا** آیت - ۱۲۰ میں میرے پر ایمان لانے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ یہاں پر بھی آپ کی شان و عظمت کا اظہار ہوا ہے۔ بہر حال قرآن پاک میں جہاں بھی آپ کو خطاب کیا گیا ہے یا آپ کا نام لیا گیا ہے تو نسبت ہی عزت و احترام کے ساتھ لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا **إِنَّا نَحْنُ اللَّهُ** آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کی زندگی کا کچھ بھر ہی خوف خدا سے خالی نہیں ہوتا مگر یہاں اسی بات کی تائید کی گئی ہے۔ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خدا کے خوف پر مددست اختیار کریں اور اس پر قائم رہیں۔ پہلے کی طرح خوف نہ کر دیں اور ان میں جاگزیں رکھیں **وَلَا تُطِيعُوا**

الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیں۔ وہ جس
 سچ پر آپ کو چھلا چاہتے ہیں۔ آپ اس سے بچتے رہیں اور تقویٰ پر قائم رہیں
 نبی کی ذات سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی وقت خوفِ خدا سے خالی
 بھی ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو مخاطب
 کر کے فرمایا اِنَّ اَشْرَكَتَ كَيْجَبَطَنَّ عَمَلُكَ (النمر - ۶۵) اگر
 آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو سارے عمل ضائع ہو جائیں گے کہ شرک اتنی بڑی
 چیز ہے۔ یہاں بھی وہی بات ہے بھلا اللہ کے نبی سے شرک کی کیسے توقع کی
 جاسکتی ہے۔ جب کہ اس کا اولین منصب ہی یہ ہے کہ لوگوں کو شرک سے باز
 رکھے۔ مطلب یہی ہے کہ جس طرح آپ پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر
 قائم ہیں اسی طرح اس پر قائم رہیں۔ یہاں بھی خوفِ خدا پر مداومت اختیار کرنے
 کا حکم ہے۔

امام ابن کثیرؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے ایک بزرگ تعلق ابن حبیبؒ
 سے تقویٰ کا یہ معنی نقل کیا ہے اَنْ تَعْمَلَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ عَلٰی نُوْبٍ
 مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ وَتَرْجُوْا ثَوَابَ اللّٰهِ وَتَتَزَكَّ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ
 عَلٰی نُوْبٍ مِّنْ اللّٰهِ مَخَافَةَ عَذَابِ اللّٰهِ کہ اللہ کی عطا کردہ روشنی
 کے تحت اللہ کی اطاعت پر عمل کرتے رہیں، اللہ سے ثواب کی امید رکھیں
 اور اللہ کی معصیت کو ترک کر دیں اس نور ایمان اور نور ہدایت کے ذریعے جو
 اللہ نے عطا کیا ہے، اور خدا کے عذاب سے برابر ڈرتے رہیں۔ بہر حال اللہ
 نے فرمایا کہ آپ اللہ سے ڈرتے رہیں اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں۔
 مکی زندگی میں کفار و مشرکین حضور علیہ السلام سے سو سے بازی کرنا چاہتے تھے
 اور اُن کی یہ پیشکش دنی زندگی کے ابتدائی دور میں بھی ہوتی رہی کہ آپ اپنے دین

مداومت
 کی ممانعت

میں کچھ فرق اختیار کریں تو ہم بھی کسی قدر نرم پڑ جائیں گے اور اس طرح ہمارا اور آپ
 صلہ ساتھ ساتھ پختا رہے گا۔ سورۃ الطہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یاد
 دلایا ہے **وَأَذِّنْ لِلْعَوَالِدِ إِحْسَانًا** (آیت-۹) کہ کہ فرما جاوے
 ہیں کہ آپ کچھ ڈھیلے پڑ جائیں۔ تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے۔ کافر چاہتے تھے کہ
 آپ ہمارے مجبوروں کی خدمت نہ کریں بلکہ عورتوں کی خدمت ان کی رعایت کر دیا
 کریں اور اس بات کو تسلیم کریں کہ یہ اللہ کے ہاں معاشی ہیں تو ہم بھی آپ کے
 مجبور کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے اور نہ آپ کو اور آپ کے پیروں کا
 کوئی تنگ کریں گے۔ منافق لوگ دوسرے طریقے سے کفار کی ہاں میں ہاں ملاتے
 تھے۔ وہ کہتے کہ اگر مشرکوں کے ساتھ اس قسم کا امن بھرتا ہو جائے تو اس میں
 کیا حرج ہے؟ لوگ امن وامان کی زندگی بسر کریں گے جبکہ دھول پانوں کی
 صورت کرنے کی بجائے لوگوں کی رعایت بہتر بنانی جا سکے گی اور اسلام کو بھی تقویت
 حاصل ہوگی پھر اللہ نے واضح فرمادیا کہ تمہارے لئے انہما میں کسی قسم کی رعایت
 نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کسی قیمت پر کافروں اور مشرکوں سے کوئی بھرتا ہو سکتا
 دین کے معاملہ میں ڈھیلہ پڑنا یا عداوت کھلا ہے تو کسی صورت میں بھی جائز نہیں
 خوش اخلاقی اور معاشرتی تعلقات مختلف چیزیں ہیں پھر عداوت میں کوئی سوسے
 بازی نہیں ہو سکتی کہ دین کی حقیقت کو بھی مہیا دیا جائے۔ اس ضمن میں نہ خوف کام کر
 سکتا ہے اور نہ لالچ کا رگڑ ہو سکتا ہے۔ دین کے معاملہ میں کسی قسم کا ذوقی مفاد پر
 پیش نظر نہیں رکھا جائے گا۔ اس مقام پر بھی اللہ نے اسی بات کو دہرایا ہے
 کہ آپ کافروں اور منافقوں کی پیشکش کو قبول نہ کریں۔ بلکہ بلا خوف و خطر اتنا
 کوئی نام چھپانے ہیں۔ شرک کی توجہ کریں پھر احسن طریقے سے **وَلَا تَسْتَجِیْبُوا
 الْكٰفِرِيْنَ بِدَعْوَتِهِمْ** ذوقی اللہ ذوالاعلام۔ ۱۰۹، جن کو یہ
 اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو گالی نہ دوں کہ یہ بہ اخلاقی کی بات ہے۔ دلیل کے
 ساتھ لفظ و شرک کہہ کر دیکریں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت روا اور مشعل کرتا نہیں اور

نہ کوئی سفارش کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دین کے معاملہ میں کسی کافر، مشرک اور محمد کی بات نہیں مانی جاسکتی، نہ ان سے مشورہ لیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں قانون سازی کے لیے غیر مسلموں، عیسائیوں اور یہودیوں اور دہریوں سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ تو تمہیں اپنا ہی قانون بتائیں گے اور اس طرح تمہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ دیکھئے! اسلام نے سود کو قطعاً حرام قرار دیا ہے۔ مگر ہماری ساری بینکاری سودی نظام پر چل رہی ہے جب بھی سودی نظام کو ختم کرنے کی آواز بلند ہوتی ہے۔ تو پھر مشورہ غیر مسلموں سے ہی لیا جاتا ہے کہ بتاؤ ہم سودی نظام کو اسلامی نظام میں کیسے تبدیل کریں۔ یہی تو ضربی ہے جو ہمیں اسلامی قوانین رائج کرنے میں پیش آرہی ہے۔ ہاں البتہ عام دنیوی لین دین، تجارت اور انتظامی امور کے متعلق ہر اچھی رائے کو قبول کیا جاسکتا ہے خواہ وہ کسی طرف سے آئے مگر دین کے معاملے میں کوئی رعیت نہیں ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اعدائے دین چار ہیں جن میں سے دو ظاہری ہیں اور دو باطنی، ظاہری دشمن تو یہی کافر اور منافق ہیں جن سے اس آیت کریمہ میں بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کافر کھلم کھلا اسلام دشمنی کرتے ہیں جب کہ منافق درپردہ اسلام کے خلاف ریشہ دو انیاں کرتے ہیں۔ دین کے باطنی دشمنوں میں پہلے نمبر پر شیطان ہے جو نظر تو نہیں آتا۔ مگر انسانی دل و دماغ میں دوسرا ڈال کر اس کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اس نے اللہ کے سامنے عہد کیا تھا کہ میں تیرے بندوں کو آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آکر بہکاؤں گا۔ میں ان کو دین کے معاملہ میں گمراہ کروں گا۔ ان کے برے اعمال ان کی نظروں میں مزین کرنے کے دکھاؤں گا۔ اور دنیوی معاملات میں ان کو بہکا پھلا کر برائی کی طرف مائل کروں گا۔ ایسے دشمن سے

چار اعدائے
دین

چونکہ رہنما ہی مندری ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کا دوسرا باطنی دشمن خود اس کا اپنا نفس ہے اِنَّ النَّفْسَ لَآ اِنْسَانٌ وَّ اِلَّا شَقِيحٌ (ربو صفت ۵۳) خود انسان کا نفس ہی اُسے برائی پر آمادہ کرتا ہے لہذا اس کا مقابلہ ہی مندری ہے جو شخص ان چار احوالے دین سے بچ گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ فرمایا آپ کا فرزند اور منافقوں کی بات نہ مانیں اِنَّ اللّٰهَ كَانَ حَلِيْمًا حَكِيْمًا بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے والا اور حکمت والا ہے۔ وہ کافر اور منافقوں کی تمام خفیہ تدبیروں کو جانتا ہے اور آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے، وہ حکمت سے خالی نہیں۔ لہذا آپ اس پر سختی سے عمل کریں۔

اتباعِ حق

ارشاد ہوتا ہے کہ کفار و منافقین کی بات ماننے کی جگہ نہ ماننے سے بچنا چاہئے اِنَّ اللّٰهَ لَیُبَدِّلُ اَیْمَانَ الْاِنْسَانِ وَاَیْمَانُ لَیْسَ بِشَیْءٍ عَظِيْمٍ (آیہ ۱۰۷) آپ اس چیز کی اتباع کریں جو آپ کا لطف آپ کے پروردگار کی جانب سے دی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام و شریعت کی پیروی کریں۔ یہاں پر خطاب ترجمہ علیہ السلام سے ہے مگر ترجمان سے اب ایسا ہی ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا اِتَّبِعُوا مَعَا اَنْزَلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اَوْیْسًا -

۱۳۰) ایمان والو! تم سب اللہ تعالیٰ کا لطف سے نازل ہوئی ہو گی اور اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کا اتباع نہ کرو۔ اگر ایسا کرنے کو گمراہی ہو جائے گی۔ دین کا اساسی قانون قرآن ہے۔ اُس کی شرح سنت میں ہے اور مزید وضاحت ہمارے لکھنے کے عمل اور ترجمہ تفسیر میں کی شرح میں ہے، اتباع میں یہ سب پیروی آجائیں گی۔ مطلب یہ کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے حدیث زہد و سنت ہے اور اس پر عمل کرنے کے لیے صحابہ کرام علیٰ قولہ ہیں۔ اُس کے بعد جو وضاحت طلب آجی رہی ہے ان کو بجز قرآن و سنت کے سمجھنے میں اور سنیوں کے دین قابلِ اتباع ہے۔

لکھنے والے

مولانا عبد اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ ہمارے ہندوستان وغیرہ کے لوگ بڑے اچھے ہیں مگر انہیں ہمیشہ لیدر ہی گمراہ کرتے ہیں۔ جب الیکشن کا زمانہ آتا

ہے تو یہ نام نہاد لیڈر طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر عوام کو اپنے پیچھے لگا کر ووٹ حاصل کرتے ہیں اور پھر اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسلام کے یہ نام لیوا جیلا کو ن سا اسلامی قانون لائیں گے، یہ تو اسلام کی مبادیات سے بھی واقف نہیں۔ پارلیمنٹ کا ممبر تو وہ آدمی بننا چاہیے جو اللہ کی کتاب، اُس کے رسول کی سنت اور خلفائے راشدین کے عمل کو جاننے والا ہو۔ ان چیزوں سے بے بہرہ لوگ اسلام کی کیا نمائندگی کریں گے اور کون سا قانون پاس کریں گے؟ ممبری کے قابل تو وہ شخص ہے جو دین کے اساسی قانون سے واقف ہو اور پھر اپنے اندر قربانی کا جذبہ بھی رکھتا ہو۔ ذاتی اغراض کو پس پشت ڈال کر اجتماعی مفاد کے لیے کام کرے اگر یہ چیز نہیں ہے تو پھر عوام سے فراڈ ہی ہوتا ہے گا۔ لوگ پراپیگنڈا کے زور پر یقین کر لیتے ہیں کہ واقعی فلاں آدمی یا جماعت ہماری نجات دہندہ ثابت ہوگی مگر وہ سرسردھو کہ ہوتا ہے مارشل لا کے دور میں ہم نے کتنی بار کہا تھا کہ اب تمام اختیارات فرد واحد میں مرکوز ہو چکے ہیں۔ نام نہاد عوامی نمائندوں سے جان چھوٹ چکی ہے لہذا اب بلا جیل و حجت قرآن کا قانون نافذ کر دیا چاہیے اور اس کے مخالفین کو تختہ دار پر چڑھا دو پھر دیکھیں کون مخالفت کرتا ہے۔ مگر ہماری یہ آواز بھی بیکار ثابت ہوئی۔ اسلام کے نام پر ریفرنڈم کر لیا تھا اُس کا کیا نتیجہ نکلا؟ کیا واقعی اسلام نافذ ہوا؟ اصل بات یہ ہے کہ نفاذ اسلام کا ارادہ ہی نہیں۔ ورنہ اس سے بہتر موقع کوئی نہیں آسکتا تھا مگر وہ بھی ماتحت سے جا آ رہا۔ اب پھر وہی نام نہاد جمہوریت کا راگ الاپا جا رہا ہے جس میں ووٹ خریدے جاتے ہیں اور پھر اسمبلی میں پہنچ کر سب سے پہلے الیکشن کے اعتراضات کا دگنا چوگنا اکٹھا کیا جاتا ہے اور باقی وقت ایک دو سکر کی ٹانگ کھینچنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور اسلام کا محض نعرہ ہی رہ جاتا ہے، اُسے نافذ کرنے کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کرتا کیونکہ ایسا کرنے سے خود ممبروں کے مفاد پر زور پڑتی ہے۔ مقصد یہ کہ خود ہمارے لیڈر ہی ہمیں گمراہ کر رہے ہیں مگر نہ عوام میں تو کہیں نہ کہیں ایمان موجود ہے۔

اسلاف
کی قرآنیت

ذرا اپنے اسلاف کے کردار پر نظر ڈال کر دیکھیں کہ انہوں نے دین کی خاطر کس قدر قربانی
دیں اور آج ہم کس طرفت جاہلے میں۔ یہ ان قرآنیوں کا نتیجہ ہے کہ اسلام ہم ہمہ گام
ہے اور نہ یہ سائے میں ہی دم توڑ چکا ہوگا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں خطر اسان میں جو
جنگ ہوئی تھی اس میں ذین لاکھ کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف
دس ہزار تھی۔ بخیر و بدین لاکھ کی پیشان سے ٹٹرائے گئے تھے مگر ان میں سے ایک مسلمان
بھی زندہ نہ بچا۔ سب شہید ہو گئے۔ اس قرآنی کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے بالآخر فتح دی
اور یہ ایک کھلاقت مسلمانوں کے بربرئیں آئی۔ مسلمانوں میں قرآنی کا جذبہ اس قدر
تھا کہ بعض نے کہا کہ جہنمی لاشوں کو دفن کرنے کی بجائے کھلا چھوڑ دینا تاکہ پڑنے سے
اورد چلے گئے ہوں۔ جہنم شتر کے دن پڑا وہوں کے چیلوں سے بڑا بڑا پینڈ
کھینٹے گئے کہ ہم نے اللہ کے دین کی خاطر ایسی ہی قرآنیاں پیش کیں ہیں۔ اس قسم کے
واقعات فتنہ البلدان میں مذکور ہیں۔ مصر کی فتح کے دوران مسلمانوں نے متحدہ قرآنیا
دیں جن کا آٹھ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام آسانی سے آیا ہے۔
جیتے اس ذاتی اعانتی سے آتی رہی مسلمانانہ نہیں ہو سکتی۔

قرآن یا صرف وہی اللہ کا اتباع کریں اِنَّ اللہَ كَانَ سَمِیْعًا عَلِیْمًا
حَسْبُ عَلِیْمًا بَلِیْکَ اللہ تعالیٰ تم سے بہر کردہ کام کی خبر رکھنے والا ہے۔ کوئی چیز
اس سے مخفی نہیں ہے۔ جہنم کے گل کی نزل آنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سے حال
کا ٹیک ٹیک بدلہ لو کرے گا۔

قرآن

قرآن اَوْ کَوْ کَلِّ عَلَی اللہِ لِیُنْزِلَ عَلَیْکُمْ سُبْحٰنَ اللہِ سُبْحٰنَ اللہِ
اللہ تعالیٰ کی ذات پر کریں۔ تم اسباب اللہ تعالیٰ کے ہونے قدرت میں ہیں وہ جب
چاہے گا انہیں نازل کرے گا یا بغیر نازل کرے گا۔ لہذا ہر سبب پر نہیں بند
اللہ کی ذات پر ہونا چاہیے کہ سبب اسباب وہی ہے۔ کئی یا اللہ ذکیہ
اور کافی ہے اللہ کا سزا۔ وکن کہ حق کو ہر شانے والا ہوتے اور وہ صوفی اللہ کی
ذات ہے۔ اس کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ سورۃ الفرقان میں بھی ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا (آیت ۹۰) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
 لہذا کارساز بھی اسی کو سمجھو۔ وہی بگڑی بنانے کا کہ سارا اختیار اسی کے پاس ہے۔ ترجیح
 خالص کو اپناؤ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی صورت میں شرک نہ کرو۔ اُس کی ذات
 پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے پروردگار کو جاری رکھو۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي
 جُوفِهِ ۚ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ الْإِثْمِ
 تَنْظِهْرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ
 أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ
 بِأَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي
 السَّبِيلَ ﴿٥﴾ اُدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ
 عِنْدَ اللَّهِ ۚ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ
 فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ
 عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ ۚ وَلَٰكِن
 مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
 رَّحِيمًا ﴿٥﴾

ترجمہ :- نہیں سٹارے اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لیے
 دو دل اُس کے سینے میں۔ اور نہیں بنایا اُس نے تمہاری
 بیویوں کو جن سے تم تلخ کرتے ہو۔ تمہاری امیں اور
 نہیں بنایا اُس نے تمہارے سزا۔ بوسے بیٹوں کو تمہاری
 بیٹے۔ یہ بات ہے تمہارے اپنے سوزوں سے۔ اور
 اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے اور وہ راہنمائی کرتا ہے

راتے کی (۴) پکارو ان کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے۔ یہ بات زیادہ انصاف والی ہے اللہ کے نزدیک۔ پس اگر تم نہ جانتے ہو ان کے باپوں کو پس۔۔۔ تم ایسے بھائی ہیں دین میں، اور تمہارے ساتھی ہیں۔ اور نہیں تم پر گناہ اُس چیز میں جو تم نے خطا کی، لیکن گناہ اس میں ہے جو تمہارے دلوں نے پختہ ارادہ سے کیا اور اللہ تعالیٰ نیکٹے والا مہربان، (۵)

سورۃ کی ابتدائی آیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کیا گیا۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں بلکہ وحی الہی کا اتباع کریں، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے پروگرام کو جاری رکھیں۔ کفار ہشکرین، اور منافقین کے غلط پراپیگنڈا کا شکار نہ ہوں اور زمانہ جاہلیت کی غلط باتوں پر دھیان نہ دیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی تین باتوں کا ذکر کیا ہے۔ جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں اور اپنے نبی کو ان کے مقابلے میں صحیح باتوں کو اختیار کرنے کی نصیحت کی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں یہ ایک عام تاثر پایا جاتا تھا کہ اگر کوئی شخص غیر معمولی طور پر ذہین، سمجدار اور معاملہ فہم ہوتا تو اس کے متعلق کہا جاتا کہ اس شخص کے سینے میں دو دل ہیں۔ ترمذی شریفین کی روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نماز میں بمول گئے تو بعض منافق کہنے لگے کہ آپ کے دو دل ہیں۔ ان میں سے ایک دل کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دوسرے دل کے ساتھ مخلص مومنوں کی طرف۔ اللہ نے اس بات کی تردید فرمائی ہے کہ کسی شخص کے سینے

ربط آیات

دو دلوں کی نفی

۱۔ ابو سعید خدریؓ ۲۰۳/۱ و معالم التنزیل ۱۶۱/۳ و حازن ص ۲۲۹
۲۔ ابن کثیر ص ۴۶۶ و طبری ص ۱۱۸ (فیاض)

میں دو دل نہیں ہوتے بشرطیکہ ان سے ایک ذہن آدمی کے متعلق کہتا تھا کہ اس کے دو دل ہیں۔ اس آیت کو جس سے اس بات کی بھی نفی ہوگی۔ بہر حال ارشاد ہوتا ہے مَا حَسَدَ اللَّهُ لِرَجُلٍ لَّحَبِيلٍ مَاتَ قَلْبٌ مِنْهُ فَهُوَ حَيٌّ وَهُوَ

انترقالیٰ نے کسی شخص کے بیٹے میں دو دل نہیں بنانے، دل جیسا ایک ہی ہوتا ہے، بعض جسمانی اعضاء زیادہ ہو سکتے ہیں جیسے کئی شخص کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں یا بیٹی کی بھانجے چھو ہوں۔ پچھلے دنوں اخبارات میں ایک عورت کی زلفوں کی کئی کئی ٹکڑیوں کی تصویریں آئے ہیں۔

کئی تیسری آنکھوں کی کچھلیاں جانب ہوتی تھیں تو ایسا تو شہادہ میں آتا ہے۔ بشرطیکہ شخص کے جسم میں دو دل بھی نہیں پائے گئے۔

یہ سدا حکام شریعت سے لڑتے نہیں، لگتا جگہ اس کا تعلق علم تشریع کا حصہ ہے، یعنی انٹری (ANATOMY) سے ہے کہ انسانی جسم میں کون کون سے اعضاء کتنے تعداد میں اور کس کس جگہ پر موجود ہیں۔ انسان کا دل عام طور پر سینے کے دینے کی طرف ہوتا ہے، مگر بعض شاذ و نادر کیسوں میں اس کا دائیں جانب یا بائیں جانب ہے۔ صورت ہر اس میں مگر آدے کے مقام پر اہل حق کا دینی مدرسہ جامعہ اسلامیہ سے آج سے تقریباً نصف صدی پہلے اس مدرسہ کے مہتمم کا کا ابراہیم کے متعلق مشہور ہے کہ ان کا دل دائیں طرف تھا۔ یورپی ملک میں بھی لاکھوں کروڑوں میں کوئی لاکھ یا شخص ہی ہو گا جس کا دل دائیں طرف ہو۔ تاہم یہ امکان تو ہے مگر کسی شخص کے سینے میں دو دل کسی بھی پائے ثبوت کو نہیں پہنچتے۔

اس موقع پر مشہورین کلام ایک اور نقطہ بھی اشارتے ہیں۔ یہ تو مشہور منقولہ ہے لَا يَتَوَحَّشُ الْقَلْبُ فِي أَنْ وَاحِدٍ إِلَّا فِي مَرْتَبَتَيْنِ
یعنی کوئی دل بیک وقت دو امور کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا، مگر حضرت مراد، شاہ اشرف علی تھانویؒ نے یہ اشکال پیش کیا ہے کہ بعض لوگ تسبیح بھی پکارتے

۱

(فیاض)

بیان القرآن ص ۲۵

ہتے ہیں اور ساتھ ساتھ گفتگو بھی کرتے ہتے ہیں، اس طرح ان کے دل کی توجہ دل کی طرف اور باتوں کی طرف بیک وقت کیسے ہو سکتی ہے؛ ظاہر ہے کہ ایک وقت میں یا ذکر ہو گا یا دیگر باتیں۔ تو ایسا کرنا محض دھوکہ ہے۔ کوئی شخص ایک ہی وقت میں ذکر کے ساتھ ساتھ دنیاوی باتیں کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، جو شخص ایسا کرتا ہے وہ گفتگو میں تو مصروف ہوتا ہے۔ مگر ذکر سے خالی ہوتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ کسی شخص کے سینے میں اشر نے دو دل نہیں بنائے۔ دل ایک ہی ہوتا ہے جو یا تو کفر کی طرف مائل ہو گا یا اطاعت کی طرف

ظہار کا
مسئلہ

اب دوسرا مسئلہ اشر نے بیویوں سے ظہار کرنے کے متعلق بیان فرمایا ہے ظہار کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت، پیٹ، یا ران یا کسی دیگر اعضائے مستورہ سے تشبیہ دے جس کا بچکنا بھی حرام ہے۔ یا وہ اپنی بیوی کو اپنی ماں، بہن یا دیگر محرمات ابدیہ میں سے کسی کے برابر قرار دے۔ ایسا کہنا اگرچہ ناجائز اور سخت ناپسندیدہ ہے مگر اس سے بیوی قطعی طور پر حرام نہیں ہو جاتی بلکہ شریعت کا مقرر کردہ کفارہ ادا کر کے مرد اور عورت ازدواجی زندگی برقرار رکھ سکتے ہیں۔ کفارہ کا مسئلہ سورۃ مجادلہ میں بیان کر دیا گیا ہے یعنی ظہار کرنے والا شخص ایک غلام آزاد کرے یا دو ماہ کے متواتر روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے زمانہ جاہلیت میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کا اعلان کر دیتا تھا۔ تو پھر وہ اس کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی اشر نے اسی بات کی تردید فرمائی ہے وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمْ مِنَ اللَّهِ تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ان بیویوں کو تمہاری ماںیں نہیں بنا دیا جن سے تم ظہار کرتے ہو یعنی ان کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دے دیتے ہو۔

ظہار کا لفظ ظہر کے مانے سے ماخوذ ہے جس کا معنی پشت ہوتا ہے۔ یعنی اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دینا۔ دراصل پشت کے ساتھ تشبیہ

زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوئی بلکہ پیٹ کے ساتھ تشبیہ دینی چاہیے۔ کیونکہ اعتدالیہ مسائل اور مستشرقین کا تعلق پیٹ کے ساتھ بڑا ہے۔ بلکہ پشت چرخ پیٹ کے لیے بطور ستون ہے۔ لہذا ایسے معاملہ میں پیٹ کی بجائے پشت آڈنٹریا گیا ہے۔

مذکورہ
بیٹے کا

اس آیت کریمہ میں اللہ نے تیسرا مسئلہ مذکورہ بیٹے سے متعلق بیان کیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں مذکورہ بیٹے یا لے پاکہ بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جا آقا۔ جب کہ فی نفس کسی کو مذکورہ بیٹا بنا لیا تھا اور وہ ایک دوست کے وارث بھی بن جاتے تھے اور حقیقی بیٹے والے دیگر مسائل بھی فرٹ دیتے تھے۔ مثلاً شیشی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح حرام ہے تو مذکورہ بیٹے کی صورت میں بھی وہ لے جہازم ہی قرار دیتے تھے۔ اللہ نے اس غلطی کو بھی ترمیم فرمائی ہے وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ اللہ نے تمہارے مذکورہ بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنا یا تم جو انہیں حقیقی بیٹے سمجھ کر وہی حکم لاگو کرتے ہو یہ درست نہیں ہے۔ ذَلِكَ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ یہ ترجمہ تمہارے منوں کی باتیں ہیں، ان میں حقیقت نہیں ہے وَاللَّهُ يُعَوِّلُ الْحَقَّ وَالصَّلَاتِ بات تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مذکورہ بیٹے حقیقی بیٹے نہیں ہوتے اور نہ ہی ان پر حقیقی بیٹوں کے شرعی احکام صادر ہوتے ہیں۔ اللہ کی بات کہ ہے وَهُوَ كَيْفَ دَرَى السَّبِيلِ اور وہی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

حضرت زین
کا واقعہ

یہ مسئلہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زین بن عارض کے سلسلے میں پیدا ہوا۔ آپ کا نام ہی سورۃ میں آگے آ رہا ہے جنسور علی الصلوٰۃ والسلام کے حضرت زین کیجیہ کے ساتھ نکاح سے بھی پہلے کا واقعہ ہے کہ حضرت زین کیجیہ نے اپنے بیٹے محمد بن حوازم کو کہا کہ وہ عکاک کی نسل بنی میں جا کر

اُن کے لیے کوئی اچھا سا غلام خرید لانے جس سے روزمرہ ضروریاتِ زندگی میں خدمت لے سکیں۔ جب وہ منڈی میں گئے تو اُن کی نظر حضرت زینہ پر جم گئی جو اُس وقت چھوٹے بچے تھے اور بڑے ذہین معلوم ہوتے تھے۔ حضرت زینہ حقیقت میں غلام نہیں تھے بلکہ بڑے وسیع قبیلے کلب کے چشم و چراغ تھے۔ اتفاق سے یہ اپنے ماموں کے ہاں گئے ہوئے تھے کہ وہاں ڈاکر پڑا تو ڈاکو باقی چیزوں کے ساتھ زینہ کو بھی لٹ کر لے گئے اور غلام بنا لیا اور اس طرح آپ بحیثیت غلام عکاظ کی منڈی میں پہنچ گئے۔ بہر حال حکیم ابن حزم نے حضرت زینہ کو خرید کر حضرت خدیجہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر جب حضور علیہ السلام کا نکاح حضرت خدیجہ سے ہو گیا تو آپ نے حضرت زینہ کو اپنے لیے طلب کر لیا جو حضرت خدیجہ نے بخوشی منظور کر لیا اور اس طرح حضرت زینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں آکر آپ کی خدمت پر مامور ہو گئے۔

جب حضرت زینہ بڑے ہو گئے تو آپ کو تجارت کے سلسلہ میں شام کے سفر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں اُن کو اُن کے والد عارضہ اور چچا نے پہچان لیا کہ یہ تو ہمارا بچہ تھا ہوا بچہ ہے، اُن کو یہ بھی علم ہو گیا کہ آپ خاندانِ قریش میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت زینہ سفر سے واپس آ گئے۔ تو آپ کے والد اور چچا بھی مکے پہنچے اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ ہمارا بچہ ہے، کسی وجہ سے غلامی کے چکر میں پھنس گیا ہے۔ آپ نے چھوڑ دیں، ہم اس کا تادان ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ مجھے تادان کی ضرورت نہیں ہے، اگر زینہ جانا چاہتا ہے تو میری طرف سے کئی اعزازت ہے۔ اس وقت تک حضور علیہ السلام منصبِ نبوت پر بھی فائز ہو چکے تھے اور حضرت زینہ آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ آپ غلاموں میں سب سے پہلے حضور پر ایمان لانے والے ہیں۔ جب آپ کے والد اور چچا نے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو حضرت زینہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ

اپنے اعلاہ کے مجاہد آزادیوں کی کہ حضرت علیہ السلام کی غلامی پر ترجیح دیتا ہوں۔ وہ لوگ سخت مایوس ہو گئے۔ اس دوران میں حضور علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ میں نے زینب کو آزاد کر کے اسے منہ لولا جیسا بنا لیا ہے۔ اب یہ میرا وارث ہو گا۔ اور میں اس کا وارث ہوں۔ اس پر زینب کا باپ اور چچا خوش ہو گئے کہ زینب اگر ہمارے ساتھ زندگی بھر رہے تو اب وہ آزاد ہو گیا ہے۔

منشی لکھری
سے تاج
کا مندر

حضور علیہ السلام نے حضرت زینب کا نکاح اپنی پسر جی زادہ بن حضرت زینب سے کر دیا تھا مگر بوجہ اُن کا آپس میں نباہ نہ ہو سکا۔ حضرت زینب نے حضرت زینب کو طلاق دے دی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے نکاح ملال نہیں کیا۔ بشرطین کے نہ تو ایک منہ بولے بیٹے کی مصلحت تھی کہ حضرت زینب سے نکاح ملال نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے اس مسئلہ کو خوب اچھا لایا اور حضور علیہ السلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو واضح کیا اور ان آیات کے ذریعے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے منہ پر ہے جنہوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنا، یہ تو تمہاری اپنی زبانوں کی بات ہے۔ حق بات اللہ کے ہے کہ منہ بولے بیٹے کی مصلحت تھی سے نکاح باہتمام ملال سے۔

کسی کو دنیا کہہ کر پکارتا دو جو بات سے ہو سکتا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ بعض پیار محبت اور شفقت کی بنا پر کسی کو یہ کہہ کر پہنچا جانے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انسؓ کو بھی یہی فرمایا کرتے تھے کہ یہ کہہ کر پہنچا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام حضرت مغیرہؓ اور ایک اور صحابی کو بھی اسی لقب سے پکارتے تھے۔ یہ چیز ہمارے کے لحاظ سے درست ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی کو کہتی بنا لیا جانے اور اُسے روزِ مہر کے عہدوں میں شریک کیا جانے۔ ایسی صورت میں بھی منہ لولا جیسا نہ تو خود نبی جاتا ہے اور نبی اُسے حقوق وراثت حاصل ہوتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں سے پاک

کے لیے اپنے تہائی مال تک کی وصیت کر سکتا ہے جس کا وہ حقدار ہوگا باقاعدہ وارث نہیں بنے گا۔

حقیقی باپ
کی طرف
نسبت

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم بھی دی ہے أُدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ اپنے لیے پاک بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، نہ کہ اس شخص کی طرف جس نے اسے بیٹا بنا لیا ہے فرمایا هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ انصاف والی ہے کہ تم ایسے لوگوں کی نسبت ان کے حقیقی باپوں کی طرف کرو۔ صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ ان آیات کے نزول سے پہلے ہم حضرت زیدؓ کو زیدؓ ابن محمدؓ کہہ چکے تھے۔ اس کے بعد ہم زیدؓ ابن حارثہ کہنے لگے۔ حضور کا یہ فرمان بھی ہے مِنَ ادَّعَىٰ إِلَىٰ غَيْرِ أَبِيهِ فَقَدْ كَفَرَ جس شخص نے کسی کی نسبت غیر باپ کی طرف کی اس نے کفر کا ارتکاب کیا، بلکہ ایک روایت میں اس کے لیے جنت کے حرام ہونے کا ذکر بھی آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو۔

فرمایا فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا آبَاءَهُمْ اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ و مَوَالِيكُمْ پس وہ دین میں تمہارے بھائی اور تمہارے ساتھی ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر کسی کے باپ کا علم نہ ہو تو ایسے لوگوں کو بھائی یا رفیق کہہ کر پکار لو مگر غیر باپوں کی طرف نسبت بالکل نہ کرو۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زیدؓ سے کہا أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا تم ہمارے بھائی اور ہمارے ساتھی ہو۔ اس طرح گویا آپ نے اس آیت مبارکہ کی عملی تفسیر پیش کر دی۔

فَرَا وَكَانَ يَنْسَى عَلَيْكَ كُلَّ مَجْرَبٍ فَجِئْنَا بِهَا أَخْطَأَ فَخَرَّبَهُ أَمْ يَسِيرٌ مِمَّنْ يَرْتَدُّ
 گنا و نہیں ہے جس میں تم نے غلطی کر لی، مگر کسی غلطی کی بنا پر یہ قبول کر
 کسی کو غیر باپ سے منسوب کر دیا تو اس میں کوئی عیب نہیں۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے
 کہ فرماں الہی ہے کہ اللہ نے میری امت سے غلطیوں کو نسیان کے مترادف کر دیا ہے
 ایسے شخص پر آنحضرت میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ البتہ دنیا میں اس وجہ سے بعض احکام
 مرتب ہو جاتے ہیں، مثلاً اگر دشمن کو کئے وقت غلطی سے پانی میں ترکیب تو دراز
 ناسد ہو جائے گا جس کی تلافی لازمی ہوگی مگر آدمی گنہگار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی
 نے کسی دوسرے شخص سے جہز کوئی ناما روز کام کر دیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہو
 گا کیونکہ اس نے اپنی جان کے خطرے سے کوئی غلط کلمہ زبان سے نہ کہا ہے۔ یہ
 کوئی غلط کام کر دیا ہے۔

فَرَا، اگر غلطی سے کسی شخص کو غیر باپ کی طرف منسوب کر دیا تو گناہ نہیں ہوگا
 وَلَئِنْ مَتَّعْتُمَا مَتَّعْتُمَا مَتَّعْتُمَا مَتَّعْتُمَا مَتَّعْتُمَا مَتَّعْتُمَا مَتَّعْتُمَا مَتَّعْتُمَا
 کے ارادے سے ایسا کام کیا تو اللہ کے اہل نافرمانی کے لئے۔ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا
 رَحِيمًا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ غلطی کی صورت میں
 وہ معاف فرمائے گا، اور اگر قصداً کوئی غلط کام کر دے تو گرفتار ہوگی۔

الاحزاب ۳۳

اتل ما آجی ۲۱

آیت ۶

درس سوئم ۳

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ
 أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولَئِكَ الْأَرْحَامُ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ
 بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
 وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا الْآبَاءَ الَّذِينَ تَفَعَّلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُمْ
 مَعْرُوفًا كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ⑥

ترجمہ :- اللہ کے نبی کو زیادہ تعلق ہے ایمان والوں
 کے ساتھ ان کی جانوں سے ۔ اور نبی کی بیویاں ان
 (مومنوں) کی مائیں ہیں اور قرابت دار بعض زیادہ تعلق رکھتے
 ہیں بعض کے ساتھ اللہ کی کتاب میں ایمان والوں اور ہجرت کرنے

والوں سے ، مگر یہ کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوئی احسان

کرنا چاہو ۔ یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے ⑥

سورۃ احزاب کے بنیادی مضامین اللہ کے نبی کا ادب و احترام اور
 عورتوں سے متعلق بعض احکام ہیں ۔ گذشتہ درس میں اللہ نے فرمایا تھا کہ کسی شخص
 کے سینے میں دو دریل نہیں ہوتے ۔ نیز یہ کہ اگر تم اپنی بیویوں کو ظہار کے طریقے
 پر مال کہہ دو تو وہ مائیں نہیں بن جاتیں ۔ یہ محض تمہارے منہ کی باتیں ہیں جن میں حقیقت
 نہیں ہے ۔ پھر فرمایا کہ جس کو تم منہ بولا بیٹا بنا لیتے ہو وہ تمہارا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا
 لہذا اس کو اس کے حقیقی باپ کی طرف ہی نسبت کرو کہ پکارنا چاہیے اور اگر
 ایسے کسی شخص کے باپ کا نام پتہ معلوم نہ ہو تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی اور ساتھی

رابط آیت

ہیں ان کو بھائی کہہ کر بچا کر دو۔ فرمایا اگر فضلی سے یا بھول کر کرنی غلط گو زبان سے نکل جائے تو اسے کہے گا اس پر کرنی مؤاخذہ نہیں۔ البتہ اگر کرنی شخص کو ایسی بات کہے کہ قرتہ بل کرانہ بولے۔

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام کی فضیلت - مرتبہ اور ایمانداروں کے ساتھ آپ کے تعلق کا ذکر کیا ہے۔ اس سورۃ میں یہ مضمون آگے بھی مختلف جگہوں سے بیان ہوا ہے۔ اور اسی ضمن میں ذرا چھطلرت کے مرتبہ اور فضیلت کی بہت سی باتیں بھی آ رہی ہیں۔ اہل ایمان پر نبی کا ارب مشرکاً اس لیے بھی مندرجی ہے کہ ان کو جو بھی خیر و خوبی نصیب ہوتی ہے یا آئندہ ہوگی وہ نبی کے توسط سے ہی ہرگز ایسی کرنی بات یا کرنی فعل نہیں کرنا چاہیے جو نبی کی شان کے خلاف ہو یا اس سے آپ کی دل آزاری کا سبب بنتا ہو۔

نبی کریم
کا تعلق

نبی اور رسولوں کے ذہنی تعلق کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ أَلَمْ نَشِئْكَ بِالْحَقِّ وَالْحَقُّ مَرْسُومٌ مِّنْ أَلْفِ سَمَاءٍ نَّبِيٌّ كَرِيمٌ ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے۔ اولیٰ کا معنی قریب بھی ہوتا ہے اور طلب بھی ہے کہ اللہ کا نبی رسولوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ مگر اہل بیت اس کا لفظ مضموم ہے۔ وہ اس لفظ سے نبی علیہ السلام کو حاضر ناظر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ قرآن پاک نے اس مشرکاً معنی کے کئی تعلقوں سے تردید کی ہے۔ حاضر ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ اور مضموم میں سے کرنی بھی سنی اس صفت میں شریک نہیں۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (البقرہ - ۱۲۹) وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (البسورۃ - ۹) مطلب یہ ہے کہ ہر عمل اور ہر جگہ حاضر ناظر صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس مرتبہ پر نہایت ہی عمدہ تفسیر لکھی ہے۔ فرماتے

ہیں کہ اگر عذرا سے دیکھا جائے تو مومن آدمی کا ایمان آفتابِ نبوت کی ایک شعاع ہے۔ ایسی بڑی بڑی اگرچہ امی تھے مگر بڑے علم و فہم والے اور صاحبِ کشف بزرگ تھے، ان کے ملفوظات ان کے ایک مرید نے ایک عظیم کتاب کی صورت میں جمع کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ پیغمبر کے قلب مبارک سے ایک تار سا نکل کر ہر اہل ایمان کے قلب کے ساتھ آکر مل جاتا ہے۔ اگر یہ تار یعنی تعلق ٹوٹ جائے، تو انسان سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ کشفی بات ہے مگر درست ہے۔ اسی لیے بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر مومن عذرا کے تو اسے معلوم ہو گا کہ ایمان حقیقت میں اللہ کے نبی کے قلب مبارک کی شعاع کا نتیجہ ہے پیغمبر علیہ السلام آفتابِ نبوت ہیں، لہذا اگر کوئی شخص حقیقت ایمان کو سمجھنے کے لیے فکری حرکت شروع کرے گا تو ایمان کی حقیقت پانے سے پہلے اسے پیغمبر کی معرفت حاصل کرنا پڑے گی۔ کیونکہ ایمان تو پیغمبر کے واسطے ہی آتا ہے۔ غرضیکہ نبی کا وجود مسعود ہم سے ہماری ہستی سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔

نبی کے ساتھ اس روحانی تعلق کی بنا پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام مومنوں کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہیں۔ حضرت سلمان فارسی کی روایت میں آتا ہے کہ کفار و مشرکین حضور علیہ السلام کے متعلق طرح طرح کی بیہودہ باتیں کرتے تھے۔ اور مختلف قسم کے اعتراض کرتے تھے۔ مگر ہمارا جواب یہی ہوتا تھا کہ پیغمبر علیہ السلام ہمارے لیے بمنزلہ باپ کے ہیں بلکہ باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ انہوں نے ہمیں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ استنجا پاک کرنے کا طریقہ بھی سمجھایا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے **أَنَا لَكُمْ بِسَبَبِ نَزْلَةِ الْوَالِدِ** یعنی میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ ہوں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت جابرؓ کی روایت کے مطابق قرآن کی بعض قراتوں میں یہ الفاظ بھی

نبی بمنزلہ
باپ

۱۔ ابن کثیر ص ۲۶۴ ج ۳

۲۔ در منثور ص ۱۸۳ ج ۵ و روح المعانی ص ۱۵۲ و مدارک ص ۲۹۴ و احکام القرآن للجصاص ص ۳۵۵ (فیاض)

کتے ہیں، وَأَرْوَاهُ أَهْمَتَهُمْ وَهُوَ أَبْ كَمُتْرٍ لِيَنْ يَفْرَعُوا بِأَسْمَاءِ
 کہ پڑیاں مومنوں کی ہائیں ہیں اور آپ ان کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہیں۔
 اگر باپ اور بیٹے کے تعلق پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیٹے کا وجود
 باپ کا مزیدانست ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ بارہا میں سوک
 کا حکم دیا ہے، وَيَالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا رَّبِّيَ اسْمَاعِيلُ۔ ۲۰۔ باپ
 کے اپنے بیٹے کے ساتھ اس قریب ترین تعلق کو بنا پر ہی بیٹے کے لیے باپ
 کی شفقت اور تربیت طبعی ہوتی ہے، چنانچہ باپ کو بیٹے سے سہروزی ہوتی ہے۔
 اتنی اور کسی سے نہیں ہوتی، ہر شریف باپ کی بی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا اس
 سے بڑھ کر بڑا، لکھ بکت، دانی اور حاجت ہو، یہ اس کی طبعی شفقت کا نتیجہ ہوتا
 ہے، لیکن اگر غیظ و خرد کھائے تو بی اور بی کی تعلق اس سے بھی زیادہ ہے، باپ
 تو بیٹے کے ظاہری وجود کا ذریعہ ہوتا ہے، نیز باپ کی شفقت بھی طبعی ہوتی ہے
 مگر بی کو جو تعلق اور شفقت امتی کے ساتھ ہوتی ہے، وہ باپ سے کہیں زیادہ
 ہوتی ہے، اتنی، روحانی، اور اس ایمان نبی کی روحانیت کا عکس ہوتا ہے۔
 اس لیے نبی کی طرف سے جو شفقت اور برائی، تو میر اور تربیت امتی کے لیے ہوتی
 ہے وہ والدین سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، باپ کے ذریعے اللہ نے میں دنیا
 کی عارضی حیات عطا فرمائی ہے، جب کہ نبی کے طفیل انسانوں کو دائمی حیات عطا
 ہوتی ہے، جسے ایمان نصیب ہوگا، تو میر کجگو میں آئی اور نبی مامل ہو گئی اُسے
 گواہی حیات ملی، غنیسہ اللہ کے نبی ہمارے ساتھ جو سہروزی، خیر خواہی،
 شفقت اور تربیت فرشتے ہیں، ایسی شفقت اور سہروزی خود ہمارا وجود ہی نہیں
 کر سکتا، اسی لیے خدا کا اللہ کے نبی کو اہل ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے
 بھی زیادہ قریبی تعلق ہے۔

نبی کی طرف سے
 کائنات

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی کو بہنوں کے مال و جان میں تصرف کا وہ حق
 پہنچا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں، چنانچہ شاہ عبدالقادر دہلوی لکھتے ہیں کہ
 لہ موضوع القراءات ص ۱۵۰ (فیاض)

اللہ کے نبی کو یہ حق اس لیے حاصل ہے کہ وہ اللہ کا نائب ہے۔ تصرف کی مثال اسی طرح ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن اگر اللہ کا نبی حکم دیدے کہ تم ایسا کرو۔ تو امتی پر ایسا کرنا فرض ہو جائے گا۔ لہذا معلوم ہوا کہ نبی کو ہماری جانوں اور روحوں پر بھی تصرف حاصل ہے۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُسے اُس کے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ نبی کو امتی کے ساتھ زیادہ لگاؤ اور تعلق کا یہی معنی ہے۔

اگر ہمارا نفس بُرا ہے تو وہ بری بات کی ہی تلقین کرے گا، مگر اللہ کا نبی ہمیشہ اچھی بات کی تلقین کرے گا۔ لہذا ثابت ہوا کہ نبی کو ہمارے ساتھ خود ہمارے نفسوں سے بھی زیادہ ہمدردی ہے۔ اور اگر انسان کا نفس اچھا بھی ہے تو بسا اوقات وہ انسان کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتا اور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت غلط فیصلہ کر بیٹھے مگر یہ اللہ کے نبی کی شان ہے کہ وہ اپنے امتی کے حق میں ہمیشہ صحیح فیصلہ کریگا۔ اُس کے پیش نظر ہمیشہ امتی کی خیر خواہی ہی ہوگی۔ اپنی جان بھی اپنے ساتھ وہ ہمدردی اور شفقت نہیں کر سکتی جو اللہ کا نبی امتی کے ساتھ کرتا ہے۔ لہذا اُسے امتی کے ساتھ اُس کی اپنی جان سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔

نیز یہ بھی وَازِوَاجَهُ أُمَّهَاتِهِمْ کہ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں یہ مسئلہ آگے بھی آ رہا ہے۔ جہاں نبی کی بیویوں سے نکاح کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ بہر حال ازواج مطہرات کو دو وجوہ سے مومنوں کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی بیویوں کا

ازواج مطہرات
مومنوں کی
مائیں

تکون کسی امتی کے ساتھ مانز نہیں۔ یہ مسئلہ آگے بالتفصیل آ رہا ہے۔ اور دوسری
وجہ ادب و احترام کی ہے۔ حضور علیہ السلام کی بیویاں مؤمنوں کی ماہیں ہیں۔ عزائم
۴ ادب و احترام حقیقی ماں سے بھی بڑھ کر ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ نبی کی بیویوں پر حقیقی ماں جیسے تمام احکام لاگو
نہیں ہوتے۔ مثلاً کوئی آدمی حقیقی ماں سے پردہ نہیں کرتا، اس کے پاس خلوت میں
بیٹھ سکتا ہے اور اس کو ہاتھ لگ سکتا ہے۔ منکر و عافیٰ اس معنی نبی کی بیوی کے
ساتھ ایک امتی یہ کہہ نہیں کر سکتا، کوئی شخص حقیقی یا رضاعی ماں کی جہلی سے
انکاح نہیں کر سکتا مگر نبی کی بیویوں کے سلسلے میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔
اسی طرت بیٹا ماں کی دراشت میں حقدار ہوا ہے مگر نبی کی بیویوں کی دراشت میں
یہ حق قائم نہیں ہوا۔ غرضیکہ نبی کی بیوی پر ماں کا اطلاق صرف دوسو تلوں میں ہے
ایک یہ کہ اس کے ساتھ تکون اپنی ملامت ہے اور دوسری یہ کہ اس کا اوٹے ملامت
واجب ہے۔ نبی کی بیویوں کی زوجین کہنے والا شخص یا مومنات ہے یا بیہیمان
راضی لوگ ام المؤمنین حضرت عائشہ کی عمر میں کے مرتب ہوئے۔ علاوہ ان
کی برکت کا ذکر ہم سورۃ قمر میں پڑھ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پوسے دور کا آپ کے
حق میں نازل فرما کر آپ کی عمارت اور پاکیزگی کو بیان کر دیا ہے اللہ نے آپ
پر لکھے گئے اتہام کی کثیف الفاظیں تہمت بیان کی ہے۔ حقیقت یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی بیویوں اور مومنوں کی ماؤں کو برکت سے پاک رکھا
ہے۔ اللہ نے سورۃ قمر میں یہ اصول بیان کر دیا ہے وَالْعَلْقَبَاتِ لِلطَّيِّبَاتِ
رآیت۔ (۲۶۰) پاک عورتیں پاک مردوں کے جیسے ہیں۔ اللہ کا نبی بھی پاک ہے
اور اس کی تمام بیویاں بھی پاک ہیں۔ اللہ نے انہیں برکت کی انطالی کہا ستروں
سے محفوظ رکھا ہے۔

قرآنی
۴ حق

آگے دراشت کے سلسلے میں قرآنی اردوں کا حق بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا
ہے وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ

اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ اسْتُرْكِ كِتَابٍ فِي بَعْضِ قُرْآنِهِ
 ابھض انکے ساتھ مومنوں اور مہاجرین کی نسبت زیادہ لگاؤ رکھتے ہیں جب مسلمان
 مکے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو حضور علیہ السلام نے مہاجرین اور انصار
 میں رشتہ اخوت قائم کر دیا تھا ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو آپس
 میں بھائی بھائی بنا دیا۔ چنانچہ ہر دو بھائی حقیقی بھائیوں کی طرح ہو گئے۔ حتیٰ کہ فرمایا
 يَبْنِيْتُ الْمُهَاجِرَ الْأَنْصَارِيَّ اِگر مہاجر بھائی قربت ہو جائے تو اس کی وراثت
 اُس کے انصاری بھائی کو ملے گی، اور اس طرح انصاری بھائی کا وارث اُس کا مہاجر
 بھائی ہو گا۔ یہ عبوری احکام تھے۔ پھر جب اسلام کو تقویت حاصل ہو گئی، مسلمانوں
 کی جماعت مضبوط ہو گئی، لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہو گئے اور مہاجرین کے
 عزیز واقارب بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو انھوں نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا
 اور فرمایا کہ وراثت کے معاملے میں دینی بھائی کی نسبت کسی شخص کے اصل عزیز واقارب
 ہی زیادہ حقدار ہیں۔ وراثت کے مسائل اور ہر حصے دار کے حصہ کی مقدار انھوں
 نے سورۃ النساء میں بیان کر دی ہے کسی میت کے وارث پہلے نمبر پر ذوی الفروض
 یعنی وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے انھوں نے قرآن میں مقرر کر دیے ہیں۔ پھر دوسرے
 نمبر پر حصہ آتے ہیں جن میں اولاد اور باپ کی طرف سے رشتہ دار شامل ہیں۔ پھر
 تیسرے نمبر پر ذوی الارحام یعنی ماں کی طرف سے رشتہ دار آتے ہیں۔ تو فرمایا کہ
 اب وراثت کا حکم وہ نافذ العمل ہو گا جس میں میت کے حقیقی رشتہ داروں کو
 حصہ دار قرار دیا گیا ہے۔ البتہ عام مومنین اور مہاجرین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا
 ان کو علیہ پیش کرنا، ان کی خدمت کرنا درست ہے مگر وراثت میں ان کا
 کوئی حصہ نہیں ہے۔

فرمایا عام مومنین اور مہاجرین کی نسبت تمہارے رشتہ دار قم سے زیادہ لگاؤ

ساتھیوں
 کے ساتھ
 احسان

شکستے ہیں یعنی ان کا حق ناقص ہے اَلَا اَنْ نَّعْتَمِدَ عَلٰى اَلْحٰی اَوْ اَلْبَسِ كِسْفًا
 مَعْرُوفًا مَّكْرِيًا کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوئی امان کرنا چاہو۔ تو بڑی
 کر سکتے ہو، اس میں کوئی عیب نہیں۔ البتہ وہ وراثت میں حصہ نہیں ہوں گے
 ایک صورت میں اللہ نے اجازت دی ہے اور وہ یہ کہ کوئی شخص اپنے کسی ذین
 یا مائتی کے حق میں زیادہ سے زیادہ اپنے ایک تالی مال کی وصیت کر سکتا ہے
 کسی کی خدمت خاک کرنا چاہو تو اس کی اجازت ہے۔ كَانَ ذٰلِكَ فِي
 الْكِتَابِ مَسْطُورًا اور یہ بات کتاب میں بھی ہوئی ہے

اس کتاب سے کوئی کتاب مراد ہے، بعض مفسرین کتاب سے مراد
 لوح محفوظ چلتے ہیں کہ وہاں یہ حکم لکھا ہوا موجود ہے۔ جو بعض دوست بظہر بن
 اس سے کتاب تو امانت مراد لیتے ہیں کہ وہاں بھی یہ سئلہ نہ کر ہے۔ اور قرآن پاک
 میں تو یہ سئلہ بحال آیا ہے اور یہی اللہ کی آخری اور عظیم ترین کتاب ہے تو
 اس آیت کریمہ میں اللہ نے پہلے نبی اور مومنوں کے بہن شعلق کر یاں کیا۔ پھر
 ازواج مطہرات کے اوربے استراہ اور ان کی عورت میں شریعت کا ذکر کیا۔ پھر سئلہ
 موانعات کے احکام کو تبدیل کر کے فرمایا کہ وراثت کے معاملہ میں دینی جانوروں کی
 نسبت اصل رشتہ داروں کو فوقیت حاصل ہے۔ البتہ عام مومنین اور صحابہ
 یعنی دینی جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ
 وَمَنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنُ
 مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٨٧﴾
 لَيْسَ لَ الصِّدِّيقِينَ عَنِ صِدْقِهِمْ وَأَعَدَّ
 لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٨٨﴾

ترجمہ :- اور (اس بات کو دھیان میں لاؤ) جب
 کہ ہم نے نبیوں سے اُن کا عہد لیا اور دھماں طور
 پر، آپ سے۔ اور نوح علیہ السلام سے، اور ابراہیم علیہ السلام
 اور موسیٰ علیہ السلام سے، اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام
 سے۔ اور ہم نے اُن سے پختہ عہد لیا ﴿۸۷﴾، کہ پوچھے
 اللہ تعالیٰ پچوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں اور
 تیار کیا ہے اُس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب ﴿۸۸﴾
 گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کریموں کے ساتھ ان کی
 جانوں سے بھی زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے۔ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں، لہذا
 نبی کا اتباع اور ادب و احترام ضروری ہے۔ اور دوسرا مسئلہ اللہ نے قربت
 داروں کے متعلق فرمایا کہ عام مومنوں اور مہاجرین کی نسبت قربت داروں کا درجہ
 میں حق فائق ہے۔ البتہ دوسرے لوگوں سے حسن سلوک اور احسان کیا جاسکتا ہے
 اس سے پہلی آیت میں پیغمبر علیہ السلام کا مرتبہ اور آپ کا اہلال و اکرام بیان ہوا تھا۔
 نبی علیہ السلام کو بخیر خواہی اور ہمدردی بنی نوح انسان سے بالعموم اور اہل ایمان کے
 ساتھ بالخصوص ہے، وہ کسی دوسری ذات میں نہیں۔ جس قسم کی تربیت آپ

لعلہ آیت

کر سکے ہیں کرنی اور نہیں کر سکتا، لہذا آپ کا اتباع ضروری ہے۔
سورۃ کی ابتداء میں اللہ نے پیغمبر علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا: **وَاصْبِرْ**

مَا يُؤْتِيكَ الْاِلٰهَ مَنْزِلًا آپ کے پروردگار کی طرف سے
آپ پر جو وحی نازل کی جاتی ہے آپ اس کا اتباع کریں، عام اہل ایمان کے
لیے یہی سب سے زیادہ حکم ہے کہ وہ وحی الہی کی پیروی کریں، اور جو پروردگار نازل کر جاتا ہے
وہ اللہ کے نبی اور رسول ہوتے ہیں اور ان کا اتباع بھی ضروری ہے، اب آج
کے دور میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے علمبرداروں کا ذکر کیا ہے۔

ارشاد ہوا ہے: **وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي اِسْرٰءِيْلَ** اور اس بات کی طرف توجہ کر دو کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ عہد
لیا۔ **الْبِطِّيْنِ** سے مراد سامنے کے سامنے انبیاء ہیں کہ ان سے اقرار لیا گیا تھا۔

اور آج کے عہد کی کچھ سی کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اس عہد کے
ضمن میں **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** کا ذکر فرمایا ہے، جن میں صرف نسط حضرت عاقم انبیین

صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ جب ہم نے پختہ عہد لیا، **عَلَمًا** انبیاء علیہم السلام
وَعِيْدًا اور خاص طور پر آپ سے۔ **وَمِثَاقٍ فَوْجٍ قَرَابَةٍ** اور جو
قَرَابَةٍ آہستہ آہستہ اور روح، اور ایمان، ہوسنی اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام
سے **قَرَابَةٍ** **وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَ عِيسٰى** اور ہم نے ان سب
سے پختہ اور مشہور عہد لیا۔

قرآن پاک میں کوئی ایک عہد بیان کا ذکر آیا ہے۔ ایک عہد اللہ سے
جس کا ذکر سورۃ الاعراف میں آیا ہے۔ یہ عہد عالم ابدان میں تمام نبی فرج انسان
سے لیا گیا تھا۔ کتب میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانی وجودوں کو حضرت آدم علیہ السلام
کی پشت سے نکالا اور انہیں دکھایا۔ ایک روایت میں آ ہے کہ لعین دوس

بڑی روشن اور چکدار تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے متعلق دریافت کیا، تو آپ کو بتلایا گیا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے نبی یا رسول یا نبیات ہی نبی والے لوگ ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر بھی آتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے ان کے متعلق دریافت کیا تو اللہ نے فرمایا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے آخری دور کے نبی ہیں۔ پھر دریافت کیا کہ انکی عمر کتنی ہے، کہا ساٹھ سال۔ اس پر آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میری عمر میں سے چالیس سال ان کو دے دیے جائیں تاکہ ان کی عمر سو سال ہو جائے۔ آپ کی یہ درخواست قبول کر لی گئی۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ جب اس میں سے چالیس سال باقی رہ گئے تو اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا۔ آپ نے کہا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔ فرمایا گیا کہ یہ عمر تو تم نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو دیدی تھی۔ مگر آپ وہ بات بھول چکے تھے لہذا انکار کیا جس طرح آدم علیہ السلام بھولے تھے اسی طرح آپ کی اولاد بھی بولتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے معاملات کو تحریر کرنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ بعد میں کوئی انکار نہ کر سکے۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ہوا تھا۔ جب آپ کو زمین پر اتار دیا گیا تو عرفات کے قریب داؤد نبی نوحان میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کی ساری روحوں کو نکالا، یہ روحوں چوڑیوں کی مانند بالکل چھوٹی چھوٹی تھیں۔ بعض دوسری اہل بیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر اہل ایمان کی روحوں کو برآمد کیا اور پھر بائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر کفار و مشرکین کی روحوں کو نکالا۔ بہر حال یہ عہد الہی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی تمام روحوں کو مخاطب

کر کے فرمایا تھا اَللّٰهُمَّ قَاتِلْ كَلِمَةَ الْاَضْلٰوٰتِ (۱۷۰) کیا میں تمہارا پروردگار۔
 نہیں ہوں؟ تو سب بھڑوں نے جواب دیا کہ بیشک تو ہی تمہارا رب ہے۔
 اس جملہ کے علاوہ بعض دوسرے جملہ و جملوں نے ذہنی قرآن پاک میں آتے
 شدہ اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اَللّٰهُمَّ قَاتِلْ اٰیٰتَہٗ وَاٰلَہٗمُ الدِّیْنِ
 اِیْحٰکُمَا رَبِّیْ اِسْرٰئِیْلَ ۱۲۳ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور اللہ کے
 ساتھ احسان کرنا۔ مگر وہ اس عہد پر قائم نہ رہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل سے یہ
 عہد بھی لیا تھا کہ تم اللہ کی کتاب اور اس فرمان کو لکھیں اَللّٰهُمَّ
 وَلَا تَسْخَسُوْا بَیْنَنَا وَبَیْنَہُمْ ۱۲۴ اور ان کے سامنے ظالم نہ رہو گے اور پیچھا
 گئے نہیں سکتے بنی اسرائیل اس عہد پر بھی قائم نہ رہے۔ اور حق بات کو چھپاتے تھے
 جس وجہ کو ذکر آیت نہ پڑ دوسری میں پورا ہے یہ بیشک القہینین کہلاتے تھے۔
 جو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام اور خاص طور پر مذکورہ پانچ کو لو العزیز انبیاء
 سے لیا تھا۔ اس عہد کی تفصیل سورۃ آل عمران میں مذکور ہے۔ اللہ نے تم کو
 انبیاء علیہم السلام کو مقرر کیا کہ جب میں نے تمہیں کتاب اور وحی عطا فرمائی
 پیچھے سے پاس وہ رسول آجائے جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو جو تم سے
 پاس ہے کہ اَتُوْا مِسْجِدَیْہٖمْ وَلَا تَنصُرُوْا کُفْرَہُمْ (آیت - ۸۱) تو اس پر ایمان
 لانا اور اس کی مدد کرنا۔ طلب یہ کہ اگر یہ بلائی جھٹھتے ہیں کا دُور پانے تو اس پر ایمان
 لائے اور اس کی تائید کرے۔ اور مجھ ہی طور پر سائے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ وہ حضور
 علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائیں گے اور ان کی نصرت کریں گے۔
 اس عہد کے متعلق مختلف اقوال ہیں کہ یہ کب لیا گیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ عہد اللہ
 کی طرح یہ عہد بھی اس مادی جہان میں آنے سے پہلے لیا گیا تھا۔ البتہ بعض دوسرے
 مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ عہد اللہ نے برنجی سے اس کی دنیا میں بہشت کے بعد

لیا تھا کہ اگر تمہارے زمانے میں دوسرا نبی آجائے یا نبی آخر الزمان آجائیں تو ان کی تائید و نصرت کرنا۔

شیخ ابن عمرؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ محمد خدا تعالیٰ کی توحید پر کار بند ہونے ، ادا لے رسالت اور لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینے کا تھا اور نچتہ عہد لیا تھا کہ تم اس فریضہ کو پورے طریقے سے ادا کرو گے ، اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرو گے۔

حضور علیہ السلام
کی خصوصیت

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تو تم ام انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے مگر اس آیت کریمہ میں آپ کا ذکر باقی انبیاء سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ امام ترمذیؒ نے ایک روایت بیان کی ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی تو آپ نے فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا و آدم بین الروح والجسد جس وقت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح بھی داخل نہیں ہوئی تھی اور حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں تخلیق میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب انبیاء کے بعد ہوں مطلب یہ کہ آپ کی تخلیق عالم ارواح میں بھی سب سے پہلے عمل میں آئی۔ اسی لیے اکثر بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس جہاں میں نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذریعے اللہ نے باقی انبیاء کی ارواح کی بھی تربیت فرمائی اور اس طرح آپ کو اس عالم میں بھی شرف اور مرتبہ حاصل ہوا۔

امام ابن عمرؓ اور بعض دیگر محققین فرماتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق کا باعث بھی حضور علیہ السلام کا وجود مبارک ہے اور سب سے مقدم ذریعہ فیضان بھی آپ

۱۔ تفسیر الشیخ الاکبر ص ۱۴۱ ۲۔ ترمذی ص ۵۱۹

۳۔ طبری ص ۱۲۵ و ابن کثیر ص ۲۶۹ و معالم التنزیل ص ۱۶۲ و درمنثور ص ۱۸۴

۴۔ تفسیر الشیخ الاکبر ص ۱۴۱ (فیاض)

ہی کہ ذات ہے۔ عالم ارواح میں ہی اللہ نے آپ کی رکن کو سب سے پہلے پیدا کیا اور
اس کے ذریعے دوسرے ارواح کو خلق بھی کیا۔ ہم تکبیر عمود چنان کے سلسلے میں آپ کا
ذکر ضرور اس لیے مقرر رکھا گیا ہے کہ عالم ارواح میں ہی آپ کی تخلیق سب سے پہلے
ہوئی تھی۔

یہاں یہ امر بھی وضاحت کے قابل ہے کہ اس آیت کریمہ میں جن اپنی انبیاء
علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے وہ بلند مرتبت اور عظیم الشان انبیاء کلائے ہیں۔ اگرچہ
النبییین میں تو سب سے کئے سائے نبی شامل ہیں مگر یہ پانچ اولوالعزم انبیاء اور وہ ہیں
جن کا فیضان اور اتباع دنیا میں ہزاروں سال تک جانی رہا۔ یہی وجہ ہے کہ
اللہ نے ان کا بطور خاص تذکرہ فرمایا ہے کہ ان سے بعد لیا کہ
وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر کاربند رہیں گے۔ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف دعوت
دیں گے، خود ہی اس پر عمل پیرا رہیں گے۔ اور دوسروں کو اس پر پابند
کی توفیق دیں گے۔ اس کے علاوہ دنیا میں برائی کی بجائے تقویٰ اور خدا کی بے
امانتی کر عام کرنے کی سعی کریں گے۔

مشائخ کی
نعت

آگے اللہ نے اس نبی شاق کی فرض و نجات بھی بیان فرمائی ہے۔ لَيْسَ سَأَلَ
الْعَذِيبِ مِمَّنْ عَنِ صِدْقِهِمْ أَمَّا اللّٰهُ تَعَالَىٰ يَسْمَعُ لَوْ كُنَّا مِنْهُ سَمَاعِيْنَ
بار سے یہ سوال کرتے۔ سورۃ الاعراف میں یہ مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے۔
فَلَنْسَأَلَنَّ الَّذِي بَدَأَ رُسُلَهُمْ اَلَيْسَ لَهُمْ وَاكُنَّا لَمِنَ الْمُتَسَلِّمِيْنَ
آیت ۱۶۰ ہم اُن لوگوں سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور خود
رسولوں سے بھی سوال کریں گے کہ انبیاء اور اُن کے امتیوں نے ذکر و عہد کو کس
مدت تک پورا کیا۔ نبیوں سے سوال ہو گا کہ کیا انہوں نے تبلیغ حق کی ذمہ داری پوری
کی اور امتیوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا انہوں نے نبیوں کی دعوت کو قبول کیا یا
سنیں؟ انہی سے اس قسم کے سوال کو ذکر مجید الروایع کے واقعہ میں بھی آیا ہے۔
پچ کا فطری ارشاد و فریضے کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضرین سے فرمایا تھا

کہ لوگو! اکل قیامت کے دن میرے بارے میں تم سے سوال ہوگا تو کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا۔ تَشْهَدُ اَنْتَ كَقَدْ اَدَيْتَ الْاَمَانَةَ وَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَ نَصَحْتَ الْاُمَّةَ ہم اللہ کے حضور گواہی دیں گے کہ آپ نے امانت ادا کر دی، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور امت کے لیے خیر خواہی بھی کر دی۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے اپنی انگشتِ شہادت۔ آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا، حسد یا گواہ رہنا۔

بہر حال قیامت والے دن اللہ تعالیٰ سچے لوگوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے گا۔ اس بات کا ذکر سورۃ المائدہ میں بھی آتا ہے هَذَا يَوْمٌ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (آیت - ۱۱۹) اُس دن سچے لوگوں کو ان کی سچائی ضرور فائدہ دے گی۔ اور سچے لوگوں میں سرفہرست انبیاء کی جماعت ہے جنہوں نے پوری سچائی کے ساتھ دین کو قبول کیا، اُس پر عمل کیا اور اس کی اشاعت و بقا کا بندوبست کیا۔ اس کے بعد جن لوگوں نے دینِ حق کو مانا اور اس پر عمل پیرا ہوئے وہ بھی سچوں میں شمار ہوں گے، اور قیامت کے دن ان کی سچائی کے متعلق سوال ہوگا۔ اور وہ اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے۔ ان کے برخلاف جنہوں نے دینِ توحید کو تیسیم نہ کیا اور کفر، شرک اور معصیت کا ارتکاب کرتے رہے، فرمایا وَ اَعَدَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب بھی تیار کیا ہو اسے جس کا وہ شکار ہوں گے، حقیقت میں ایسے لوگوں نے اُس عہد کا پاس نہ کیا جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ وہ انبیاء کے لائے ہوئے دین کو قبول کریں گے اور ان کی تائید و نصرت کریں گے ایسے لوگوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی اور ان کے لائے ہوئے دین کو ٹھکرا دیا اور بالآخر دردناک عذاب میں پھنس گئے۔

اتلما آوی ۲۱

الاحزاب ۲۲

رِس پَر د

آیت ۱۲۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
 إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا
 وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا
 تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ⑨ إِذْ جَاءَ وَلَكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ
 وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ
 وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ
 بِاللَّهِ الظَّنُونَا ⑩ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ
 وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ⑪ وَإِذْ يَقُولُ
 الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ
 مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ⑫

ترجمہ :- اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی اسی نعمت
 کو جو اُس نے تم پر کی جب کہ تم پر حملہ آور ہوئے تھے
 بہت سے لشکر۔ پس ہم نے بھیجی ان پر تند ہوا، اور
 اپنا لشکر جس کو تم نے نہیں دیکھا۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ
 تم کاہر کرتے ہو دیکھنے والا ہے ⑨ جب چہلوئے
 وہ تم پر اوپر کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے ۔
 اور جس وقت آنکھیں چھڑا گئیں نصیب ہ اور دل اُپھیل

کہ گلوں تک آئے تھے، اور تم گمان کہتے تھے طرح طرح کے گمان (۱۰) اُس وقت آزمائے گئے مومن اور وہ سخت منتزلزل کئے گئے (۱) اور جب کہتے تھے

منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ اور اُس کے رسول نے مگر دھوکہ (۱۲)

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُس ميثاق النبیین کا ذکر فرمایا، جو

رابطہ آیات

اُس نے اپنے انبیاء سے عالم ارواح میں لیا تھا۔ ان میں سے پانچ اولوالعزم انبیاء کا ذکر اللہ نے خاص طور پر کیا۔ ان سب سے یہ پکا عہد لیا گیا تھا کہ اگر پہلا نبی پکھلے نبی کا زمانہ پائے تو اُس پر ایمان لائے اور اس کی تائید کرے۔ اور مجموعی طور پر تمام انبیاء کا پختہ عہد یہ تھا کہ وہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور ان کی نصرت کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جب انبیاء نے یہ عہد لیا تو ہر امتی پر بھی یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ آخری نبی پر ایمان لائے اور اُس کی تائید و نصرت کرے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم نے یہ عہد اس لیے لیا تھا تاکہ سچے لوگوں کی سچائی اور کافروں کا کفر واضح ہو جائے اور پھر سچے لوگوں کو ان کی سچائی کا بدلہ جنت کی صورت میں دیا جائے اور کافروں کو دردناک عذاب کا مزہ چکھایا جائے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنگ احزاب کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے انہیں اپنی نصرت کی یاد دہانی کرائی ہے جو اُس نے اس موقع پر مسلمانوں پر کی اور جس کی بدولت مسلمانوں کو کفار کے غلبے سے محفوظ رکھا۔ ان آیات کا گذشتہ آیات کے ساتھ ربط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس سچائی، خلوص اور دین داری کو جانچنے کا اشارہ گذشتہ آیات میں کیا تھا، جنگ احزاب کے موقع پر اُس کا امتحان ہو رہا تھا کہ کون دین حق کے ساتھ مخلص اور نبی کا سچا و فادہ رہے اور کون منافق اور کافر ہے۔

جنگ اترالیٹ ایٹک فونڈیشن میں لڑی گئی، اس سے پہلے کہ جنگ بدر اور اصرہ میں مسلمانوں کو مغلوب کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد وہی بن بصرہ جی تھی، اسلام تقویت پزیر ہوا تھا اور یہی چیز کافروں کے لیے کینہ کا منبع بنی ہوئی تھی اور وہ مسلمانوں پر کامیابی ضرب لگانے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ اس دوران جزیرہ سرکے بیس سرورڈر میں قریش کے پاس حاضر ہونے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اپنی ذکاوتیں دکھانے کے بعد پرتغیہ کا وفد بڑھایا گیا اور قریش کی طرف انہیں بھی آکارہ جنگ کیا۔ پھر انہوں نے عرب کے بعض بزرگ قبائل کو بھی ساتھ لایا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ سکھائی تیار کر لیا۔ قریش کو پہلے ہی کسی ایسے وفد کی تلاش میں تھے، وہ فوراً جنگ پر آکارہ ہو گئے۔ پروگرام کے مطابق یہ سارے قابل مہینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور چند دن میں مہینہ کے قریب دس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔ یہ آنا بڑا لشکر تھا کہ مہینے کی کل آبادی سے بھی زیادہ تھا۔

اصرہ مہینے کی قیادت بھی بیدار خرمی اور ان کی اٹھیاں ہمیشہ حالات کی پیش پر رہتی تھیں۔ جوڑی کھڑکایا لشکر مہینے کے قریب آیا پھر انہوں نے اس کی اطلاع مہینہ میں کر دی، اطلاع پاتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مانی کن کہ مجلس شریعتی منعقد کی اور دعائی منسوب پر صلوات و شہادہ شروع کر دیا۔ غرور و غم کے بعد حضرت سلمان فارسی کی تجویز منظور کر لی گئی کہ مہینہ کے گرد مناسب مقامات پر خندق کھود کر دشمن کو شہر میں داخلے سے روکا جائے، اس منصوبے پر فوراً عمل شروع ہو گیا، حضور علیہ السلام نے اس دن آدمیوں کو پائیس پائیس گز کا ٹکڑا کھسکھسکے کہ منکر دیخنا پچھ سارے تین سلاہمی یہ خندق چھ دن میں مکمل کر لی گئی۔

خندق کی کھدائی کے دوران بھی بہت سے واقعات پیش آئے اور حضور

علیہ السلام کے بعض معجزات بھی ظاہر ہوئے۔ فاقہ کی حالت میں لوگ پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودتے ہے۔ اتنے میں دشمن بھی خندق تک پہنچ گیا۔ اور مسلمانوں کا یہ دفاعی منصوبہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اس خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کسی نے کوشش کی تو جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ یہ محاصرہ پچیس دن یا ایک ماہ تک جاری رہا۔ مگر کفار اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد دو طریقوں سے کی۔ ایک تو ان کی امداد کے لیے فرشتوں کا لشکر بھیج دیا اور دوسرا سخت ہوا بھیجی۔ جس سے کافروں کے خیمے اکھڑ گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں، اونٹ بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح وہ محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ فرشتوں کا لشکر اللہ نے میدان بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ فرشتے براہ راست جنگ تو نہیں لڑتے مگر اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دل مضبوط کر دیتا ہے۔ پھر جس شخص کو اعتماد ہو کہ اُس کے ساتھ فرشتوں کی جماعت موجود ہے۔ اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان پیدا ہو جائے گا۔ بہر حال کافروں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور مسلمان اُن کے شر سے مامون رہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی انعام کا تذکرہ فرمایا ہے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ آتَاكُمْ اللَّهُ الْفَتْحَ بَدْرَ
اللَّهِ تَعَالَى كَيْ تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ
 اور پھر طرف سے دشمن کے لشکر چڑھ آئے تھے۔ فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا
 پس ہم نے اُن پر ایک تیز ہوا بھیجی جس نے اُن کے سارے نظام کو درہم برہم
 کر دیا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اَهْلَكَتْ عَادٌ بِالذَّبُورِ وَ
 نَصْرَتْ بِالصَّبَاحِ یعنی اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو مغرب کی طرف سے

الغاث الہیہ
 کا تذکرہ

نور ہوا بیچ کر بیکر کیا، اور میری، اور مشرق کی طرف سے چلنے والی ہوائ کے ساتھ
 کی یہ ہوائ نہایت ٹھنڈی تھی۔ عمار اور اُسے بروہشت نہ کر سکے۔ فرمایا اے ایمان والو
 میں نے تم پر دو سزا نعام یہ فرمایا: وَجَبُّوْا ذَاکُمْ فَرَّقُوْا بَیْنَکُمْ وَبَیْنَہُمْ
 شَرًّا یَّجِیۡے تو نہیں دیکھ پاتے تھے۔ فرشتوں نے تمہارے دلوں کو مضبوط کر دیا جس
 کی وجہ سے تم دشمن کے خوف سے دل برداشتہ نہ ہوئے اور اگر تمہارے تیز
 اور ٹھنڈی مشرقی ہوا بیچ کر عمار اوروں کو جگانے پر مجبور کر دیا۔ وَصَلَّٰتِ اللّٰہِ
 بِمَا تَعْمَلُوْنَ اَبْکَسٰۤیۡنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو دیکھنے
 والا ہے۔

پھر فرمایا اُس وقت کہ اگر کوئی برا ذکر جائے اور تم میں سے کوئی کلمہ
 برباد دشمن تم پر اور پرکے جانب سے پڑھ لے تو میں اُسے لکھتا ہوں
 اور غیبی جانب سے بھی۔ یہ مذکورہ مشرقی جانب۔ اور یہی جگہ ہے جہاں غول ہیں۔
 جب کہ مغربی سمت نیچا ہے۔ دشمن دروں طرف سے لو آؤ، ہونے لگے۔
 متعارف عمر تین۔ پچھلے اور بڑے شہر میں تھے جن کی حفاظت کا کوئی بندوبست
 نہیں تھا کیونکہ سالہ مجاہدین دشمن کے مقابلے میں خونِ تہ کے اس پار ہوجاتے تھے
 ان حالات میں اِس وقت کروسیان میں اُوْرُوْکِ اِذْ رَاَعَتِہِ الْاَبْکَسٰۤیۡنَ
 جب کہ خوف اور دہشت کی وجہ سے تھاری آئینیں پھٹا گئی تھیں وَتَلَعَتِ
 الْعَسُوْبُ الْحَمٰتِۢ بِحِیۡرِ الدَّوْلِ اَیۡتِلُّ لِرُکُوۡنِہِمْ اَبْکَسٰۤیۡنَ اِس
 موقع پر حضرت ابو سعید خدریؓ نے عرض کیا، حضور! ہمیں کرنی ورد تائیں جس کے
 پڑھنے سے سونان حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو اللّٰہُمَّ اَسْأَلُ
 عَوْدَ اَیۡتِہِ الْاَبْکَسٰۤیۡنَ وَوَعَالَتِہِمْ اَبْکَسٰۤیۡنَ اِسْأَلُ سِرِّہِہِمْ لَیۡ یُہۡدُوۡنِیۡ
 فرما اور جاسے خوف کراس میں تبدیل کر دے۔ بخیر وہ اللہ کے برحق پر عملی جانب دشمن

نے بیٹ کر حملہ کر دیا تو مسلمانوں نے یہ دعا پڑھی تھی حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ یعنی ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

فرمایا، اس وقت تمہاری حالت یہ تھی وَكَتُفُونَا بِاللَّهِ الظُّنُونَا اور تم طرح طرح کے گمان کر رہے تھے، خاص طور پر منافقین اور کمزور دل لوگوں کے دلوں میں بہت سے دوسرے آہے تھے کہ پتہ نہیں اب کیا ہوگا۔ کیا مسلمان بالکل ہی ختم ہو جائیں گے؟ مصیبت کے وقت خوف پیدا ہو جانا طبعی امر ہے اور یہ کمال کے منافق ہیں۔ سامنے دشمن کا لشکر جبار نظر آ رہا تھا، مسلمانوں کی تعداد بھی بالکل قلیل تھی اور سامانِ حرب بھی تھوڑا تھا۔ اور ادھر عورتیں اور بچے غیر محفوظ نظر آتے تھے۔ ان حالات میں خوف دہرا اور وساوس کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔

فرمایا هَذَاكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ اس وقت مومنوں کو آزما گیا کہ اس قدر مشکل وقت میں یہ کس حد تک ثابت قدم رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی گھبراہٹ کو سکون میں تبدیل کر دیا۔ اس کے برخلاف منافقوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ فرمایا وَزُلْزِلُوا زُلْزَالًا شَدِيدًا اور مومن اچھی طرح متزلزل کیے گئے مگر وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہے جس کی وجہ سے کفار کو شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔

فرمایا اس وقت کو بھی یاد کرو وَإِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ جب کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں دگ تھا کہہ رہے تھے مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا کہ ہم سے نہیں وعدہ کیا اللہ اور اس کے رسول نے مگر دھوکے کا۔ غزوہ احد کے موقع پر جب دشمن دوبارہ حملہ نہ کر سکا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ آئندہ ہم کامیاب ہوں گے، اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے منافق کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ خندق کھودتے

منافقوں
کی جگہ اس

وقت حضور علیہ السلام نے بعض چیشین گزیاں بھی فرمائی تھیں کہ انشاء اللہ ایران کو
 روم پر مسلمانوں کو بغیر عطا کرے گا۔ خندق کی کھدائی کو ایران حضور نے ایک کھنٹ پٹان
 پر کھول کر فرمایا، انشاء اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنیاں دی گئی ہیں۔ میں اس وقت
 وہاں کے شرف مہلات کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی تو
 پٹان کا ایک ٹکڑا اعلیٰ مدہ ہوا۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ اکبر! مجھے فارس دی گیا ہے
 والہ انشاء اللہ! اس وقت میں ہارن کا سفید عمل دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے تیسری ضرب
 لگوائی اور فرمایا انشاء اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنیاں دی گئی ہیں۔ میں اس وقت صنعاء
 کے پناہ تک دیکھ رہا ہوں۔ اس قسم کی پیشین گزیاں بھی منافقوں کو یاد آ رہی
 تھیں۔ کہنے لگے آپ روم اور ایران کی باتیں کر رہے ہیں اور ادھر جہاد
 حالت یہ ہے کہ ہر بول و برز کے لیے ہی باہر نہیں نکل سکتے۔ اسی بات
 کے تعلق انشاء اللہ نے فرمایا کہ منافق کہتے تھے کہ انشاء اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے
 جھوٹا وعدہ کیا ہے کہ فوج مسلمانوں کو معاملہ برمی، حالانکہ ہم تو شدید ترین خطرات
 میں گھسے ہوئے ہیں۔ بہ حال اس کہ اگر عین منافقین کی شدید مذمت بیان کی
 گئی ہے اور ایمان والوں کو تسلی دی گئی ہے اور ان کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ کہ
 وہ ایسے کسبن وقت میں ثابت قدم ہے۔

وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا هَلْ يَأْتِيهِمْ
 لَأَ مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ
 مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْدَةٌ
 وَمَا هِيَ بِعَوْدَةٍ إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ⑬
 وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ
 سَبَّحُوا الْفِتْنَةَ لَأَتَوْهَا وَمَا تَدْبَثُوا بِهَا
 إِلَّا بَيْبَاتًا ⑭ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا اللَّهَ
 مِنْ قَبْلُ لَا يُولُوعْنَ الْأَدْبَارَ لَوْ كَانَ عَهْدُ
 اللَّهِ مَسْئُورًا ⑮ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ
 إِن فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا لَا
 تُمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ⑯ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي
 يَعْصِيكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا
 أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مَنْ
 دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ⑰ قَدْ يَعْلَمُ
 اللَّهُ الْمُعْوِقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ

لَاخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبِاسَ
 إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٨﴾ أَشْحَهَ عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ
 الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ
 أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ
 الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ
 بِالنِّسَةِ جَدِيدٍ أَشْحَهَ عَلَى الْخَيْرِ ۗ أُولَٰئِكَ
 لَمْ يُؤْمِنُوا فَاحْبِطْ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ
 ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ
 لَمْ يَدْهَبُوا ۗ وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ
 أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ
 عَنِ الْأَنْبَاءِ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا
 قَتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾

ترجمہ :- اور اس بات کو رہاں میں لاؤ، حسب
 کہا ایک گروہ نے ان دشمنوں میں سے لے کر
 کے سنے والو! یہ تمہارے اندر کی جگہ نہیں ہے۔
 پس لوٹ جاؤ اور اپنے گھروں کو اور اہانت
 طلب کرتا ہے ایسے گروہ ان میرے سے ہی میرے اندر
 سے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے اور غیر محفوظ ہو جاؤ
 وہ غیر محفوظ نہیں ہیں۔ نہیں جانتے یہ ستر جاؤ۔

اور اگر شہر میں اس کے اطراف سے کوئی فوج داخل کر دی جائے، پھر ان لوگوں سے فتنے برپا کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو فوراً اس میں شامل ہو جائیں گے۔ اور نہ ٹھہریں گے اس کے بارے میں مگر بہت تھوڑا (۱۷) اور البتہ تحقیق انہوں نے معاہدہ کیا تھا اللہ سے اس سے پہلے کہ پشت نہیں پھیریں گے۔ اور اللہ کے عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا (۱۵) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، ہرگز نہیں فائدہ دے گا تم کو بھگانا اگر تم بھگانا چاہو گے موت سے یا قتل کیے جانے سے۔ اور اس وقت تم کو فائدہ نہیں دیا جائے گا مگر بہت تھوڑا (۱۶) آپ کہہ دیجئے کہن ہے جو بھانا ہے تمہیں اللہ سے اگر ارادہ کرے وہ تمہارے ساتھ برائی کا یا ارادہ کرے تمہارے ساتھ نہرانی کا۔ اور نہ پائیں گے وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حاکم اور نہ مددگار (۱۷) تحقیق جانتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو روکتے ہیں تم میں سے اور ان کہنے والوں کو بھی جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف پلے آؤ۔ اور وہ نہیں جلتے لڑائی میں مگر بہت تھوڑا (۱۸) وہ بخیل ہیں تمہارے اوپر۔ جب آجائے خوف تو دیکھے گا ان کو کہ وہ ہکتے ہیں۔ آپ کی طرف گھومتی ہیں ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح جس پر غشی طاری ہوتی ہے موت کی وجہ سے۔ پس جب خوف چلا جاتا ہے تو پھر وہ کاٹتے ہیں تمہیں تیز زبانوں سے۔ جریں ہیں وہ مال کے۔ یہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لانے

پس اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ہے۔ اور
 یہ بات اللہ پر آسان ہے (۱۹) گمان کرتے ہیں یہ
 فرجوں کے بارے میں کہ وہ نہیں واپس ہوں۔ اور
 اگر آئیں کوئی اور نہیں تو یہ پسند کرتے ہیں کہش
 کہ یہ دیات میں ہی ہوتے اور پوچھتے تعاقب نہیں
 کے ہتھے میں۔ اور اگر یہ لوگ تمھارے درمیان ہوتے
 تو نہ لڑتے مگر بہت انتوڑا (۲۰)

باجل آیت

گذشتہ آیات میں جنگِ احزاب کا ذکر ہوا تھا جس میں قتل و قہاؤ کے
 باوجود مسلمان دشمن کے شہسے محفوظ رہے اور کفار اور اوروں کوٹ گئے۔ اس
 سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی تکی کے لیے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا۔
 نیز مشرق سے تند قزیز ہوا چلا کر دشمنوں کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ مدینہ میں
 داخل ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا، پیستے تھے مگر اللہ نے انہیں ذلیل
 بنا کر اور غائب و خاسر بنا دیا۔ اللہ نے اہل ایمان کو یہ نعمت اور لائی اور اللہ
 کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اور دوسری طرف منافقوں کی مذمت بیان کی۔ آج
 کی آیت بھی اسی سلسلہ کی کٹوتی ہیں۔

مسلمانوں نے فتنے کی حالت میں عنتِ مستقیم برداشت کر کے
 سائے میں میل لپی غنیمت کھودی اور اس طرح مدینے کے ارد گرد دفاعی حصہ
 قائم کر لیا۔ آئے ہی قرینہ کا حال بھی بیان ہو رہا ہے کہ عجز و احزاب کے بعد
 اللہ بھی سٹھ بیٹھ بولی اور اللہ نے ان دشمنوں کا بھی خاتمہ کر دیا۔ حضرت سعد بن
 معاذ نے زرہ پہنی مگر وہ اتنی چھوٹی تھی کہ آپ کے بازو باہر نکلتے ہوئے تھے
 اس پر جویش میں آکر انہوں نے کہا تھا۔

۵ لَيْتَ قَلِيلًا مَّجْدِرُكَ الْهَيْجَا الْجَلُّ لَا بَأْسَ بِالسُّوْتِ إِذَا حَانَ الْأَحْبَلُ

کاش کہ تھوڑا سا موقع مل جائے جس میں میرا اونٹ میدان جنگ پہنچ جائے، اور پھر اگر موت بھی آجائے تو کچھ پروا نہیں۔ ظاہر ہے کہ موت تو ہر صورت آنی ہے اور اگر یہ اسلام کے دفاع میں آجائے تو اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے۔ اس موقع پر حضرت سعدؓ کی والدہ نے آپ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! تاخیر نہ کر و بیکہ جلدی کر و اور اللہ کے رسول جہاں بھی ہوں ان کے پاس فرزند بھیج جائے۔ مسلمانوں میں تو اس قدر جوش و جذبہ پایا جاتا تھا مگر منافقوں کا حال یہ تھا کہ وہ بد دل ہو رہے تھے اور جیسا کہ گذشتہ درس میں گزر چکا ہے، کہنے لگے کہ اس جنگ سے پہلے اللہ کے نبی نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ آئندہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہی کامیاب و کامران کرے گا۔ پھر جب شہر کا پوری طرح محاصرہ ہو گیا تو وہ مجاہدین کی حوصلہ شکنی کرنے لگے۔ وَأَذَقَلْتُمْ طَائِفَةً مِّنْهُمْ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مَقَامَ لَكُمْ اے یثرب کے رہنے والو! یہاں دشمن کے مقابلے میں مورچہ بند ہو کر رہنا تمہارے لیے کوئی ہمواروں ٹھکانا نہیں ہے۔ یہاں تو زنی تباہی اور بربادی ہے۔ دشمن کی کثیر تعداد اسلحہ سے لیس تمہارے مقابلے میں ہے۔ تمہاری تعداد بھی قلیل ہے، سر و سامان کا فقدان ہے حتیٰ کہ تمہاری خوراک کا بھی کوئی بندوبست نہیں اور تمہیں فلقے پر فلقے آسے ہیں۔ ان حالات میں تم دشمن کا کیسے مقابلہ کر سکو گے۔ غزوہ احد کے موقع پر بھی منافق اسی قسم کی بات کر کے مسلمانوں سے علیحدہ ہو گئے تھے کہ قریش کی کثیر تعداد کے ساتھ مقابلہ کرنا تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، لہذا ہم تمہارے ساتھ اس تباہی میں شریک نہیں ہو سکتے۔ کہنے لگے حالات اب بھی ناموافق ہیں، تم دس ہزار کے برابر لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکو گے لہذا فَارْجِعُوا اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور

منافقوں کی
طرف سے
حوصلہ شکنی

نور دینے لاقول سے اپنی بلاکت کو مٹا دے۔

یشرب مہینے کا قدر نادر ہے۔ یہ شرابِ ایشرب یا شرب نامی کسی شخص کے نام پر مشہور ہو گیا تھا شرابِ ملاہمت نامہ یا ربانی کہتے ہیں۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ شرابِ نامہ کرنا جو ایسا کسا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے استفادہ رکھے آپ نے یہ بات تین دفعوں کی۔ نیز فرمایا کہ یہ قرطابہ طیبہ یا مہینہ الرسول ہے اس پاک شراب کو شرب کے امر سے مت پنا کر کرو۔

سنا سنوں کے
جھبھنے
ہائے

بہر حال سنا سنوں کو ایک گروہ قرار دیا تھا جو نفسِ ایمان والوں کو اپنے گھروں میں واپس پلے جانے کی ترغیب دیا تھا۔ وَیَسْتَأْذِنُ فَرِحُونَ مِنْهُ الْحَبِيبِ اور ان میں سے دوسرا گروہ وہ تھا جو جھبھنے پلے بالوں سے تڑپانے سے محاذ جنگ سے واپس پلے جانے کی اجازت طلب کرتا تھا لَقَوْلِكَ إِنَّ بِيُوتِنَا عَوْرَةً جنگ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ عورۃ کا معنی بربند یا عیب ڈر ہوتا ہے۔ مصلحت کہہ جائے گھروں کی چار دیواریاں ہی نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ دشمن دشمنیں گھس گئے اور ہماری عورتوں اور بچوں کو نقصان پہنچانے لگا اور شراب فرمایا کہ یہ لوگ بچاؤ کرتے ہیں وہ بھی يَعْوِدُونَ کے گھر قطعاً غیر محفوظ نہیں بلکہ ٹھیک ٹھاک ہیں۔ حقیقت یہ ہے إِنَّ يُسَيِّدُونَ إِلَّا قَسْرًا یہ جھبھنے پلے بالوں سے راہ فرار اختیار کرنا ہے پنا فراہم نہ ہونے کیلئے فتنہ پرور ہیں وَكَوْذُ حَكَّتْ عَلَيْكُمْ مَوْتٌ أَقْطَارِهَا اگر وہ اپنے کے اطراف سے کہیں دشمن کی فتنہ شرمیں داخل ہو جائے۔ فَسَلُّوا الْفِتْنَةَ لَا تَوَكَّلْهَا پھر ان سے مسلمانوں کے خلاف فتنے کا سطل بکریا جائے تو قرآن مان جائیں گے۔ اور مسلمانوں کے خلاف دشمن کو مٹانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ فرمایا اس سلسلہ میں کوئی تاخیر نہ کریں

دشمن کی

رکھیں گے بکہ وَمَا تَلَبَّسُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا نہیں ٹھہریں گے مگر بہت کم اور دشمن کے ساتھ شریک ہو جائیں گے حالانکہ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُؤْكُونُ الْأَدْبَارَ اس سے پہلے یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عہد کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں برابر شریک رہیں گے اور پشت نہیں پھیریں گے مگر ان کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی دشمن ان سے اہل ایمان کے خلاف مدد طلب کرتا ہے تو فوراً تیار ہو جاتے ہیں، مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اس طرح عہد شکنی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ غزوہ احد کے موقع پر بھی منافقوں نے ایسی ہی خباثت کا اظہار کیا تھا مگر جب اللہ کی طرف سے سخت وعید آئی تو انہوں نے معافی مانگی۔ اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا مگر ایک لحاظ سے اپنی کا پلہ بھاری رہا کیونکہ دشمن تعاقب نہ کر سکا بلکہ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں بھگا دیا۔ اُس وقت انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ اُنہذا مسلمانوں کے ساتھ غداری نہیں کریں گے مگر غزوہ احزاب کے موقع پر انہوں نے پھر جیلوں بہانوں سے یہی کام کیا، حالانکہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ ہم پشت نہیں پھیریں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کو علم ہونا چاہیے وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُولًا اللّٰه سے کیا ہوا عہد رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ اس کے متعلق ان سے سوال ہوگا کہ تم نے عہد شکنی کیوں کی؟ اس کے برعکس اللہ کا نبی اور ایمان والے سخت تکالیف برداشت کر کے بھی دشمن کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ غزوہ خندق ہی میں سختی کا ایک دن ایسا بھی آیا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سارا دن مورچہ زن رہے حتیٰ کہ ظہر، عصر اور مغرب کی تین نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ پھر آپ نے عشاء کے وقت میں یہ نمازیں قضا کر کے پڑھیں۔ نماز عصر کی فوتیگی پر حضور علیہ السلام نے سخت افسوس کا اظہار کیا اور بڑھا فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کی قبروں کو آگ سے بھر دے کہ ان کی وجہ سے

ہمارے صلوات و تسلی ہمیں رہ گئی ہے۔ عرض فرمایا کہ اگر ان منافقوں کے سنا لوں
کے خلاف نکتہ کا مطالبہ کیا جائے تو اس کے لیے فریاد ہو جائیگا۔

بہت
مکان میں

منافقین موت کے خوف سے میدان جنگ سے جاگتے تھے محض اللہ نے
فرمایا **قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ اِنْ قَدْ زُكِرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ**
اَوْ الْقَتْلِ لَنْ يَنْفَعَكُمْ آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم طبعی موت یا قتل کے
جانے کے ڈر سے جاگتے ہو تو یہ فریبیں کچھ مفید نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی طرح
بھاگ بھی جاؤ گے **وَ اِذَا لَمْ تَمُوتُوا لَنْ اِلَّا قَلِيْلًا** تو پھر بھی تمیں بہت
کم ہی فائدہ دیا جائے گا۔ تم مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر جاگ بھی جاؤ گے، تو کوئی
خاص فائدہ نہیں اٹھاؤ گے، بیکراں مدامت اور پشالی کا سامنا کرنا پڑے گا
اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید خبر دیا کہ **اَوْ فَرَّيَا قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِيكُمْ**
مِنْ اَللّٰهِ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ کون ہے جو تمیں پکارتے
تو اللہ تعالیٰ سے **اَلَمْ اَنْزَلْ عَلَيْكُمْ سُوْرَةَ اَلْاٰرَافِ** اگر وہ تم سے بڑی کا اراوہ
کہتے **اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً** اور تمہیں مہربانی کرنا چاہے **فَرَّيَا**
تمام امتیازات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، وہ چاہے تمہیں کسی کوششت میں ڈال
دے اور چاہے تو اس پر انعام کرے، اس کے ارادے میں کوئی رکاوٹ نہیں
ہو سکتی، لہذا تمہارا موت کے خوف سے جاننا نہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا،
یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے کہ وہ کسی کے ساتھ کیا سوچ کرنا چاہتا ہے۔
فرمایا اور کفر! اللہ تعالیٰ کو خبر دے کہ تم کہاں نہیں جا سکتے **وَلَا يَجِدُ ذُنُوبَكُمْ**
سَوِيًّا ذوق اللہ **وَلَيْسَ اِلَّا وَلَا يَفِيْرُ** اور نہ ہی وہ اللہ کے سوا
کوئی مہمتی اور مددگار پائیں گے۔ اللہ کی مرضی کے خلاف ان کے حق میں
کوئی نصرت کا گھر نہیں ہو سکتا۔

فَرَّيَا قَدْ لَيْسَ لَكُمْ اَللّٰهُ الْمَعْوِفُ مِنْكُمْ اللہ تعالیٰ تم
میں سے جس سے نہ گئے والوں میں منافقوں کو خوب جانتا ہے **وَالْمُؤْمِنِيْنَ**

لَا خَوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آ جاؤ اور جنگ میں شریک نہ ہو۔ اُس زمانہ میں مخلص مسلمان اور منافق ملے جلے تھے۔ اگر ایک بھائی پکا مسلمان ہے تو دوسرا منافق ہے تو ان حالات میں منافق اپنے بھائی بندوں کو جنگ میں شرکت سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ جب کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی یا وہ شہید ہو جاتا، تو منافقوں کو غلط پراپیگنڈا کرنے کا موقع مل جاتا کہ اگر ہمارے ساتھ رہتے تو یہ تکلیف نہ پہنچتی۔ دوسری جگہ اللہ کا یہ فرمان موجود ہے کہ اگر تم مضبوط قلعوں میں بھی بند ہو جاؤ تو موت سے بچ نہیں سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ وہاں سے نکال کر اسی مقام پر تم پر موت طاری کر دے گا۔ بہر حال مسلمانوں کے ساتھ شریک جنگ ہونے سے روکنے والوں کے متعلق فرمایا وَلَا يَأْتُوكَ الْبَاسُ إِلَّا قَلِيلًا کہ وہ خود لڑائی میں کھم ہی جاتے ہیں اور اکثر جیلے بہانے سے اعتراض ہی کرتے ہیں۔

فرمایا اَشِحَّةٌ عَلَيْكُمْ وہ تم پر بڑے بخیل ہیں۔ تمہاری مدد کرنے اور مال خرچ کرنے میں اتھالی کنسی کا اظہار کرتے ہیں اور جیلے بہانے سے بچت چاہتے ہیں۔ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ پس جب خوف آئے یعنی خطرہ درپیش ہو۔

رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ تو آپ دیکھیں گے کہ یہ منافق لوگ آپ کی طرف تکتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جس طرح کسی شخص پر موت کی غشی طاری ہو۔ اُس وقت یہ لوگ بڑے حیران اور دہشت زدہ معلوم ہوتے ہیں فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ اور جب خوف زدگی دور ہو جائے سَلَقُواكُمْ بِالْحَسَنَةِ حِدَادٍ تو آپ کو تیز زبانوں سے کٹتے ہیں، طعن اور ملامت کرتے ہیں اور مسلمانوں کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔ پھر فرمایا اَشِحَّةٌ عَلَى الْخَيْرِ یہ لوگ مال کے بڑے حریص ہیں۔ جہاد میں تو شریک نہیں ہوتے مگر جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے اور مال غنیمت حاصل ہوتا ہے

منافقین کی
پیکر داری

تو یہ اور بھی معافی ہونی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ اس میں سے انہیں بھی کچھ نہ ملتا
 فَرَأَىٰ اَوْ لَيْلِكَ لَعْنَةُ الْيُجُوعِ حَقِيقَت میں ہی دو لوگ ہیں جو ایمان نہیں
 لاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے فَالْحَبِطُ الْمَلْعَةُ اَعْمَا لَهُمْ کہ اللہ نے ان کے
 اعمال کو ضائع کر دیا ہے۔ چونکہ وہ لوگ مدقِ دل سے ایمان ہی نہیں لائے۔ اس
 لیے اگر انہوں نے دکھانے کی نماندگی نہیں ہی یا باہر مہر تو کسی جگہ میں شریک
 ہوتے ہیں کہ اللہ نے ان کے لیے اچھے اعمال کو بھی ضائع کر دیا ہے اور انہیں
 ان اعمال کا کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَىٰ اللّٰهِ يَسِيْرًا
 اور ایسا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سہل آسان ہے آسان کا لفظ اس لیے بیان
 کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو دیکھی کا احوال مٹانے نہیں کرتا بلکہ وہ منفقوں کے
 اچھے اعمال کی طرف بھی توجہ کرتا ہے قرآن میں کھڑے شرک، نفاق، باہمہ، یا جانا
 ہے۔ جس کی اصلاح ممکن نہیں ہوتی۔ اِنذِ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْ كُمْ اَعْمَالُ كُمْ نِيْسَابِ
 آسانی کے ساتھ ضائع کرنے میں تم بجا نب ہوتے۔ اعمال کی مقبولیت کا دار
 ایمان یہ ہے۔ جب ایمان ہی نہیں ہے، پھر یہ ہی درست نہیں ہے توجہ اعمال
 کا کیا فائدہ ہوگا!

جہاں سے
 لفظ

فَرَأَىٰ اَوْ لَيْلِكَ لَعْنَةُ الْيُجُوعِ اَلْحَبِطُ الْمَلْعَةُ اَعْمَا لَهُمْ
 یہ لفظ ہے جو کہ یہ بیان کرتے ہیں کہ دشمن کی فوجیں ابھی واپس نہیں گئیں بلکہ سہارا
 کے بغیر صفت آئے ہیں۔ اور وہ مسلمانوں کو ضرور نقصان پہنچائیں گی وَ اَنْ
 تِيَاْتِ اَلْحَبِطُ الْمَلْعَةُ اَعْمَا لَهُمْ اَعْمَا لَهُمْ اَعْمَا لَهُمْ اَعْمَا لَهُمْ
 لَعْنَةُ الْيُجُوعِ اَعْمَا لَهُمْ اَعْمَا لَهُمْ اَعْمَا لَهُمْ اَعْمَا لَهُمْ
 دیات میں ہوتے۔ کیونکہ شر میں ہونے کی صورت میں انہیں دشمن کا نظروں سے
 ہٹا دیا اور مال و جان کے ضیاع کی فکر ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کاش کہ جو شر کی بجائے
 دیات میں ہوتے قِيْسَ لَوْنٍ عَفَىٰ اَبْيَاهُ كَعَفَىٰ اَبِيهِمْ كَعَفَىٰ اَبِيهِمْ

کے متعلق خبریں پوچھتے رہتے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے۔ وہ تو مخلص مسلمانوں کی شکست اور مالی و جانی نقصان کی خبر سننے کے منتظر رہتے۔ یہ اتنے بزدل لوگ ہیں کہ جو پہلی دشمن قریب آئے یہ خوفزدہ ہو کر تباہ کرنے لگتے ہیں کہ وہ شرک کی بجائے دیہات میں ہوتے تو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونا پڑتا۔

فرمایا منافقوں کا جنگ سے گریز ایک لحاظ سے اچھا ہے کیونکہ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ لَكُنْتُمْ أَكْثَرًا اگروہ تمہارے درمیان بھی ہوں مَآقَاتِكُمْ إِلَّا قَلِيلًا تو جنگ میں نہیں شریک ہوں گے مگر بہت محوڑا۔ مطلب یہ کہ تمہارے ساتھ ہونے کا فائدہ بھی کچھ نہیں جب انہوں نے نہ صرف خود جنگ سے اعراض کرنا ہے بلکہ اپنے بھائی بندوں کو بھی لڑائی سے علیحدہ ہونے کی ترغیب دینا ہے۔ اس لحاظ سے ایسے لوگ تمہارے درمیان رہ کر نقصان کا باعث ہی نہیں گے۔ بہتر ہے کہ یہ دور دور ہی رہیں تاکہ ان کی خباثت بھی آشکارا ہوتی ہے اور مسلمان ان کے زیادہ خبردار بھی رہیں اور پھر اپنے لیے کوئی بہتر تدبیر اختیار کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی سازشوں اور ان کی بزدلی کو ظاہر کر دیا تاکہ مخلص مسلمان ان کی سازشوں کا شکار نہ ہوں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
لِمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ
اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ
قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ
وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿٢٢﴾
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ
عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَجْبَهُ وَمِنْهُمْ
مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَلُوا تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾ لِيَجْزِيَ
اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ
إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ
كَافِرًا ﴿٢٤﴾ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ
لَمْ يَتَالُوهَا خَيْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ
الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيمًا ﴿٢٥﴾ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ
ظَاهَرُوا لَهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ
صَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ

فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ﴿٢٦﴾
 وَأَوْرَثَكُم أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ
 وَأَرْضًا لَمْ تَطَّوُّهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ
 شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢٧﴾

۱۹

ترجمہ:- البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک
 اچھا نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو امید رکھتا ہے
 اللہ تعالیٰ سے، اور قیامت کے دن کی اور اُس نے
 ذکر کیا اللہ کا کثرت سے ﴿۲۶﴾ اور جب دیکھا ایمان
 والوں نے شکروں کو تو کہنے لگے اور یہی ہے وہ چیز جس کا
 وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا ہے
 اللہ اور اس کے رسول نے، اور نہ زیادہ کیا اس بات نے
 اُن کے لیے مگر ایمان اور اطاعت کو ﴿۲۷﴾ مومنوں میں
 سے کچھ مرد ایسے ہیں جنہوں نے سچ کو دکھلایا اُس چیز
 کو جس پر انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا۔ پس بعض
 ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنا عہد پورا کیا ہے۔
 اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں
 اور نہیں تبدیل کی انہوں نے کسی قسم کی تبدیلی ﴿۲۸﴾ تاکہ
 بدلہ دے اللہ تعالیٰ سچوں کو اُن اگلی سچائی کا اور
 سزا دے اللہ تعالیٰ منافقوں کو اگر چاہے یا توبہ قبول
 کر لے ان کی۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے
 والا مہربان ہے ﴿۲۹﴾ اور لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے ان
 لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان کے غصے کے ساتھ۔ نہ

پایا جنوں نے کسی قسم کی بہتری کر اور کفایت کی انتہا
نے ایمان والوں کے لیے لڑائی سے ۔ اور اللہ تعالیٰ قرت والا
زبردست ہے (۲۵) اور "آءِ اُن لؤلؤں کو جنوں نے
مدد کی تھی کافروں کی اہل کتاب میں ۔ ان کے صدقوں
سے ۔ اور ڈال دیا اُن کے دلوں میں رعب ۔ ایک گروہ
کو ترقتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو قیدی بناتے
ہو (۲۶) اور وارث بنایا تمہیں اُن کی زمین اور گھروں اور
دلوں کا ۔ اور ایک اور زمین می کہ جس کو تم نے اجمن تک
پامال نہیں کیا ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پہ قدرت رکھنے والا
ہے (۲۷)

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فوج اعز اب کا ذکر فرمایا اور منافقین کی بہت
بیان کی جنوں نے مختلف عیالوں بہانوں سے جہاد میں شرکت سے گریز کیا ۔ جن لوگوں
نے مورچوں بہتھی کر پیار لگ بونے کی کوشش کی اللہ نے اُن کی بزدلی کا حال بھی
بیان فرمایا ۔ اللہ نے واضح فرمایا کہ اپنے لوگوں کا جہاد سے خیار اُن کے لیے کبھی ضعیف
نہیں ہوگا ۔ کیونکہ موت تو ہر حال پسند وقت پر آتی ہے ۔ خواہ وہ طبی صورت میں
آئے یا بصورت قتل ۔ آپ آج کی آیت میں اللہ کے نبی کو بطور فخر و تشریف کی جگہ
سہے اور اُن اہل ایمان کی تعریف کی گئی ہے جنوں نے نبی کی سکل اطاعت کرتے
ہوئے معرکہ خیز قیام میں ثابت قدمی دکھائی ۔

پیغمبر علی الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ حسنہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ كَانَ
لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ مِنَ الْبَرَءَاتِ حَتّٰی يَمُوتَ بِيَعْنِ اللّٰہِ
کے رسول میں بہتر یا نور سے ۔ زرا اللہ کے مقرب ترین بندے کی طرف دیکھو
کہ وہ کس طرح دنیا کے مصائب برداشت کرتے ہوئے دین حق پر استبدال دکھا
تے ہیں ۔ واقعہ فداقی ۔ ہی دیکھیں کہ اشرف علیہ السلام نے فلسفے کے باوجود بسما ۔

کے شانہ بشانہ کام کیا، بڑی بڑی چٹانوں کو توڑا، مٹی اٹھا اٹھا کر دورے جلتے رہے یہ سب کچھ آپ نے اللہ کی رضا اور دین کی تائید کے لیے کیا۔ اور یہی باقی لوگوں کے لیے نمونہ ہے۔ یہ تو جہاد کا موقف تھا وگرنہ زندگی کے ہر موڑ پر تمام نشست و برخاست حرکت و سکون، نشیب و فراز، صلح و جنگ غرضیکہ ہر معاملہ میں اللہ کے نبی امت کے لیے نمونہ ہیں لہذا جو لوگ بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشقت اٹھانے سے گریز کرتے ہیں۔ انہیں نبی کی ذات کا نمونہ دیکھنا چاہیے۔ اگر وہ اس قدر مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ تو باقی لوگ کیوں نہیں کر سکتے؟ امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ جس کام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرض یا واجب سمجھ کر کیا ہے۔ وہ امت کے لیے بھی فرض یا واجب ہوگا۔ اور جو کام آپ علیہ السلام نے بطور سنت انجام دیا ہے وہ امت کے لیے بھی سنت ہے۔ الیہ جو کام حضور علیہ السلام نے استحباب کے درجے میں کیا ہے اس میں عام مسلمانوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ کام ثواب کی خاطر کر لیں۔ اور اگر وہ کام نہیں کرتے تو کوئی مواخذہ نہیں ہے سورۃ البینہ میں اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کو بیتہ کالقب دیا ہے۔ یعنی آپ اہل ایمان اور دیگر لوگوں کے لیے ایک واضح نمونہ ہیں۔ آپ کو دیکھ کر ہر شخص اپنی چال احوال اور رنگ و رنگ اس نمونہ کے مطابق بنا سکتا ہے۔ قرآن پاک کی اساسی تعلیم اور وحی الہی کی تعمیل کا مجسم نمونہ حضور علیہ السلام کی ذات ہے۔

مگر یہ نمونہ اس شخص کے لیے ہے لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ
 اٰذِخْرَ جِوَاللّٰہِ تَعَالٰی سے اُمید رکھتا ہے اور قیامت کے دن پر بھی اُس کو یقین
 ہے کہ اُس دن جزائے عمل واقع ہوگا۔ رحب کاللفظ اضداد میں سے ہے اور یہ اُمید کا
 معنی بھی دیتا ہے اور خوف کا بھی۔ اگر اس سے خوف مراد لیا جائے تو معنی یہ ہوگا
 کہ اللہ کے نبی میں نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اور

اُسے قیامت کے دن کا بھی خوف ہے کہ وہاں سرورِ مژگانہ ہر گوجنر علیہ السلام
 اپنے ظہیر کی ابتداء میں فرما کرتے تھے اِنَّ خَيْرَ الْمَخْدُوْبِيْنَ كَيْتُبُ اللّٰهِ وَ
 خَيْرَ الْمُهْدِيْ هَدِيْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 یعنی بہترین کتاب اللہ کی کتاب ہے اور بہترین ہونہ اور سیرت حضرت محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم علیہ السلام کی ہے۔ جنہر علیہ السلام کی سیرت ایک جامع سیرت اور ہر شخص
 کے لیے کامل نمونہ ہے۔

فرمایا اللہ کے نبی کی ذات میں اُس شخص کے لیے بھی بہترین نمونہ ہے۔
 وَذَكَرَ اللّٰهُ كَثِيْرًا جِزَاءَ اللّٰهِ تَعَالٰى كَالْكَرْمٰتِ مِنْ ذِكْرِ كَرِيْمٍ اے اللہ کو
 بکثرت یاد کرنے والے شخص کے دل میں پاکیزگی اور روحانیت آتی اور ایسے
 شخص کو فادہ نسیب ہوگی۔ بظلمات اس کے من لوگوں کے دلوں میں اتفاق
 ہے۔ اللہ تعالیٰ کو دلجمعی سے یاد نہیں کرتے یا کفر و شرک کا راستہ اختیار کرتے
 ہیں۔ اُن کے لیے حضور علیہ السلام کی ذات میں کوئی نمونہ نہیں ہے۔

ایمان اور
 اطاعت
 میں نمونہ

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے صحیح ایمان لوگوں کی تعریف کی ہے۔ ارشاد ہوا
 اِنَّ سَآءَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
 سے کہ ذروں کے ٹکڑے کثیر تعداد میں آتے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
 اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَكْبَرُ اَكْبَرُ اَكْبَرُ اَكْبَرُ اَكْبَرُ اَكْبَرُ اَكْبَرُ اَكْبَرُ اَكْبَرُ اَكْبَرُ اَكْبَرُ اَكْبَرُ اَكْبَرُ
 نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ
 کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔ یہ اُس پیش گوئی کی طرف اشارہ ہے جس میں
 اللہ کے رسول نے ایمان والوں کو بتلایا تھا کہ چند دن بعد دشمن کثیر تعداد میں ہلاک
 ہوں گے۔ حافظ ابن ماجہ سے نقل ہے کہ یہ اہل عرب میں ہزار فرسخ کے دور
 ہوئے تھے۔ اجماع صحیحین نے یہ ایک اعزاب میں کفار کی تعداد دس ہزار

بتائی ہے جس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کے پاس صرف تین ہزار آدمی تھے جو دفاع کرنے کے قابل تھے۔ باقی عورتیں، بچے اور بوڑھے تھے جو دفاع میں حصہ لینے کے قابل نہیں تھے۔ بہر حال فرمایا کہ اہل ایمان نے کفار کے لشکر کو دیکھ کر کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچا ثابت ہوا ہے۔ اور کفار کے حملہ سے خوفزدہ ہونے کی بجائے وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ان کی آمد نے سچے مسلمانوں کے ایمان اور اطاعت میں اضافہ ہی کیا اہل ایمان کو اللہ اور اس نے رسول کے وعدے پر کامل یقین تھا، لہذا انہوں نے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ كَفَرُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ يَوْمَئِذٍ بعض وہ ہیں کہ جس بات کا انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا۔ عہد یہ تھا کہ آخر وہ تمک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے۔ فرمایا فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی نذر پوری کر لی ہے یعنی شہادت کا درجہ پالیا ہے مثلاً غزوہ اہد کے موقع پر حضرت انس بن نضر کا واقعہ ہے کہ وہ میدان جنگ کی طرف جا رہے تھے، کسی نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے، اُحد پہاڑ کے اُس طرف مجھے جنت کی خوشبو آرہی ہے، میں اُدھر جا رہا ہوں۔ میدان جنگ میں پہنچ کر دشمن کا خوب مقابلہ کیا۔ آپ کے جسم پر اتنے زخم آئے کہ شناخت نہیں ہو رہی تھی۔ آخر کار انگلیوں سے ان کی شناخت ہوئی۔ اس طرح انہوں نے جام شہادت پی کر اپنے عہد کو پورا کیا۔ نَحْبِهِ کا معنی عہد و پیمانہ اور نذر ہونا ہے۔ اور مراد اس سے زندگی بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں سے بعض مومن وہ ہیں جنہوں نے

ایمان
عہد

۱۔ منظری ص ۲۴۲ ج ۷
۲۔ ابن کثیر ص ۴۷۵ ج ۳
۳۔ احکام القرآن للجصاص ص ۲۵۶ ج ۲ (فیاض)

راہِ حق میں زندگی کی بڑی لگاؤی اور اس طرح اللہ سے کیا بڑا وعدہ پورا کر دکھایا
 فرمایا ان میں سے بعض ترورہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی وہ مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ
مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ اور ان میں سے بعض بھی منتظر ہیں کہ انہیں اپنی نذر پوری کرنے میں
 جاہد شہادت ترش کرنے کا لقب عرق ہوتا ہے حضرت ابو دجا زنا کے متعلق آیا
 ہے کہ جبکہ احد میں ان کے جوہر پر تیرہ تھوڑے کے جوہر تھے رجم آنے حضور علیہ السلام
 گڑھے میں گر گئے تھے۔ دشمن نے جوہر کر دیا تھا اور ابو دجا نے حضور علیہ السلام
 کو پھانسی کے پیلے اپنی پشت کو زخاں کے طور پر استعمال کیا تھا۔ ان کے سینے
 ہاتھ سے لڑتے لڑتے تین تھوڑے لڑے تھیں۔ اس طرح حضرت طلحہ نے حضور کو
 معافیت کے لیے اپنا ہاتھ آگے کر دیا تھا۔ اس پر بیروں کے ستارہ رجم آنے
 کو ہاتھ بائیں شل ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ طلحہ کے اس ہاتھ پر
 دوزخ کی آگ لازم ہے اور طلحہ نے سینے کے لیے جنت کو واجب قرار دیا۔ یہاں
 آپ نے اس کے بعد بھی ایسی زندگی پائی اور باوجود جنگ جمل میں شہید ہونے
 حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ
فَقَضَىٰ عُقُوبَتَهُ جنہوں نے اپنی زندگی کا دور نہایت جہالت اور باہری کے ساتھ
 پورا کیا۔ فرشتے تھے یہ زندہ شہید ہیں جزا میں پہل سب سے ہیں۔

فرمایا بعض اپنی نذر کے پوری ہونے کے منتظر ہیں وہ مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ
تَبَيُّنًا اور انہوں نے عمدہ رجحان رکھی کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ انہوں نے اس کے
 رسول سے جو بھی حکم کیا اس کو پورا کر لیا ہے۔ يُطِيعُونَ أَمْرَ اللَّهِ وَالرَّسُولِ
وَيُحِبُّونَ قَوْمَهُ اگر اللہ تعالیٰ آپ سے لوگوں کو ان کی کھالی کا بدلہ سے وَيُحِبُّونَ
الْمُتَّقِينَ ان سزا اور اگر چاہت تو سزا فتنوں کو سزا دے اور يُحِبُّونَ

عَلَيْهِمْ سُبْحَانَ اللَّهِ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ۔ تو بہ کی توفیق عطا کر دے کہ وہ نفاق کو چھوڑ کر پکے پکے ایمان لے لیں۔
 جَائِسٌ۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور از حد مہربان ہے مطلب یہ کہ جن مومنوں نے ایٹھے وعدہ کرتے ہوئے جان کا نذرانہ پیش کر دیا اور وہ جو ابھی اپنی باری کے منتظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی سچائی کا ضرور بدلہ دے گا۔ رہا منافقوں کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی کرتوتوں کی سزا سنائے دے یا پھر انہیں توبہ کی توفیق دے کر معاف کر دے کیونکہ وہ بخشنے والا بھی ہے اور مہربان بھی۔ اس کے فضلے میں کوئی کمی نہیں۔ وہ لوگوں کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے۔
 اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغِيْظِهِمْ اللّٰهُ نَصَّ عَنْهُمُ الْعَمَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كُوْفِرُوْا كُوْفِرًا وَّاسِيْرًا۔ انہوں نے اللہ سے ہتھیار ڈال دیے۔ اللہ نے ان کے اعمال سے انہیں نکال دیا۔ انہوں نے کفر کیا اور کفر کیا اور اس کی سزا سنائی۔ انہوں نے اللہ سے ہتھیار ڈال دیے اور اس کی سزا سنائی۔ انہوں نے اللہ سے ہتھیار ڈال دیے اور اس کی سزا سنائی۔
 اور اس طرح انہیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيْمًا عَزِيْمًا، اور اللہ تعالیٰ قوت والا اور کمال قدرت کا مالک ہے اور ہر چیز پر غالب ہے۔ وہ اپنی مشیت اور ارادے کے مطابق جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اُس کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ وہ چاہے تو عورتوں کو کثیر تعداد پر غالب کر دے کیونکہ قوت تو اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا بھروسہ بھی اسی کی ذات پر رکھنا چاہیئے کیونکہ قوت کا سرچشمہ وہی ہے۔

قبیلہ بنو قریظہ میں سے کسی شخص کے فاضلے پر آباد تھا۔ یہ لوگ

کافروں کی ناکامی

بنو قریظہ کی سرکردگی

معاشری لحاظ سے بڑے مضبوط تھے، جسے عرب میں تمدت تھی، سوری کا مدد بھی کرتے تھے۔ ان کی اپنی بستیاں اور قلعے تھے، جب حضور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ نے حضرت قباہ کے ساتھ عہد پریمان کیے تھے جن میں بنی قریظہ بھی شامل تھے، بخیر جنگ احزاب کے موقع پر انہوں نے مسلمانوں کو مدد کرنے کی ہائے کا فزون کی طرف ذرا ہی کی اندس طرف مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے دفاعی معاہدہ کو عملی طور پر توڑ دیا، جب حملہ آور کا فراہم واپس چلے گئے تو مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہوا اور وہ ہتھیار اُٹا کر حالت جنگ سے نکلا چلتے تھے، حضور علیہ السلام نے بھی اپنی زرہ اُتارنے کا ارادہ کیا کہ سنتے میں جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور حضور علیہ السلام سے کہا کہ آپ لوگ تو اپنے ہتھیار اُٹاؤ، چاہتے ہیں عذر اللہ کے فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اُتارے، کہنے لگے مذاقاً کا علم ہے بہت کہ ہتھیار اُتارنے سے پہلے بنی قریظہ کی مدد تھی کہ فیصلہ سب کر لیں، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا کہ کوئی شخص ہتھیار نہ اُتارے بجز اسی حالت میں جو قریظہ کی طرف روانہ ہو گا، اگر چہ نماز ظہر کا وقت ہو چکا تھا، پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ لَآ یُحْسِنُوْنَ اِلَّا فَا سَبْحًا قَسْرًا فَبَدَّلَ سَبْحًا لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ قریظہ میں پہنچ کر نماز ادا کر لیا لوگ فرما چلے ہیں اور بنی قریظہ کا محاصرہ کر لیا جو کہ کئی روز تک جاری رہا۔ یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، ان کے پاس راشن اور دیگر سرس سامان بھی موجود تھا لہذا وہ وہ کچھ دنوں تک محصور رہے اور بالآخر ہتھیار ڈال دیے، کہنے لگے ہمارے حملہ میں حضرت سعد بن حذافہ جو فیصلہ کر دیے، ہمیں منظور ہو گا۔

حضرت سعد اگرچہ مخلص مسلمان تھے مگر بنی قریظہ کے دوست اور حلیف تھے اس لحاظ سے ان کا خیال تھا کہ سعد ہمارے معاملہ میں زیادہ سخت یا اختیار نہیں کریں گے، حضور علیہ السلام نے بھی حضرت سعد کے فیصلہ کو قبول کر لینے

کا اعلان فرما دیا۔ پھر حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ ان بدمردوں کے لیے جو مناسب مجھو سزا تجویز کرو۔ انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ سنی قرنیہ کے تمام باغ مردوں کو قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنایا جائے اور ان کی زمینوں پر مسلمان قابض ہو جائیں۔ چنانچہ اس فیصلے پر عمل درآمد کیا گیا اور سنی قرنیہ کے تمام باغ مرد جن کی تعداد چار اور چھ سو کے درمیان تھی قتل کر دیے گئے۔ حضرت سعدؓ کے اس فیصلے کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے سعدؓ! تم نے یہ فیصلہ سہلی کتابوں کے مطابق کیا ہے۔ تو رات میں یہ حکم موجود ہے کہ ضروری کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ ان کو تمام قابل جنگ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنایا جائے اور ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا جائے۔

اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَأَنْزَلَ الْذِّبْنَ
ظَاهِرًا لَهُمْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنِ صَيَّأَ بِهِمُ اللَّهُ
 نے کافروں کی مدد کرنے والے اہل کتاب کو ان کے قلعوں سے اتار دیا اور وہ
 ملک تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ
 اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور مسلمان ان پر غالب آئے۔
 اس کے نتیجے میں فرمایا فَرِيقًا تَقَاتَلُوهُمْ اور ان میں سے ایک گروہ یعنی
 باغ مردوں کو قتل کرتے ہو وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا اور ایک گروہ کو قیدی
 بناتے ہو۔ مسلمانوں نے یہودیوں کی عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بن کر
 آپس میں تقسیم کر لیا۔ اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو یہ فائدہ بھی ہوا۔ وَأَوْزَتْكُمْ
أَرْضَهُمْ کہ تمہیں ان کی زمینوں کا وارث بنا دیا۔ وَدَيَّادَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ
 تم ان کے گھروں اور مالوں کے بھی مالک بن گئے۔ اگرچہ اس موقع پر باقاعدہ جنگ
 کی قربت تو نہ آئی مگر مسلمانوں کو مالی لحاظ سے بڑی قوت حاصل ہو گئی۔
 فرمایا وَأَرْضًا لَّمْ تَطَّوَّقْهَا الشُّرَكَاءُ تمہیں اُس سرزمین کا
 وارث بھی بنایا جس کو تم نے ابھی تک پاہل نہیں کیا۔ یہ کون سی سرزمین ہے؟

فتح پنجبر

اس کے متعلق محکمات احوال ہیں۔ بعض کتب کہتے ہیں کہ یہ سرزمین مکہ کی طرف اشارہ ہے کہ باآثر مکہ میں فتح ہوگا۔ آہم زیادہ تر حضرت اس کے خیر پر محمول کہتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد قریب زمانہ میں خیر بھی فتح ہو گیا اور وہاں کی زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رد اور فاران کی تشریحوں کی طرف اشارہ ہے جو کہ غلطے راشدین کے زمانہ میں فتح ہوئے۔ آہم خیر کا اشارہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ وہاں کے یہودی بھی بڑے سازشی تھے۔ اللہ نے ان کو مغلوب کیا اور ان کے ساتھ صحابہ ہو گیا کہ وہ اپنی زمینوں پر شکستہ ی کرتے رہیں گے، البتہ آمدنی کا ایک حصہ مسلمانوں کو ادا کیا کر رہے گے۔

فرمایا اللہ نے کچھ اور زمین بھی تمہارے عقدر میں کر دی ہے وَاَسْكَانَ
الْقُدُ حُلُقُ كُنْ شَيْءٌ فَتَدْرِيكَ الرَّسَالِي بِرَجْسِزٍ بِرَقَدْرَتِ رَكْمَا هَبِ
وہ اپنی مشا کے مطابق جو چاہت کرے۔ وہ تو کوڑی جماعت کو کثیر جمعیت
پر غالب کرنے پر بھی قادر ہے۔ اُس نے مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ عطا فرمایا۔
وہ کمال قدرت کا مالک ہے۔

۱۔ خازن ص ۲۵۱ : ۵ واہن کثیرہ ص ۲۵۵
۲۔ خازن ص ۲۵۵ : ۵ واہن کثیرہ ص ۲۵۵ (فیاض)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ
 الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْن أُمَتِّعْكُنَّ وَ
 أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۚ (۲۸) وَإِن كُنْتُنَّ
 تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ
 اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۚ (۲۹)
 يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ مَنْ يَأْتِ مِّنْكَ بِفَاحِشَةٍ
 مُّبِينَةٍ يُضَعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ
 وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۚ (۳۰) وَمَنْ يَقْدِتْ
 مِّنْكَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَمَلْ صَالِحًا نُؤْتَهَا
 أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۚ (۳۱)

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر
 تم چاہتی ہو دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت، پس آؤ میں تمہیں
 فائدہ پہنچاؤں اور رخصت کر دوں تم کو اچھے طریقے سے
 رخصت کرنا (۲۸) اور اگر تم ارادہ کرتی ہو اللہ تعالیٰ
 اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کا۔ پس بیشک
 اللہ نے تیار کیا ہے تم میں سے نیکی والیوں کے لیے
 بڑا اجر (۲۹) اے پیغمبر کی بیویو! جو تم میں سے کھلی

بے ممانی کی بات کر چکی تھیں تو اُسے تو گن گذاب دیا جائے گا۔ اور یہ بات التبر پر آسان ہے (۳) اور جو اطاعت کر چکی تھیں اس سے التبر اور اُس کے رسول کی اور نیک عمل کرے گی۔ تو ہم اس کو اُس کا ڈیڑھا بدلہ دیں گے۔ اور تیار کی سے ہم نے اس کے لیے عزت کی۔ دوزی (۴)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے عمرو بن عبدمنظور کا حال بیان کیا اور نہایت خوبصورتی کی ذمہ داری بیان کی۔ پھر اللہ نے بنی قریظہ کی سرکوبی کا حکم دیا۔ چنانچہ ان کو مطلوب کر کے ان کے باطن سردوں کو قتل کر دیا گیا، عورتوں اور بچوں کو لڑکیاں اور غلام بنایا گیا، اور ان کے مالوں، زمینوں اور مکانات پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ پھر اللہ نے ایک اور سرزمین کی فتح کی جو شجرہ دی جس کو سب سے پہلے فتح کیا گیا۔ یہ شجرہ کی فتح تھی۔ وہاں سے بھی مسلمانوں کو کافی مال و دولت حاصل ہوئی اور ان زمینوں کا نفع بھی ملنے لگا۔

ازواج مطہرات
کو مخاطب

مسلمانوں کی پہلے درپے فتوحات اور ان کے نتیجے میں مال و دولت حاصل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہت اچھی ہو گئی۔ اب ازواج مطہرات کو بھی خواہش پیدا ہوئی کہ جس طرح عام مسلمانوں کی حالت بہتر ہو گئی اسی طرح ان کو بھی کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچانا چاہیے اور ان کو شے شے چیزیں ملنا چاہئے۔ اس مسئلہ پر ساری ازواج مطہرات نے مشورہ کیا اور پھر حضرت ام سلمہؓ کو فائدہ مقرر کیا کہ وہ اس معاملہ میں حضور علیہ السلام سے بات کریں۔ کیونکہ آپؐ بڑی شائستہ اور سمجھدار قانون تھیں۔ انہوں نے مناسب وقت پر دیگر بیویوں کی موجودگی میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرضداشت پیش کی۔ یہ خطبہ اگرچہ نامائز نہیں تھا کیونکہ نبوی کا حق ہے کہ وہ فائدہ سے ضروریات زندگی کو ملاحظہ کرے۔ لیکن حضور علیہ السلام نے شے قناعت کے تفاوت سمجھا۔ اور آپؐ بیویوں سے ناراض ہو گئے۔

حضور علیہ السلام نے اس مطالبے کا اس حد تک بڑا منایا کہ آپ نے اپنی تمام
ازواج سے ایک ماہ کے لیے ایلا کر لیا یعنی علیحدگی اختیار کر لی۔ آپ مسجد نبوی
کے قریب ہی ایک بالاخانی میں تشریف فرما ہو گئے۔ عام مشہور ہو گیا کہ حضور علیہ السلام
نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ ان حالات میں ازواج مطہرات کا پریشان
ہونا تو فطری امر تھا۔ تمام مسلمانوں کو بھی سخت تشویش لاحق ہو گئی۔ سب سے
زیادہ پریشانی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو تھی۔ کیونکہ ان دونوں کی بیٹیاں
حضور علیہ السلام کے نکاح میں تھیں۔ کوئی شخص اس معاملہ میں مداخلت کی جرأت نہیں
کرتا تھا۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے جرأت کر کے اس مجبور کو قرضے کی کوشش کی اور
حضور علیہ السلام سے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی جو دے دی گئی۔ حضرت
عمرؓ نے حاضر ہو کر کھڑے کھڑے عرض کیا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے
دی ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ اس پر انہوں نے کہا اللہ اکبر۔ حضرت عمرؓ
کی کچھ ڈھارس بندھی تو انہوں نے حضور علیہ السلام سے بیٹھنے کی اجازت چاہی۔
آپ کا مقصد یہ تھا کہ کوئی دل لگی کی بات کر کے حضور علیہ السلام کو خوش کیا جائے
چنانچہ اجازت ملنے پر آپ حضور علیہ السلام کے پاس بیٹھ گئے اور بات شروع
کر دی کہ مکہ میں تو ہم اپنی عورتوں پر غالب تھے اور کوئی ہمارے سامنے چل چرائیں
کرتی تھی مگر مدینہ میں آکر ہماری عورتوں نے بھی یہودی عورتوں کی دیکھا دیکھی اپنی کا
رنگ ڈھنگ اختیار کر لیا ہے۔ ایک دفعہ خود میری بیوی نے مجھ سے زائد
خرچہ کا مطالبہ کیا تو مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے اس کی گردن پر مکے مارنے شروع
کر دیے۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام مسکرائے اور اس طرح کچھ دیر تک گفتگو ہوتی رہی
اور مسجد میں مسلمان بڑے پریشان بیٹھے تھے کہ پتہ نہیں حضور علیہ السلام نے کیا
فیصلہ کیا ہے، کہیں واقعی اپنی بیویوں کو طلاق تو نہیں دے دی؟ اتنے میں حضرت

میرنے وہیں آکر مسلمانوں کو تسلی دی اور بتایا کہ حضور علیہ السلام سے تعلق نہیں دی، اسی
 طرہ ایہ مگزنتے سے جتنی کہ انتیس دن کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بالانٹانے
 سے نیچے آئے، آرائس وقت آباست زبردس نازل ہوئیں، اہی آباست یہ ضمیر
 علیہ السلام کی ازدواج مطہرات سے خصوصی خطاب ہے۔ انٹرنے ان کو تہنید کی ہے
 اور پائے نبی کو محکم دیاست کہ وہ جی ازدواج سے دریافت کر لیں، اگر وہ دنیا میں حاضر
 باہر کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں تو کہہ دیں کہ آؤ میں تمہیں تعلق سے کر پھمے طریقے سے
 رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کا گھر چاہتی ہو
 تو پھر جو چہ وہ حالت پر ہی قناعت کرنا۔

خاندانِ نبوی
 کی قناعت نہ ہو

حضور علیہ السلام کی ازدواج مطہرات نے زندگی بھر زندگی کے مال و سامان اور
 زیب و زینت کی بجائے قناعت کو پسند کیا، آپ اپنی بیویوں کو جس قدر خرچہ
 عطا کرتے تھے، وہ اسی پر گزارا کرتی تھیں بلکہ اپنے حصر میں سے زیادہ تر عطا
 اور سائین پر خرچ کر دیتیں اور خود عسرت کی زندگی بسر کرتیں حضور علیہ السلام کی
 وفات کے بعد بھی ازدواج مطہرات نے خوشحالی کی زندگی نہیں گزاری، حضرت
 عائشہؓ کے پاس ایک بوری بڑی بڑی بھر درجہ بہ بہ کے طور پر آئے قرآنوں نے
 شام سے پہلے سب تمہیں کر دیے، خادم نے عرض کیا کہ آپ انظار کے لیے
 تو کچھ رکھ لیں، فرمایا اگر کچھ یاد کر لیا تو میں ابناست سے ہوتی، اب تو کچھ
 بھی باقی نہیں بچا۔

دشمنانِ اسلام حضور صاحبِ سرور و نصاریٰ آج بھی اعتراض کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام
 کی نبی زندگی تو واقعی پیغمبروں جیسی تھی مگر وہ سے میں آپ نے بادشاہوں جیسے طو
 طریقے اختیار کر لیے، اسی طرح تعدد ازواج کے متعلق بھی بعض لوگ اعتراض
 کرتے ہیں، یہ تمام اعتراضات بے بنیاد حقیقت اور محض منہ اور عفا کا مظہر ہیں
 حضور علیہ السلام کی بوری زندگی بالکل بے لاش اور روز روشن کی طرح عیاں ہے۔
 کوئی انصاف پسند آدمی آپ کی ذات پر بادشاہی یا عیش و عشرت کا الزام نہیں

لگا سکتا۔ اور یہی حال آپ کی ازواج مطہرات کا بھی تھا۔ انہوں نے بھی حضور علیہ السلام کے اتباع میں آخرت کی زندگی کو دنیا کی زندگی پر ترجیح دی اور ہمیشہ فقر و فاقہ کو پسند کیا۔

بہر حال جب نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات نے آپ سے آسودہ حالی کا مطالبہ کیا تو آپ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہ آیات نازل فرما کر حضور علیہ السلام کی تائید فرمادی اور آپ کو حکم دیا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجِي كَمَا كُنْتُمْ تُرِيدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنْتُهَا اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو، عیش و عشرت اور آسودہ حالی کی طلبگار ہو، فتعالین أَمْتَعَكُنَّ تو اس میں تمہیں فائدہ پہنچا دوں۔ جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے دیتا ہے۔ اور وہ نہر بھی ادا کر چکا ہے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ عورت کو رخصت کر دے۔ اور وہ نہر بھی ادا کر چکا ہے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ عورت کو رخصت کر دے اور اگر ایسی عورت ہے جس کا نہر مقرر نہیں ہوا تھا تو اس کے لیے ایک جوڑا کپڑے دینا واجب ہو جاتا ہے۔ فائدہ پہنچانے سے یہ مراد ہے۔ منسرایا اگر دنیا چاہتی ہو تو میں تمہیں فائدہ پہنچاؤں وَأَسْرَحُكُمْ مسرأجا جیسا اور تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں یعنی طلاق دے کر بالکل فارغ کر دوں۔

پھر فرمایا وَإِنْ كُنْتُمْ تُرِيدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا چاہتی ہو اور آخرت کے گھر کو پسند کرتی ہو، دنیا کی آسودگی کو ترک کرنے پر آمادہ ہو تو پھر خوب سن لو فَأَنْتِ اللَّهُ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایسی عورتوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ جو دنیا کی عیش و عشرت کو ترک کر دیں گی، اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں دائمی آرام و راحت کا عظیم عنایت فرمائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ تصویر کا دوسرا رخ بھی تہا وَيَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَنِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ مِنَ الدُّنْيَا فَلْيَمْسِكْ بِهَا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا کی عیش و عشرت سے روک رکھا ہے۔

دنیا اور آخرت
میں انتخاب

تم میں سے جو کوئی کھلی ہے جیالی کا ارتکاب کر کے يُضَعِفُ لَهَا الْعَتَابُ
يُضَعِفُ تو اس کی سزا بھی دوگنی ہو جائیگی۔ وَكَمَا كَانَ ذَلِكَ عَطْفَ اللَّهِ
 کیسٹیز اور یہ چیز اللہ کے لیے بہت آسان ہے کہ وہ کسی کو دُعا خدا بے
 یہ ایک اصولی بات ہے کہ کسی شخصیت کا جس قدر وہ ہمہ بند ہوگا، گناہوں کی
 صورت میں اس کا مؤاخذہ بھی اتنا ہی سخت ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو مرتد حضور پر مہر
 کی ازواج مطہرات کو حاصل تھا، وہ دنیا میں کسی دوسری عورت کو حاصل نہیں۔ لہذا
 فرمایا کہ نبی پر تمہارا اہم و گوارا ہے وہی دوسروں کی نسبت دوگنا ہے۔ اسی طرح بڑائی
 کی صورت میں تمہاری سزا بھی دوگنی ہو جائے گی۔ خود حضور علیہ السلام کے متعلق ارْتَفَعَتْ
 نے فرمایا کہ اگر تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ کفار کی طرف ہل جاتے ہی
 گئے تھے اور اگر آپ ایسی بات کرنا چاہتے، إِنِّي لَأَذَقَنَّ صُغْفَ الْمُنْفِقِ
وَضَعْفَ الْعَمَاتِ نَسْرًا لَدَّ لَدَّ عَلَيْنَا هَسْمِيْنُ رَبِّي الْمُرْتَلِيْ
 تو ہم آپ کو دنیا میں بھی دوگنی سزا دیتے اور بعد از وفات بھی اور پھر قرآن مجید میں
 کسی کو اپنا مدعا کرتا ہے۔

یہ بھی ایک مسلم قانون ہے کہ کسی مقدس منہ پر ایک جانتے والا گناہ کسی عام مقام
 پر سزا دہننے والے گناہ کی نسبت زیادہ سنگین تصور ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس
 کی سزا بھی زیادہ ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی مسجد میں چوری یا کوئی دیگر مجرم مرتکب
 ہے یا عہد شریف میں کسی گجڑی کا سر تکب ہو تب سے تو اس کی سزا بھی زیادہ ہوگی
 جس طرح عہد شریف میں ادا کی جانے والی ایک ناز کا اہم و گوارا دیگر مساجد کی نسبت
 ایک لاکھ گنا اور مسجد نبوی اور بیت المقدس میں یہاں سے یہاں سے بڑا ہے اور
 اسی طرح ایسے مقدس مقامات پر عہد کی سزا بھی لازمی زیادہ ہوگی، اسی سبب نبی کی بیویوں
 کو بھی تیسرا کردی گئی کہ چونکہ تم اس کتاب عالیہ پر ناز ہو، لہذا تمہاری کسی غلطی نہ کرنا ہی کی
 سزا بھی دوگنی ہوگی۔

اس مقام پر اللہ نے نبی کی بیویوں کے متعلق فرمایا کہ اگر تم غفلت کا ایسا سبب بنو

لے، ابن ماجہ ۱۱، مشکوٰۃ ص ۱۱۱، دیلم سنہ ۱۱۱۱ (فیض)

سزا اور جزا
 حسبہ علیہ

گی تو تمھاری معذرت دگنی ہوگی۔ اس لفظ کے مختلف معانی آتے ہیں مثلاً اس کا اطلاق بدزبانی، بے حیائی اور بخل پر بھی ہوتا ہے مگر یہاں پر اس لفظ سے زنا یا بدکاری مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ کے پاک نبی کی بیویوں سے ایسا ممکن ہی نہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے مَا ذَنْبَتْ اِمْرَاةٌ نَّبِيًّا قَطًّا یعنی نبی کی کسی بیوی نے کبھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔ بعض انبیاء کی بیویوں نے کفر کا ارتکاب تو کیا ہے مگر بے حیائی کسی سے سرزد نہیں ہوئی، مقصد یہ کہ یہاں پر فحش سے بے ادبی، گستاخی یا بدزبانی وغیرہ جیسی لغزش تو مراد لی جاسکتی ہے، زنا جیسے فعل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

نیکی کا دگنا
اجر

گذشتہ سے پیوستہ آیت میں نبی علیہ السلام کی بیویوں سے فرمایا تھا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کا گھر پسند کرتی ہو تو اللہ نے تمہارے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اب اگلی آیت میں ان کی پارسائی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے وَمَنْ يَفْعَلْ مِمَّا كُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی۔ وَتَعْمَلْ صَالِحًا اور نیک اعمال انجام دے گی نُؤْتِيهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ہم اس کو اجرم بھی دگنا دیں گے۔ جس طرح مقدس مقام، مقدس مہینے اور مقدس وقت میں عمل کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی بلند مرتبت ہستی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی تو اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہو جائیگا۔ جس طرح حرمت والے مہینوں، مقامات مقدسہ اور پچھلی رات کے اوقات میں اجر و ثواب بڑھ جاتا ہے، اسی طرح مقدس ہستیوں کے اعمال صالحہ کا اجر بھی بہت بڑھ جاتا ہے

اس کے علاوہ فرمایا وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ رِزْقًا كَرِيمًا ہم نے اس کھلے عزت کی روزی بھی تیار کر رکھی ہے دنیا میں عزت کی روزی وہ ہے جو حلال راستے سے آئے جس سے اطمینان قلب حاصل ہو اور جس کے استعمال سے عبادت کا جذبہ قوی ہو اور اس میں دل جمعی پیدا ہو۔ اور آخرت میں رزق کریم سے مراد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو خاص مقام حاصل ہوگا، انتہائی باعزت روزی نصیب ہوگی۔ اور ہمیشہ کے لیے

نبی کی معیت حاصل ہوگی۔ ہر حال اللہ نے پہلے نبی کی بیویوں کو ترغیب و ترسیب
دونوں طریقوں سے سمجھا دیا کہ انہیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

یُنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ
 اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي
 قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ
 فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ
 الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ
 اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
 الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾
 وَاذْكُرْنَ مَا يُكَلِّمُ فِي بُيُوتِكُنَّ مِّنْ آيَاتِ
 اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ :- اے نبی کی بیویو! نہیں ہو تم عام عورتوں کی طرح
 اگر تم ڈرتی رہو تو نہ دب کہہ بات کہو، پس لالچ کھئے
 گا وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے۔ اور کہو بات
 دستور کے مطابق ﴿۳۲﴾ اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں
 اور نہ کھلے طریقے پر باہر پھرو جیسا کہ عورتیں پہلی
 جاہلیت کے زمانہ میں کھلی پھرتی تھیں۔ اور قائم رکھو
 نماز کو اور دیتی رہو زکوٰۃ۔ اور اطاعت کرو اللہ اور
 اس کے رسول کی۔ بیشک ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ

تاکر دو کر کے تم سے گھڑی باتوں کو لئے اہل بیت!
 اور پاک کر لئے تم کو پاک کرنا ﴿۳۲﴾ اور یاد کرو جو پڑوسی
 جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتیں اور حکمت۔
 بلکہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا یکہ بین اور ہر چیز کی خبر
 رکھنے والا ہے ﴿۳۳﴾

دعوات

جب اذانِ خطبات نے اپنے اظہارِ بات میں اضافہ کا مطالبہ کر لیا تو
 حضور علیہ السلام نے ماضی پر کہ ایک ماہ کے لیے عید کی اختیار کر لی۔ پھر
 اللہ نے یہ آیات نازل فرما کر نبی کی بیویوں کو تنبیہ کی۔ اگر شہزادہ جس میں بی بی بی بی بی
 ہے کہ اللہ نے نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی عورتوں سے کہہ دیں کہ اگر وہ دنیا
 کی زیب و زینت چاہتی ہیں تو آؤ میں عین مطلق لئے کر لیجئے طریقے سے جسے
 کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول کی رضا اور آخرت کے گھر کی مستانی ہو
 تو یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے یہ فرماتے والوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے
 دنیا کی خواہش خدا اور اس کے رسول کے قریب کے صافی ہے۔ پھر فرما کر اگر تم میں
 سے کوئی عورت صریح طلاق کر چکی تو اسے دوسروں کی نسبت سزا بھی زیادہ ہے گی۔ البتہ
 جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور اچھے اعمال انجام دے گی تو اس کو
 اجر بھی دیا جائے گا۔ اللہ نے ان کے لیے آخرت میں عزت کی دوزی تیار کر رکھی ہے

ان آیات میں بھی اہمات المؤمنین سے خطاب ہے۔ ارشاد فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُبْرَاۤءُ اَلرَّسُوْلَ اَلَّذِیْ رَاٰکَ مِنَ النَّبِیّٰۤاِ اِنَّ
 الْغَیْبِیْنَ لَاۤ اَکْرَمُ اَللّٰہِ مِنْ دُنٰہِمْ لَیْسَ لَہُمْ اَلْحَقُّ بِرُوْحِہِمْ اَللّٰہُ اَعْلَمُ
 بِمَا یُکْفِیۡہُمْ

تمہیں بڑا شرف عطا کیا کہ تمہیں نبی کی زور بیت کے لیے مستحب فرمایا۔ آیت ۶
 یہاں بھی گزری ہے کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُکْفِیۡہُمْ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُکْفِیۡہُمْ
 وَالَّذِیْ رَاٰکَ مِنَ النَّبِیّٰۤاِ لَیْسَ لَہُمْ اَلْحَقُّ بِرُوْحِہِمْ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُکْفِیۡہُمْ
 قریب ہے اور اُس کی بیویاں محزونوں کی امیں ہیں۔ اگر اللہ میں تقویٰ اور طہارت

اللہ اکبر
 کے لئے
 گفتو

ہوگی تو تمہیں تمام عورتوں پر فضیلت ہے۔ تمہاری اس برتر حیثیت کا تقاضا ہے فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کہ کسی اجنبی آدمی سے دب کر بات نہ کرو بلکہ کلام میں درشتی اختیار کرو۔ کیونکہ نرم لہجے میں بات کرنے سے فَيَطْمَعِ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ دل کا روگی آدمی لالچ کرے گا۔ دل کے روگ سے مراد نفاق، خواہشاتِ نفسانیہ اور شہوانی میلان ہے۔ اس لیے حکم دیا کہ اگر کسی اجنبی آدمی سے بات کرنی پڑے تو روکھا پن ظاہر کرو، تاکہ کسی بد باطن آدمی کے دل میں کوئی خیال نہ آسکے۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی بیویوں کو ادب سکھایا ہے کہ غیر مرد سے بات کرتے وقت اس طرح بات کرو جس طرح اپنے بیٹے سے کی جاتی ہے وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا اور بات بھی دستور کے مطابق بھلی اور معقول ہونی چاہیے۔

تبرق جاہلیت

اللہ نے امات المؤمنین کو یہ حکم بھی دیا وَقُلْنَ فِي بَيْوتِكُنَّ کہ اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، بلا وجہ گھر سے باہر نہ نکلو کیونکہ گھروں میں رہنا ہی عورتوں کی اصل وضع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں میں تقسیم کار کر دیا۔ مرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ محنت مشقت کر کے کماٹی کمرے اور عورتوں کا کام یہ ہے کہ وہ امور خانہ داری کو انجام دیں۔ بچوں کی پرورش، کھانا پکانا کپڑے دھونا اور گھر کی صفائی کرنا عورت کے فرائض ہیں۔ یہ سب کام گھر کی چار دیواری کے اندر انجام دیے جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے نبی کی بیویوں کو حکم دیا ہے کہ وہ گھر میں مقیم رہیں وَلَا تَبْرُجْنَ تَبْرُجُ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى اور جاہلیتِ اولیٰ کی عورتوں کی طرح اپنے آپ کو کھلے طور پر نہ دکھاتی پھریں مطلب یہ کہ گھر میں رہ کر امور خانہ داری انجام دیں اور اگر اشد ضرورت کے تحت گھر سے باہر جانا پڑے تو پھر جاہلیتِ اولیٰ کے زمانے کی طرح بے پردہ نہ جائیں۔

جاہلیت اولیٰ کے۔ زلزلے سے متعلق نکتہٴ احوال پائے جاتے ہیں بعض نے اے حضرت زین علیہ السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے پر گھمراہ کیا ہے مگر زیادہ صحیح زمانہ وہ ہے جی حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے عربوں کا دور تھا۔ یہ گھمراہ جاہلیت تھی۔ کفر و شرک کی رسومات جاہلیہ اور عورتوں میں بیانیگی تھی۔ وہ بناؤنگھار کے ساتھ برہنہ سر گھروں سے بہ جاتی تھیں۔ اسی کو جاہلیت اولیٰ کا نام دیا گیا ہے اور نبی کی بیویوں کو اس دور کی بے پردگی سے منع فرمایا گیا ہے۔

عورت کے لیے پردہ

حضور علیہ السلام کے زمانے کے بعد جہ جاہلیت پیدا ہوئی اور آن بھی عورت پر ہے یہ جاہلیت، انیس ہے اور فسق و فحش کی نمائندگی کرتی ہے۔ عورتیں بے پردہ یا باروں میں گھومتی پھرتی ہیں۔ سینا کھردوں، آدھ گھیروں، گھبروں اور کھمبوں کے پانوں میں مردوں کے ساتھ اختلاط عام ہے۔ جاہلیت اولیٰ اور جاہلیت ثانیہ دونوں مجرب ہیں اس سے باہدوق پیدا ہوتی ہے۔ اس کا مطلب عورتوں کو خچروں میں بند کرنا نہیں بلکہ ظالمی کو سزا ہے۔ ضرورت کے وقت عورت بہر بھی جا سکتی ہے۔ مگر پردے کے ساتھ۔ خود از رواج مطہرات کے متعلق فرمایا: أَذِنَ كَلِمَةً أَنْ تَعْرِضَ جُنَّ لِحُكْمِ أَجْحِبَ كُنَّ تَمَاقِي مَعْرُوفَ يَأْتِ كَيْ يَبْرَ مَاقِي تَر. بعض بے سہار عورتوں کو کام کاج کے لیے بہر جانے کی ضرورت پڑتی ہے، اس کی اجازت سے نماز کے لیے خانہ کی اجازت سے مسجد میں جا سکتی ہے مگر پردے کے ساتھ۔ اُن کے عورتوں کے میں اللہ تعالیٰ نے نہی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں یا بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیں يُدْرِي مِّنْ عَلَيْنَ مِمَّنْ حَبَدًا مِّنْ مِّنْ کہ وہ اپنی چادریں لٹکان کرے تاکہ ان کے جسم کے نشیب و فراز نظر نہ آئیں اور نہ ان کی زیب و زینت کسی کو نشتے میں ڈالے۔ بر کھ ضروری نہیں، یہ کام بڑی چادر سے بھی

لے تفسیر نسفی ص ۲۰۲ و محل طبری ص ۲۲۹ و نظری ص ۲۶۹
تہ بیان القرآن ص ۲۴۹ (فیاض)

لیا جاسکتا ہے۔ بہر حال پردہ ہونا چاہیے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو عورت گھر میں رہ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیکی کے کام انجام دے گی، اُبرائی سے بچے گی، اللہ تعالیٰ اس کو مجاہدین جیسا اجر عطا فرمائے گا۔ عورت کا بلا اجازت باہر جانا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر مسجد میں بھی جانا چاہیں تو خاندان یا سرپرست کی اجازت لے کر جائیں۔ مردوں کو بھی فرمایا کہ اگر عورتیں مسجد میں جائیں اجازت طلب کریں تو دیدیا کرو بشرطیکہ راستہ پر امن ہو یعنی فساق و فجار سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ عورت کا گھر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا، بڑے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور صحن کی نسبت بڑے کمرے میں پڑھنا افضل ہے۔ عورت جتنا چھپ کر نماز پڑھے گی اتنا اجر زیادہ ہوگا، مسجد میں جانے کی صرف اجازت ہے فضیلت نہیں ہے۔ کیونکہ عورتوں کی اصل وضع گھر میں قرار پکڑنا ہے۔ بناؤ سزاگار کر کے، زیورات اور غیر کیلا لباس پہن کر عورتوں کا بے حجابانہ باہر نکلنا عورتوں کی وضع کے خلاف ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اگر عورت مسجد میں نماز کے لیے بھی جائے تو معمولی لباس پہن کر جائے اور خوشبو نہ لگائے کہ یہ فتنے کا باعث بن سکتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ عورت ستر ہے، جب یہ باہر نکلتی ہے تو شیطان جھانک کر دیکھتا ہے، اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے جس سے بے حیائی کے لوازمات پیدا ہوتے ہیں موجودہ عربیانی انگریزی اور بے دین لوگوں کی پیدا کردہ ہے جو عورت کو مردوں کے شانہ بشانہ لانے کو ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ قرآن کے خلاف جاہلیت کی طرف قدم ہے۔ اگر کوئی عورت مجبور ہے تو اس کو اجازت لے کر بارپردہ باہر

۱۷۹ ابن کثیر ص ۲۸۲ دسترک حاکم ص ۲۰۹

۱۸۰ ابن کثیر ص ۲۸۲ (فیاض)

۱۷

۱۸

تعملاً پابستے۔ مگر قرآن درودوں کا ریسہ ہے۔ اللہ نے جاہلیت اولیٰ کی تقلید سے منع فرمایا ہے:

اہل بیت
کی نسبت

فرمایا: اے نبی! اپنی عمر تو جسے چاہوں کرو وہ ہے جسوں میں ہیں اور جاہلیت اولیٰ کے طور پر اڑھتیاں نہ کریں اور یہی وَاقِفْنَ الصَّلَاةَ اور نماز کو نہ رکھو وَآتِينَ الزَّكَاةَ اور زکوٰۃ دین زکوٰۃ کو وَاطْعِينَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی چاہو۔ اذانِ مطہرات کے لیے اللہ نے یہ پاکیزہ حکم دیا ہے۔ اور پیران، اور ان کی خدمت میں میان فرہانی اَسْمَائِينَ لِيَسْتَلْبِطُوا لیسٹ لیسٹ ہے۔ عَنْ كُرَيْبِ بْنِ اَهْلِكَ النَّبِيِّتِ اللہ تعالیٰ جاہلیت سے کرتوت سے جس میں انہوں نے بائیں اور الہی بیت کرتوت اور کرتوت سے وَلِيَسْتَلْبِطُوا لیسٹ لیسٹ اور پاک کرتوت کو پاک کرے۔ غَنِيْلًا ان کے حکم سے عرصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کی بیویوں پر برکت کر کے نفاذ ملت سے بائیں پاک صاف رکھے۔ اللہ سے نبی کو عرصہ ہوتے ہیں اور مقرب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اذان کو بھی منہ تر پہنایا کیا ہے اور ان کو پاکیزگی کے حاکم موصوف کیا ہے۔

اذان
اہل بیت

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی اذانِ مطہرات کو خطاب کر کے ان کے لیے اہل بیت کے لئے استعمال کیا۔ دوسری حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ، حضرت حمزہ اور حضرت حنین کو ایک چادر کے نیچے جمع فرما کر مَا اَلَّهْتُمْ عَسُوْلًا يَوْمَ الْفَتْحِ اے نبی! تم لوگوں میں میرے اہل بیت ہیں۔ وہ لوگ پر ہم المؤمنین ام سلمہ بھی تھیں انہوں نے عرض کیا حضور! مجھے بھی اس میں شامل کر لیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اَنْتَ عَطْلٌ خَيْرٌ یعنی تم کو بہتر قرار دیا۔

یہاں پر دو گروہ بن گئے کہ اہل بیت میں کون کون لوگ شامل ہیں۔

ایک گروہ وہ ہے جو اس آیت کے مطابق صرف ازواجِ مطہرات کو اہل بیت میں شمار کرتا ہے اور حضور علیہ السلام کی اولاد اور آپ کے خاندان کے لوگوں کو اہل بیت کے افراد نہیں مانتا۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو مذکورہ حدیث کے مطابق صرف حضور علیہ السلام کے خاندان اور اولاد کو ہی اہل بیت سمجھتا ہے اور ازواجِ مطہرات کو اس میں شامل نہیں کرتا۔ یہ دونوں شیعہ اور ارضی ہیں اور گمراہ ہیں۔ جو لوگ صرف پنج تن کو اہل بیت کہتے ہیں وہ بھی گمراہ ہیں۔ کیونکہ یہ نظریہ نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔ دوسری طرف حدیث بھی صحیح ہے اس سلسلے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ حقیقتاً قرآن اور حدیث میں تضاد نہیں ہے صرف سمجھنے کی بات ہے۔ نصِ قرآنی عام ہے اور اس کے مطابق اہل بیت میں ازواج بھی شامل ہیں اور اولاد بھی۔ ہم اپنی زبان میں اہل بیت کا متبادل لفظ ”گھر والے“ بولتے ہیں۔ اور جب ایسا کہتے ہیں تو اس سے مراد نہ تو صرف ازواج ہوتی ہیں اور نہ صرف اولاد، بلکہ ازواج اور اولاد دونوں مراد ہوتے ہیں۔ لہذا نہ تو ازواج کو اہل بیت سے خارج کیا جاسکتا ہے اور نہ اولاد کو حدیث میں صرف اولاد کو اہل بیت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میری ازواج تو نصِ قرآنی کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں، میری یہ اولاد بھی اہل بیت میں شامل ہے۔ ان سے بھی گندگی کو دور کر کے انہیں پاک صاف کر دے۔

مسلم شریف میں زید بن ارقم کی روایت ہے کہ آپ سے شاگردوں نے پوچھا کیا حضور کی ازواجِ اہل بیت نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ازواجِ مطہرات اہل بیت ہیں مگر حضور علیہ السلام کے اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے

إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِأَهْلِ مُحَمَّدٍ

بیشک صدقہ نہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ آپ کے اہل بیت

کے لیے۔ اور اہل بیت میں یہ پاکی خاندان آتے ہیں۔ جن پر صدقہ عظیم سے پہلے
اہل عادت تھے۔ اہل عیاشی، اہل غش، اہل عیال اور اہل منہج یہ سارے خاندان اسلام
ان کے لیے پہلے بھی حضور علیہ السلام کے مہمان تھے اور اس پر لائے گئے بعد میں نماز
سننے۔ یہ حضور علیہ السلام کا منصب ہیں اور اہل بیت کلمتے ہیں۔ الغرض اہل بیت
میں حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات، اولاد اور نذرہ کی خاندان میں بھی جن پر صدقہ
عظیم نہیں شامل ہیں۔

پھر اللہ نے ازواج مطہرات سے فرمایا: **وَ اذْكُرْنَ مَا يُكَلِّفُ فِيْهِنَّ**
سِيْرًا مَّا كُنَّ يَوْمَئِذٍ لِّلْقَوْمِ لِحِكْمَةٍ اور تمہارا گھر میں
جو ایسے کی آیتیں اور حکمت پڑھی جاتی ہے اس کو یاد رکھو۔ ظاہر ہے کہ آیت
انہی سے مراد قرآن پاک ہے جو ازواج مطہرات کے گھروں میں پڑھا جاتا تھا۔ اور
حکمت کا معنی دانشمندی کی باتیں، دین کا ہنر اور اس کا اتباع اور پیغمبر علیہ السلام کا
عقد و طریقہ ہے۔ معشرین کو یاد دہانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی سنت کمال ہے
کی حکمت ہے۔ قرآن پڑھیں جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو
خود سے گھروں اور دوسروں کو سکھانے کے لیے چیزیں ان کے لیے بھی فرمائی جائیں۔ **فَاذْكُرْنَ**
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا حَكِيْمًا بیشک اللہ تعالیٰ بہت مہربان و پاکیزہ
ہے اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ لطیف کے دو وزن معنی آتے ہیں۔ یعنی صفت
کو کریم و اللہ ہی اور پاکیزہ۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فرمایا کہ تمہارا گھر سے
سنو، فرمایا اور جنہ سے سننے پر فائز کیا، آپ کی ازواج مطہرات کو وہ شرف
عظمت و شرفی جو دنیا میں کسی دوسری عورت کو حاصل نہیں۔ ان کو راستگی
نائیں بنا کر وہ راستگی کے حق میں ہیں اور معاملات میں جائیں۔ چنانچہ ایسی ہی بڑا
حضور علیہ السلام اور ان کی ازواج مطہرات نے راستگی کی صحیح تربیت کا حق ادا

کہہ دیا۔ اہمات المؤمنین حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد چالیس پینتالیس سال
 تک جین حیات رہیں اور امت کی کما حقہ تربیت کرتی رہیں۔ اُن کو تقویٰ، طہارت
 عبادت اور تعلیم میں اعلیٰ درجے کی حیثیت حاصل رہی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم
 تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربانی کرنے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ
 وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِينَ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ
 وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَشِيعِينَ
 وَالْخَشِيعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ
 وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَفِظِينَ فُرُوجَهُمْ
 وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكْرَيْنِ اللَّهُ كَثِيرًا وَالذَّكْرَاتِ
 أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝۳۵

ترجمہ: "یہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور
 ایماندار عورتیں اور اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی
 عورتیں، اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی
 عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور
 صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، اور
 رازدہ رکھنے والے مرد اور رازدہ رکھنے والی عورتیں، اور
 حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور
 والی عورتیں، اور یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، اور
 اور یاد کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے تیار کی ہے ان
 کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر" ۝۳۵

اسوہ حسنہ کا ذکر فرمایا اور ان مومنین کی تعریف فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں، یومِ آخرت میں ان کا یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ اور اس کے رسول کے وعدے پر مکمل یقین کرتے ہیں۔ اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے سچے لوگوں کی سچائی کا اجر اور منافقتین کے انجام کا ذکر بھی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں سزا دے دے یا اگر چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے کر ان کا انجام بھی بہتر کر دے۔

پھر گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات کا ذکر فرمایا اور نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ ان سے بر ملا کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کا مال و دولت اور زمینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کے گھر کی تلاش ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے لیے اجرِ عظیم بھی موجود ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کے مرتبہ کے پیش نظر ان کو حکم دیا کہ وہ زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ باہر نہ نکلیں اور اپنے بناؤ سزا کا اظہار نہ کریں بلکہ شریفانہ طریقے پر اپنے گھروں میں قیام کریں کہ اسی میں ان کی عزت و آبرو ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں اسی طریقے سے پاک و صاف رکھنا چاہتا ہے۔

اب آج کی آیت میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا اکٹھا ذکر کر کے ان کی بعض صفات بیان کی گئی ہیں اور انہیں اجرِ عظیم کی بشارت بھی سنائی گئی ہے احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی موقع پر ازواجِ مطہرات اور بعض دوسری مومن عورتوں نے حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مردوں کا ذکر خیر تو کثرت سے کیا ہے مگر عورتوں کی خیر و خوبی کا ذکر بہت کم ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مردوں اور عورتوں

کا الٹ ذکر فرمایا اور انہیں ایسے اہم کام کی خوشخبری سنائی۔
جیسے عام طور پر جب **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** سے خطاب کیا جاتا ہے
تو مخاطبین میں مرد اور عورتیں دونوں اصناف شامل ہوتی ہیں۔ تاہم ان کا بطور ذکر
بھی کرنا ہو سب سے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں اور مسلمان مردوں

کی جن صفات کا تذکرہ کیا ہے وہ اسلام کی بنیادی قدر ہے۔ (BASIC
VALUES OF ISLAM) جن میں کراپنا نسبت انسان ترقی کی منازل تک کر
سکتا ہے۔ اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ قانون کی پابندی
اور عزت و کوشش جبریلیت مردوں کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح عورتوں کے
لیے بھی لازمی ہے اور اس ضمن میں دونوں یکساں ہیں۔ مذکورہ صفات پیدا کرنے
مرد پر یا عورت کا یہاں حاصل کر سکتا ہے البتہ دونوں اصناف کے دائرہ کار
مختلف ہیں۔ دونوں اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر ترقی کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ
کی بشارت کے مصداق بن سکتے ہیں۔

مسلمان
مرد و عورت

ارشاد ہوا ہے **إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ** ایک مسلمان مرد
اور مسلمان عورتیں۔ اسلام ایک ایسی چیز ہے جس کا تعلق ظاہر سے ہے یعنی
اسلام سے مراد وہ اعمال ہیں جو نکلوتے ہیں۔ حدیث جبریل میں آج آج تک حضور
علیہ السلام سے ایمان، اسلام اور احسان کے تعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے
اسلام کے تعلق فرمایا **إِنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُولُ اللَّهِ وَتَقِيَمَ الْعَتَلَفَةَ وَتَقِيَمَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ
رَمَضَانَ وَتُحِجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ أَلَيْسَ سَيِّدًا**
کہ اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کے وحدانیت اور ضرور علی الصلوة والسلام کی رسالت
کی گواہی دے، نماز پڑھے، زکوٰۃ ادا کرے، ایمان کے دن سے رکھے اور اگر

توفیق ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔ جب کوئی شخص یہ اعمال انجام دیتا ہے تو دوسرے
دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان ہے۔

اہل ایمان
مردوزن

پھر فرمایا وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں۔
ایمان کا تعلق تصدیق قلبی کے ساتھ ہے جو نظر نہیں آتی۔ اسی حدیثِ حبشہ میں
میں حضور علیہ السلام نے ایمان کی تعریف یہ فرمائی أَنَّ تَوَكُّمًا بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ
وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ
وَشَرِّهِ کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں
پر، آخرت کے دن پر ایمان لائے اور خیر و شر کی تقدیر کو حق جانے۔ گویا ایمان کا
تعلق دل کی تصدیق سے ہے جو بظاہر نظر نہیں آتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمان
مردوں اور مسلمان عورتوں اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کا ذکر کیا ہے جو
مذکورہ صفات کے حامل ہیں۔

اطاعت گزار
مردوزن

آگے فرمایا وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ اور اطاعت کرنے والے مرد
اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ قنوت کا معنی اپنی رضا و رغبت کے ساتھ
خدا تعالیٰ کی اطاعت کو قبول کرنا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کی اطاعت
کا دم بھرنے لیتا ہے تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ مطاع کے ہر حکم کی تعمیل بھی کرے۔
تو قانتین اور قانتات کا یہی مطلب ہے کہ ایسے مردوزن جو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ
کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہوں اور کسی جیلے بہانے سے اس کی اطاعت سے
باہر نہ نکلیں۔ دیگر احکام الہی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ پوری دمجعی اور اطمینان کے
ساتھ اللہ کی عبادت کرتے بھی اطاعت میں شامل ہیں۔

سچے مردوزن

پھر فرمایا وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ اور سچے مرد اور سچی عورتیں
اس سے مراد وہ مردوزن ہیں جو زندگی کے ہر موڑ پر سچائی کو اپنا شعار بنالیں۔ سچ
کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ نیت، عقیدے اور ارادے میں سچے ہونا، اعمال و کردار
اور اخلاق میں سچے ہونا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہو تو خلوص نیت کے ساتھ

سپائی پر پہنچا ہوا اور اگر وہ لوگوں کے ساتھ کرنی معاملہ کیا جائے تو وہ کامل سچائی لے
 ساتھ ہر کسی کے ساتھ جسوت، دھوکہ کراؤد فریب نہ ہو۔ زبان وہی کچھ بولے تو پتھر
 صیغہ طے پیتے سے جانتا ہوا اور ہر کام ایماندار ہی اور راستی اور صداقت کے مطابق ہو
 اللہ سے اس کا نام پر لینے ہی مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا ہے۔

صبر پروردگار

اللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنَ الصَّبْرِ حِكْمًا وَالصَّبْرَ حِرْمًا اَوْ صَبْرًا كَسْتُمْ فُلَكُمُ الرَّحْمٰنُ
 کہنے والی عورتیں صبر ہی صبرت، ہر سچی کا ایک اہم اصول ہے۔ انسانی زندگی کے
 کسی مرحلہ پر بھی اس کا سامنا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ صبر کیے بغیر
 کوئی کام بھی کما حقہ انجام نہیں پاسکتا۔ دھوکہ کھنے میں سرور یا گمراہی کی شدت بڑھا
 کرنا پڑتی ہے۔ نیز خصوصاً تہجد کی نماز کے لیے صبر و برداشت کی ضرورت
 ہوتی ہے۔ ہر کوئی اگر کے طویل روزے لے لے صبر کے ذریعے ہی سکے جاسکتے
 ہیں۔ اب کان بچ کی اور بچی میں بھی شہقت انھانے پر صبر و برداشت اور صبر
 جہاد میں جان کی بازی لگاتے وقت بھی صبر و محنت ہی کا یہ کامیابی ہوتی ہے۔
 کوئی حادثہ پیش آجائے، پریشانی لاحق ہو جائے، فتنہ پڑ جائے، وہاں پس جاسے،
 اذرا لہ آجائے، جنگ لگ جائے، مال و جان کا نقصان ہو جائے۔ یہ سب چیزیں
 صبر کی منہ مٹنی میں جان کا ہیبت کرنے میں اللہ سمجھتے ہوئے صبر کا اللہ کرے۔
 اللہ پر مکمل پوریہ رکھے کہ نصیحت کو دور کرنے والا وہی ہے۔ جبرجہ فریب
 کرنے کی بجائے صبر سے کام لے۔ اس سلسلہ میں اللہ نے فرمایا ہے۔
 اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَكٰفِرٌ جَٰهَلُوْنَ ۝۱۰۰ اِنَّمَا يَسْتَبِيْهِ اَلْكَلْبُ
 عَجْرِيْ صَبْرِيْ كَاتِمٍ مِّمَّ مِيْثَرٍ غَرَابٍ ۝۱۰۱ اللہ نے صبر کرنے والوں کے تعلق
 فرمایا۔ وَابْتَسِرَ الْاَشْرَارُ ۝۱۰۲ الَّذِيْنَ اٰتٰ اَمْۡرًا مِّنْ مَّيْمِيْنَةٍ
 قَالُوْۤا اِنَّۡا بِلٰهٍ وَاٰرَآۤا الْيَسْبِۡرَ كَاجْعُوْنَ ۝۱۰۳ (۱۰۱-۱۰۳) ان میں
 کرنے والوں کو خود بخود سے دور کر جب انہیں کوئی تکلیف پہنچی ہے تو کہتے ہیں۔
 ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی قوت اور جانتے ہیں۔ اللہ سے

نے ایسے لوگوں کی کامیابی کی گارنٹی دی ہے۔

آگے فرمایا وَالْخَشِيعِينَ وَالْخَشِيعَاتِ اور عاجزی کرنے والے مرد اور
عاجزی کرنے والی عورتیں۔ اللہ کے سامنے خشوع یعنی عاجزی کا اظہار کمال درجے
کی صفت ہے اور ہر انسان سے مطلوب ہے اللہ نے اپنے انبیاء کے متعلق
بھی فرمایا ہے خُشِعِينَ لِلَّهِ وہ اللہ کے حضور نہایت عاجزی اور نیاز مندی
کا اظہار کرتے ہیں۔ ویسے عام انسانوں کے ساتھ بھی خشوع کا مطلب یہ ہے کہ ان
کے ساتھ غرور و تکبر سے پیش نہیں آنا چاہیے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ
نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے أَنْ تَوَاضَعُوا وَلَا يَفْخَرُ بَعْضُكُمْ عَلَى
بَعْضٍ ہر ایک کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ اور ایک دوسرے کے سامنے
بڑائی کا اظہار نہ کرو کہ یہ ناپسندیدہ فعل ہے۔ بہر حال اس مقام پر اللہ نے عاجزی
کرنے والے مردوں اور عاجزی کرنے والی عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

عاجز مردوں

سخی مردوں

آگے فرمایا وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ اور صدقہ خیرات
کرنے والے مرد اور صدقہ خیرات کرنے والی عورتیں۔ اللہ کی راہ میں غریب، مساکین،
یتامی، بیوگان کی مالی اعانت اور کمزور طبقات کی دستگیری بھی ملت کا اہم اصول ہے
بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا، بیمار کا علاج، تعلیمی اخراجات پورے
کرنا اور دیگر جائزہ ضروریات کے لیے مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل
کرنے کا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے۔ إِنَّ الصَّدَقَةَ
لَتُطْفِئَ غَضَبَ النَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ یعنی صدقہ
اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے بعض صحابہ کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

سَنَدًا نَظَّلَ الْعُقُومِينَ يَوْمَ الْاُنْيُوتِ لِمَا صَدَقْتُمْ مِنْ قِيَامِ
 کے دن کون آدمی پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔

روزہ اور
 عورتیہ

آگے اترنے سے روزے دار مردوں اور روزے دار عورتوں کا بھی ذکر فرمایا
 ہے وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ روزے سے ہیں رمضان کے فرض اور
 دیگر ایام میں نفل روزے شامل ہیں۔ روزہ رکھنا بھی اسلام کی بنیادی قدروں میں
 شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرما ہے کہ اے ایمان والو! كُتِبَ عَلَيْكُمُ
 الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْبِتَّةُ ۱۱۸۳
 تم پر ایسی طرح روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے امتوں پر یہ عہد
 یہ کہ اس فریضہ کو برجمیدہ کھمبہ بلکہ کوشی انجام دو اور اللہ صبر اترنے اس کا اجر بھی بڑا
 رکھے۔ حدیث قدسی میں اللہ کا فرما ہے الصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزَلُ
 بہ میرا مذہب خاص میرے لیے ہے۔ روزہ رکھتا ہے اور میں نے کبھی ایسی میں اپنی
 رضی کے مطابق وہاں کا رمضان کا یہ بھی فرما ہے کہ جنت کے ایک روزے
 کو امر اب ان الترابی ہے جس سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔

عالم تقیہ کی
 مردوں

پھر فرمایا وَالْحَفِظَاتِ مَن فَرَّجَهُمْ وَالْحَفِظَاتِ اور اپنے ہاوس
 کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔ اترنے پہاڑیوں
 اور عورتوں کا ذکر فرمایا کہ ہاوس کی حفاظت بھی اسلامی قدروں میں سے ہے۔
 سورۃ المؤمنین میں اترنے کا مہیابی حاصل کرنے والے مومنوں کی بعض صفات
 کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے وَالَّذِينَ هُمْ لِقَوْمِهِمْ
 حَفِظُونَ (آیت ۵) یعنی وہ جو اپنے ہاوس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس
 مقام پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ ہوں و جمعہ کا لفظ استعمال کیا ہے جن

۱۱۸۳

(فیاض)

۱۱

عورت کی اس قدر پردہ داری مقصود ہے کہ اس کے لیے صرف حِفْظِ لُفْظِ
 آیا ہے، یہاں فَرْوُجَحْنٌ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے۔
 کہ عورت کے حق میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔ پردہ کی اس قدر تاکید کی گئی
 ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے وَلَا تَنْظُرِ الْمَرْءُ فَتَحْذِ
 حِیَّ وَمِیَّتٍ کَیْسٍ زَنَہٍ یَا مَرْدَہِ کِی رَانَ کِی طَرْفِہِ یُحِیِّنَا صِرَامِہِہِ چہ جائیکہ کوئی مردوزن
 زنا یا لواطت میں مبتلا ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے حفاظت ناموس کو بھی اسلامی اقتدار
 میں داخل کیا ہے اور اس کی پابندی کرنے والے مردوں اور عورتوں کی تعریف فرمائی ہے
 اور اپنے بندوں کی دسویں صفت اللہ نے یہ بیان کی ہے وَالذِّکْرِیْنَ اللّٰہُ

ذاکرین مرد
وزن

کَیْمِیْنَ وَالذِّکْرِیْنَ اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔
 حسن حصین والے بزرگ حضرت جبرئیلؑ لکھتے ہیں کُلُّ مُطِیْعٍ لِلّٰہِ فَہُوَ
 ذِکْرٌ جو شخص اللہ کی اطاعت کے کام میں مصروف ہے، وہ اللہ کو یاد کرنے
 والا ہے۔ جیسے ہر شخص کے لیے زبان ذکر ہی آسان ترین ذکر ہے۔ باقی عبادت
 کی تو مقدار مقرر ہے، مگر ذکر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی، کوئی جس قدر چاہے اللہ
 کا ذکر کر سکتا ہے۔ آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے یَاٰیٰہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
 اذْکُرُوْا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (الاستزاب ۴۱) اے ایمان والو! اللہ کا کثرت
 سے ذکر کیا کرو۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص رات کو اٹھتا ہے۔ اور
 اپنی بیوی کو بھی بیدار کرتا ہے۔ پھر وہ دونوں نماز ادا کرتے ہیں تو انکے نام ذاکرین
 اور ذاکرات کے رجسٹر میں درج ہو جاتے ہیں۔ فرمایا یہ مرتبہ اس وقت تک حاصل
 نہیں ہو سکتا جب تک آدمی کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں ذکر کرنے
 والا رہتا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کَانَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذُكُرُكُمْ فِي صَلَاتِهِ أَحْيَانًا

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام حالات میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

ذکر سے مراد حکومت قرآن، تفسیر و تفسیر کے کلمات اور کلمات

استغفار اور دیگر اور ہیں۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ انسان کو اس قدر کثرت سے

ذکر الہی کرنا چاہیے کہ اس کی توجہ ہر وقت اس طرف مبذول رہے۔ اللہ نے ذکر

کرنا ایمان کا ذریعہ بھی قرار دیا ہے۔ سورۃ الجمعہ میں فرمایا: **وَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا**

لَعَلَّكُمْ تَفْضَحُونَ (آیت ۱۰) اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم

فغان نصیب نہ ہو جائے۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ عذاب سے نجات

دلانے والی چیزوں میں اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ بہر حال اللہ سے

فریاد اللہ کا ذکر کرنے کے لئے وہ اور اللہ کا ذکر کرنے والی چیزیں۔

ان میں نیاری قدریں اور ان کے حاملین کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا:

تَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا اللہ تعالیٰ نے ان کے

لیے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ بخشش سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

ذکر کردہ صفات کے حاملین کی لغزشوں اور گناہوں کو معاف کرے اور اللہ تعالیٰ

انہیں آخرت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا، اس آیت کریمہ میں مردوں اور عورتوں کو

اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا جن لوگوں میں یہ اسلامی تقویٰ پائی جاوے گی۔ خود وہ مذہبوں

یا عورت، سب کو انعامات سے نوازا جائے گا۔ بحیثیت انسان مرد بھی کمال حاصل

کر سکتے ہیں اور عورتیں بھی اس میں مردوں کی کوئی تخصیص نہیں کی۔

بخشش اور
اجر عظیم

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ
 وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
 مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
 فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ﴿۳۶﴾ وَإِذْ تَقُولُ
 لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ
 أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي
 نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ
 وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا
 وَطَرًا زَوَّجْنَاكَ بِهَا لِأَنَّكَ لَا يَكُونُ عَلَى
 الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَنْزَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ
 إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ
 مَفْعُولًا ﴿۳۷﴾

ترجمہ :- اور نہیں ہے کسی مومن مرد اور نہ کسی مومنہ
 عورت کا کام کہ جب فیصلہ کر دے اللہ اور اس کا
 رسول کسی معاملے کا تو ان کو کوئی اختیار باقی رہ جائے
 ان کے معاملے میں۔ اور جو شخص نافرمانی کرے گا اللہ
 اور اس کے رسول کی، پس بے شک وہ گمراہ ہوا

صریح گمراہی ﴿۲۷﴾ اور جب آپ کہہ رہے تھے اُس شخص سے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے، اور آپ نے بھی اس پر احسان کیا ہے، روک رکھو اپنے پاس اپنی بیوی کو اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اور آپ چھپاتے تھے اپنے جی میں وہ بات کہ اللہ تعالیٰ اس کو ناپاک کرنے والا ہے۔ اور ڈرتے تھے آپ لوگوں سے علائقہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پس جب پورا کر دیا یہ نئے اس عورت سے اپنی غرض کو تو جو نے نکاح کر دیا اُس عورت کا آپ کے ساتھ ہمارے یہ ایمان والوں پر کوئی حصر ان کے مذہب کے بیڑوں کی بیڑوں کے ساتھ نکاح کرنے میں جب کہ وہ اسی سے اپنی غرض پوری کر لیں۔ اور اللہ کا حکم ہو کہ ہے گا۔ ﴿۲۸﴾

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی ان صفات کا ذکر کیا جن کے ذریعے وہ کمال حاصل کر سکتے ہیں اور ان صفات کو اسلام کی بنیادی قدریں قرار دیا۔ اس سے پہلے اللہ نے اندراجِ عظمت کی حیثیت اور رہتے کر بیان فرمایا اور ان کی کوتاہیوں پر تنبیہ فرمائی۔ پیشتر ازہرہ عزوہ مندرجہ کے سلسلے میں مناقبین کی مذمت بیان کی گئی تھی۔ اس سے بھی قبل اللہ نے نبی علیہ السلام کے حقوق کا ذکر کیا اور امت کو خبردار کیا کہ نبی کے اعزاز و اکرام کو مضبوطی سے مندرجہ بالا اور قولِ نبیل سے کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے اللہ کے نبی کو اذیت پہنچے۔ اب آج کی آیات میں بھی یہی حکم و تنبیہ انما میں بیان فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ
بریل کا
فیصلہ

ارشادِ باری ہے وَمَا كَانَ لِمَنْ يَلُغِيَنَّ فَاُولَئِكَ يَكْفُرُونَ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا جَاءَهُ بِالْحَقِّ لَئِن لَّمْ يَظْهَرْ لَهُ بُرْهَانٌ مُّبِينٌ
اور جو من عورت کے لائن نہیں رہا قاضی اللہ ورسولہ امسرا کر سب اللہ
لو اس کا رسول کسی حد تک کا حتیٰ فیصلہ کر دین ان لیکون لہم اللعین من امویہ

قرآن کے پاس کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ مطلب یہ کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی سونے مردوزن کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنی مہم سے ایسے فیصلے قبول کر لے یا رد کرے۔ بلکہ اُسے تو بہ حالت میں اللہ اور نبی کے فیصلے کو برحق جان کر اس پر عمل کرنا ہوگا۔ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَيَعْصِ الرَّسُولَ يُضِدْنَا اور جو شخص اللہ اور رسول کے خلاف کرے گا فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔ اُسے فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔

شانِ نزول

شانِ نزول کے اعتبار سے یہ آیات حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے بارے میں ہیں۔ حضرت زیدؓ کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ درس ۱۱ میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ منہ بوسے بیٹے کو اس کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ اور اگر اس کے باپ کا اتر پتہ معلوم نہ ہو تو اسے اپنا بھائی یا رفیق کہہ کر پکارو۔ حضور علیہ السلام نے حضرت زیدؓ کو منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا اور لوگ انہیں زیدؓ ابن محمدؐ کہہ مارتے تھے مگر مذکورہ آیات کے نزول کے بعد انہیں زیدؓ بن حارثہ کہا جانے لگا۔ درس نمبر ۲ میں ہی یہ تفصیل بھی بیان ہو چکی ہے کہ حضرت زیدؓ کو حضرت خدیجہؓ نے عکاظ کی منڈی سے بطور غلام خریدا تھا۔ پھر جب آپ کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ ہو گیا تو انہوں نے یہ غلام حضور علیہ السلام کو ہمہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ کے والد اور چچا کو آپ کا علم ہوا تو وہ آپ کو لینے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معاوضہ ادا کر کے بچے کو لے جانا چاہا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خود جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر زیدؓ نے حضور کے اخلاق کو میاں کی بدولت آپ کے دل سے جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ آج سے میں نے زیدؓ کو آزاد کر دیا ہے اور یہ میرا منہ بولا بیٹا ہے۔ اس اعلان پر حضرت زیدؓ کے والد اور چچا خوش ہو کر واپس چلے گئے۔

حضرت زیدؓ کے حضرت زینبؓ سے نکاح کے متعلق بھی درس نمبر ۲ میں اشارتاً ذکر آچکا ہے۔ جب حضرت زیدؓ آزاد ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے اُنکے

زیدؓ کا نکاح
زینبؓ سے

تعلق کے لیے اپنی بہن بی بی زینبؓ کو منتخب فرمایا۔ ان کی والدہ کا تعلق
 قرظہ بن خاندان سے تھا مگر وہ بنی اسد کے خاندان میں بیاہی ہوئی تھیں اور وہ بھی عرب
 کا ایک حزنہ خاندان تھا، اور نہ زینبؓ ایک آزاد شدہ غلام تھی۔ اس لیے نہ قرظہ زینبؓ
 اس شے پر رضامند ہوئیں اور نہ ان کے بھائی عبد اللہ بن جحشؓ کو یہ بات پسند آئی۔
 لہذا انہوں نے یہ رشتہ منظور نہ کیا مگر اس سلسلہ میں شاید اللہ تعالیٰ کے نزدیک
 کچھ اور مسئلے تھے بھی تھے۔ خاندانی غرور و تکبر کو ختم کرنا بھی مقصود ہوتا ہے جہاں تک
 کفر کا تعلق ہے۔ یہ بھی کوئی فرض واجب تو نہیں ہے۔ ایک سترہ آدمی خود کھڑا
 خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ اعلیٰ خاندان کی عورت کا کفر نہ سکتا ہے اور پھر حضرت
 زینبؓ سے بڑا سترہ کون ہو سکتا تھا جو غلاموں میں سے ہے۔ ایسا ان لائسنڈرز اور
 کے سربراہ اعلیٰ سمیت گنہگاروں کا دارالسیکیم الفطرت اور کمال درجے کی بجلی کے ٹاکر تھے
 بہر حال جب اس رشتہ کے سلسلہ میں حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی راشد
 نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں تین لڑکیاں بھی بھیج دیں کہ جب اللہ ارادے کا رسول کوئی فیصلہ کر
 لیں تو میرے کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اختیار نہیں رہتا کہ وہ اس فیصلہ کو تسلیم کریں
 اور اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی انفرادی کوئی طرح گھڑی میں جا پڑے گا۔
 ان آیات کے نزول پر حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی عبد اللہ کھڑے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ
 اور اس کے رسول کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ نکاح ہو جانا چاہیے۔ لہذا ان دونوں نے بلا
 پس و پیش یہ رشتہ قبول کر لیا اور اس طرح حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زینبؓ
 سے ہو گیا۔

یہ آیت کریمہ اگرچہ شان نزول کے لحاظ سے حضرت زینبؓ کے نکاح کے
 ضمن میں نازل ہوئی مگر اس کا اطلاق اللہ اور رسول کے ہر قسم کے احکام پر ہوتا ہے
 اور کسی بھی فیصلے کی خلاف ورزی کا کسی مومن کو اختیار نہیں، اور جو ایسا کرے گا وہ کفر
 میں جا پڑے گا۔ اس قانون کے پیش نظر اگر ہم آج کے معاشرے پر نظر ڈالیں تو
 معلوم ہوگا کہ بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر چلتے

ہیں، وگرنہ اکثر لوگ نافرمانی کے کاموں میں ہی لگے بھٹے ہیں اور ہر محلے میں احکام شریعت کو پس پشت ڈال کر سن مانی کر رہے ہیں۔ بیاہ شادی کا معاملہ ہو، کوئی کھیل ماشے کی بات ہو یا کاروباری معاملات ہوں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ امیر اور اس کے رسول کا فیصلہ موجود ہے مگر اس کے باوجود ہم اس کی طرف توجہ کرنے کی بجائے غلط رسم و رواج کے پیچھے چل رہے ہیں اور امیر اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کو ہی اپنے لیے باعثِ عزت سمجھتے ہیں۔

بہر حال اس آیت کریمہ کے حکم کے مطابق حضرت زینب کا نکاح حضرت زینب سے ہو گیا مگر ان دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکی۔ حضرت زینب دھیمے مزاج کے آدمی تھے۔ اس کے برخلاف حضرت زینب کے مزاج میں تیزی تھی۔ حضرت زینب ایک نیک سیرت خاتون تھیں اور نبی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں جب حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگی تو بعض مخلص مسلمان مرد اور عورتیں بھی غلط پراپیگنڈا کا شکار ہو گئیں۔ ان میں حضرت زینب کی بہن بھی شامل تھیں اور ان پر حد بھی جاری کی گئی۔ مگر جب اس تہمت کا ذکر حضرت زینب کے سامنے کیا گیا، تو انہوں نے کان پکڑ لیے اور کہنے لگیں، اپنا بھلا بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے؛ انہوں نے ام المومنین عائشہ کی تعریف کی اور انہیں اس الزام سے بری الذمہ قرار دیا۔ بائیں ہمہ آپ کے مزاج میں حدت تھی۔ لہذا حضرت زینب کے ساتھ نباہ نہ ہو سکا۔ بات بات پر الجھاؤ پیدا ہونے لگا۔ تو حضرت زینب نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ان حالات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ہم میاں بیوی کے مزاج میں مطابقت پیدا نہیں ہو سکی۔ لہذا میں سے طلاق سے دینا چاہتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز حضرت زینب کو سمجھاتے رہے کہ جلدی نہ کرو اور حتی الامکان نباہ کی کوشش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں اسی بات کا ذکر کیا ہے وَإِذْ نَقُولُ لِلَّذِي
أَنعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ

اور جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ اس

زینب اور زینب
میں عدم
مطابقت

دے گا۔ آپ کو اس بات کا خوف تھا کہ اس بارے میں لوگ کیا کہیں گے۔ کہ جو نکاح انہوں نے زور سے کر لیا تھا اس میں نباہ نہ ہو سکا۔ اور بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ کو یہ بھی خلش تھا کہ حضرت زینبؓ کو ان کی مرضی کے خلاف نکاح بہر مجبور کیا گیا۔ اس کے بعد اگر نوبت طلاق تک آگئی تو ایک آزاد کردہ غلام سے طلاق کا داغ قریش خاندان کی ایک عورت پر لگ جائے گا۔ یہ چیز حضور کے لیے تکلیف دہ تھی کہ اس طرح زینبؓ کی پوزیشن معاشرے میں مزید خراب ہو جائے گی یہ چیز تھی جس کا حضور علیہ السلام کو خوف تھا مگر اللہ تعالیٰ اُس کو ظاہر کر نوا لا تھا۔

بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کافی غم و فتنہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے، کہ زینبؓ کی دل شکنی کی تلافی صرف اسی صورت میں ممکن ہے۔ کہ اگر زینبؓ سے طلاق لے لے تو میں خود اُس سے نکاح کر لوں گا۔ اس طرح زینبؓ کو سنی کی زوجیت کا شرف حاصل ہو جائے گا اور طلاق کے صدمہ کو بھول جائے گی۔ پھر آپ کو یہ بھی خیال آتا تھا کہ اگر میں نے زینبؓ سے نکاح کر لیا تو لوگ پھر اعتراض کریں گے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا ہے، اور اس بات کو عرب لوگ ناجائز سمجھتے تھے۔ ان حالات میں کافروں، مشرکوں اور منافقوں۔ نیز یہود و نصاریٰ کی طرف سے تکلیف دہ پراپیگنڈہ کا خطرہ بھی تھا، لہذا آپ خوف محسوس کرتے تھے، مگر اللہ نے فرمایا کہ لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بالآخر وہی بات ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ جب حضرت زینبؓ اور زینبؓ میں مفاہمت کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق لے دی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا قَضَىٰ

زَيْنَبُ مِّنْهَا وَطَرًا پس جب حضرت زینبؓ نے حضرت زینبؓ سے اپنی غرض کو پورا کر لیا یعنی کچھ عرصہ ازدواجی زندگی کے طور پر گزار لیا تو اللہ نے فرمایا وَوَجَّحْنَا تو ہم نے اُس کا نکاح آپ سے کر دیا، اور اس سے مقصود آپ کے دل کی خلش کو دور کرنا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ متبنی کی مطلقہ سے نکاح

زینبؓ سے طلاق
اور حضور
سے نکاح

کرنا ہے۔ لِيَكُونَ لَكَ بِكُوفٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي
 أَنْزُوحٍ أَدْعِيَابِهِمْ إِذَا قَفَسُوا مِنْهُمْ وَطَرًا مَا كَرِهَ ابْنُ آدَمَ
 اس بات سے کہ نہ صرف نہ ہو کہ وہ اپنے منہ سے بیٹوں کی بیٹیوں سے نکاح کرے
 جب کہ مؤمنان کے گناہوں سے اپنی غرض پوری کر سکیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے متقی کی بیوی سے
 نکاح کو حرام کر کے ساتھ ہاں قرار دیا اور اس طرح مخالفین کے گناہوں پر پابندی کا
 رد بھی فرمایا۔ وَكَانَ أَحْسَنُ اللَّهُ مَبْعُوثًا اور اللہ کا حکم پورا ہو کر ہے
 گا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر متقی کی مطلقہ سے نکاح کو بائز قرار
 دیا ہے اور حضرت زینبؓ کا نکاح بھی آپ سے جو اللہ کی مشیت میں ہے
 اور ہو کر ہے گا۔ ان غرض! جب حضرت زینبؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق سے دی
 تو بعد از تکمیل عدت حضور علیہ السلام نے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا
 فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا
 مِنْ قَبْلُ ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ۝۳۸
 وَالَّذِينَ يَبْلُغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ
 أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝۳۹ مَا كَانَ
 مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ
 اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ
 شَيْءٍ عَلِيمًا ۝۴۰

۵۵۵

ترجمہ :- نہیں ہے اللہ کے نبی پر کوئی حرج
 اس چیز میں جو اللہ نے اُس کے لیے مقرر فرمائی
 ہے۔ یہ دستور ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو اس
 سے پہلے گزرے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم مقرر کیا
 ہوا ہوتا ہے ۝۳۸ وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں۔ اللہ
 کے پیغامات اور ڈرتے ہیں اسی سے، اور نہیں
 ڈرتے کسی سے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور کافی ہے
 اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا ۝۳۹ نہیں ہیں محمد باب
 کسی ایک کے تمہارے مردوں میں سے، لیکن وہ اللہ
 کے رسول ہیں اور انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ

ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے (۳۰)

راہِ آیات

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زینؓ کی مطلقہ حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا تو کفار و منافقین نے طعنے بیٹھے شروع کر دیے کہ آپ نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ وہ وراثت میں بھی حصہ لے رہا تھا اور اس کی بیوی سے نکاح بھی نامائز تصور ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو واضح کیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہوتا لہذا اسے نسبت حقیقی باپ کے نام سے پکارا کرو۔ اور اگر اس کے باپ کا منہ نہ بتراوے اپنا بھائی اور رشتہ یقیناً کد کر دیا کرو۔ البتہ اس کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ ہمیشہ آؤ اور ہو سکتے تو اس کے ساتھ احسان کرو۔ البتہ اس پر حقیقی بیٹے والے احکام لاگو نہیں ہوتے۔

اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں اس مسئلہ کو واضح کیا، اور پھر حضور علیہ السلام کو اس معاملہ میں مومن و متین کا منظرہ تھا اس کے متعلق تسلی دی کہ آپ لوگوں کی طرف سے خوف نہ رکھیں بلکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حدتار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ جب حضرت زینؓ کی مرضی حضرت زینبؓ سے پوری ہو گئی تو انہوں نے طلاق دے دی تو اللہ نے زینبؓ کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ اہل ایمان کے دلوں میں منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے۔ جب ایسی طلاق کی مدت گزر جائے تو ایمان والوں کو ایسی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نہ تو حقیقی پر حقیقی بیٹے کے احکام لاگو ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کی بیوی حقیقی سہرا ہے۔

منہ بولا
بیٹے کے لیے

آج کی سبیلِ در آیات میں بھی تسلی کا ضمنوں ہی بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمائیے
مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا كَانُوا لِلَّهِ
اللہ کے نبی کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے جو اس نے اپنے نبی کے لیے مقرر کر دی ہے۔ مطلب یہ کہ جائز کام کو انجام دینے میں کوئی دقت عموماً

نہیں کرنی چاہیے اور لوگوں کے اعتراضات اور طعن و تشنیع کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔ فرمایا سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ حَكَمُوا مِنْ قَبْلُ یہ پہلے گزے ہوئے لوگوں میں اللہ کا دستور ہے۔ پہلے ادوار میں بھی لوگ انبیاء علیہم السلام پر اسی طرح اعتراض کیا کرتے تھے مگر انہوں نے جائز کام کو کرنے میں کسی پس و پیش کا اظہار نہیں کیا بلکہ ایسے کام بے دھڑک کر گزرے۔ آج لوگ تعدد و ازدواج پر اعتراض کرتے ہیں کہ ایک مرد کو چار عورتیں رکھنے کی اجازت کیوں ہے۔ حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سروسے بھی زیادہ بیویاں تھیں۔ حضرت امیر ابیہم علیہ السلام کی بھی متعدد بیویاں تھیں اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی جائز کردہ چیز پر طعن کرنا اللہ تعالیٰ پر طعن کرنے کے مترادف ہے، لہذا اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو کرتا ہے، آپ اس کی قطعاً پرواہ نہ کریں اور اپنا کام کرتے جائیں۔ فرمایا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا اور اللہ کا معاملہ تو طے پایا ہے۔ اُس میں کون دخل اندازی کر سکتا ہے؟

فرمایا الَّذِينَ يَبْتَغُونَ رَسُولَ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَ اللَّهَ وَيَخْشَوْنَ اللَّهَ كَيْفَ يَكُونُ أَمْرُ اللَّهِ فِي الَّذِينَ حَكَمُوا مِنْ قَبْلُ نَبِيٌّ جَرَأُ سِمْيَاتٍ لَوْ كُنَّ تَكْفُرًا بِمَا يَكْفُرُونَ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ أَوَّلُ الْبُرْجَانِ وَأَوَّلُ الْبُرْجَانِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا۔ اسی بات کا خوف رہتا تھا کہ کہیں اللہ کی نافرمانی کا کوئی کام نہ ہو جائے۔ اللہ نے اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا۔ مطلب یہ کہ معتز ضہین کے طعن و تشنیع کا توڑ اللہ ہی کریگا وہ ایسے لوگوں کو ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔

بعض چیزوں کے جواز کا محض حکم دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور بعض جائز امور پر اللہ تعالیٰ لوگوں سے عمل کروا کر اُس کے جواز کو مزید بچتہ کر دیتا ہے۔ اس

صراط میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے تتبع کی برومی سے نبی کا نسخہ کروانے ان کے خلاف؛ باطل نظریہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسترد کر دیا۔ اسی طرح حج کی اور نیکو میں باطل رسوم کے در آنے کو اللہ نے اسی کے خلاف عمل کروانے ہمیشہ کے لیے حکم فرمایا: اچھی آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے یہ ہے اور میں تو شیک بندو بخیر سے انبیا علیہم السلام نے سب سے، مگر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا، اللہ نے اپنے آخری نبی کے ذریعے وہ تمام احکام نازل کر دیے جو حقاً امت تک آنے والی نسل انسانی کے لیے حکم آ رہے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ** حضرت محمد مصطفیٰ اصل اللہ علیہ وسلم خاتم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ رحیل کا اطلاق بائع مرد پر ہوتا ہے، مطلب یہ کہ آپ کسی بائع مرد کے باپ نہیں ہیں۔ حضور علیہ وسلم کی اولاد نورینہ میں سے کوئی پر بھی نبی کی ہرمت کرنے میں پہنچ سکتا اور بچپن میں ہی فوت ہو گئے، بچوں میں سب سے پہلے خاتم یہ ہوسکتے جو در سال کی عمر میں فوت ہو گئے، پھر عبدالمستتر جن کا لقب طب اور طباطبا تھا، وہ بھی بچپن ہی میں اللہ کو یاد سے ہو گئے، تیسرے بیٹے ہاریرہ قبیلہ کے یثرب سے ابراہیم تھے جنہوں نے صرف سولہ ماہ عمر ہی، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اس خاتم پر حضور علیہ وسلم کے بائع مردوں کے باپ ہونے کی نفی کی ہے۔ جہاں تک حضرت زینب کا تعلق ہے تو وہ بائع ہر سنہ اور ان کی شادی بھی ہوئی، مگر وہ جیسی بیٹے تو نہیں تھے، اسی لیے قرآن کی مطلقاً آپ کا نکاح صحیح ہوا، مگر نہ یثرب میں، نہ مدینہ میں، اور نہ جہاں اللہ نے خواہ مخواہ کا شرعیہ کیا۔

ذیابا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ **وَلَا يَكُنُ رَجُلًا اَللّٰهُ يَكْتُبُ لَكَ الرُّسُوْلَ مِنْ نَفْسِكَ** رسول ہیں۔ ہاں، اللہ کا رسول ہر حال میں اور پارسا ہی امت کا باپ ہوا ہے، ختم حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ **اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ اِلٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** **اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** (قیاض)

اس کی روایت میں ایک اینٹ لکھی ہے۔ فرمایا، یہی طرح الشریعہ نبوت کا بھی ایک
 قعر تیار کیا ہے، اور ایک اینٹ کی جڑ بیکر عالی تھی، میں نے تم کو ان کو پر کر دیا ہے
 اب قعر نبوت مکمل ہو چکا ہے، لہذا کوئی اور نبی نہیں کہے گا۔ ترجمہ ہی شریف
 کی روایت میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: **إِنَّمَا لَمْ تَسْلُكُوا وَالسُّنِّيَّةَ**
وَقَدْ أَهْطَعْتُمْ یعنی رسالت اور نبوت اب منقطع ہو چکی ہے۔ **فَلَا تَسْئَلُوا**
بَعْدِي وَلَا تَسْأَلُوا اب میرے بعد نہ کوئی بنائے گا اور نہ بول۔ الشریعہ مکمل
 سب انبیا و رسل کے بعد بھیجا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی نصیحتیں
 بیان کرتے ہوئے فرمایا: **لَا تَسْأَلُوا النَّبِيِّينَ** انہوں نے میری وجہ سے
 نبیوں کو فرما کر دیا ہے۔ مولا شریف میں یہ روایت بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
 نے فرمایا: **أَنَا الْفَاقِبُ** میں عاقب یعنی سب سے آخر میں آنے والا ہوں **لَيْسَ**
بَعْدِي سَنِيٌّ جس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ایک روایت میں عاقب نے
 اتنے کلمے کا لفظ صلی آتا ہے۔ میں عاقب اور مکمل ہوں جس کے بعد کوئی نہ آ اور بول
 سہا آتے گا، انا اور شریف کی روایت میں آتا ہے کہ میں آخر الانبیا ہوں
 یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں کہے گا۔ **وَأَنْتُمْ أَحْسَنُ الْأُمَّمِ** اور تم
 آخری امت ہو۔ اب تمہارے بعد کوئی امت بھی نہیں ہوگی۔

غزوہ تبوک کے موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنی نیابت
 کے لیے چھوڑ دیا تو انہوں نے عرض کی: حضور! آپ مجھے جو حکم اور نچوں ہیں
 چھوڑ کر جاتے ہیں، حضور علیہ السلام نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: **كَيْفَ تَرَى** اس بات
 کو پسند نہیں کرتے کہ **أَنْتَ مَعِي لَمَعْنٍ لَوْ هَطَرُونَ صَوْتِ سُوَيْبِ**

۱۔ ابن کثیر ص ۲۹۲ ۲۔ ابن کثیر ص ۲۹۲ ۳۔ ابن کثیر ص ۲۹۲ ۴۔ صحاح ابن کثیر ص ۲۹۲
 ۵۔ ابن ماجہ ص ۵۰۰ ۶۔ ابن ماجہ ص ۵۰۰ (تفصیل)

اور ابوحنیفہؒ کے زمانے میں دوسری صدی میں ہی ایک شخص نے نوبت کا مجوزا کیا اور کہا کہ میں نوبت کے ثبوت میں مجوزہ بھی پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس شخص کے متعلق شرح فقہ اکبر میں امام صاحب کا یہ فتویٰ موجود ہے کہ جو شخص اس جھوٹے دلی نوبت کا مجوزہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کرے گا وہ بھی لاکڑ بونے کا۔ جب حضور علیہ السلام نے واضح کر دیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تو پھر کسی جھوٹے نبی کا مجوزہ دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور کی ختم نوبت میں شک ہے اور اسی وجہ سے امام صاحب نے ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ دیا۔

قادانی فتنہ

مرا غلام احمد قادیانی کا معاملہ بھی میلہ کذاب اور اسوہی بیبا ہی ہے ایک غری اور مفتی بھی مدعیان نوبت ہونے میں جنوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اسی طرح اس شخص نے بھی بڑا دہل پھیلایا اور بہت سے لوگ اس کے جھانے میں آ گئے۔ وہ حال کی واضح نشانی ہے کہ وہ متضاد باتیں کرتا ہے۔ جب ایک بات کہہ کر پیش کیا تو پھر دوسری کر دی۔ مرا قادیانی نے بھی یہی کچھ کیا۔ پتے نوبت کا دعویٰ کیا۔ جب اس پر اعتراضات کی بجھی آئی تو کھٹے سا کر میں علی نبی ہوں کبھی مسیح کو گورد ہونے کا دعویٰ کیا۔ مسیح کو گورد تو عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ حضور علیہ السلام کی امامیت کے پیش نظر ساری امت کا اتفاق ہے کہ مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا پر نازل ہوں گے۔ یعنی نبی کی نوبت حضور علیہ السلام کے بعد نہیں بلکہ چھ سو سال پہلے ہے۔ جب وہ دنیا میں دوبارہ آئیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ حضور علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے آئیں گے۔ جیسے امت کا کوئی مجدد ہوتا ہے وہ اپنا دستر در نہیں چھانڈے گا بلکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی لائی ہوئی کتاب پر ہی عمل کریں گے۔ اللہ نے ان کو ایک ظہن سلیمت یعنی وہ حال کو تسلیم کرنے کے لیے آسمان پر زندہ رکھا ہے۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہنذا زبیر کے بھی باپ نہیں ہیں۔ البتہ ساری امت کے روحانی باپ اور اللہ

کے آخری نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے جاہلیت کے باطل نظریے کو رد کر دیا۔ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا سب اچیزیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرے گا وہ ہمیشہ کے لیے خائب و خاسر بن جائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا
 كَثِيرًا ۝ (۳۱) وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (۳۲)
 هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَةٌ
 لِيَخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ
 بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ (۳۳) حَبِطَتْهُمْ يَوْمَ
 بَلْفُونَهُ سُلُوكُهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۝ (۳۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنا ۝ (۳۱) اور تسبیح بیان کرو اس کی صبح اور دیکھنے پہر ۝ (۳۲) وہ وہی ذات ہے جو رحمت نازل کرتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے دُعا کے وقت کرتے ہیں تاکہ وہ نکلے تم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ اور وہ ایمان والوں کے ساتھ بہت مہربان ہے ۝ (۳۳) دُعا ان کی جس دن کہ وہ اس سے ملیں گے سلام ہے اور تیار کیا ہے اُس نے ان کے لیے عات کا ثواب ۝ (۳۴)

اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کے نکاح سے متعلق فرمایا کہ کسی مومن مرد و زن کے مابین نہیں ہے کہ وہ اللہ اور رسول کی مشائخے عداوت اپنی مرضی چلائے، پھر اللہ تعالیٰ نے زینبؓ پر کئے گئے انعامات کا ذکر کیا۔

پھر حضرت زینبہ اور زینبہ کے درمیان طلاق اور حضور علیہ السلام کے ساتھ حضرت زینبہ کے نکاح کا ذکر کیا۔ پھر اللہ نے حضور علیہ السلام کو تسلی دی کہ اس ضمن میں مخالفین کے پراگندہ اور خاطر میں نہ لائیں۔ یہ نکاح ہم نے خود کرایا ہے تاکہ اہل ایمان پر یہ مسئلہ واضح ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح بالکل درست ہے فرمایا یہ دستور سابقہ اور اس سے چلا آ رہا ہے اور اللہ نے اپنے انبیاء کے لیے جو چیز مباح قرار دی انہوں نے اس پر عمل کرنے میں کسی ملامت کنندہ کی پروا نہیں کی وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تم میں سے کسی مرد بشمول حضرت زینبہ کے پس نہیں ہیں، بلکہ آپ تو تمام انبیاء اور رسل کے خاتم ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کتاب اور نہ کوئی نئی شریعت ایسا جاہلیت کی رسوم کو ختم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آپ کے ذریعہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکل کر علی طرد پر پیش کر دیا جائے تاکہ آئندہ کیسے یہ باقی لوگوں کے لیے دستور العمل بن جائے۔

ذکر الہی کی
فضیلت

چونکہ کافر، مشرک اور منافق اسلام اور اللہ کے نبی کے خلاف غلط پراپیگنڈہ کرتے تھے جس سے حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کو سخت ذہنی پریشانی ہوتی تھی، تو اس پریشانی کا حل اللہ تعالیٰ نے یہ تجویز فرمایا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا اے ایمان والو! اللہ کا کثرت سے ذکر کرو۔ اگر مخالفین یہودی بائیس اور طعنہ زنی کرتے ہیں تو تم اس کا تذکرہ کیجنا جواب نہ دو بلکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادات کے لیے خاص اوقات اور خاص مقدار مقرر فرمائی ہے مگر ذکر الہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ اس کے لیے نہ کوئی وقت مقرر ہے نہ جگہ اور نہ مقدار۔ جس وقت، جہاں چاہو اور جتنا چاہو اللہ کا ذکر کر سکتے ہو۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں آتا ہے کہ

(قیاض)

سے ابو ذر و مسد ج ۱

ہو۔ فرمایا مخالفین کی تکلیف دہ باتوں کا جواب ذکرِ الہی سے دو کہ یہ چیز تمہارے لیے تقویت کا باعث بنے گی کیونکہ اللہ کا فرمان ہے **أَلَّا يَذْكُرَ اللَّهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ** (الرعد - ۲۸) آگاہ رہو کہ دل کا سکون اللہ کے ذکر کے ذریعے حاصل ہوتا ہے ذکرِ الہی سے انسان کی غفلت دور ہوتی ہے اور اسے قرب الہی حاصل ہوتا ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

فرمایا، ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو **وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا** اور اُس کی تسبیح بیان کر دو صبح کے وقت بھی اور پچھلے پہر بھی تسبیح کا معنی تشریح ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب، نقص اور ضعف سے پاک ہے جب کوئی شخص اپنی زبان سے سبحان اللہ ادا کرتا ہے، تو اس کا سختیہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اُس ذات خداوندی پر ایمان رکھتا ہے جس کی ذات ہر عیب اور آلودگی سے پاک ہے۔

تسبیح خدا تعالیٰ کی بہترین تعریف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **مَنْ صَلَّى الْبُرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ** جو شخص ان دو نمازوں کی پابندی کرے گا۔ وہ جنت میں داخل ہو گا، اور اُسے اللہ کا دیدار نصیب ہو گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم مغلوب نہ ہو ان دو نمازوں پر مداومت اختیار کرو۔

بعض فرماتے ہیں کہ تسبیح سے مطلقاً ذکر مراد ہے، ذکر سے تو انسان کا کوئی لمحہ بھی خالی نہیں ہونا چاہیے۔ مگر یہ دو واقعات ایسے ہیں جن میں اللہ کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ نماز فجر اور عصر کے وقت فرشتوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں۔ ان اوقات میں لوگوں کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ لہذا اس وقت اللہ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا چاہیے تاکہ فرشتے اللہ کے حضور جا کر گواہی دے سکیں

تسبیح کی
تاکید

کہ تو لوگو! جو تیرے بندے کے اس حال میں مجھ کو ذکر آنے میں کرو تیرے ذکر میں مصروف تھا۔

بکثرت
کا نزول

فدیا، خدا تعالیٰ کی ذاتِ ربیبہ کو کہہ رہے تھے **هُوَ الَّذِي يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَعَلَّهَا تَفْتَثَا** جو کہ پر رحمت نازل کر رہا ہے **وَيُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَعَلَّهَا تَفْتَثَا** اور اُس کے فرشتے بھی سلسلۂ ۵ یعنی دُعا ہے اور جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے تو طلبِ نزولِ رحمت ہوتی ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ تو پر رحمت نازل فرماتا ہے، لہذا انہیں اس کی خوشخبری کے کلمہ انجام دو۔ جن کی وجہ سے اُس کی رحمت زیادہ سے زیادہ تمہاری طرف متوجہ ہو۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا خیال رکھو، اخلاقِ حسنہ اپنے اندر پیدا کرو، ذکر کی کثرت رکھو، خدا اور اُس کے رسول کے احکام کی تعمیل کرو۔ پڑائیوں سے اجتناب کرو تو رحمتِ خداوندی تمہاری طرف متوجہ ہوگی۔

اگر سلسلۂ کی نسبت فرشتوں کی طرف کی جانے تو رحمتِ نزولِ رحمت کی دُعا ہوگا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتے تمہارے لیے رحمت کی دُعا کرتے ہیں۔ فرشتے چونکہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اس لیے اُن کی دُعا یقیناً قبول ہوتی ہے۔ اگر یا فرشتے بھی نزولِ رحمت کا باعث بنتے ہیں۔

ظلمت سے
نور کی طرف

فرشتوں کی دُعا اور خدا تعالیٰ کی نزولِ رحمت کا مقصد اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے **يُخْرِجُكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ** کہ وہ تمہیں اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔ اگر تم اس نعمت سے واقعی مستفیض ہونا چاہتے ہو تو اللہ کا کثرت سے ذکر کرو۔ بعض مفسرین کو رام اس کی تفسیر یوں بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کفر سے نکال کر ایمان کی طرف، اور معصیت سے نکال کر اطاعت کی طرف اور جہت سے نکال کر سنت کی طرف لے جائے، چاہتا ہے

مجمع البیان والے اس کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خداوند قدوس تمہیں
 جہالت سے نکال کر معرفت کی طرف، نفاق سے نکال کر اخلاص کی طرف لاتا
 ہے۔ کفر، شرک، نفاق، بدعت، معصیت سب اندھیرے ہیں۔ ان کی وجہ سے
 انسان میں روحانی تاریکی پیدا ہوتی ہے، جو دلوں، اداغوں اور روحوں میں چھا جاتی ہے
 جب تک انسان ان چیزوں سے توبہ نہ کرے وہ حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ یہ سب
 ناپاک چیزیں ہیں اور باطنی طہارت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب کوئی شخص خلوص
 نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے اور اُس میں جذبہ اطاعت
 موجود ہو۔ تو فرمایا کہ خدا تعالیٰ نزولِ رحمت فرماتا ہے، فرشتے اس کے لیے دعائیں کہتے
 ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

فرمایا وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے
 ساتھ بڑا مہربان ہے۔ اہل ایمان پر اُس کی خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اپنے
 فضل و کرم سے اللہ تعالیٰ اُن کی عبادت اور ریاضت کو قبول فرماتا ہے اور
 اُن کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف کرتا ہے۔ یہ اُس کی رحمت و بخشش کی علامت ہے
 ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا تَجِبْتُهُمْ يَوْمَ تَلْقَوْنَهُ
 سَلَامًا جس دن وہ اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے اُس دن
 اُن کی دعا سلام ہے۔ دو مسلمانوں کی ملاقات کے وقت بھی ایک دوسرے
 کو سلام کیا جاتا ہے۔ امام ابو جبرہ جصاص اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔
 کہ یہ لفظ چاہتا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو اُن کی دعا سلام ہی ہونی
 چاہیے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ یعنی دو مسلمان ملاقات پر ایک
 دوسرے کے لیے خیر و سلامتی کی دعا کہیں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر ہر نبی کے
 دور میں سلام و دعا کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ پھر جب دو مومن جنت کے اندر

دعا بطور
 سلام

آپس میں ملیں گے تو وہاں پر ان کی دعا سلام ہی ہوگی۔ جب فرشتے جنتیوں کے پاس آئیں گے تو وہ بھی ان کو سلام کریں گے۔ پھر حبیب نیک لوگوں کے سامنے پیش ہوں گے تو وہاں بھی پروردگار فرمائیے سَلِّمُوا عَلَیْہِمْ؟ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (سین ۵۸۰) اسے نیسے بعد! میری طرف سے تو پرستاری ہو۔ غرضیکہ آپس کی ملاقات کے وقت بھی اور فرشتوں سے ملاقات کے وقت بھی اور پروردگار کی طرف سے بھی سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔ فَرَادَا وَاعْتَدَّ لَهُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا انشُرْنِیْ اِلَیْہِ اَیْمَانِ وَ اَلْوَلِّیِّیْنَ کَیْ لَیْلَیْ بَرِّیْ عِزَّتِ وَ اَلَا اَجْرٌ وَ ثَوَابٌ تَبَارَکَ کَہَاجِبِ اَن کَے درجہات بلند ہوں گے اور انہیں عزت کا مقام حاصل ہوگا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا
 وَنَذِيرًا ﴿٤٥﴾ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا
 مُنِيرًا ﴿٤٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ
 مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ﴿٤٧﴾ وَلَا تُلَاحِظْ
 الْكٰفِرِينَ وَالسُّفٰهِيْنَ وَدَعْ أَذٰهَمَ وَتَوَكَّلْ عَلَى
 اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿٤٨﴾

ترجمہ:- اے نبی! بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو
 شاہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ﴿۴۵﴾
 اور بلانے والا اللہ کی طرف اُس کے حکم سے اور روشن
 چراغ ﴿۴۶﴾ اور آپ خوشخبری دیں ایمان والوں کو کہ بیشک
 ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے ﴿۴۷﴾
 اور آپ نہ بات مانیں کفر کرنے والوں کی اور منافقوں
 کی، اور چھوڑ دیں آپ ان کی طرف سے ایذا رسانی، اور
 بھروسہ کہیں اللہ کی ذات پر۔ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ
 کام بنانے والا ﴿۴۸﴾

گزشتہ درس میں پہلے اہل ایمان کو کثرت سے ذکر الہی کرنے کا حکم
 دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنی مہربانیوں کا تذکرہ کیا کہ وہ خود رحمت
 نازل کرتا ہے اور فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر بہت مہربان ہے اور انہیں انہیں صبروں سے نکال کر دینی کی طرف لانا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں حضور علیہ السلام کی فضیلت اور آپ خیر نبوت کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے حضرت عقیقہ اور ائمہ اربعین کا منہ بند کر دیا اور اللہ نے واضح فرمایا کہ آپ مردوں میں سے کسی کے پاس نہیں جگہ ساری امت کے روحانی باپ ہیں۔ لہذا تشریح آپ کے حقیقی بیٹے ہیں اور نہ ان کی بیوی بچی جو ہے کہ اُس سے نجات حاصل ہو۔ اللہ کی مثال کردہ چیز پر طعن کرنا گناہ اللہ کی ذات پر طعن کرنا ہے۔ لہذا آپ ائمہ اربعین کی باتوں سے متاثر نہ ہوں۔ جگہ جائز کام پر عمل کر کے باقی امت کے لیے بھی آسانی کا سامان پیدا کر دینا۔

حضرت علیؑ
بطور شہید

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی فضیلت اور بعض صحابہ کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ ایمان والوں کو شہادت بھی دی گئی ہے۔ ارشاد ہوئے
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرَسْنَا لَكَ مَسَاجِدًا لَمْ يَأْتِ بِهَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ
کہ شہاد بنا کر بھیجے ہے۔ قرآن پاک میں عام طور پر حضور علیہ السلام کو لئے رسول یا نبی فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اکتفا فرمایا کہ اسے کہہ کر بھی منیٰ طلب کیا ہے، مسکن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں بھی نہ محمد کہہ کر منیٰ طلب نہیں کیا گیا۔ اس سے باقی انبیاء پر آپ کی فضیلت کا اظہار بھی ہو آئے۔ چنانچہ ایمان والوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ آپ کی عظمت و تکریم کو ملحوظ رکھیں اور قول و فعل سے کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تخطیعت پہنچے۔ قرآن نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو شہاد بنا کر بھیجا ہے۔ شاہ کا بھی گزرا ہو کہ ہے۔ ارشاد است لاسمى لکرمی دینا ہو آئے۔ جیسے فرمایا وَاقْتُلُوا
الشَّهَادَةَ لِلَّهِ مَعِيَ اللہ کی رضا کی خاطر نہ خودیاد شہاد کر اس دور۔

شہاد کے معنی
ہونے کی خاطر

بعض لوگ غلط شاہد کر لیا ہے کہ سادہ لوگ لوگوں کو کہہ کر کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے شاہد لاسمى عامر نہ مانگا ہے۔ اور دلیل یہ دینی ہے کہ لوگوں کو جرات ہے کہ کسی چیز کو اپنی عقول سے رد کر لیں اور یہاں سے حضرت علیہ السلام کو

چونکہ شاہد کا لقب دیا گیا ہے لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور اسی بناء پر قیامت کے روز اللہ کی بارگاہ میں گواہی دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ لفظ شاہد کا معنی حاضر و ناظر اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی کسی مقامات پر نفی کی ہے مثلاً سورۃ قصص میں ہے کہ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا تو آپ طور کے مغربی جانب تھے نہیں تھے وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ (آیت ۲۴) اور نہ ہی آپ دیکھنے والوں میں تھے یعنی آپ وہاں حاضر و ناظر نہیں تھے۔ اس کے برخلاف وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (البزج - ۹) ہر مقام اور ہر چیز پر حاضر و ناظر تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ یہ صفت مخلوق میں سے کسی میں نہیں پائی جاتی۔

اللہ کی
وحدانیت
کی گواہی

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ شاہد کا معنی گواہی دینے والا بھی درست ہے۔ اور اس کا اطلاق حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ پر کیا جائے تو جملے کا معنی یہ ہوگا کہ اے نبی! ہم نے آپ کو اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس معنی کی تائید حضور علیہ السلام کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سے دو جنازے گزرے۔ ایک میت کے متعلق صحابہ کرام نے بتایا کہ یہ نیک اور اچھا آدمی تھا، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس پر واجب ہوگی۔ پھر دوسرے جنازے کے متعلق صحابہ نے کہا کہ یہ مجرا آدمی تھا تو حضور نے فرمایا کہ واجب ہوگی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا حضور! کیا چیز واجب ہوگی؟ فرمایا جس شخص کے متعلق تم نے اچھائی کی گواہی دی۔ اس کے لیے جنت واجب ہوگی۔ اور جس کے لیے بُرائی کی گواہی دی اُس پر دوزخ واجب ہوگی۔ پھر آپ نے تین دفعہ فرمایا
أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ يَعْنِي تَمَّ زَمِينٌ فِي السُّرِّ كَمَا كُنْتُمْ

یعنی اللہ کے دین میں اور اس کی وحدانیت کی گواہی شینے سے ہے۔ الغرض اگر وہ سے
مراودین حق اور اللہ کی وحدانیت کی گواہی شینے والا ہے۔

بعض دین
کی گواہی

بعض فرماتے ہیں کہ اس گواہی سے مراد تبلیغ دین حق کی شہادت ہے۔ قیامت
کے دن جب حضور علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو گواہی دیں گے کہ میں
نے دین حق لگوں تک پہنچا دیا تھا۔ اس کے علاوہ قیامت کے پیغمبر اور امت دونوں
کے لیے گواہی ہوگی۔ فَكَيْفَ إِذْ أَجِئْتَنَا مِنْكُمْ قُلْ أَشْهَدُ بِمَا أَنْصَرْتُكُمْ عَلَيْهِ
وَأَنَا مِنَ الْمُنْصَرِّينَ هُوَ الَّذِي أَشْهَدُ بِاللَّهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ
جب ہم ہر امت میں سے گزرا لائیں گے، اور پھر ان سب پر آپ کو بطور گواہ پیش
کیا جائے گا۔ اور آپ گواہی دیں گے کہ میں نے دین حق کا بیجا دامت تک
پہنچا دیا تھا۔ یہ حضور مجتہد الزماح کے نظریہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے
فرمایا کہ میرے ہاتھ میں تیرے قیامت کے دن سوال ہوگا تو تم کی جواب دہی
تو لوگوں نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیں گے فَذَلِكَ نَبِيُّكَ إِذْ حَاكَمْتَهُ
وَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لَئِن لَّمْ يَؤْتُوا بِلَايَةِ رَبِّكَ إِذْ يَنصُرُكَ أَوْ لَوْلَا
تبلیغ و حق اور گواہی اور امت سے تیرے فریبی حق میں اور گواہی، غرضیکہ یہاں پر گواہی
سے مراد دین حق کی تبلیغ کی گواہی بھی ہو سکتی ہے۔

اعمالِ نیت
کی گواہی

شہادت سے مراد اعمال کی شہادت بھی ہو سکتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی
عبادت طیبہ میں اپنی امت کے جن اعمال کو دیکھا ان کی گواہی دیں گے مگر بعد میں
آئے دنوں کے متعلق آپ کو خبر نہیں ہوگی، اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تم بھی بطور گواہ
اٹھو پہلی ساری نیت کی گواہی دیں گے تو یہ اس صورت میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو تمام
اعمال خیرہ ضریحاً مطلع کرے، مگر بعد میں آنے والوں کے اعمال سے دھمکی کی آئینہ صیغ مرث

اس امانت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ جواب دین کے کو مولانا کریم! ہم نے یہی
 امانت یعنی تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں تک پہنچا دیا۔ پھر امتوں کو طلب کیا جائے گا۔
 اور پوچھا جائے گا کیا میرے نبیوں نے یہی امانت تم تک پہنچائی **فَعَلِمْتُمْ**
الْمُصَدِّقِ وَ مِنْهُمْ الْعُكَّادُ یہ بعض امتیں یہ بشارت الہی وصول کرنے
 کی تصدیق کریں گی اور بعض انکار کریں گی کہ ہم تک نہ کر رہا امانت نہیں پہنچی۔ پھر
 انکار کرنے والی امتوں کے نبیوں سے صفائی کی گواہی طلب کی جائیگی کہ انہوں نے
 واقعی اللہ کا پیغام امت تک پہنچا دیا تھا۔ اس گواہی کیلئے اللہ کے نبی اللہ کے آفرین
 رسول کی امت کی گواہی پیش کریں گے اور وہ امت گواہی شے کی کہ سالۃ انبیاء نے اپنی
 اپنی امتوں تک خدا کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ وہ امتیں اس گواہی پر اعتراض کریں گی
 کہ آخری امت کے لوگ ہم پر کیسے گواہین سکتے ہیں۔ جب تک کہ یہ تو ہمارے دور
 کے بعد دنیا میں آئے۔ وہ عرض کریں گے مولانا کریم! کرنے ہماری طرف اپنا آخری
 رسول بھی اور کتاب نازل فرمائی۔ ہمیں تیری اس کتاب سے معلوم ہوا **اِنَّكَ**
اَنْتَ لَعَلَّوْا رَسُلَاتِكَ رَبِّهِمْ (المعین - ۶۸) تمام انبیاء اللہ کا پیغام
 اپنی اپنی امتوں تک پہنچا دیا۔ لہذا ہم تو بھی شیئے میں حق بھی نہیں۔ بعد اللہ تعالیٰ
 حضور تھامہ البیہود علیہ السلام کو کھڑا کرے گا جو کہ اپنی امت کی صفائی پیش کریں گے
 کہ یہ لوگ صحیح گواہی شے تھے ہیں۔ شاہ کا یہ سنی بھی درست ہے۔ شاہ علیہ الصلوٰۃ
 اور صاحب مذاہبات القرآن امام اعظم مسلمانانے اس مقدمہ پر شاہ کا سنی سلطانیت
 یعنی لے اللہ کے نبی! ہم نے آپ کو معلوم بنا کر بھیجا ہے۔ آپ اپنے زشتے کے لوگوں
 کے معلوم ہیں اور یہ لوگ دور کے لوگوں کے معلوم ہوں گے۔ اور اس طرح دین حق کا پیغام
 قیامت تک آئے دن لوگوں تک پہنچا رہے گا۔

نبی محمد
 صلی اللہ
 علیہ وسلم

فرمایا: اے نبی! ہم نے آپ کو شاہ بنا کر بھیجا ہے وہ کبھی تو مسکند نہ ہو
 اور جو شجرہ شیئے والا اور ڈرنا سے والا بھی۔ بقدرت ہمیشہ پاکیزہ جنت سے اور تک
 اعمال پر دی جاتی ہے۔ جو لوگ حقیت کو دین کو اختیار کریں گے۔ کفر شرک۔ افساق اور

معصیت سے پرہیز کریں گے، اعمالِ صالحہ انجام دیں گے، اخلاقِ حسنہ کا مظاہرہ کریں گے، تمام حقوق ادا کریں گے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے محنت کریں گے، انہیں ان کی کامیابی پر بشارت دی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے اور انہیں مرتبہ عالیہ حاصل ہوں گے۔ اس لحاظ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے لیے بطور مبشر ہیں۔ اس کے برخلاف جو شخص کھڑ، شرک، نفاق اور بدعات کا راستہ اختیار کرے گا۔ عملی طور پر ہر قسم کی برائی کو اختیار کرے گا۔ وہ بالآخر خدا تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے حضور نبی کریم علیہ السلام ڈر سنانے ملے ہیں۔ آپ ان کو بڑے انجام سے آگاہ کرتے ہیں۔ شاید کہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔

داعی اللہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حیثیت داعی الی اللہ کی بھی ہے آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلا تے ہیں۔ اسی لیے یہاں فرمایا ہے **وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ** آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے ملے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کی کتاب اور اس کے احکام پڑھ کر سناتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں، کہ نیکی کا انجام بخیر اور برائی کا نتیجہ بہت بُرا ہوگا۔ دعوت الی اللہ بہت بڑی نیکی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا** (حکیم السجدہ - ۲۳) اُس شخص سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور نیک اعمال انجام دیتا ہے۔ الغرض حضور علیہ السلام داعی الی اللہ ہیں مگر **بِأَذْنِهِ** اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ اللہ نے آپ کو یہ منصب سونپا ہے تو ساتھ آسانی بھی پیدا کر دی ہے۔

پھر فرمایا **وَسِرَاجًا مُنِيرًا** ہم نے آپ کو روشن چراغ بھی بنا کر بھیجا ہے۔ اس سے مراد ہدایت کا روشن چراغ ہے۔ آپ کا قلب مبارک مرکز ہدایت اور آپ کی ذات مبارک کہ سراجِ منیر ہے۔

سراجِ منیر

بعض فرماتے ہیں کہ سراجِ منیر سے مراد سورج ہے جس کی آتب و تاب

سبک زیادہ ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ آپ دنیا میں آفتابِ ہدایت ہیں۔ قرآن پاک میں سورج کو بھی سزا دی گئی ہے لیکن بعض مشرکین کو نہ فرشتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے حضور ہی اللہ کے واسطے دعا ہے اور وہ یہ کہ سورج کی روشنی صرف دن کے وقت ہوتی ہے اور رات کو غائب ہو جاتی ہے، جب کہ چراغ کو دن رات کے گھم گھم میں روشن کر لو وہ بجھانے کا چرچا حضور علیہ السلام سے ہدایت کی روشنی کی غمزدست ہر وقت اور ہر آن ہے۔ لہذا آپ کو روشن چراغ سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سورج ایک جی ہے اور اس سے دوسرا سورج نہیں نکلتا۔ اس کے برخلاف چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام جیسے روشن چراغ سے روشنی سے کر سکتے ہیں چراغ دنیا میں پھیل گئے اور اس طرح پوری دنیا گمراہی کے اندھیروں سے نکل کر نورِ ہدایت کی روشنی میں آگئی اور تیسری بات یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی کے مطابق جب چاہے چراغ سے روشنی حاصل کر سکتا ہے اور حسبِ ضرورت اس سے مستغنیہ ہو سکتا ہے۔ اس کے برخلاف سورج کی روشنی اضطراری ہے اور کوئی انسان چاہے یا نہ چاہے وہ اپنے وقت پر پہنچتی ہے اور انسان کو اس پر کوئی اختیار نہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے علم و کسوفان اور تعلیمات سے سبب و ذریعہ ہوا ہو سکتا ہے۔ اس لیے بھی آپ کو روشن چراغ کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص کی روایت میں آئے کہ حضور علیہ السلام کی قرآن میں کلامیں صحافت کا ذکر آتا ہے اور وہ ہے موصوف بالحق و متعلق بہ المغاظہ میں جس کا کلام مستحق یعنی آپ عرب کے امیوں کے لیے صحافت اور کلامِ نیر ہیں اور یہ بات سو فیصدی درست ہے۔ دیکھیں اللہ

حضور علیہ السلام
کا تذکرہ
قرآن میں

نے عربوں کو کہیں قدر بلند مرتبے پر پہنچایا کہ ساری دنیا کے معلم بن گئے۔ اللہ نے ساری دنیا کی سیاست کو اُن پڑھ عربوں کے ہاتھ میں دیدیا۔ اللہ نے تواریت میں آپ کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں اور میں نے آپ کا نام توکل رکھا ہے۔ آپ نہ بدگو اور فحش کلام کہنے والے ہیں اور نہ بازاروں میں شور و شر کرنے والے آپ بُرائی کو بُرائی سے نہیں مٹاتے بلکہ درگزر کرتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں۔ اس آخری نبی کو اللہ تعالیٰ نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ ٹیڑھی ملت کو درست نہ کر دے اور لوگ اپنی زبانوں سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھنے لگیں جس سے اندھی آنکھیں روشن ہو جائیں اور بہرے کان سُنے لگیں اور بند دل کھل جائیں۔ حضور علیہ السلام کے یہ تمام اوصاف تواریت میں بیان کیے گئے ہیں۔

شیخانی
کے شاعر

مفسر قرآن امام ابن ابی حاتم کی روایت (حسے امام ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے) میں آتا ہے کہ حضرت وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ نبی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شیخا علیہ السلام پر خدا تعالیٰ نے وحی کی کہ اپنی قوم نبی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ، میں تمہاری زبان کو وحی کے ساتھ گویا کروں گا اور تم لوگوں کو یہ باتیں سننا دو کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے اَبْعَثْ اٰمِيًا هُنَّ الْاَوْفٰنَ کہ میں امیوں میں سے ایک امی نبی کو بھیجنے والا ہوں۔ وہ درشت مزاج اور سنگدل نہیں ہوگا۔ بازاروں میں شور و شر کرنے والا نہیں ہوگا۔ اتنے سکون والا ہوگا کہ چراغ کے پاس سے گزرتے تو اس کو بجھانے نہیں اگر سر کندھوں کے اُوپر پاؤں رکھ کر چلے تو ان کی آواز تک نہ آئے۔ میں اس کو بیشتر اور نذیر بنا کر بھیجوں گا، وہ کوئی فحش بات نہیں کرے گا۔ میں اس کے ذریعے اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا۔ اور بہرے کانوں کو سنوا دوں گا۔ میں اس کے لیے ہلہل جمیل کر درست کر دوں گا۔ اور اُسے خلق جمیل عطا کروں گا۔ میں سلیمت اور اطمینان کو اس کا لباس بنا دوں گا، نیکی اُس کا شعار ہوگا۔ اور تقویٰ اُس کے ضمیر کی بات ہو

برگی، بھکت اس کی گنتی، صدق و وفا اس کا مزاج، اور عضو و بیج اس کا اخلاق ہوگا۔
 حق اس کی شریعت ہوگی، اور عدل اس کی سیرت ہوگی، پابست اس کی بیٹیا ہوگی۔
 اور اسلام اس کی امت ہوگی اور احمد اس کا نام ہوگا۔ میں اس کے ذمے سے گواہی کے
 بعد پابست مہا کروں گا، اور کائنات کے لوگوں کو عبادت کے بعد علم عطا کروں گا۔
 میں اس کے ذمے سے عرب کے گناہم لوگوں کو جنت کروں گا، اور اُن کو اُور سے ہونے
 کے بعد معرفت کروں گا۔ اُن کی قلت کو کثرت میں تبدیل کروں گا، اور متوجہ کو فتنی
 میں بدل دوں گا، اُن کو تفرقہ کے بعد جمع کروں گا، میں اس کے ذمے سے مختلف دلوں
 مختلف امتوں اور مختلف خواہشات کو اکٹھا کروں گا، لوگوں کی ایک بڑی تعداد
 کو جلاکت سے بچا دوں گا، اُس کی امت کو تمام امتوں سے بہتر امت بنا دوں گا اور اُسے
 تمام لوگوں کی ہدایت پر، مہر کروں گا، وہ دوسرے معروف اور منجہ عن النار کو فریضہ ادا
 کریں گے۔ وہ اللہ کی قرعیدہ کو منسے بنے، جمیع ایمان رکھنے والے اور اخصاص
 کی دولت سے محروم رہیں گے۔ وہ صدیقین یعنی میرے رسولوں کی تمام باتوں کی تصدیق
 کرنے والے ہوں گے۔ میں اُن کو سیاح و تجرید اور ثنا اللہ نام کروں گا جسے وہ ادا کریں گے
 اور میری بڑائی بیان کریں گے اور میری قرعیدہ گواہی دیں گے۔ وہ لوگ اپنی مسجدوں، مجلسوں
 راستوں اور قعقلوں میں گھومنے پر کرا اور بیٹھ کر رضا پر زمینیں گے اور صحت و درصت
 ہو کر اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے۔ وہ ہزاروں کی تعداد چلیں گے اور وہ
 میری رضا کی خوش میں نکلیں گے، اپنے پیروں اور اعضاء کو پاک بناؤں گے یعنی کھار
 اختیار کریں گے اور اپنے کپڑے، دھار، جہنم وغیرہ کو انصاف پنڈل ٹھک، ہضمیں
 گے، اُن کی قربانیاں اللہ کی راہ میں قربان ہانے سے پہلے اور اُن کی انجیلیں اُن کے سیزوں
 میں ہوں گے (یعنی قرآن مجید پر کرا) وہ ذات کے وقت راہب ہوں گے، اور
 دن کے وقت شیر ہوں گے (یعنی راست کو عبادت گزار اور دن کو مہم ہوں گے)
 فریاد اس بچے کے اہل بیت میں بہت کرنے والے صدیقین، شہداء اور صالحین پر
 گئے، اور آپ کی امت آپ کے بعد حق کی ہدایت کرنے والی ہوگی۔ جو ان کی مدد

کرے گا۔ میں اس کو عزت دوں گا۔ اور جو ان کے لیے دعا کرے گا۔ میں اس کی تائید کروں گا۔ اور گردش ان کے مخالفوں پر ڈال دوں گا، اور انھیں اپنے نبی کا وارث بناؤں گا۔

فرمایا جس طرح وہ نبی داعی الی اللہ ہے اسی طرح اُس کی امت کے لوگوں میں بھی داعی الی اللہ ہوں گے۔ جو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور عہد کو پورا کریں گے۔ میں ان کا اختتام بھی اسی سبب سے ہی کروں گا جس سے ان کی ابتدا کی گئی تھی اور پھر آخر میں فرمایا ذَلِكْ فَضْلِي، یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں عطا کروں میں فضلِ عظیم کا مالک ہوں۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ نے دیگر اہل ایمان کا ذکر بھی کیا اور فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ آپ ایمان والوں کو بشارت سنا دیں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّكُمْ حَقَّتْ لَكُمْ الْجَنَّةُ کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔ اللہ نے اس امت کو تمام سابقہ امتوں پر فضیلت بخشی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ ہم سب آخر میں آنے والے ہیں مگر سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت ہر جگہ اس امت کو فوقیت عطا فرمائی ہے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، لوگو! اللہ نے تمہیں خیر الائم بنایا ہے، لہذا اس کی شرائط کو بھی پورا کرو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتے رہو اور دین کے قیام میں وفاداری بھی دکھاؤ۔

حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کے فضائل بیان کرنے کے بعد فرمایا وَلَا تَطِيعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ آپ کافروں اور منافقین کی بات نہ مانیں وہ تو آپ کو آپ کے مشن سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ طعن و تشنیع اور جھوٹا پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ مگر آپ ان کی باتوں پر توجہ نہ دیں وَدَعِ اٰذٰنَهُمْ

اہل ایمان کے لیے بشارت

مشن پر استقامت

جو از سببِ وہ مخالفین پہنچتا ہے میں ان کو چھوڑ دوں اور اپنے مشن پر قائم رہیں وَلَوْ كُنَّا
 عَلٰی الْقَدْرِ اُوْر اَلْاَمْرِ بِمَعْرُوسٍ رَكْعَتَيْنِ كَيْفَ نَكْفِيكَ لَمَّا سَمِعْتُمْ رَجْعِيْ سُبْحَانَ رَبِّيْ
 اَعْلَمُ بِمَا تَكْفُرُوْنَ ۝ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا اُوْر اَللّٰهُ تَعَالٰی ہُوَ اِسْمَازِ کَافٰی ہُوَ
 وَہی کام بنائے گا کہ جو سارا استیبار اُس کے پاس ہے۔ وہ ساری جگہوں کو خود بنائے گا۔
 آپ میں پہنچنے پر کرگرم کے مطابق چلے رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ
 ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ
 فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا
 فَمَتَّعُوهُنَّ وَسِرَّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۚ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نکاح کرے مومن
 عورتوں کے ساتھ، پھر تم ان کو طلاق دے دو قبل اس کے
 کہ تم ان کو لٹھ لگاؤ، پس نہیں ہے تمہارا۔۔۔ بے ان پر
 کوئی عدت جس کو تم ان عورتوں سے بڑا ڈراؤ۔ پس
 فائدہ پہنچاؤ ان کو اور رخصت کرو۔ ان کو رخصت
 کرنا اچھے طریقے سے ﴿۴۹﴾

گذشتہ آیات میں متنبلی کی مطلقہ سے نکاح کا مسئلہ بیان ہوا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کے مرتبہ عالیہ اور آپ کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد
 مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور فرشتوں کی طرف سے دعائے رحمت
 کا بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے آخری پیغمبر کو شاہد، مبشر، نذیر
 داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر جوڑ فرمایا۔ پھر آخری امت کی فضیلت کا تذکرہ
 بھی ہوا۔ حضور علیہ السلام کو تسلی دی گئی کہ آپؐ مخالفین کی ایذا رسانیوں کی طرف
 توجہ نہ کریں بلکہ اپنا مشن دلجی کے ساتھ جاری رکھیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی ذات
 پر ہر دوسرے رکھیں کہ حقیقی کارساز وہی ہے۔

گذشتہ درس میں حضرت زینب اور حضرت زینب کے نکاح، پھر ان کے

ربط آیت

عدت کے
سالی

درمیان طلاق اور صبر علیہ السلام کے ساتھ نکاح کا بیان ہو چکا ہے۔ جہاں طلاق کا ذکر آئے ہے وہاں عدت کا مسلحہ بھی آیا ہے کہ مختلف صورتوں میں عورت کی عدت کتنی ہے جس کے بعد وہ نکاح کر سکتی ہے۔ آخر کیا میں مختلف صورتوں میں عدت کی مقدار کا تعین ہو چکا ہے۔ شفا جب کسی عام جوڑے کے درمیان طلاق واقع ہو جائے تو طلاق عورت کی عدت تین تین ہفتے ہے۔ اور اگر وہ کم سن ہے یا کبریٰ کی دوسرے جنس میں ہو چکا ہے تو عدت تین ماہ تصور ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی عورت کا ناندہ فوت ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے اور اگر وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ یہ مدت تھوڑی ہو یا زیادہ اس کا پھر لحاظ نہیں ہوگا۔

ظہر تبارک
سلسلہ

طلاق کی مذکورہ صورتوں کے علاوہ ایک اور صورت بھی ہے جس کا ذکر آگے نہیں ہوا ہے۔ یہ ایسی صورت ہے کہ نکاح کے بعد یہاں بڑی کی بہترت سے قبل ہی طلاق واقع ہو جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ معشرین کا بیان ہے کہ اس کو نکاح کا واقعہ غرض علیہ السلام کے ساتھ بھی ہمیشہ آیا تھا۔ آپ نے ایک عاتق کے ساتھ نکاح کیا۔ جب آپ اس کے ٹھکانے پر تشریف لے گئے تو وہ گتہ کئے گئے تو اس میں تھوسے انوکھے پناہ چاہتی ہوں۔ آپ! ہر آگے اور فرمایا کہ تو نے بہت بڑی ذات کی پناہ طلب کی ہے، لہذا میں نے تمہیں پناہ دے دی ہے پھر آپ نے اس عورت کو طلاق دے دی۔ ایسی ہی طلاق کے متعلق ائمہ نے یہاں ارشاد فرمایا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا! إِذَا تَكَتَّمُ الْمُؤْمِنَاتِ
بِسِتْمِ بَوَازِئِرٍ مِّنْكُمْ فَلْيَقِمْ لَهُنَّ مِنْ قَبْلِ
أَنْ تَكْسُوهُنَّ يَوْمَ تَكْفُرْنَ أَنْ تَكْسُوهُنَّ أَنْ تَكْسُوهُنَّ أَنْ تَكْسُوهُنَّ أَنْ تَكْسُوهُنَّ
فَلْيَقِمْ لَهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَكْسُوهُنَّ أَنْ تَكْسُوهُنَّ أَنْ تَكْسُوهُنَّ أَنْ تَكْسُوهُنَّ

یہ ایسی عورتوں پر کوئی عدت نہیں ہے جسے تم پورا کرو۔
 مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مومنہ عورتوں سے
 نکاح اور پھر قبل از مساس طلاق کا ذکر کیا ہے جو کہ محض مومنہ کی شرف و فضیلت کے
 لیے ہے، وگرنہ اگر کوئی شخص کسی کتابیہ عورت سے بھی نکاح اور پھر اُسے خلوت سے
 قبل طلاق دے دے تو اُس کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے بیان پر **لَمَسْتَوْهْنًا** کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی محض مس کرنا
 یا ہاتھ لگانا ہوتا ہے۔ مگر مطلب محض ہاتھ لگانا نہیں بلکہ مباشرت کرنا ہے۔ اس
 سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدت کو مجامعت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب
 میاں بیوی آپس میں ملتے ہیں۔ تو حمل قرار پانے کا امکان ہوتا ہے۔ اللہ نے
 تین حیض کی عدت اسی لیے مقرر کی ہے تاکہ اچھی طرح تسلی ہو جائے کہ عدت
 حاملہ نہیں ہے اور نکاح ثانی کی صورت میں نسل میں خلط ملط نہ ہو۔ اور اگر حمل موجود
 ہے تو عدت کی مدت وضع حمل بھی اسی نظریہ کے تحت رکھی گئی ہے؛ **بائیں ہمسر**
امام ابو حنیفہ خلوت صحیحہ کو بھی مباشرت کے قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ ان کا نظریہ
 یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کو نکاح کے بعد ایسی خلوت حاصل ہو جائے کہ مباشرت
 میں کوئی چیز حامل نہ ہو، اور اس کے بعد طلاق واقع ہو جائے تو اس خلوت کو مباشرت
 کے قائم مقام سمجھا جائے گا اور عورت کے لیے عدت پوری کرنا ضروری ہو جائیگا۔
 دوران عدت بھی عورت کے لیے بعض احکام لاکر ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ کا
 فرمان ہے کہ عورت طلاق قبل خاوند کے ساتھ جس مکان میں رہتی تھی، وہ اسی مکان میں
 عدت گزارے اور خاوند یا اُس کے لواحقین کو حکم دیا ہے کہ وہ مطلقاً یا بروہ کو زبردستی
 اُس مکان سے نہ نکالیں۔ ماں اگر کوئی ایسی غیر معمولی صورت مال پیدا ہو جائے کہ
 اُس گھر میں عدت پوری کرنا ممکن نہ ہو تو پھر وہ دوسری جگہ بھی جاسکتی ہے۔ البتہ

دوران عدت
 کے احکام

دوران عدت خیرچہ اُس کے غار نہ اِلاستین کے ذمے ہوگا۔ جہاں تک نہر تعلق ہے تو اگر سیاں بڑی میں یا بشرت بڑی ہے تو روز امر اور اکرا، جو کا اور اگر عدت نہیں ہوئی۔ اور طلاق واقع ہوگئی ہے تو مقررہ نہر کا نصبت دینا ہوگا۔ اور اگر نہر قمر نہیں پڑا اور قبل از ماس طلاق ہوگئی تو فرمایا **فَصَبَّحُوا بِهِنَّ قَرَأَى كُفَانًا** پہنچاؤ فائدے کی نظر بیچ میں عسکرن کرام فرشتے میں کہ کہ انہم ایک جڑا کچھڑے سے دو جو کہ ایسی حرمت گزارا کرنا واجب ہوگا۔ ان اطلاق کی عام صورتوں میں ہی حلقہ کو ایک جڑا کچھڑے دیکر رخصت کرنا مستحب ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ جو بڑی قسم کا ہو، کم قیمت کا ہو یا زیادہ قیمت کا، تو سورۃ بقرہ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ وہاں ارشاد ہے **فَصَبَّحُوا بِهِنَّ عَلَى الْمَوْجِعِ قَدْرًا وَعَلَى الْمَعْتَرِ قَدْرًا** (آیت ۲۳۶) مطلب یہ کہ امیر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق جڑا لے اور تنگ دست اپنی مالیت کے مطابق لے۔ اور اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ مرد اور عورت کے خاندانوں میں سے ایک خاندان امیر ہے۔ اور دوسرا غریب تو پھر در دیا نے مجھے کا جڑا دینا ہوگا۔

عالمی قوانین کی تشریح

ہماتے ملک کے عالمی قوانین کی بعض دفعات کے خلاف طلاقے کرام اکثر آواز امتناع بلند کرتے دیکھتے ہیں۔ اس قانون کی خرابیوں میں عدت کا مندرجہ شایع ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ طلاق کی مختلف صورتوں میں عدت بھی مختلف ہے۔ مگر عالمی قوانین میں ہر حالت میں عدت کی معیاروں سے ان معجزاتی گئی ہے۔ جو کہ عدت نہیں، اسی طرح بتیم پوتے کی وراثت کا مندرجہ ہے۔ ایشیائی جرم پوتے کا دارے کی وراثت میں کوئی حصہ نہیں رکھا۔ مگر ہماتے عالمی قوانین میں اس کا حصہ بھی رکھا گیا ہے۔ جو کہ قرآن پاک کی صریح خلاف ورزی ہے۔ یہ پودوں کی کامشورہ تھا اور اسلامی قانون وراثت کے خلاف کچھ حال اس میں آیت کریمہ میں یہ مندرجہ بیان کیا

گیا ہے کہ جس عورت کو مقاربت سے پہلے طلاق مل جائے اس کی کوئی عدت نہیں
 وَتَسِرْ حَوْهِنَّ سَرَاحًا بَحْتِيلاً پھر انہیں اچھے طریقے سے
 رخصت کر دو۔ مطلقہ کو اچھے طریقے سے رخصت کرنا ایک ایسی خصوصیت ہے جو
 اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔ یہ حسن معاشرت کا اسلامی اصول ہے کہ اگر بوجہ میاں
 بیوی کا نباہ نہیں ہو سکتا تو پھر مجبوراً ایک دوسرے کے ساتھ چھٹے رہ کر زندگی کو اجیرن
 بنا لیں۔ اچھی بات نہیں بلکہ طلاق کے ذریعے علیحدگی اختیار کر لو۔ اور اس موقع پر بھی
 کسی گالی گھونچ یا تشہد کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ طلاق جیسے پاپنہ
 فعل کے باوجود مطلقہ کو عزت و احترام کے ساتھ احسن طریقے سے رخصت کرو۔
 اگر مرد مقرر ہے اور قابل ادا ہو گیا ہے تو ادا کرو۔ ایک جڑا کپڑے دو۔ دوران عدت
 عورت کو گھر سے نہ نکالو اور ہر ممکنہ سہولت سہم سہیاد۔ اسلام نے تو اپنے مخالف کے ساتھ
 بھی حسن سلوک کی تعلیم دی ہے اور کسی بڑائی کی اجازت نہیں دی۔ طلاق کا معاملہ ہی دیکھ
 لیں۔ جب میاں بیوی کا اختلاف بڑھ جاتا ہے تو بعض لوگ غصے میں آکر ناک کاٹ ڈالتے
 ہیں مگر اسلام نے ایسی چیزوں کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا کہ تمام فرائض اور حقوق ادا کرو۔
 پوری ذمہ داری کا ثبوت دو اور قرآن و سنت کے بتائے ہوئے ضابطے پر عمل پیرا ہو جاؤ۔
 اسلام کی بہترین تعلیم ہی اس کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے باوجود اگر لوگ
 جھگڑتے پھرتے اور معاشرتی قوانین کے لیے اغیار کی طرف دیکھتے پھرتے، تو یہ ان کی بدبختی
 کی علامت ہے۔

اچھے طریقے
 سے رخصت

آج کل دنیا میں انسانی بہبودی کی بڑی تشریح ہو رہی ہے۔ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں نے
 انسانی بہبودی کے بڑے بڑے اصول وضع کیے ہیں۔ اقوام متحدہ (U.N.O.)
 کا چارٹر بھی موجود ہے۔ انسانی بہبودی کے عالمی ادارے دنیا بھر میں تحقیق کو مالی مدد فراہم
 کرتے ہیں۔ کہیں قحط پڑ جانے، زلزلہ آجانے، جنگ لگ جائے یا طوفان آجانے
 تو یہ ادارے حتی المقدور متاثرین کی امداد کرتے ہیں مگر کوئی بھی ادارہ خود غرضی سے خالی نہیں
 یہ ادارے اس امداد کے ذریعے مذہبی یا سیاسی مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بعض عیسائی

انسانی بہبودی
 کا اصول

تشریح میں جو امداد کے نام پر لوگوں کو حیثیت کی طرف مائل کرتی ہیں۔ جس کا مقصد یہی
سیاسی ترقی کے لیے امداد دینے ہیں۔ مگر برہمنی انہیں سیاسی سہا دہ حاصل ہونے میں ٹھک
بوزور ڈال کر کھینچ لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں اور عسکوں میں انسانی بھروسہ
کا خاص نیا بوجہ نہیں ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا سبب ہے جو سیاسی معاشرتی
اور مذہبی وابستگی سے بالاتر ہو کر صرف انسانی بھروسہ کی بنیاد پر امداد فراہم کرنے کا
درس دیتا ہے۔

اسلام اور
ظہیر بن سبیب
کا تعلق

اسلام ایک نہایت ہی اعتدال پسند دین ہے جو کہ افراد و قہریط سے
پاک ہے۔ یہی طلاق اور عدت کا مسئلہ ہے۔ لیکن اگر یہ دونوں میں کسی عورت کو طلاق
ہونے کے بعد عدت گزارنے کا کوئی اصول نہیں بلکہ عدت کسی وقت تکانی ثانی
کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نسل کی طہارت کیسے قائم رہ سکتی ہے
میسائیزم اور ہندوؤں میں طلاق کا تصور ہی نہیں ہے۔ زواج کی زندگی خواہ کتنی ہی
اجیران ہو جائے۔ اُن کو عدت ہی ہوا کرتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک اگر کوئی
ہندو عورت بیوہ ہو جاتی تھی تو وہ خاوند کے ساتھ ہی آگ میں مل کر رکھ ہو جاتی
تھی۔ عیسائیوں میں طلاق کی زیادہ عدت ایک ہی وجہ بن سکتی ہے کہ عدت نہ کی
مڑتک ہو جائے۔ مگر اب ترقی یافتہ عیسائیوں نے اس اصول کو رمی ترک کر دیا ہے
اب وہ دنیاوی قانون کے تحت قانونی طلاق حاصل کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے
کہ یورپی ممالک اور امریکہ میں کم و بیش اسی فیصد طلاقیں واقع ہو رہی ہیں۔ ذرا سا
اعتقاد رکھئے یہاں ہذا تو عدت نے طلاق کے ایسے عدالت کی طرف رجوع کر لیا۔
ہم اخبارات میں پڑھتے سہتے ہیں کہ کسی عورت نے محض اس بنا پر طلاق حاصل
کر لی کہ اس کا شوہر خزانے بست لیتا ہے۔ کسی نے یہ وجہ بیان کی کہ اس کا شوہر
اس کے گھر کے کچھ بیانیہ نہیں کرتا۔ ایک عورت نے اس لیے طلاق حاصل کر لی کہ
اس کا شوہر اس کے دوستوں کو پسند نہیں کرتا۔ غرض یہ کہ جس دن میں طلاق کا تصور
تک نہیں تھا وہاں پر اسی فیصد طلاقیں واقع ہو رہی ہیں۔

اسلام ایک سچا مذہب ہے جس کے اصول دائمی اور قابل عمل ہیں۔ اسلام نے نکاح کو مرد و زن کی ضروریات کی تکمیل اور بقائے نسل انسانی کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور اس عقدِ نکاح کو قائم رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ اس کے باوجود اگر حالات کا تقاضا ہو تو پھر اس سے گلو خلاصی کی گنجائش بھی رکھی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے، کہ اگر میاں بیوی کا آپس میں نباہ نہ ہو سکے تو وہ طلاق یا خلع کے ذریعے علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں مگر طلاق کو غیر پسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے تاکہ حتی الامکان طلاق تک نہ پہنچے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے البغض المباحات الح اللہ الطلاق یعنی اللہ کے نزدیک مباح چیزوں میں مسخوس ترین چیز طلاق ہے۔ تاہم اگر زوجین کی زندگی میں مزید خرابیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو طلاق کی اجازت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي
 أَنْبَأْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ بِمَا
 آفَأَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ
 وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ وَبَنَاتِ خَلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ
 مَعَكَ وَأُمَّرَاءَ مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبْتَ لِنَفْسِهَا
 لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهُمَا خَالِصَةً
 لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا
 فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ
 أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ
 وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا رَحِيمًا ⑤

ترجمہ: اے پیغمبر! بے شک ہم نے حلال قرار دی ہیں،
 آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں جن کے سر آپ نے ادا
 کر دیے ہیں، اور وہ جو آپ کی ملکیت میں ہیں جو اللہ
 نے آپ پر لڑائی میں اور آپ کی چھانڈ، چھوٹی ناز، لڑائی
 اور خالہ ناز بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے
 اور وہ ایماڈ، عورت بھی جو اپنے آپ کو نبی کے لیے
 ہیر کر رہے اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ آپ کے

یہ خاص ہے۔ دیگر مومنوں کے علاوہ۔ تحقیق ہم جانتے ہیں
جو ہم نے مقرر کیا ہے۔ ایمان والوں پر ان کی بیویوں کے
بائے ہیں اور انکی زوجیوں کے ہاں ہم پر کوئی حرج نہ ہو۔ اور

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے (۵)
گذشتہ آیت میں مطلقہ عورت کی عدت کا مسئلہ بیان ہوا تھا کہ اگر کسی
عورت کو باشرت سے پہلے طلاق دے دی جائے تو اس کے لیے کوئی عدت
نہیں، وہ جس وقت چاہے نکاح ٹائی کر سکتی ہے۔ پھر اللہ نے جن معاشرت
کے ضمن میں فرمایا کہ طلاق شدہ عورت کو کپڑوں کا ایک جوڑا دیکر اپنے طریقے سے
رخصت کر دو۔ اور اگر مہر مقرر ہے اور ابھی ادا نہیں کیا تو وہ بھی ادا کر دو۔ اگر مہر مقرر
نہیں ہوا تو کپڑوں کا جوڑا دینا واجب ہوگا، بصورت دیگر مستحب ہوگا اس کے
بعد اللہ تعالیٰ نے نکاح کے سلسلے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سات خصوصیات
کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے چار خصوصیات اس آیت کریمہ میں آگئی ہیں۔ اور
باقی تین آدھ دروس میں بیان ہوں گی۔

رابط آیات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی خصوصیت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ائِمِّنْ بِآيَاتِنَا احْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي
أَنْتَ أَجُورُهُنَّ هَمَّ نَفْسِكَ لِيَسْمَعُوا لَكَ وَأَعْلَمُ بِمَا
تَدْعُوهُنَّ إِلَى الْبِرِّ أَتَدْعُهُنَّ إِلَى الْفِسَادِ
فَوَدَّعَيْنَاكَ وَالنَّسَاءَ مِنَ اللَّهِ كَأَفْرَانٍ كَوَجَدَهُ
فَمَا نَكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ
مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ (آیت - ۲) پس اپنی طاقت
کے مطابق دو۔ تین یا چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ ان کے حقوق ادا
کر سکو اور ان کے درمیان انصاف کر سکو۔ اور اگر ایسا نہ کر سکو تو پھر ایک عورت

تعدد ازواج
کی اجازت

پر ہی اکتفا کرو۔

کثرتِ نفل
پر اعتراض

حضرت علیؓ والسلام کی تعددِ نفل پر لوگ اعتراض کرتے آئے ہیں۔
خاص طور پر ہندو اور عیسائی اس اعتراض میں پیش قدمی کرتے ہیں۔
مگر بعض غلط کاروں نے اس پر کہا ہے کہ ہم بھی ہندوؤں میں سے لاہور کا ہسپتال تھا جس نے "رشدِ رسول"
ہی کتاب لکھ کر اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس کو فارسی علم الدین شریف نے کبیر کر پار
سکس پینٹا اور خود بھی تختہ ڈار پر چھپوا گیا۔ لوگ اس کے جذبہ ایمانی کے مستوف
ہیں۔ پیچھے علیؓ والسلام کی کثرتِ نفل پر اعتراض کرنے والے انصاف سے کام
نہیں لیتے۔

حضرت علیؓ والسلام نے ۲۵ سال کی عمر میں ایک ۳۰ سالہ بڑھ عمرت حضرت
ذکریت سے نکاح کیا اور پہلی چھ مہینوں میں سالہ ازاد و امی زندگی نہایت اچھے طریقے سے بسر
کی۔ گویا پچاس سال کی عمر تک تو آپ نے اسی ایک عمرت پر اکتفا کیا۔ تو کیا اون
سال کی عمر میں فتوۂ بانٹہ آپ کو عیاشی کی ضرورت پیش آگئی تھی؟ حضرت ذکریت
کی فریاد کے بعد آپ نے ایک دوسری عمرت حضرت سمودہ سے نکاح کیا۔
اور چار سال تک وہی اکیلی آپ کے نکاح میں رہی۔ تیسری خاتون جس سے آپ
نے نکاح کیا حضرت ابی بکر صدیقؓ کی بیٹی حضرت عائشہؓ تھی۔ ان کے ساتھ نکاح
کے میں نابالغ عمر میں ہوا۔ اور زہتی مریض میں آکر ہوئی۔ قابلِ غرابت یہ ہے۔
کہ جوانی کا زمانہ تو آپ نے بڑھی عمرتوں کے ساتھ گزارا۔ باقرؓ بچا ہے میں آپ
کو زیادہ بچیاں کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟

آیت کے الفاظ سے ظاہر یہ ہے کہ کثرتِ نفل کا حکم حضرت علیؓ والسلام
کو خود اللہ نے دیا تھا اِنَّا اَخْلَقْنَا لَكَ مَعْنِي مِمَّنْ نَعْنِي مِمَّنْ نَعْنِي مِمَّنْ نَعْنِي
اور اس میں صلحیت پر تھی کہ وہیں اسلام کی تبلیغ کو عام کیا جاسکے۔ چونکہ عمرتوں
کے مسائل عمرتوں سے ہی دریافت کیے جاسکتے تھے لہذا
اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ عمرتیں حضرت علیؓ والسلام کی صحبت میں

رہ کر احکام دین سیکھیں اور پھر ان کی زیادہ سے زیادہ سے اشاعت کریں چنانچہ انکی تمام ازواجِ مطہرات عالمہ فاضلہ اور نہایت پاکباز تھیں، لہذا انہوں نے تبلیغِ دین کے لیے بڑا کام کیا۔ اس کام میں ان کا حصہ بعض اوقات مردوں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

کثرتِ ازدواج کا دوسرا بڑا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت کو حتی الامکان دُور کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بہت حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ ابو سفیانؓ اگرچہ قریشِ خاندان سے تھے مگر حضور علیہ السلام اور دین کے سخت دشمن تھے، مگر جب ان کی بیٹی ام حبیبہؓ کا نکاح حضور کے ساتھ ہو گیا تو ابو سفیانؓ کی دشمنی بہت حد تک کم ہو گئی تھی۔ یاد رہے آپ پہلے ہی اسلام لاپسلی تھیں اور مہاجرینِ حبشہ میں بھی شامل تھیں۔ وہیں آپ کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ غالباً نہ طور پر ہوا تھا۔ حضرت صفیہؓ بطور لونڈی آپ کے پاس آئی تھیں مگر آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ اس طرح یہودیوں کی نفرت بھی کم ہو گئی۔ اسی نکاح کی وجہ سے یہودیوں کو حضور علیہ السلام کے قریب آنے کا موقع ملا۔ اور ان میں سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے، عربوں میں یہ عام دستور تھا کہ جس خاندان میں کسی شخص کا نکاح ہو جاتا تو وہ سارا خاندان اس شخص کو اپنا داماد سمجھتا۔ اور حتی الامکان اُس سے حسن سلوک سے پیش آتا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ کثرتِ ازدواج کی وجہ سے آپ کی دشمنی بہت کم ہو گئی۔ اسی طرح باقی نکاحوں کی وجہ سے بھی اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔

حضور علیہ السلام کی پہلی خصوصیت تو اللہ نے یہ بیان فرمائی کہ آپ کو کثرتِ ازدواج کی اجازت فرمادی۔ اور آپ کی دوسری خصوصیت یہ ہے وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا آفَاءَ اللَّهِ عَلَيْكَ اور وہ لونڈیاں بھی آپ پر ہم نے حلال قرار دی ہیں جو اللہ نے آپ پر لوٹائی ہیں۔ مثلاً حضرت صفیہؓ کا تعلق یہودی خاندان سے تھا اور وہ آپ کے ہاں بحیثیتِ لونڈی آئی تھیں۔ یہودیوں کی ایک اور عورت ریحانہ بھی بطور لونڈی آپ کی تحویل میں آئی تھی۔ اسی

لونڈیوں
کی حالت

طرح مصر کے بادشاہ متوقف نے ادریس بن حنیفہؒ کی لڑائی آپ کی خدمت میں بھیجی تھی جس سے اعلانہ بھی ہوئی۔ تو اشر نے فرمایا کہ ہم نے آپ کے لیے لڑناں بھی ممال تیار کیے ہیں۔ یہ اشکال پیدا ہوا ہے کہ لڑناں تو عام مسلمانوں کے لیے بھی ممال ہیں۔ اس میں حضور علیہ السلام کے لیے کیا خصوصیت ہے۔ یہ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ لڑناں کے معاملے میں حضور علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد بھی کوئی امتی ایسی لڑائی سے نکل نہ سکیں کہ کفار حضور علیہ السلام کی محبت میں رہیں۔

فائدہ نافی منبر
عمرتوں سے
نسیح

اشر تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے
 وَبَدَّلَتْ عَجَلًا وَبَدَّلَتْ عَقَبَتِكَ وَبَدَّلَتْ حَاكِبًا وَبَدَّلَتْ
 خَلِيلًا اَلَيْحًا هَاجِرًا مَعَكَ اِنَّكَ اَرَادَ اَنْ يَكُونَ مَلَأًا قَرَارًا
 وہی ہے کہ آپ کو چچا کی بیٹیاں اور چھوٹی کی بیٹیاں اور ماں کی بیٹیاں اور خالک کی بیٹیاں
 جنوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ رشتہ کی تذکرہ عمرتوں سے نسیح تو
 عام مسلمانوں کا ہی ممال ہے۔ تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت یہ ہے
 کہ آپ کا نسیح تذکرہ عمرتوں میں صرف اسی وقت ممال ہے۔ جب کہ انہوں نے
 ہجرت بھی کی ہو یعنی مکہ چھوڑ کر آپ کے پاس مدینہ طیبہ آئی ہوں۔ البتہ جن
 عمرتوں نے ہجرت نہیں کی ان کے ساتھ آپ کا نسیح ممال نہیں۔ حالانکہ عام مسلمانوں
 کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کی بیٹیہ ام بانوؓ
 سے نسیح کی خواہش ظاہر کی تھی مگر اشر نے محض اس لیے منع فرمادیا کہ اس نے
 ہجرت نہیں کی تھی۔ اشر تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے خاندان کی غیر ماجر عمرتوں سے
 شادی سے اس لیے منع کر دیا کہ اس طرح ان عمرتوں کو دوسری فضیلت حاصل ہو
 جائے گی۔ ایک قرہ آپ کے خاندان قریش سے تعلق رکھتی تھیں اور دوسٹر
 قرہ آپ علیہ السلام کی زوجیت میں آجاتیں تو شاید اس دوسری فضیلت پر اثر نہ
 گھٹیں۔ لہٰذا اشر تعالیٰ نے یہ شرط لگا دی کہ ان عمرتوں سے نسیح صرف کسی صورت
 میں ممکن ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ہجرت کی ہو۔ ہجرت چوڑی معنی رسالے الٰہی کے

سیلے کی جاتی ہے ، لہذا مہاجر عورتوں میں فخر و خود پسندی کا احتمال بہت کم تھا ۔
ہجرت کے ساتھ مشروط کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جس عورت نے آپ
کے ساتھ ہجرت کی ہوگی ، اس کو دین کی تعلیم و تربیت کا بھی زیادہ موقع ملا ہوگا ۔ اور
زیادہ عورتوں سے نکاح کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اسلام کی زیادہ سے زیادہ اشاعت
ہو لہذا اللہ نے ہجرت کی یہ شرط عائد کر دی ۔

اللہ نے حضور علیہ السلام کی جو بعضی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے ۔ وَامْرَأَةٌ
مُؤْمِنَةٌ اِنْ فَهِمَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَنْتَزِعَهَا
اور ہم نے وہ بوسنہ عورت بھی آپ کے لیے حلال کر دی ہے جو اپنے نفس کو نبی
کے لیے بخش دے ۔ اگر اللہ کا نبی اس سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے بطلب
یہ ہے کہ اگر کوئی عورت از خود بغیر مہر کے نبی علیہ السلام سے نکاح پر رضامند ہے
تو اس کی بھی اجازت ہے گویا حضور علیہ السلام کو بغیر مہر کے بھی نکاح کی اجازت
دیدی گئی ۔ جب کہ عام امتیوں کے لیے مہر کی ادائیگی ضروری ہے ۔ جیسا کہ سورۃ النساء
میں وَاجِلًا لَكُمْ مَّا وَرَاكُمُ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوا بِاَمْوَالِكُمْ
آیت ۔ ۱۲۴ اس حکام پر اللہ تعالیٰ نے چار محرمات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان
کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ تم مال خرچ کرو یعنی انہیں حق مہر
ادا کرو ۔ یہ ادائیگی اس قدر ضروری ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے نکاح کے
بعد مباشرت نہیں کی فَنَصْفٌ مَّا فَدَّضَلُوْهُ (البقرہ ۔ ۲۳۷) تو پھر بھی اُسے
نصف مہر ادا کرنا ہوگا ۔ تاہم اللہ نے نبی علیہ السلام کو مہر کی ادائیگی کے بغیر بھی نکاح کی اجازت
دیدی ۔ جب کہ کوئی عورت از خود ایسا کرنے پر رضامند ہو ۔ حضور علیہ السلام کو اللہ کی طرف
سے یہ اجازت تو مل گئی ، مگر آپ کی حیات مبارکہ میں ایسا کوئی موقع نہیں آیا کہ آپ نے
اس سہولت سے فائدہ اٹھایا ہو ۔ ایک خاتون نے اپنے آپ کو حضور کی خدمت
میں پیش کیا تھا مگر آپ نے یہ پہل کس قبول نہیں فرمائی تھی بلکہ اس عورت کا نکاح
اپنے ایک صحابی سے کر دیا تھا ۔ یہ بھی حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے ۔ اللہ نے

بغیر مہر کے
نکاح کی اجازت

فَرَأَىٰ خَالِصَةً لِّكَ مِنَ الْمُنِذِرِينَ الْمُنِذِرِينَ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا
 کے لیے ہے۔ باقی منزل کے لیے نہیں۔

الحکم الہی
 کی حکمت

کے ارشاد برآئے قَدْ عَلِمْتُمْ مَا هَدَيْنَاكُمْ عَلَيْهِمْ فَمَنْ
 أَرَادَ جَهَنَّمَ فَمَتَّنْ بِهِنَّ مِنْ يَوْمِ نَسْتَعِينُ أَنْ كَيْفَ يَكُونُ
 قِيمًا لِّمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ وَأَنْ كَيْفَ يَكُونُ قِيمًا لِّمَا
 كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ اور لہذا یوں کے بارے میں جو حقوق اور مقرر کیے ہیں۔ ان کی
 اہمیت ضروری ہے ان اگر کوئی عدوت از خود سازا یا نہ کرے جو حد معاف کرے۔ تو
 اس کا امانت ہے۔ فَإِنْ طَبِقَ لَكُم مِّنْ شَيْءٍ بِرِزْقِنَا لَعْنَةُ
 فَصَلُّوا هُنَّ مُقْرَّبَاتًا (النساء: ۴) یعنی اگر وہ نہ کرے جو حد معاف کرے
 تمہیں خوش کریں۔ تو پھر تم سے خوش گزار اور خوش بہم کما سکتے ہو۔ اور اگر
 معافی بری ہو لینا چاہتی ہے تو ادا کرنا ہوگا۔ وہ نہ آخرت میں ٹواندہ ہوگا۔

فرمایا، نکاح کے بارے میں ہم نے یہ خصوصی احکام ایسے ہی کے لیے ہیں لیکن
 یہ کون عیناً کس طرح اگر آپ پر کوئی نئی نہ ہو۔ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ
 نے دین کو قائم کرنا ہے، اسلام کو پھیلانا ہے، لہذا اللہ نے آپ کے لیے بعض
 سونے پید کردی ہیں تاکہ آپ کو بیچ دین کے سلسلہ میں کوئی دقت محسوس نہ کریں
 شفا یہ کہ آپ ایک وقت چار سے زیادہ نکاح بھی کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی عورت
 ایسا چاہے تو آپ بغیر صبر کے بھی نکاح کر سکتے ہیں۔ فرمایا وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
 رَحِيمًا اللہ تعالیٰ نہایت بخشنش کرنے والا مہربان ہے۔ وہ معمولی خطیوں
 کو آبیروں کو معاف کرتا رہتا ہے اور بندوں کو اپنی رحمت سے لانا رہتا ہے۔

تُرْجَىٰ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤَمَّرُ إِلَيْكَ مَنْ
 تَشَاءُ وَمِنْ ابْتِغَايَتِ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا
 جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقْرَءَ عِدْتَهُنَّ
 وَلَا يَحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ
 كُلَّهُنَّ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ
 وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ﴿٥١﴾ لَا يَجِدُ
 لَكَ النِّسَاءَ مِنْكَ كَبُودٌ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ
 بِهِنَّ مِنْ أَنْوَاجٍ وَلَوْ أَجَبَكَ حُسْنُهُنَّ
 إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ
 كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ﴿٥٢﴾

ترجمہ :- آپ پیچھے ہٹا دیں اپنی بیویوں میں سے جس
 کو چاہیں اور جگہ دیں اپنے پاس جس کو چاہیں۔ اور جس
 کو آپ تلاش کریں ان میں سے جن کو آپ نے الگ
 کر دیا ہے، تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ
 بات زیادہ قریب ہے کہ ٹھنڈی ہوں ان کی آنکھیں
 اور وہ غم نہ کھائیں، اور وہ راضی ہوں اس چیز پر جو
 آپ ان کو دیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے

دل میں ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے والا اور
بردار ہے (۵۱) نہیں معلوم آپ کے لیے (سبحہ علیہ)
عمرتیں اس کے بعد۔ اور نہ یہ کہ آپ تبدیل کریں
ابن کے ہرے میں دوسری بیویاں اگرچہ ان کو حسن آفر
زیادہ اچھا لگے۔ مگر وہ کہ ایک بر آپ کا دایاں ہنر
اللہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے (۵۲)

ملاحظہ فرمائیے

گذشتہ درس میں نبیوں کے مسئلے میں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جامعہ خصوصیات
کا ذکر ہو چکا ہے، آپ کی یہی خصوصیت یہ ہے کہ صبر کی ادائیگی پر آپ کے لیے چار
سے زیادہ بیویاں بھی مسمول ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی مکتبہ میں یعنی
لڑکیاں بھی آپ پر مسمول ہیں اور عام مسلمانوں کے برخلاف نبی کی لڑکیوں سے کوئی اجنبی
نہج نہیں کر سکتا۔ تیسری بات اللہ نے یہ فرمائی کہ آپ کے لیے آپ کی چھ زاد
پہنچھی زاد۔ اسوں زاد اور خاندانوں میں سے صرف وہ عمرتیں مسمول ہیں جنہوں نے آپ
کے ساتھ ہجرت کی، اور چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوئی عورت حضرت اپنے آپ
کو نبی علیہ السلام کی ذات کے لیے بہ کرے تو آپ اس سے بغیر صبر سے بھی نکاح
کر سکتے ہیں لہذا یہ حکم صرف آپ کی ذات کے لیے ہے۔ اھمقوں پر اس کا
اطلاق نہیں ہوتا۔

بہرے کیلئے
ایساں بجز
شرط

اس ضمن میں حضرت علیہ السلام کی پانچویں خصوصیت یہ ثابت ہوتی ہے کہ اپنے
اپنی نبی کے لیے بہ کرنے والی عورت کا مؤثر جزا عجز ہی ہے۔ حضرت نبی اس سے
یہ افذ کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی کتابیہ اپنے آپ کو بہ کرے تو اس کے ساتھ بغیر
صبر کے نکاح درست نہیں ہے۔ حضرت نبی کہہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ وہی ہے جو
گذشتہ درس میں بیان ہو چکی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی نشا۔ یہ ہے کہ کثرت لڑائی کے

فیسے دین اسلام کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ نبی کی بیویاں نبی کی صحبت میں رہ کر زیادہ سے زیادہ دین حاصل کریں گی۔ اور پھر اسے آگے پہنچائیں گی۔ اور یہ فریضہ وہی عورت انعام دے سکتی ہے جو خود ایمان دار ہو۔ اگر عورت یہودیہ یا نصرانیہ ہوگی۔ تو وہ نہ تو اسلام کی تعلیم حاصل کریگی۔ اور نہ اسے آگے پہنچائے گی، لہذا اللہ نے یہ شرط عاید کر دی کہ اگر کوئی عورت خود کو نبی کے لیے ہمہ کرے اور نبی اس سے بغیر مہر کے نکاح کرنا چاہے تو اس عورت کا مؤمن نہ ہونا ضروری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی دینی مدرسہ میں کوئی کافر استاد مقرر کر دیا جائے۔ ایسا استاد مسلمانوں کو کیا تعلیم دے گا؟ پیغمبر کے گھر کر ایک دینی مدرسہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، لہذا اس گھر میں آنے والی مومنہ خاتون ہی دین کی کما حقہ خدمت انجام دے سکتی ہے۔ البتہ مہر کے ساتھ کما بیسے نکاح کرنا بھی اجازت۔ اہل ایمان کے لیے عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ - ۵) اہل کتاب دیود و نصاریٰ، کی پاکہ من عورتوں کے ساتھ بھی تم نکاح کر سکتے ہو۔ اِذَا اتَّخَذْتُمُوهُنَّ اُجُورَهُنَّ جَبَّ كُمْ اَنْ كُنْتُمْ اَنْ كُرْتُمْ اَنْ كُرْتُمْ۔

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی چھٹی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے تو صحیحی دَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ اَنْ تَشَاءُ مِنْ تَشَاءُ اور جن کو چاہیں اپنے قریب کر لیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے بیویوں کے درمیان رہائش رکھنے میں مساوات قائم رکھنا ضروری نہیں ہے۔ اس کے برخلاف عام مسلمانوں کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہیں تو ان کے درمیان مساوات کا قیام ضروری ہے یعنی ایسا شخص جتنے روز کے لیے خورد و نوش اور شرب بائوٹی ایک بیوی کے ہاں اختیار کرے گا اتنے ہی روز دوسری بیوی کے لیے اختیار کرے گا، مگر پیغمبر علیہ السلام کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، گویا آپ اپنی بیویوں کے پاس کم و بیش وقت گزار سکتے ہیں۔ اس استثنیٰ میں یہ مصلحت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام پر مساوات کے سلسلے

عدم مساوات
کا اجازت

میں کسی قسم کا ذہنی رجحان نہ پڑے۔ اگر یہ پابندی آپ کے لیے بہ قرار رہتی تو ہکتا تھا کہ مساوات برقرار رکھنے کے لیے آپ کے ذہن پر رجحان رہتا اور ذہنی نسبت کی انکاسم رہی میں کوئی کاوش پیدا ہوتی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دے دیا، تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مطلق کریمانہ کی طرح سے اپنی بیویوں کے درمیان ہمیشہ مساوات قائم کرتے تھے۔ اور ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض بھی کرتے کہ چودہ وگوار! میری حق الامکان کو شیش کرنا ہوں کہ بیویوں کے درمیان مساوات قائم رہے۔ اس کے باوجود اگر وہ کسی کیلئے کسی ایک طرف زیادہ توجہ دے سیرے میں نہیں ہے، اس پر مجھے حلاوت نہ کرنا۔ صحیح میں یہ ہمیشہ بھی کو تو رہتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام سفر پر جاتے تو بیویوں کے درمیان فرقہ اندازی کرتے، پھر جس بیوی کے نام فرقہ نکلتا، اس کو سفر پر جہاں سے جاتے آپ ایسا بیویوں کی ذمہ داری کے لیے کرتے دیکھنا آپ کے لیے ایسا کرنا ضروری نہیں تھا، البتہ عام مسلمانوں کے لیے بیویوں کے درمیان مساوات کا یہ پڑنا ہے۔ اگر اس میں کوتاہی کریں گے تو خدا شرا فرما دیں گے۔

فَرَأَى وَقِيمًا ابْتِغَيْتَ مَعْنَى عَزَلْتَ فَهَلَّا جَنَاحَ مَلَائِكَةٍ
 اور اگر آپ طلب کرنا چاہیں جس کو آپ نے پیچھے بنایا تو بھی آپ پر کوئی حرج نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت آپ نے کسی بیوی کو کوہ وقت دیا ہے تو آپ اسے زیادہ بھی دے سکتے ہیں آپ کو اس میں پورا پورا اختیار حاصل ہے کیونکہ آپ کو مساوات سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ مَسْنِيَّةٌ
 زَوْجٌ أَوْ فِئَةٍ لَقَدْ أَعْيَبُوا نَهْنُ يَا ابْنَ كَرِيمٍ زَيْدٌ قَرِيبٌ سَكَرَ الْكَلْبُ عَمْرُو بْنُ
 کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں وَلَا تَحْزَنْنَا وَرَدَّ عَلَيْنَ مِمَّنْ نَزَبُوا. وَمِنْ حَتَّىٰ يَمَسَّ
 أَيْتَهُنَّ كَيْفَ يَأْتِيَنَّ أَوْ جَرَّابٌ ان كودن اُس پر رضی ہوں، نظام مد ہر ہوت

کا اختیار کوئی خوشی کی بات نہیں تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ جب اہل ایمان المؤمنین کو معلوم ہو گیا کہ نبی علیہ السلام پر مساوات کا قیام ضروری نہیں ہے، اس کے باوجود آپ اپنی طرف سے سنی الامکان مساوات کا سلوک فرماتے تھے۔ تو یہ بات ان کیلئے باعث مسرت تھی۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز پر اپنا حق سمجھے اور پھر وہ اُسے نہ ملے تو وہ ناراض ہوگا۔ مگر نبی کی بیویوں کا مساوات کا حق تو اللہ نے نہیں دیا اس کے باوجود حضور علیہ السلام کی طرف سے مہربانی کا سلوک اہل ایمان المؤمنین کے خوشی کا سبب تھا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ مساوات کے قانون سے آپ کا استثنیٰ آپ کی بیویوں کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور غم سے نجات کا باعث ہوگا۔ اور پھر آپ اپنی مرضی سے ان کے

ساتھ جو بھی سلوک کریں گے۔ وہ اُس پر راضی ہوں گی۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَعْزَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمُ الشَّرُّ تَعَالَى تَعَالَى سے دلوں کی بات کر جانتا ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَلِيمًا اور وہ سب کچھ جانتے والا اور بردبار ہے وہ فروری گرفت نہیں کرتا۔ اگر کوئی کو باہی ہو جائے تو وہ اپنے وقت پر پکڑتا ہے یہ اُس کی بردباری کی علامت ہے۔

مزید نکاح
کی سنت

حضور علیہ السلام کی ساتویں خصوصیت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے لَا يَجِدُ لَكَ النِّسَاءَ مِمَّنْ كَفَرُوا اس کے بعد آپ کے لیے کوئی عورت حلال نہیں ہے وَلَا أَنْ تَبْتَغِيَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ اور نہ ہی آپ ان کے بدلے میں دوسری بیویاں تبدیل کر سکتے ہیں مطلب یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ مزید بیویاں نہیں کر سکتے۔ وَلَوْ أَحْبَبْتَ حَسَنَهُنَّ اگرچہ ان کا حسن کچھ زیادہ اچھا لگے۔ یہ پابندی بھی صرف حضور علیہ السلام کے لیے ہی تھی کہ آپ پہلی بیویوں میں سے کسی کو چھوڑ کر یا موجودہ بیویوں کی موجودگی میں مزید نکاح کر لیں۔ مفسرین کرام اس کی تفسیر دو طرح فرماتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس حکم کا

نشا، یہ ہے کہ متنی قہم کی عمرتوں سے حضور علیہ السلام کو نیک کی اجازت اٹھانے
 دی تھی، اس کے علاوہ کسی اور قہم کی عمرت سے نیک نہیں کر سکتے۔ مثلاً آپ کو
 عام ہزن عمرتوں سے نیک کی اجازت تھی، نیک کا آپ کو ادا کر دیں۔ آپ کے
 لیے لڑائیوں میں ملال تھیں۔ آپ کی چوڑا، پھوڑی، زانو، ماموں، زانو اور خالہ زانو
 ملال تھیں۔ جنوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی، آپ کو نیک ہر ایسی ہونہ عمرت سے
 نیک کی بھی اجازت تھی جیسے آپ کو یہ کہہ سکتے۔ قریشیوں نے نیک کی تحقیق یہ ہے
 کہ ان اقسام کی عمرتوں کے علاوہ آپ کسی دوسری قہم کی عمرت سے نیک نہیں
 کر سکتے۔ آجہ حضرت انس کی روایت کے مطابق اس آیت کا سیدھا سا صحاح
 مطلب یہ ہے کہ آپ کو جو وہ بویوں کے علاوہ مزید نیک نہیں کر سکتے۔ اس
 کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کی ازواج نے زیادہ فریاد کا مطالبہ کیا۔ اور
 آپ کو امراض ہو گئے اور پھر ان کے حکم سے ازواج میں یہ اعلان فرمایا کہ اگر دنیا کی
 بیش رعشرت پابقی ہو کر آؤ میں نہیں پیچھے پیچھے سے رخصت کر دوں اور اگر
 اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کا گھر طلب ہے تو چہرہ ایسی فرج میں
 گزار کر دو، تو ازواج طہارت نے دوسری بات کہہ کر کہہ کر ان کی زندگی بھر عمرت
 میں وقت گزار دیا، جتنی کہ دو دو ماہ تک آپ کے گھروں میں چلنا نہیں جاتا تھا۔
 فرشتے یہ کہ جب انہوں نے اس قناعت کو قبول کر لیا تو اللہ نے بھی حضور کو شکر
 کر سکا ہے وہ کہ آئندہ ان بویوں کے علاوہ مزید نیک نہ کریں۔ چنانچہ آپ نے
 اس حکم کی پابندی کی۔ آپ کی رعشت کے وقت آپ کی نوبتوں اور درو لڑائیوں
 موجود تھیں۔ ان کے علاوہ حضرت خدیجہ کے عین میں نوبت ہوتی تھیں اور حضرت

قبل زین

عداۃ

زینب بنت علیؓ میں نوبت ہوتی۔
 اس آیت کریمہ میں آمدہ الفاظ **وَلَوْ أَجَبْنَاكَ حَسَنًا مِّنْ سِوَا**

ہوتا ہے کہ قبل از نکاح مرد اور عورت ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ شکل و صورت، قد و قامت اور حسن و غیرہ کا ادراک تو دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے اسی لیے تو اللہ نے فرمایا کہ آپ کو مزید نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ اگرچہ آپ کو کسی عورت کا حسن بعبلا معلوم ہو۔ اس بات کی تصریح حدیث میں بھی موجود ہے کہ جس عورت کو پیغام نکاح دینا مقصود ہو، آدمی اُسے دیکھ سکتا ہے اور پسند ناپسند کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ البتہ تنہائی میں بیٹھ کر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے کئی قسم کی قباحتیں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ آج کل نام نہاد مہذب، ممالک میں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کو پسند کرنے کے لیے قبل از نکاح کئی کئی ماہ تک اکٹھے رہ کر (COURT SHIP) کرتے ہیں، اور اس کے بعد نکاح کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، یہ تو صحیحاً حیوانی کی بات ہے، تاہم لڑکے اور لڑکی کو ایک دوسرے کو دیکھنے اور بات چیت کرنے کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ الغرض! اللہ نے فرمایا کہ آپ کو مزید نکاح کی اجازت تو نہیں ہے إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ البتہ آپ کی مملکت لوندیوں کو گھر میں رکھنے کی اجازت ہے۔ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ احکام الہی کی پابندی یا ان کی خلاف ورزی کرنے والے سب لوگ اُس کی نگاہ میں ہیں، اور وہ ہر ایک کے ساتھ اُس کے عہدیدہ اور عمل کے مطابق ہی سلوک کرے گا۔

اکثر لوگ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں لوندی غلام رکھنے کی اجازت ہے۔ جو کہ شرفِ انسانیت کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام بھی غلامی کو غیر فطری چیز تصور کرتا ہے اور اس کے حق میں نہیں ہے۔ ظہورِ اسلام کے زمانے میں غلامی کا رواج پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا اور روزمرہ کا رواج کا زیادہ تر انحصار انہی پر تھا۔ اگرچہ اسلام نے اس رواج کو یکسر ختم نہیں کیا، مگر اُس کو پسند بھی نہیں کیا، بلکہ اس کو ختم کرنے کے لیے کئی اقدام کیے۔ چنانچہ

لوندی غلام
کا رواج

غلام کی آزادی کہتے ہیں۔ بڑی بڑی قوموں اور ممالکوں نے بزرگوں غلام خرید کر آزاد کیے۔ اس کے علاوہ اسلام نے مختلف جنایات کا کفارہ بھی غلام کی آزادی کو قرار دیا اور اس طرح بھی بہت سے لوگوں کو آزادی نصیب ہوئی۔ پھر آیت آیت پروردگار نے شخصی غلامی کا رواج ختم کر دیا۔

عورتوں کی غلامی کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ اسلام کے ظہور سے پہلے جب مختلف قبائل آپس میں جنگیں لڑتے تھے تو مرد و زنانے جانتے اور عورتیں رہنے والے یا رہ کر رہ رہ جاتے جن کی وجہ سے معاشرے میں کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی تھیں۔ اسلام نے زمانے کے حالات کے پیش نظر اس رواج کو اچھی جان کر رکھا اور وارث عورتوں اور بچے اور دردی ٹھوکر کر نکالتے چروں بچوں کو لڑکے کے قبضہ میں لے کر ان کی خدمت میں بھی کریں اور اچھے طریقے سے زندگی بھی بسر کریں چنانچہ اسلام نے لڑائی اور غلاموں کے بہت سے حقوق متعین کیے اور انہوں کو رکھ دیا کہ جیسا خوراک ڈالیں اور جیسا کھلاؤ اور جیسا خود بنو ان کو بھی پہناؤ۔ کسی غلام سے اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیں اور اگر کوئی مشکل کام ان کے سپرد کر تو ضرور بھی ان کا ہاتھ بٹھاؤ۔

اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی بینک علیہم میں جو بزرگوں کے اکثر مرد و زنانے لگتے اور بیسیس لاکھ عورتیں باقی رہ گئیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ پھر انہیں فیکٹریوں میں لے کر گیا تو وہاں بے حیائی اور بدکاری میں ہی حاشہ تھی۔ خرابیاں پیدا ہوئیں اور یہی عورتیں ملک کے لیے مصیبت بن گئیں۔ اس کے بخلاف مسلمان ترکوں نے تعداد بڑھانے پر عمل کرتے ہوئے ایک سے زیادہ نکاح کر لیے اور اس طرح بے شمار رو جانے والی عورتوں کو سارا مل گیا اور وہ باعزت زندگی گزارنے لگیں۔ بہر حال لڑائی غلام اور تنہا رانہ جوع کے معاملہ میں اسلام نے بہترین راستہ اختیار کیا ہے۔ جس پر لوگ خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ
النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ
غَيْرِ نَظِيرِ نَظِيرَيْنِ إِنَّهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ
فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ
ذَلِكَ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ
وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا
سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ
حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ

ترجمہ :- اے ایمان والو! امت داخل ہو نبی کے گھروں
میں مگر یہ کہ تم کو اجازت دی جائے کھانے کی اس
حال میں کہ اُس کے پچھنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو
لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، اور جب
تم کھا چکو تو پھر چلے جاؤ۔ اور نہ آپس میں بات چیت
کے لیے جی جگا کر بیٹھنے والے ہو۔ بیشک یہ چیز
تکلیف دیتی ہے اللہ کے نبی کو۔ پس وہ حیا کرتا
ہے تم سے۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں حیا کرتا حق بات
کو ظاہر کرنے سے۔ اور جب تم پیغمبر کی بیویوں سے
کوئی سامان طلب کرو، پس مانگو ان سے پردے کے

پہچنے سے زیادہ پاکیزہ ہے سمعائے دلوں کے لیے اور ان کے دلوں کے لیے۔

بطریقہ

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کھان کے سلسلے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات بیان فرمائیں اور اب اگلی آیت میں اللہ کے نبی کے گھر کے آداب سکھائے ہیں۔ نیز ازواج مطہرات کے متعلق بھی بعض آداب کا تذکرہ کیا ہے۔ جو عمارتوں کے لیے ضروری ہیں۔ ان میں سے بعض چیزیں من ازواج مطہرات کے لیے ہی خاص نہیں بلکہ عام ایمان والوں کے لیے بھی واجب اشعیل ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا ذکر کر کے عام لوگوں کو بھی یہی ارب سکھا گیا ہے۔

دعوتِ طعام کے آداب

ارشادِ باری ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آتُوا الْيَتَامَىٰ مِمَّا حَرَسَ آبَاؤُكُمْ لِلَّهُمَّ لِيُؤَدُّوا إِلَيْكُمْ مِمَّا حَرَسَ آبَاؤُكُمْ لِلَّهِ**۔
 نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو۔ یہاں تک کہ تم کو کھانا کھانے کی اجازت دی جائے۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا **عَلَيْكُمْ دُظُنُّوا**۔ ایشہ کہ کھانا کھانے کے انتظار میں بیٹھنے والے نہ ہو۔ مطلب یہ کہ قبل از وقت میں باکر نہ بیٹھ جاؤ کہ جب کھانا تیار ہوگا تو کھائیں گے۔ **وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا**۔ نبی کے گھر میں اس وقت داخل ہو جب تمہیں بلایا جائے۔

کسی گھر میں دعوتِ طعام کے لیے اجازت سے کہہ جانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ کسی کے گھر جا اجازت قبطی بن کر نہیں جانا پڑے۔ ایسا عورت ناپسندیدہ بات ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد یہ ہے کہ بن کے رہنے میں ہلے کھانے کو نہ لے کر آئے۔ **دَخَلْتُ دَخَلْتُ**۔ ایشہ کہ جب دعوتِ طعام کی دعوت ہو تو وہ چرہ برتا ہے اور

وقت ڈاکو۔

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی دعوت کی۔ آپ کے ساتھ چار آدمی اور بھی تھے۔ جب وہ میزبان کے گھر کی طرف چلے تو ایک مزید آدمی ساتھ مل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعلقہ مکان پر پہنچ کر صاحب خانہ کو مطلع کیا کہ ہمارے ساتھ ایک بن بلا یا مہمان بھی ہے، اگر ایک زائد آدمی کے لیے کھانے کی گنجائش ہے اور تمہاری اجازت ہو تو وہ آدمی بھی آجائے ورنہ ہم اُسے واپس لوٹا دیں گے بہر حال اُس شخص نے اجازت دے دی اور اس طرح مسئلہ واضح ہو گیا۔ باقی رہی یہ بات کہ مہمان قبل از وقت پہنچ کر کھانا پکھنے کا انتظار کرتا ہے، تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا اُس وقت مہیوب ہو گا جب صاحب خانہ حرج محسوس کرے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں چونکہ کھانا کھانے کا انتظام عام طور پر گھر کے اندر ہوتا تھا۔ جہاں عورتیں بھی ہوتی تھیں، علیحدہ بیٹھک تو نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے لبا اوقات میزبان کو مہمانوں کے قبل از وقت آجانے سے دقت پیش آتی تھی، اس لیے فرمایا کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی نہ آجاؤ مبادا کہ صاحب خانہ دقت محسوس کرے۔

شانِ نزول

ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا نکاح حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ ہوا تو آپ نے دعوتِ ولیمہ کا خاص طور پر انتظام کیا تھا تاکہ لوگوں کو اچھی طرح علم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ کے ساتھ نکاح بالکل درست ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایک بکری ذبح کی اور روٹی پکائی۔ تمام شرکاء نے جن کی تعداد تین سو کے قریب تھی گوشت روٹی کھائی۔ اس موقع پر اہم مسلم نے کچھ علوہ بنا کر بھیجا، چنانچہ کھانے کے بعد علوہ بھی کھایا گیا۔ اس موقع پر آپ نے باقی لوگوں کو بھی بلا لیا۔ اتنی

بڑی رحمت و لہذا رضی اللہ عنہم نے کسی دیگر نیکو کے موت پر نہیں کی۔ اسی فرقہ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جلاہات نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو کر کھانا پینے کا انظار کرتے رہو۔ پھر جب کس آگے چکر ترنمشتر ہو جاؤ اور اندھے جھڑکراتیں نہ کرتے رہو۔

دعوتِ ولید

نیکو کے بعد دعوتِ ولید مرتب ہے مگر یہ اپنی حیثیت اور گمانش کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگر کسی شخص کے پاس ولید کرنے کی گمانش نہیں ہے تو نیکو نہ کرے خصوصاً علیہ السلام نے اپنے متعدد نیکوؤں کے مواقع پر دعوتِ ولید کا اہتمام نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی جمعیتی کے وقت گھر میں کچھ نہیں تھا۔ حضرت سعید کے گھر سے دو روکا ایک بڑا پیالہ آئی تھا۔ حضرت نے لوگوں کو بلا کر وہی پیالہ دیا تھا اور اسی اس نیکو کا ولید تھا۔ حضرت صفیہؓ کا نیکو دورانِ سفر ہوا۔ آپ کے پاس تھوڑے سے ستور اور کچھ گھوڑے تھے۔ آپ نے دو سکر لوگوں سے فرمایا کہ میں کے پاس جو کچھ کھانے کی چیز ہے، اے آنے۔ خورد و نوش کی ساری چیزیں بیع کر کے چمڑے کے ایک دسترخوان پر چڑھ دی گئیں اور سب نے کھائیں۔ حضرت منیرؓ یوسفی ولید تھا۔ بقصد یہ کہ دعوتِ ولید کوئی ایسی سنت نہیں ہے جسے لازمہ پر تکلف بنا دیا جائے خواہ اس کے لیے آدمی کو قرض لینا پڑے۔ ایسی بات نہیں ہے یہ دعوتِ حیثیت کے مطابق ہونی چاہیے۔ کہ اسلام میں تکلف کی کوئی گنجائش نہیں۔

گھروں میں داخلے کے ارادے

اس آیت کریمہ میں تو دعوت کے سلسلے میں داخلے کے ارادے بیان کیے گئے ہیں۔ عام حالات میں بھی اللہ نے گھروں میں داخلے کے احکام سورۃ نور میں بیان کیے ہیں۔ آیت ۲۴ میں ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں اس وقت داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ ملے اور تم گھر والوں کو سلام نہ کرو۔ اور اگر تم گھر میں کسی کو نہ پاؤ تو بھی بغیر اجازت مت داخل ہو۔ اور اگر تمہیں داخل جاننے کے لیے کہا جائے تو

واپس لوٹ جاؤ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی کے گھر جائز تو دروازے پر کھڑے ہو کر تین دفعہ سلام کہو۔ اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو جاؤ اور اگر گھر سے کوئی جواب نہ آئے تو واپس لوٹ جاؤ۔ یہ تو عام گھروں کے لیے احکام ہیں جب کہ پیغمبر علیہ السلام کے گھر سے متعلق تو حکم زیادہ مؤکد ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اطلاع چلے جاتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر تشریف فرما تھے کہ عربوں کے ایک قبیلے کا سردار آیا، اور سیدھا حضور کے پاس اندر چلا آیا۔ پھر پوچھا تمہارے گھر میں یہ خاتون کون ہے آپ نے فرمایا کہ ابوجبر صدیقؓ کی بیٹی، میری بیوی اور مومنوں کی ماں ہے۔ وہ کم فہم تھا کہنے لگا۔ اَلَا نَتَنَّا اَذَلَّ کیا ہم آپس میں تبادلہ نہ کر لیں یعنی میری بیوی تم سے لو۔ اور یہ مجھے دے دو۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس شخص کا نام لے کر فرمایا کہ تم ہمارے گھر میں بلا اجازت کیوں داخل ہوئے تو وہ شخص کہنے لگا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کسی مضر دوائے گھر میں اجازت لے کر نہیں گیا۔ ام المؤمنینؓ نے اس شخص کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا یہ احمق ہے۔ مگر اپنی قوم کا سردار ہے۔ غرضیکہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو جاتے تھے مگر اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔

یہاں کہ پہلے عرض کیا کہ اس آیت کی مصداق حضرت زینبؓ کے نکاح کے موقع پر دعوت ولیمہ تھی۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو لوگوں کو پیش کیا گیا۔ وہیں گھر میں انتظام تھا۔ ام المؤمنینؓ بھی اسی کمرے میں دیوار کی طرف رخ کر کے بیٹھی تھیں۔ جب لوگ کھانا کھا چکے تو ان میں سے بعض وہیں بیٹھے بیٹھے باتیں کہنے

کھانا کھانے
کے بعد

گئے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے وقت تمسوں کی، آپ چاہتے تھے کہ اب لوگ
 چلے جائیں مگر اپنے مشاوق کھریا زکی نا، پر انہیں کہنے کے لیے تیار نہیں تھے
 اس دوران میں آپ ایک دفعہ اظہر فرمودی، ہر جے گئے، خیال تھا کہ شاید
 یہ لوگ بھی اظہر ہوتے گئے، مگر وہ باتوں میں صرف سبے حضور علیہ السلام میں
 اذہر گئے اور حضرت النبی سے دریافت کیا کہ وہ لوگ ابھی بیٹھے ہیں یا چلے
 گئے ہیں، انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ ابھی تک بیٹھے ہیں، اس آٹا میں لوگوں کو
 حضور علیہ السلام کی وقت کا احساس ہوا تو وہ اظہر کر پئے گئے، اس موقع پر آیت
 نے یہ آیت نازل فرمائی قِيَامًا قِيَامًا طَعْمًا طَعْمًا وَرَأْفَةً رَأْفَةً اور بات چیت میں
 مصروف ہو کر بیٹھے نہ ہو۔

حضرتین کرام بیان کرتے ہیں کہ کھانا کھانے کے فراموش چلے جانا اس وقت
 نافرمانی سمجھا جانے کا، جب کہ صاحب خانہ اس میں حرج تمسوں کو کرے، اور اگر
 صاحب خانہ کو وقت پیش نہیں آ رہی، اس کی اپنی خواہش ہے کہ لوگ بیٹھے
 رہیں جیسا کہ آجکل عام طور پر پانچوں کے موقع پر تقریر و تقریر بھی ہوتے ہیں اور
 لوگ بیٹھے کہتے ہیں، تو کھانے کے بعد بیٹھے رہنا نامناسب نہیں ہوگا۔

جاء جرد
 ہے

آگے ارشاد ہوا ہے إِنَّ ذَاكُم مِّنْكُمْ كَانَ يُؤْذِي الْمُسْلِمِينَ
قِيَامًا قِيَامًا جو نکلے ہے شک یہ بات یعنی جلد و جہر بیٹھے رہنا نبی علیہ السلام
 کو تکلیف دیتی ہے، مگر حضور علیہ السلام جیسا کہ وجہ سے اپنی تکلیف کا اظہار نہیں
 کرتے الْحَقِيَّةُ جو أَلَا يُسْمَعُونَ حیا تو انسان کا جزو ایمان ہے جو کہ
 بہت اچھی صفت ہے۔ أَلَا يُسْمَعُونَ لَعْنَةُ رَبِّكَ يَا أَيُّهَا

نہیں اُس کا ایمان نہیں۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت زیادہ حیا دار تھے۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم تکلیف دہ چیز کی ناگراری حضور علیہ السلام کے چہرہ مبارک سے معلوم کرتے تھے۔ وگرنہ آپ اپنی زبان سے کسی تکلیف کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایک دوشیزہ پر وہ نشین لڑکی سے بھی زیادہ حیا دار تھے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نزد لباس پہنے ہوئے آیا۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جب وہ اٹھا تو حضور علیہ السلام نے دوسرے لوگوں سے فرمایا کہ اس شخص کو کہہ دو کہ یہ لباس مناسب نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ حضور علیہ السلام خود اپنی زبان سے اُسے یہ کہنا بھی پسند نہ کیا۔

فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٰ مِنَ الْحَقِّ بَشَرًا شَكِبَ اللّٰهُ تَعَالٰى حَقَّ بَاتٍ
 کو ظاہر کرنے سے نہیں شرماتا۔ قرآن پاک میں سورۃ البقرۃ میں بھی ہے۔
 اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٰ اَنْ يُّضْرَبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةٌ
 فَنَعَا فَوْقَهَا (آیت - ۲۶) اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا اس بات سے کہ
 وہ مچھریا اس سے بڑی چیز کی مثال بیان کرے۔ بہر حال اس آیت میں نبی علیہ السلام
 کے گھر میں جانے کے آداب بیان کیے گئے ہیں اور ان کا اطلاق عام مومنوں
 پر بھی ہوتا ہے۔

آگے اللہ نے ازواجِ مطہرات کے متعلق یہ آداب بھی سکھایا وَاِذَا
 سَأَلْتَهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ جَب
 تم نبی کی بیویوں سے کوئی سامان وغیرہ طلب کرنا چاہو تو پردے کے پیچھے سے
 مانگو، سامنے نہ آؤ کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ اگر کسی اجنبی عورت سے
 کوئی کام ہو تو بوقت اشد ضرورت آنا سامنا ہو سکتا ہے۔ انسان بات بھی کر سکتا

پردے کی
 پاسداری

ہے مگر یہ عام اجازت نہیں ہے اور نہ ہی یہ بہتر ہے، لہذا نبی کے گھر کے لیے یہ باب
 زیادہ محفوظ خاطر ہونا چاہیے۔ اس کی حکمت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے ذیل سے
 أَطَهَّرَ لِقَوْلِكَ بِكَرٍّ وَقَلْبًا حَيًّا بِرِشَاقَةٍ دَلِيلٍ لِيُذَكِّرَ الْوَالِيَّ بَاتٍ
 سے اور ازواج مطہرات کے دلوں کے لیے بھی کبر خیز سامنے آنے سے دل میں
 دوسرے پیدا ہو سکتے ہیں، لہذا بہتر یہی ہے کہ پردے کے پیچھے است کی
 جانے حضرات کو کلمہ فرماتے ہیں کہ اجازت المؤمنین کھلنا دت و پاکیزگی کی گواہی تو
 خود خدا تعالیٰ نے دی ہے وَ قَدْ طَهَّرْنَاكُمْ قَدْرًا كَثِيرًا لَّئِيْلًا لَّيْلًا (۳۳)
 جب ایسی پاکیزہ ہستیوں کے لیے بھی پردے کے انکار ہیے جائیے ہیں۔ تو
 عام عورتوں کے لیے پردے کی زیادہ ضرورت ہے۔ ایک طرف حضور علیہ السلام
 کے صحابہ کرام ہیں۔ جن کا مرتبہ خدا کے نزدیک فرشتوں سے بھی زیادہ ہے اور
 دوسری طرف اہل بیت المؤمنین ہیں جن کی تفسیر و اعلان خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے
 تَرَا جَعَلْنَا كُرْسِيَّكَ مَعَهُ مِنْ زِيَادَةِ مَا كُنْتَ تَرْجُو لِيَا كُرْسِيَّكَ عِزًّا
 اہل بیت المؤمنین کا مقابہ کر سکتی ہے! لہذا اس دور میں پردے کی زیادہ ضرورت ہے
 تاکہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو جائے۔ مگر آج کی سب سے بڑی گواہی آپ کے سامنے ہے۔ اسلام کو خراب
 کی برباد کرنے والی بیگمناہی کو قبول نہیں کرتا۔ تمام خرابیاں ہمیں سے شروع
 ہوئی ہیں۔ اسلام کا نظریہ تو یہ ہے کہ اگر نمازی کے آگے سے عورت گزر جائے
 تو نماز کا مشروع و مشروع خراب ہو جاتا ہے۔ کہ دوسرے پیدا ہونے کا احتمال
 ہوتا ہے اور اگر گھر کا یا کنگرہ جانے تو سبے اولیٰ کا باعث بنتے ہیں۔ کچھ یہ
 دوقوں جانور فطرت ہم کاست کرتے ہیں۔ حجاب کا حکم اللہ نے سورۃ نور میں ہی
 نازل فرمایا ہے اور آگے اس سورۃ میں ہی آیا ہے۔ بے حجابی ہرگز پسندیدہ
 فعل نہیں، اس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا منسہر یا کہ پرورداری صحابہ

دلوں کے لیے بھی اور اہل ایمان کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی والی بات ہے
لہذا جب بات کرنا ہو، کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے
بات کرو۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبْدَانًا إِنَّ ذَلِكَ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿۵۶﴾ إِنَّ تَبَدُّوا شَيْئًا أَوْ تَخَفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۵۷﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءَ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَاءِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ وَأَلْفَيِّنَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۵۸﴾

ترجمہ :- اور نہیں لائق تھائے کہ تم ایذا پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ تم نکاح کرو اس کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی بھی۔ بیشک تمہاری یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑا گنہ ہے ﴿۵۶﴾ اگر تم ظالم کرو گے کسی چیز کو یا چھپاؤ گے تو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۵۷﴾ نہیں ہے ان بیبیوں کی بیویوں میں کوئی عورت ان کے باپوں کے سامنے اور نہ بیٹیوں کے سامنے اور نہ بھائیوں کے سامنے،

اور نہ بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے ، اور نہ بہنوں کے بیٹوں کے سامنے ، اور نہ اپنی مسلمان عورتوں کے سامنے اور نہ ان کے سامنے کہ مالک ہیں ان کے دلہنے ہاتھ (یعنی لونڈی غلام) اور ڈرتی رہو اللہ تعالیٰ سے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے (یعنی ہر چیز اُس کے سامنے ہے) (۵۵)

رابطہ آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر کے آداب سکھائے ۔ کہ آپ کے گھر میں بلا اجازت نہ جاؤ ۔ اگر تمہیں کھانے کی دعوت دی ہے تو تیار از وقت نہ جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو بات چیت کے لیے بیٹھنے نہ رہو ۔ بلکہ اٹھ کر چلے جاؤ ۔ اگر چہ نبی کریم علیہ السلام اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں مگر انہیں بلا درگاہ نہ گناہ کرنے سے تکلیف پہنچتی ہے ۔ پھر نبی کی ازواج مطہرات کے متعلق فرمایا کہ تمہیں ان سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو سامنے نہ آؤ ۔ بلکہ پردہ کی کا خیال رکھتے ہوئے پرے کے پیچھے سے طلب کرو ۔ تمہارے اور ان کے دلوں کی مہارت کے لیے یہی طریقہ بہتر ہے تاکہ دلوں میں کسی قسم کے دوسوے نہ پیدا ہونے پائیں ۔ عام عورتوں کے برخلاف ، نبی کی بیویوں سے متعلق زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے ۔

اہل المؤمنین سے نکاح کی ممانعت

اب آج کی آیات بھی حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کی ازواج مطہرات کے آداب سے متعلق ہی ہیں ۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُقُولُوا رَسُولَ اللَّهِ نَبِيًّا بَاتِ تَحْمَلُ لَكُمْ لَمْ يَكُنْ رَسُولَ اللَّهِ كَرَمِيًّا قَامًا رَكْعًا يَأْتِيهِمْ ۔ اپنے قول و فعل سے کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تکلیف کا باعث ہو وَلَا أَنْ تَسْكَحُوا أَرْوَاجَهُمْ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكَ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا اور نہ یہ کہ تم نکاح کرو ۔ اس کی بیویوں سے

اس کے بعد کبھی بھی بے شک صحابی یہ بات ائمہ کے علاوہ کسی کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ بات حضور علیہ السلام کے اوسب سے صادر ہوئی۔ نہ خود اہل بیت کے حال سے سبب، اسب نہیں کہ نبی کی جو بریں کے ساتھ کوئی دوسرا شخص جمع کرنے کی عیادتیں کی عیادتیں کیا کر میں تو آپ کوئی واقعہ پیش نہیں آکر آپ کے کسی کو طلاق دی اور اس کے کسی دوست سے اس کی بوجہ صرف ایک جوی کر حضرت علیہ السلام نے قبل از زمانہ بہت طلاق دی تھی۔ اس ضمن میں فقہاء اور علماء کا اختلاف ہے کہ ایسی عورت نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں، ہم زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ بغیر عاقبت کے طلاق نہ عورت پر نکل جاتی لیکن عیادت نہیں ہوتی۔ عورت کے زمانے میں مذکورہ عورت سے نکاح کر کے کسی عیادت پر آپ نے کہا تھا کہ یہ عورت اہل بیت میں شامل نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کی ذمت کے وقت آپ کے قصد میں نہ ہو یا نہیں نکاح آیت کی رو سے کسی عیادت کے کسی عورت کے ساتھ نکاح نہیں کیا۔ آپ کی دو لڑکیاں بھی عیادت میں نکاح نہ ہو نکاح نہیں کیا کہ ایسا کرنا مسودہ الشریعہ و کرم کو ازیت پنہانے سے مستزاد تھا۔ اہل بیت الزینین کے نہیں ثانی ذکر نے کے متعلق مفسرین کو کرم لہی ایک جہ بات بیان کرتے ہیں۔ منہوائی نے ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشاعت دین کو اہل بیت الزینین کے ساتھ واجب کر دیا تھا۔ مجھے اسی سورہ میں گذرنا ہے **وَأُولَئِكَ نَسَا بِي فِي مَيْمُونَةٍ كُنِّي وَصِيَّةً** آیت اللہ **وَالْحَكِيمَةِ** آیت ۳۴۔ جہاں گھروں میں جو آیات الہی اور سنت نبوی جاتی ہے اس کو عام کرنا۔ اسی قصہ کے لیے ائمہ نے حضور علیہ السلام کو چار سے زیادہ جمع کرنے کی اجازت بھی دی تھی۔ تو اگر آپ نے بعد آپ کی ازواج دوسرا جمع کر لیں تو اس سے اشاعت اور کما ہر چند کہ اس سے لازم تھا لہذا ائمہ نے اس کی اجازت پر سخت ثانی کرنے پر اسی راہ اور اگر کوئی شخص ازواج مطہرات کی تعداد

تفاحوں کی بات کرے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ ان پاک نفوس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ نبی کی رفاقت میں اہمات المؤمنین کے دلوں کو وہ سکون اور اطمینان حاصل تھا۔ جو دنیا بھر میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

بیچھے آیت ۶۰ میں یہ بھی گزر چکا ہے **وَازْوَاجَهُمْ اَمْهَاتُهُمْ** کہ نبی کی بیویوں کو بیویوں کی ماںیں ہیں۔ لہذا جس طرح حقیقی، سوتیلی اور رضاعی ماں کے ساتھ نکاح حرام ہے، اسی طرح اہمات المؤمنین کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ البتہ ان کی اولاد کے امتی کا نکاح ہو سکتا ہے کہ حرمت نکاح صرف ازواج مطہرات تک محدود ہے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نکاح کے ضمن میں حقیقی ماں، سوتیلی ماں، رضاعی ماں اور ام المؤمنین کا ایک ہی حکم ہے، تاہم بعض مسائل مختلف بھی ہیں۔ مثلاً حقیقی یا رضاعی ماں سے پردہ نہیں ہوتا مگر ام المؤمنین سے پردہ کرنا پڑا ہے۔ حقیقی ماں کا خرچہ اولاد کے ذمے ہوتا ہے مگر ام المؤمنین کے خرچہ کی ذمہ داری عام مومن پر عائد نہیں ہوتی بلکہ ان کا فیصل بیت المال ہوتا ہے۔

اہمات المؤمنین کے ساتھ امتی کے نکاح کی ممانعت کی ایک وجہ مسئلہ تخریر بھی ہے۔ بیچھے گزر چکا ہے کہ جب ازواج مطہرات نے نبی علیہ السلام سے خرچہ بڑھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان کو کہہ دوں کہ اگر تم دنیا کی زینت دزینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے عیجدہ کر دوں اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کے گھڑ کی طلبگار ہو تو پھر اُسی پر قناعت کر دو۔ ازواج مطہرات نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا اور اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں۔ چنانچہ اللہ نے ان کی اس قربانی کے پیش نظر اپنے نبی کو یہ حکم بھی دیا کہ آپ مزید نکاح نہیں کر سکتے اور نہ ان کے بدلے میں کوئی دوسری عورت نکاح میں لا سکتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے نبی علیہ السلام کی رفاقت کو پسند کیا۔ اس لیے اللہ نے کسی امتی کو ان کے ساتھ نکاح کی ہمیشہ کے لیے ممانعت فرمادی۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن میں ایک

دیویر بھی چھٹکتے ہیں کہ جس طرح نبی کی وراثت تفسیر میں نبیؐ اور اسی طرح نبی کی بیویوں کے ساتھ صلح بھی عوام ہے کیونکہ نبی کی حیاتِ کامل سے۔ نبی دنیا کی زندگی تو فرما کر چکے ہیں مگر زندگی میں ان کو مکمل زندگی حاصل ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص غائب ہو جاتا ہو۔ جس طرح غائب شخص کی بیوی کے ساتھ صلح نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح نبی کی بیوی کے ساتھ بھی صلح درست نہیں۔

مولانا عبدالحق عتائی اپنی مشہور و معروف تفسیر عتائی کی چھٹی جلد میں لکھتے ہیں کہ نبی پر طبی موت تو واقع ہوئی ہے کیونکہ نص قرآنی سے ثابت ہے كَلَّمَ نَعْسًا ذَا بَقَعَةٍ الْمَوْتِ (کُلُّ مَرْتَمٍ ۱۸۵۰) ہر شخص کو موت کا ڈانٹ چھٹکتا ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ كَمَا كُنْتُمْ لَا تَرْجِعُونَ (القمر۔ ۳۰) اے نبی آپ پر طبی موت وارد ہوئی ہے اور ان پر بھی مولانا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابدی حیاتِ کامل سے جو شہیدوں سے بھی ہزار درجہ بڑھ کر ہے۔ آپ کا دنیا کے ساتھ اب بھی ویسا ہی تعلق ہے جیسا طبی حیات کے وقت تھا۔ یہ وجہ ہے کہ آپ کے بعد اطہر کرماء تک نہیں کہا سکتی اور اسی لیے لوگوں سے بہت سے آثارِ پریشاںہ دیکھے ہیں۔ اس کاٹھ سے آپ زندہ ہیں اور حیاتِ اتری مشہور ہیں۔ چنانچہ زندہ شخص کی بیوی کے ساتھ صلح بھی نہیں ہو سکتی۔

مولانا قاضی ثناء اللہ شہزادی اپنی تفسیر مظہری میں رقمطراز ہیں کہ تمکین سے نبی کی بیویوں کے ساتھ صلح کی گمانت اس وجہ سے ہر اَنَّ السَّيِّئَاتِ حَسْبُكُمْ فَكَلِمَةَ لَٰكِنَّا لَا يَبْرِئُنَّ مِنَ الذَّنْبِ وَلَا يَكْفِي سِوَاكَ (سورۃ بقرہ) اور زندگی محض روحانی زندگی نہیں۔ جو خط روح قرآن میں کی بھی زندہ ہے۔ بلکہ نبی کی زندگی کمال ایسے کی زندگی ہے۔ اس بڑی زندگی کے تعلق سلف کے در و سلک ہیں۔ اگر آپ کی زندگی بارگاہِ عتیق میں

لے معارف القرآن۔ مظہری پیشہ۔ تفسیر عتائی ص ۹۷ ج ۶
تفسیر مظہری ص ۷۰

(فیاض)

ہے تو اس کا تعلق قبر کے ساتھ بھی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔
 مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ
 أَبْلَغْتُهُ يَعْنِي جَرَّخْتُمْ مِيرَى قَبْرِ يَدِ أَكْرَدٍ رَدَّ رَدِّهِ حَيْثُ تَرْتَمِينَ اس کو سننا ہوں اور جو درود
 سے پڑھے گا تو وہ مجھ تک پہنچایا جائے گا۔ حیات النبی کے مخالف علماء اس
 حدیث کو ضعیف بتاتے ہیں حالانکہ یہ حدیث سات سندوں سے آئی جن میں بعض
 ضعیف بھی ہیں یعنی ان میں مردانِ سُدی صغیر ضعیف راوی ہے مگر امام بن قیوم
 نے ابن شیح کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے وہ بالکل صحیح ہے، اس کی
 سند میں کوئی راوی ضعیف نہیں ہے یہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں بھی
 نقل کی ہے۔ امام بیہقی نے حیات الانبیاء کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی
 لکھی ہے۔ معراج کے واقعہ والی روایت بھی حیات النبی کی تصدیق کرتی ہے۔
 جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا: رَأَيْتُ مُوسَى يُصَلِّي فِي قَبْرِ
 قَائِلًا مَا فِي نَفْسِي عَلَيْهِ السَّلَامُ كَوَدَّ كَيْفَا كَوَدَّ اِخْتِصَامَ قَبْرِ
 يَدِ أَكْرَدٍ تَحْتِي۔ ظاہر ہے کہ گھڑے ہونا جسم کی صفت ہے نہ کہ روح کی
 گویا آپ نے مویٰ کو روح اور جسم کے ساتھ زندہ مشاہدہ کیا۔ آپ یہ بھی پڑھتے
 ہیں کہ قبر کو محض ایک گڑھا نہ سمجھو بلکہ مومن کی قبر آحد بنکاء وسیع ہو جاتی ہے۔
 حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ میرے منبر اور حجرے کے درمیان والا خط جنت
 کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ ظاہر ہے کہ قبر کسی کے لیے جنت کا
 باغ بن جاتی ہے۔ اور کسی کے لیے جہنم کا گڑھا۔ اس لیے بعض علماء نے ادا اللہ
 سے نکاح کی ممانعت کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ آپ حیات میں یہ مسلک صرف
 مولانا محمد قاسم نافر تو ہی کا نہیں بلکہ آپ سے پہلے بزرگوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے جنہیں

۱۔ مشکوٰۃ ص ۸۷ و ظہری ص ۲۸۸ ۲۔ مسلم ص ۲۶۸ و انانی ص ۲۴۲ و منذ احمد ص ۱۴۸
 ۳۔ بخاری ص ۱۵۱ و مسلم ص ۲۴۶ ۴۔ حسانی ص ۸۷ ج ۶ (فیاض)

طور پر تعاضی شاہ، اندھرائی چنی تو آپ سے سوال پیلے لڑنے میں امام البرکات نے فرمایا
 تو پھر بی صدی کے مشن ہیں، انہوں نے ہی امامت المؤمنین سے تعلق کی عزت اور
 برج بیان کی ہے۔ ہر حال شی کی برہوں کے ساتھ کجی کی صلوات ممانعت آتی ہے۔
 دوسری بات یہ بھی ہے کہ کوئی فریضہ منہ پند نہیں کرتا کہ اس کی برہی کسی
 دوسرے کے پاس جائے، ہم علاقہ باہو کی صورت میں عام نہیں ہے۔ یہ اللہ
 نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت میں آہ ہے کہ انہوں نے
 اپنی برہی سے کہا کہ اگر کوئی میاں برہی دونوں جنت میں گئے تو کسی عزت کے ساتھ
 خاوند برہے کی صورت میں اس کے ساتھ ہی۔ بدنی وہ شخص گزرا جو دنیا میں اس
 کا آخری خاوند نہ تھا۔ لہذا میری وصیت ہے کہ یہ سے بعد کسی درویش شخص سے
 صلوات نہ کرنا، اگر اس نے ہم پر خاص نہ اپنی ذرا لے کر ہم دونوں جنت میں میاں ہوں گی
 حیثیت سے رہیں گے اور پھر علیہ السلام کے متعلق قرآن بات ہے کہ جن اوزار
 عطرات نے دنیا میں آپ کی رفاقت کو اختیار کیا وہ بزرگ میں ہی آپ کی برہیاں
 ہیں اور آخرت میں بھی وہی برہیاں ہوں گی۔ اس میں بغیر علیہ السلام کی طبی خواہش کا
 بھی اجازت کی گئی ہے جو ہر عزت مند آدمی میں اپنی جات ہے۔

قرآن ایت ۱۰۱ مِنْ عَصَائِبٍ أَوْ مَخْضُومٍ، اگر کسی چیز کو غار کر دیا، چھپا کر
 فَإِنَّ اللَّهَ سَكَّاتٌ يَكْفُرُ مَشْحُومًا عَلَيْهِ مَا تَرَاهُ تَعَالَى تَرَاهُ حَبِيرٌ كَانَتْ
 والاسنہ۔ بعض تین کرام بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی بعض نفاق
 میں تمہم کی باتیں کہنے تھے کہ حضور علیہ السلام کی فریضہ گئی تھے بعد میں آپ کی نبیوں
 برہی سے صلوات کریں گا۔ بعض مخلص مسلمانوں نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا۔
 چنانچہ حضرت ابن عمر بن عمرؓ اور حضرت طلحہؓ کے متعلق ایسی باتیں

۱۔ در مشورہ ص ۲۱۵ ج ۵ ۲۔ البحر المحیط ص ۲۴۴ ج ۶

۳۔ مطہری ص ۴۰ ج ۶ (ذیاض)

نقل کرتے ہیں۔ حضرت طلحہؓ کے متعلق خاص طور پر آتا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ کیونکہ وہ آپ کی چچا زاد بھتیجی تھیں۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت طلحہؓ نے بڑا استغفار کیا، ایک غلام آزاد کیا اور ایک حج پیدل چل کر کیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے نکلی ہوئی یہ غلط بات صحافت کرے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تمہاری ظاہر اور باطن سب باتوں کو جانتا ہے، نبی کی ازدواجِ اسمعی کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔ لہذا ایسی بات دل میں ہرگز نہ لادو۔

محمد سے
پرہیز کی
ضرورت نہیں

پہلی آیت کے ابتدائی حصے میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ امتیوں کے لیے ضروری ہے کہ اہمات المؤمنین سے پردہ کا اہتمام کریں اور اگر ان سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو پردے کے پیچھے سے طلب کریں۔ البتہ سورۃ نور میں محرموں سے عدم حجاب کے احکام گزر چکے ہیں۔ کوئی عورت اپنے محرم کے ساتھ خلوت میں بیٹھ سکتی ہے اور اس کے ساتھ سفر بھی کر سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے یہی قانون اہمات المؤمنین کے لیے نافذ العمل رکھا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِمْ فِى اَبَائِهِمْ وَلَا اَبْنَائِهِمْ وَلَا اِخْوَانِهِمْ وَلَا اَبْنَاؤُكُمْ اِخْوَانِهِمْ وَلَا نِسَاءُكُمْ
وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ نبی کی بیویوں کو اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجیوں، اپنی عورتوں اور غلاموں کے سامنے آنے میں کوئی حرج نہیں ہے عورتیں اور غلام تو لیے ہی پردے سے مستثنیٰ ہیں۔ باقی تمام رشتہ دار عورت کے محرم بنتے ہیں جن سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے اس لیے مندرجہ بالا ان سے پردہ ضروری نہیں ہے۔ لہذا یہی غلام کو تو سورۃ نور میں بھی پردے سے مستثنیٰ قرار دیا جا چکا ہے۔ البتہ باقی غیر محرموں سے پردہ نہایت ضروری ہے

فَرِيْلًا وَاَبْقِيَيْنَ اللّٰهَ نَبِيًّا نبی کی بیویوں! اللہ سے ڈرتی رہو۔ اُس کا خوف ہمیشہ تمہارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ کہیں کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے۔ رات

اللہ کان علی کل شیء شہید ہے شہید ابے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخیر و
 بے افسوس کی نگاہ سے کوئی چیز فائب نہیں۔ وہ نیک اعمال و کردار کا حجاب اور
 محافظ ہے، لہذا تمہیں از حد محتاط رہنا چاہیے۔ یہ امت المؤمنین کے لیے
 نصرتی تعظیم ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ⑤۶

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے
رحمت بھیجتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اے ایمان والو
تم بھی رحمت بھیجو اُس پر اور سلام بھیجو کپری اطاعت کے
ساتھ ⑤۶

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر میں داخل ہونے
کے آداب اور آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں بعض احکام بیان فرمائے
تھے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اہل ایمان کے ساتھ کسی امتی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔
امتوں کو خبردار کیا گیا کہ اللہ کے نبی کو کسی طریقے سے بھی اذیت نہ پہنچائیں۔ اللہ
نے نبی کی ازواج کو پر دے کا حکم بھی دیا اور ساتھ ساتھ محرموں کو اس حکم سے مستثنیٰ بھی
قرار دے دیا۔ تاہم ازواج مطہرات کو ہر حالت میں اللہ سے ڈرنے سے ہٹنے کا
حکم دیا۔

رابطہ آیت

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام
بھیجنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ
عَلَى النَّبِيِّ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر
صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اے ایمان والو! تم بھی اُس پر صلوٰۃ و سلام بھیجو،
پورے ادب و احترام اور اطاعت کے جذبہ کے ساتھ۔

نبی پر درود
وسلام

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پورے فرشتوں کے صلوة بھیجے کے ذکر کرنے کے بعد عام مومنوں کو نبی کی ذات پر درود و سلام بھیجے کی تلقین فرمائی ہے صلوة کا معنی رحمت بھی ہے اور دعا بھی۔ جب صلوة کی نسبت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جاتی ہے تو معنی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پر رحمت بھیجتا ہے اور جب اُسے فرشتوں کے ساتھ سرب کیا جائے تو معنی ہوگا کہ اللہ کے فرشتے اللہ تعالیٰ سے نبی علیہ السلام پر نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اس مقام پر فرشتوں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ وہ صحابہ اللغات ہوتے ہیں اور ان کی اللہ تعالیٰ سے مخصوص رحمت کی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے اور اللہ کے نبی پر زیادہ سے زیادہ نزول رحمت کا سبب بنتی ہے۔ پھر جب صلوة کی نسبت عام انسانوں کی طرف کی جاتی ہے تو اس کا معنی دعا اور استغفار ہوتا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے پیغمبر پر حق پر نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اس میں پیغمبر علیہ السلام کی تعریف اور تعظیم بھی آگئی ہے۔

درود کی
فضیلت

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو نبی علیہ السلام پر درود و سلام کا جو حکم دیا ہے اس کے مطابق ہر اہل ایمان پر عمر بھر میں کم از کم ایک دفعہ درود بھیجنا فرض ہے۔ بعض علماء اسے واجب قرار دیتے ہیں۔ اور نماز میں امام تائب اور امام احمد کا یہی مسلک ہے۔ اگر کوئی شخص نماز سے دور ان تائب میں بدو شریعت میں پڑھے گا۔ تو نماز وہ اتنی زوی اور نہ نماز مقبول میں ہوگی۔ البتہ امام اکث اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر درود شریعت پر فرض سنت ہے۔ لہذا اگر درود شریعت رہ جائے تو نماز ہو جائے گی مگر ایک سنت فرست ہو جائے گی۔ اکثر علماء اور ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ جب ہی حضور علیہ السلام کا کوئی ذکر کیا جائے تو درود شریعت کا پڑھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے

لے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں کثیر صلی اللہ علیہ وسلم (درود)

کہ ایسے مواقع پر درود پڑھنا مستحب ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ مَنْ
ذُكِرَتْ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ فَقَدْ أَخْطَأَ طَرِيقَ الْجَنَّةِ
کہ جس شخص کے سامنے میرا نام ذکر کیا گیا اور اُس نے مجھ پر درود نہ پڑھا تو وہ جنت
کے راستے کو خطا کر گیا۔ ایک روایت میں ہے یہ بھی آتا ہے کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ
کیا جائے اور نبی علیہ السلام پر درود نہ بھیجا جائے تو یہ مجلس شرکاء کے لیے قیامت والے
دن حسرت کا باعث ہوگی۔

درود کی
فضیلت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے کی فضیلت بہت سی روایات میں
آتی ہے۔ سند احمد کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص
حضور علیہ السلام پر ایک دفعہ صلوٰۃ و سلام پڑھے گا، میں اس پر دس رحمتیں نازل
کروں گا، دس غلطیاں معاف کروں گا۔ اور دس رتبے بلند کروں گا۔ دوسری
حدیث میں آتا ہے کہ وہ شخص نخیل ہے جس کے سامنے میرا نام ذکر کیا جائے مگر
وہ درود نہ پڑھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ کسی ایک مجلس میں آپ کا نام نامی کئی
دفعہ ذکر کیا گیا ہو تو صرف ایک دفعہ درود پڑھنے سے بھی حق ادا ہو جائے گا۔ تاہم
اگر بار بار پڑھے گا، تو زیادہ بہتر ہے۔ ہر دعا کے اول و آخر میں بھی درود شریف
پڑھنا چاہیے کہ یہ قبولیت دعا کی ثانی ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت میں آتا ہے
کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے اللہ کی
دعا زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔ جب درود شریف پڑھا جائے
تو پھر وہ اُپر جا کر درج قبولیت کو پہنچتی ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور باہر
نکلنے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے مسلم شریف میں اذان کے متعلق آتا ہے کہ جب

۱۔ منطری ص ۱۲۱ و درمنثور ص ۲۱۸ و ابن کثیر ص ۵۱۲ ۲۔ حمد رک ص ۱۱۱ و مشکوٰۃ ص ۱۹۸

۳۔ منہ احمد ص ۲۱۲ و درمنثور ص ۲۱۴ ۴۔ احکام القرآن للجصاص ص ۲۶۰

۵۔ مسلم ص ۱۶۶، ۱۶۷ و البرذون ص ۱۱۱ و کتاب الاذکار للنووی ص ۲۴ (فیاض)

مُزْنِ اِذَا نِ كَسَابَةٍ قَرْمِ مِ وَبِى الْعَاظِ دِهْلِيَّةِ مَارِ. بہر جب وہ صحیح غنی القلندیہ
اور صحیح علی الفلاح کے کلمات ادا کرے تو قرع لَأَسْأَلُ وَلَا فِقْهًا إِلَّا بِاللَّهِ کے کلمات
کرو۔ جبہ موزن القسطلۃ خیرین الشومر کے تو قرع موصدقت ویزوت
اور جبہ موزن اذان نماز کے قرع صفا عکف قرع محمد پرورد پرورد
اور دماغے رسید نامجو شخص اس پر عمل کرے گا اس کے لیے بری شفاعت فروری ہو
گا۔ بعض لوگ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کے کو پرورد شریف
پڑھتے ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کی تعمیر یہ ہے کہ وہی مگر دروازہ اس طرح اس کلمہ
پر انگریزی پریم کرا کلموں پر لگا رہی حضور علیہ السلام کی نیت نہیں ہے۔ یہ فعل حضرت
ابو بکر صدیق کی طاعت منسوب کیا گیا ہے مگر محمد بن سنان نے صریح کی ہے کہ ایسی روایت
صحیح نہیں ہیں۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنی ایسی بات بتلائی ہے تو وہ بطور
علانیہ بتلائی ہے کہ اگر کسی شخص کا کلموں میں تکلیف برآیا کرے۔ یہ عام دستور
نہیں ہے۔

ابن ماجہ شریف کی روایت کے مطابق حضور کے بعد بھی درود شریف پڑھنا
مستحب ہے۔ ان میں شائع کرتے وقت ان کے قول و آخر میں درود شریف کھن بھی
مستحب ہے۔ جب کوئی شخص رات کے وقت نیند سے بیدار ہو تو اس کے لیے
بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ امام سیوطی نے لکھا ہے کہ امام شافعی نے فرمایا
سے یہ بات مستغادہ ہوتی ہے کہ کسی صحبت یا تکلیف کے وقت بھی درود شریف
پڑھنا مستحب ہے۔ فرمایا جنانا درود شریف گن ہوں کر شائے اتنا اپنی آگ کو نہیں لکھا۔
درود شریف پڑھنا غلام آزاد کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے۔ ائمہ کے نزدیک
پنجبر کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنا اللہ کے راستے میں جان قربان کرنے سے بھی
افضل ہے۔ خاص طور پر جو اسکے دن درود پڑھنا زیادہ باعث اجر ہے۔

درود شریف مختلف مواقع پر مختلف الفاظ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ البتہ اس کے لیے ایمان، عقیدت، محبت اور صحیح طریقہ شرط ہے۔ اپنی مرضی سے موقع بہ وقت یا خود ساختہ الفاظ کے ساتھ درود پڑھنا مفید نہیں ہوگا۔ بعض لوگ اذان سے پہلے تین مرتبہ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ پکارتے ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام نے اس موقع پر ان الفاظ کا قطعاً حکم نہیں دیا۔ درود شریف پڑھنے کے مختلف مواقع میں نے عرض کر دیے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی جب چاہو پاک صاف ہو کر نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا حضور! سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ لَكِن هَمُّ دُرُودِ كَيْسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: اس طرح کہ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ. اللَّهُمَّ بَارِكْ لَكَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اس کے لیے اور بھی بہت سے کلمات آتے ہیں اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَأَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک مجموعہ سالہ لکھا ہے جس میں درود شریف کے پانچ قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ اگر حضور علیہ السلام صلے ہوں تو الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بھی کہہ سکتے ہیں یا قبر شریف پر جا کر یہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر دور سے پڑھیں تو پھر اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى حَمِيدٌ مَجِيدٌ پڑھنا چاہیے۔ اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَى الْفَاعِلِ بھی

درست ہے کہ ان میں درود بھی ہے اور سلام بھی اور دونوں کو آئی کرنا نیا درود تہنہ
 صرف صلوٰۃ یعنی صَلَّى اللهُ عَلَيَّ الشَّيْخِي بھی درست ہے اور صرف
 سلام ٹیپنا وَالسَّلَامُ عَلَيَّ الشَّيْخِي بھی ٹیک ہے۔ بشانِ نَحْوِ جَسْتِ ان لَعَاذُ
 کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا
 مُحَمَّدًا وَعَلَىٰ اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ فَاِنَّكُمْ تَحِبُّوْنَ وَيَرْضَوْنَ
 مَا تَحِبُّوْنَ وَيَرْضَوْنَ مَا تَرْضَوْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ آپ کے سما ہ اور اہل بیت کا ذکر بھی
 آگیا۔

السلام علیکم
 کی کیفیت

دو تہنہ آپس میں شے وقت السلام علیکم کہتے ہیں جو کہ سلام کی کن بہترین زمانہ ہے
 یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت میں ہر قسم کے مصائب و مشلات سے سلامت
 رکھے۔ سلام کا یہ طرز القیام اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھا یا تھا کہ ان الفاظ
 کے ساتھ فرشتوں کو سلام کریں۔ نیز یہ کہ تمہارا تمہارا والد آدمی و کرمی و کرمی و کرمی و کرمی
 و کرمی و کرمی ہے۔ دو تہنہ سب سے بڑا ہے۔ یہ نہال نہیں ہے کی وجہ سے۔ جس
 میں یہ نظموں و نساویں شامل ہے۔

دو تہنہ
 کے لئے

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو تو اللہ سے
 رحمت لے لیا ہے یا کہ نہیں ہے۔ آپ کے درجہ بلند کیے ہیں۔ آپ کو کونسا ایوان
 والزل بنا یا ہے۔ انسانی مخلوق میں سب سے زیادہ شرف اور بزرگی کی کجی ہے
 تو اسے درود شریف کہتے ہیں۔ حضور والا صفت کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ حدیث
 کے حضور سے تو یہی ظہر ہوتا ہے کہ درود شریف کا فائدہ خود درود پڑھنے والے
 کو حاصل ہوتا ہے، اگر تیس یا ست بیکیاں حاصل ہوتی ہیں، وہں شفا میں مشی ہیں اور
 وہی درجہ بلند ہوتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ بہت بڑا اجر ہے اللہ
 کے نبی محمد است ہیں، روحانی باپ ہیں جس کی کوئی نیکی یا خوبی پہنچی ہے آپ ہی
 کے طفیل سے پہنچی ہے قرآن پاک، احادیث متبرہ اور اس کو خدا کی نصیحت
 مرنائی آپ ہی کی وجہ سے میسر آئی ہے۔ لہذا آپ کو اپنے

الفاظ اور دعائے خیر کے ساتھ یاد کرنا امت کے ہر فرد کا اولین فریضہ ہے۔ لیکن بھی اپنے محسن کو یاد رکھنا اخلاقی فرض ہے۔ تو اس طرح گویا درود پاک پڑھنے سے امتی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ بھی قائم رہتا ہے۔ آپ کے لیے دعائے خیر بھی ہوتی ہے اور خود اہل کرمی نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ نماز تقرب الہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور درود پاک نماز کا حصہ بھی ہے۔ چنانچہ جو بیس گنٹے میں کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوگا۔ جس میں حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ پر کوئی نہ کوئی صلوٰۃ و سلام کا ہر نہ پیش کر رہا ہو۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** (الانشراح-۲) ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔

بعض احادیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے والوں کو قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل ہوگا۔ بشرطیکہ صحیح عقیدت اور ادب و احترام کے ساتھ پڑھا جائے۔ دو چار دفعہ بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھنا تو محض ریاکاری معلوم ہوتی ہے اور پھر تعصب کا یہ حال کہ جو اس طریقے کے نہ پڑھے اس پر سب کو درود کا فتویٰ لگا دینا کس قدر ناانصافی ہے۔ درود پاک تو مستحق علیہ مشکہ ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ درود پاک ضرور پڑھو، زیادہ سے زیادہ پڑھو، مگر اس طریقے اور ان الفاظ کے ساتھ جو نبی علیہ السلام نے سکھائے اور صحابہؓ نے ان پر عمل کیا۔ بہر حال نبی پر اور فرشتوں پر بھی سلام بھیجا درست ہے۔ باقی تمام انبیاء پر بھی درود و سلام بھیجا جائے۔ اور پیغمبر کے ساتھ آپ کی آل اور صحابہؓ کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے یہی طریقہ درست ہے۔ انبیاء کے علاوہ کسی پر براہ راست درود بھیجا درست نہیں جب صحابہؓ کا ذکر آئے تو رضی اللہ عنہم کنا چاہیے اور عام مومنین، صلحا اور بزرگان دین کا ذکر ہو تو رضی اللہ عنہم علیہم کنا چاہیے یا غفر اللہ لکم چاہیے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا درود پڑھنے کا فائدہ خود پڑھنے والے کو ہی ہو آگے ہے، بعض علماء کو یہ فرماتے ہیں کہ اس کو ناکارہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ہوتا ہے، اگر نہ ناکارہ درود اگر گا دوسرے عزت میں شرف قبولیت حاصل کر گیا تو حضور علیہ السلام کے درجات مزید بلند ہوں گے۔

بہر حال اشرے نیاں فرمایا ہے کہ من فن لول تو حضور علیہ السلام کی ذات پر طبعی تیشیح کہتے ہیں، تم اس کی بجائے اللہ کے نبی پر درود پڑھا کرو۔ ضائع کی طور بھی پہنچنے ہی پر رحمت نازل فرماتا ہے، آخر سشتہ نازل رحمت کی دعائیں کہتے ہیں، انہما تم بھی اللہ کے نبی پر صلوٰۃ و سلام بھیج یعنی آپ کے لیے نازل رحمت کی دعا کیا کرو جہاں تک ادب و احترام کا تعلق ہے تو یہ چیز لفظ کسبیلنا میں پائی جاتی ہے کہ بری اطاعت اور بغد برعت و احترام کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیج کر درود پڑھنے کا یہی صحیح طریقہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۵۷﴾
وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغَيْرِ
مَا كَتَبَوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا
مُّبِينًا ﴿۵۸﴾

ترجمہ:۔ بیشک وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس
کے رسول کو۔ اللہ نے ان پر لعنت بھیجی ہے دنیا اور
آخرت میں۔ اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے ذلت ناک
عذاب ﴿۵۷﴾ اور وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں۔ مومن مردوں
اور مومن عورتوں کو بغیر ان کے کسی گناہ کے۔ پس تحقیق
اٹھایا ہے انہوں نے بہتان اور صریح گناہ ﴿۵۸﴾

گذشتہ درس میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوة و سلام پڑھنے
کا ذکر تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنے نبی پر خصوصی رحمت فرماتا اور فرشتے اُس کے
لیے دعائے رحمت کرتے ہیں، لہذا اے ایمان والو! تم بھی اپنے نبی پر درود و
سلام کے پھول نچھاور کیا کرو۔ اور اس کام کے لیے نبی کے ادب و احترام اور
خلوص نیت کو ملحوظ خاطر رکھو۔ اس سے پہلے حضور علیہ السلام کے گھر میں داخلے
اور کھانا کھانے کے آداب بیان ہوئے تھے اور ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام
کی ازواج مطہرات کے ساتھ امتحان کا نکلن ہمیشہ سے لیے حرام قرار دیا گیا، اور
نبی علیہ السلام کو قولی، فعلی، ذہنی، جسمانی ہر قسم کی ذیت پہنچانے سے منع کیا گیا۔

دریغ آیت

اب آج کی آیات بھی ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ ان میں اللہ اور اُس کے مخلوق کی ایذا رسانی پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ پھر دوسٹر دوسٹے میں مامون مردوں اور مومن مردوں کو تکلیف پہنلانے سے منع کیا گیا۔ اور اس فعل کو صریح گناہ اور زیادتی قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی
ایذا رسانی

ارشاد ہوا ہے: **إِنَّ الْكُفْرَانَ يُلْغِقُ فِي النَّارِ بِشَكِّهِ وَرُكْبِهِ** جو اللہ تعالیٰ کی تکلیف پہناتے ہیں خدا تعالیٰ تو فرما کر مطلق اور طاقت کا رچھربے بعد اُسے کون تکلیف پہنایا سکتا؟ یہاں پر ایذا رسانی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اُس کی شان رفیع میں کوئی گستاخی کی جائے۔ مثلاً جو شخص کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کوئی بیٹا بنالیا ہے، یا معاذ اللہ خدا کی بیوی ہے، یا اس کی اولاد ہے، یا اس کا کوئی شریک ہے تو اُس نے گویا اللہ تعالیٰ کی ایذا پہنائی۔ ایک حدیث میں یوں آ ہے کہ اللہ نے فرمایا: **يُكْفِرُ فِي سَجَرَاتِ** اُدَم کے بیٹے مجھے تکلیف پہناتے ہیں، حالانکہ یہ اُس کا حق نہیں تھا۔ اور پھر اس آیت کی تشریح اس طرح کی کہ لوگ حالات کو زمانے کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ زمانہ خراب ہے حالانکہ زمانہ تو میرے اختیار اور قبضے میں ہے۔ میں جس طرح چاہوں کروں، اس میں زمانے کا کیا قصور ہے نیز فرمایا کہ انسان مجھے جھٹلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ اور قیامت برپا نہیں ہوگی، اس طرح لوگ مجھے اذیت پہناتے ہیں۔ لوگ میری طاقت اولاد کو منسوب کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے عمر پر علیہ السلام کو مسخ علیہ السلام کو جنم بنا لیا ہے۔ اور یہ سچی کفر شتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اس قسم کی باتیں کہنا خدا کو اذیت پہنلانے کے مترادف ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اُس کی ذات و صفات کا انکار کرنا، خدا کی قدرت کا

انکار کرنا یا وقوعِ قیامت کو تسلیم نہ کرنا، سب ایذا رسانی کی باتیں ہیں۔ اسی لیے فرمایا
 کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

وَرَسُولًا أَتَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنزِلْنَا عَلَيْهِ الْحُبُورَ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ آيَاتِنَا وَيُصَدِّقَهُ بَعْضَ ذِكْرِ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ لَحَدِيثٌ إِيَائِهِمْ لَبِيبٌ إِنَّهُم جَاهِلُونَ
 کی صورت یہ ہے کہ اس کی رسالت انہیں لایا جائے تاکہ ان کے دشمنوں کا انکار کیا جائے اور ان کی لائی ہوئی کتاب کی
 تکذیب کی جائے اور آپ کے لئے ہر شے دین اور آپ کی سنت کی مخالفت
 کی جائے۔ اسی طرح آپ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کرنا ایذا رسانی بلکہ کفر کی بات
 ہے۔ قرآن پاک میں اللہ نے مشرکوں اور کافروں کا حال بیان کیا ہے، اگر فی آپ
 کو شاعر کہتا، کوئی مجنون اور کوئی لغو زبان اللہ کذاب کہتا۔ آپ کی صفت میں طعن
 کیا جاتا۔ اور آپ کے نسب میں طعن کیا جاتا۔ یہ سب ایذا رسانی کی باتیں ہیں۔
 بعض یہود و نصاریٰ نے حضور علیہ السلام کی سیرت پاک کو دغا دار کرنے کی کوشش
 کی ہے اور اس سلسلہ میں چھ لاکھ سے زیادہ کتب اور رسائل شائع کئے ہیں جو سچی
 ازواج پر اعتراض کیا اور کثرت ازواج کو نشانہ بنایا۔ غرضیکہ کفار، مشرکین اور اہل کتاب
 نے ہر طرح سے حضور علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی۔

بھی کرنا
 رسانی

تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول کی ایذا رسانی کا ذکر کیا ہے اور
 فرمایا ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
 اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں پشیمانی بھیجی ہے۔ ایسے لوگ ملعون ہیں، وہ دنیا
 میں بھی رسوا ہوں گے اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ دنیا میں تو
 مسلمانوں کی جماعت، ان کا مقابلہ کر کے انہیں ذلیل و خوار کر چکی، اور آخرت میں
 اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے، فرمایا وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا
 اللہ نے ان کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے جس میں مبتلا ہو کر ہمیشہ
 کے لیے ناکام و نامراد ہو جائیں گے۔

ایذا رسانی
 کی سزا

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا رسانی کا ذکر کرنے کے بعد عام مومنین کے
 متعلق بھی فرمایا وَالَّذِينَ يُؤَدُّونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور وہ لوگ جو

عام مومنین
 کو ایذا رسانی

مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف پہنکتے ہیں اور وہ بھی بَعْدَ مَا اَلْقَسْبُو
 بَشِيرَانِ كَيْ لَا يَكْفُرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ۔ ایک مومن کا دوسرے مومن کو تکلیف پہنچانا جہیز
 اس کی وجہ بھی کوئی نہ ہو، نہایت ہی بری بات ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں
 مومن کی تعریف اس طرح کی گئی ہے وَالْمُؤْمِنُ مِنْ هُنَّ اَتَمُّ الْاُنْثَى كَلْفٍ
 وَمَا نَهَيْتُهُ وَاَهْلُ الْبَيْتِ مَعَهُ مِثْلُ مِثْقَاتِ الْحَبِّ فِي رُءُوسِهِمْ كَرُكَّ اٰتَمِ الْاٰتَمِ الْمَوَالِنِ
 اور ماں میں امن میں ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی مومن کو دوسرے مومن سے کوئی
 خطہ نہ ہو کہ وہ اس کی جان یا مال کے واسطے سے۔ مومن کی ایک صفت یہ بھی بیان
 کی گئی ہے۔ وَالْمُؤْمِنُ مِنْ هُنَّ اَتَمُّ الْاُنْثَى كَرُكَّ اٰتَمِ الْاُنْثَى وَهِيَ مِثْقَاتِ الْحَبِّ
 اپنی شراہتوں سے اپنے پڑوسی کو ایذا نہیں پہنچاتا۔ اسی طرح مسلمان کی تعریف اس
 طرح بیان فرمائی مَنْ سَلِمَ الْفِتْنَةَ مِنْ اَسْبَابِهَا وَوَدَّ بِهِنَّ سَلَامًا
 وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان گھونٹا رہیں مگر آج ان چیزوں پر
 کون مل کر رہے۔ آج زبان اور ہاتھ ہی ایک دوسرے کی ایذا دہانی کا ذریعہ
 بنے ہوئے ہیں۔ عام لوگوں کی بات تو چھوڑیے۔ خود علماء کا حال یہ ہے کہ کسبِ
 پر کھڑے ہو کر جب تک ایک دوسرے پر کھڑے نہ اچھالیں مہینے آئے۔ اَلَا نَشَاءُ اَنْ
 آج کل انبیاؑ میں ایک دوسرے کے کاروں پہنچتے ہیں۔ یہ کس قدر بڑی بات
 ہے اور دوسروں کو ایذا پہنچاتا ہے۔ عورتوں کے خلاف نامحرمین و کفایتی بہتے ہے
 ہیبت، اتنا سمجھائی گئی۔ حقیقت مغضیبہ ہر طریقے سے دنیا مگرے کی کوشش
 کی جاتی ہے۔ یہ سب چیزیں مومن مردوں اور عورتوں کے لیے تکلیف کا باعث
 ہیں، اگر کسی مرد یا عورت نے واقعی کوئی حکم کیا ہے تو اس کی سزا دوائی مانے۔
 اور نظیر شہوت کسی کا ازخود تھیک کرنا اخلاقی گنہگاروں کی علامت ہے۔

۱۰ بحوالہ مظہری ص ۱۴۷، ۱۴۸

۱۱ بحوالہ ص ۱۴۷، ۱۴۸ (فیاض)

اس کے بعد پردے کے احکام والی آیت چھوڑ کر اللہ نے اس قسم کی ایذا رسانی کے تعزیری قانون کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، اگر کوئی شخص کسی بے گناہ مسلمان کو ستا ہے، اس پر تہمت لگاتا اور پھر اس کو ثابت نہیں کر پاتا تو اس پر حد قذف جاری ہو گی یا وہ تعزیر کا مستحق بنے گا، چنانچہ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو یہودی کہہ کر فحش طلب کرے تو وہ شخص عدالت کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور عدالت ایسا اتنا لگانے والے آدمی کو بیس کر ڈالے مارنے کی سزا دے سکتی ہے، فقہ کی کتابوں میں یہ تمام تشریحات موجود ہیں۔ کہ کس قسم کے غلط الفاظ استعمال کرنے سے کوئی شخص تعزیر کا حقدار بن جاتا ہے۔ تو اس عقاب پر ان مومن سردوں اور مومن عورتوں کا ذکر مبرور ہے، جن کو بلاوجہ کوئی ایذا پہنچائی جائے فرمایا کسی بے گناہ مرد یا عورت کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانا سخت معیوب ہے۔ یہ تکلیف خواہ گالی گلہبج کے ذریعے پہنچائی جائے یا مار پیٹ یا تہمت لگا کر، ایسا کرنے والوں کے متعلق فرمایا فَقَدْ احْتَمَلُوا بَهْتَانًا اَنْهَوْنَ نے بہت بڑا بہتان اٹھایا ہے، جھوٹ بانڈھا ہے وَاشْعَا مَجِيئًا اور صریح گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اس قسم کے احکام سورۃ نور میں بھی بیان ہوئے جہاں حد قذف کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً آیت۔ ہم میں سے جو لوگ پاکباز عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر چار عینی گواہ پیش نہیں کر پاتے انہیں انسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ تاہم اس مقام پر فرمایا کہ مومن مرد یا عورت کو کسی بھی طریقے سے ایذا پہنچانا صریح گناہ ہے۔

بہتان اور
صریح گناہ

بہر حال پہلے درجے میں اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں گناہی کرنے والوں کو ملعون قرار دیا گیا اور دنیا و آخرت کی سزا کا مستحق ٹھہرا گیا۔ اور دوسرے درجے میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی ایذا رسانی کے متعلق فرمایا کہ یہ بہتان اور صریح گناہ ہے۔ اس کا ارتکاب کرنے والے خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ اگر خود مسلمان ہی ان آداب کی پابندی نہیں کریں گے تو ان کی سوسائٹی پاک

لے ترمذی ص۔ (فیاض)

نہیں رہ سکتی۔ اسلامی معاشرے میں ہر ایک کی عزت و آبرو اور ان زبان محفوظ
 ہونا چاہیے۔ اگر لوگوں کو ناگردہ گناہوں کی وجہ سے تکلیف پہنچانی جائے تو معاشرے
 میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ
 الْمُؤْمِنِينَ يُدِينِنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِهِنَّ
 ذَلِكَ أَدْلَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذِينَ ۗ وَكَانَ
 اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٥٩﴾ لَيْنٌ لَّمْ يَنْتَه
 الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ
 وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِبَنَّكَ
 بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٦٠﴾
 مَلْعُونِينَ ۗ أَيُّهَا ثِقُفُوا أَحْذُوا وَفْتِلُوا
 تَقْتِيلًا ﴿٦١﴾ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا
 مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٦٢﴾

ترجمہ:- اے نبی! آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں سے اور
 اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنوں کی عورتوں سے کہ وہ نیچے لٹکا
 لیا کریں اپنی چادریں۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی
 جائیں اور اُن کو تکلیف نہ دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ
 بخشش کرنے والا از حد مہربان ہے ﴿۵۹﴾ اگر باز
 نہیں آئیں گے منافق لوگ اور وہ جن کے دلوں
 میں روگ ہے، اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں تو ہم

آپ کو اہل بیت کے لئے ان کے خلاف پھر وہ نہیں
 گئے آپ کے پڑوس زمین میں معر بہت کم (۶۰) وہ
 پہنچے ہوئے ہوں گے جہاں ہی ہائے جائیں گے پڑوس
 جائیں گے، اور ان کو بڑے طریقے سے جان سے مار جائے
 گا (۶۱) یہ اللہ کا دستور ہے ان لوگوں میں جو پہلے
 گزرے ہیں اور نہ پاؤ گئے تم اللہ کے دستور میں تبدیلی (۶۲)

دلیل آیت

گذشتہ آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محترم
 اور آپ کے گھر کے آداب بیان فرمائے، پھر صلوة و سلام پڑھنے کا مشورہ بیان فرمایا
 اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی ایذا رسانی پر وعید سنائی گئی کہ ایسا کرنا دنیا
 و آخرت میں لعنتی بنا ہے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ زنت تک عذاب کی وعید سناتا
 ہے، پھر فرمایا جن جن اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچا، جنت بری بات ہے۔
 ہی طرح عام ہے گناہ اہل ایمان کی ایذا رسانی جو صریح بہتان اور کھانا ہے۔ اللہ
 نے ایسی چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

پڑوس کا
 قسم

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بیٹیوں اور عورتوں
 عورتوں کو پڑوس کا حکم دیا ہے لِيَايْتِكُمُ السَّلَامُ قُلْ لَا زُورَ لِي فِي دِينِي وَلَا مَعْنَى
 وَدِينِ آيَةِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَايْتِكُمُ السَّلَامُ! یعنی ازواج مطہرات، بیٹیوں اور
 اور عورتوں کی عورتوں کو کہہ دو یہ ایت سنیں عَلَيْنَهُنَّ مِنْ حَيْثُ مَبْهُوتَاتٍ
 کہ وہ (باہر نکلنے وقت) اپنی جاویں نیچے رکھا لیا کریں یعنی کسی ضرورت کے
 تحت گھر سے باہر نکلنے پڑوسے تو بارود نکلیں۔ ذَلِكَ آذَانٌ لَّكَ فَمَنْ
 یہ بات زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں فَتَلَا بُيُوتَهُمْ اور ان کو تکلیف
 نہ پہنچائی جائے۔ زناہ جاہلیت میں عام طور پر لوگوں میں سے پروردگار آتی جاتی تھیں،
 کیونکہ انہیں اپنے ماحول کی خدمت کرنا ہوتی تھی، سو راسخ لایا کرئی پیغام
 رسالی کا کام کرنا ہوتا تھا، اور پھر لوگوں میں سے لوگ ان سے چھوڑ چھا کر گئے سے

یہی شریعتِ محمدی میں ملازب یعنی بڑی چادریں استعمال کرتی تھیں جس سے سارا جسم ڈھانپ لیا جاتا تھا اور بدن کے نشیب و فراز نظر نہیں آتے تھے۔ برقع بھی اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ بہر حال مقصد پردہ ہے خواہ برقع پہن کر بڑی بڑی چادر سے لی جائے۔

حضرت علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ عورت کا سارا جسم ستر ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو سیدھا گروں کو نہ توجہ کرنا ہے۔ لہذا عورتوں کو ہر جگہ کیا لباس پہن کر باہر جانے سے منع کیا گیا ہے حتیٰ کہ اگر وہ نماز کے لیے بھی جائیں تو سارے لباس پہن کر نکلیں اور زیر نہ پہنیں، نہ خوشبو لگائیں، یہی چیزیں نئے کا باعث بنتی ہیں۔ لہذا ان سے منع کیا گیا ہے۔ عورتوں کی پردہ ڈری کی خاطر ان پر مذکورہ فرض کیا گیا ہے اور نہ علیہ کی نماز واجب ہے۔ عام نمازوں میں بھی ان کے لیے جماعت کی پابندی نہیں کہ وہ ضرور مسجد میں ہی جا کر نماز ادا کریں۔ ان کو مسجد میں جانے کی صرف اجازت ہے بشرطیکہ راستہ پر ان پر ادرک کی قسم کا خطہ نہ ہو۔ تاہم عورتوں کے لیے گھر میں نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

اس آیت سے شیوخِ حضرات کے اُس غلط نظریہ کی مٹی تہہ بہ تہہ ہے کہ حضرت علیہ السلام کی صرف ایک ہی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ لفظ **بَنَاتٍ** جمع کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کہ حضرت علیہ السلام کی متعدد بیٹیاں تھیں۔ حضور علیہ السلام کی چار بیٹیاں تھیں جن کے نام زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ ہیں۔ شیوخِ حضرات کی معتبر ترین کتاب اصول کافی میں چار بنات کا ذکر حضرت کے ساتھ موجود ہے۔ لہذا جو لوگ آپ کی تین بیٹیوں کا انکار کرتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ پرنسپل ڈاکٹر فرانسس کے لڑائیوں میں سے ہے شریعت نے یہ حکم اس لیے دیا ہے تاکہ برائی کا ارتداد پیدا نہ ہو سکے۔ مثال کے طور پر

برہنہ کی
محکمات

شرعیّت نے شراب کو حرام قرار دیا ہے تو اس کی مبادی یعنی کشید کرنا اور اس کی تجارت بھی حرام قرار دیدی ہے تاکہ شراب نوشی کا موقع ہی پیدا نہ ہو۔ اس طرح شرعیّت نے نکاح کی ترغیب دی ہے تاکہ بُرائی کی طرف رغبت نہ ہو اور پرچے کا حکم دیا ہے تاکہ بے حیائی کے اسباب کو ہی روک دیا جائے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ جدید تہذیب کے دلدادہ پرچے کو عورت کی حق تلفی قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ پردہ مضرت اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عورتوں کو سرعام برہنہ کر دیا گیا ہے۔ اب وہ برقع یا ٹبری چادر تو درنہ معمولی دوپٹے کو بھی سر پر لینا بلکہ سمجھتی ہیں اور محض گلے میں لٹکانا ہی کافی سمجھتی ہیں۔ اس بے پردگی سے یورپی ممالک کے شریف الطبع انگریز بھی نالاں ہو چکے ہیں۔ اب اخلاق بگڑ رہے ہیں اور نسلیں خراب ہو رہی ہیں۔ پچھلی صدی میں ڈاکٹر سپنر سبٹ بڑا فلاسفر ہوا ہے، جس نے جدید تہذیب کے خلاف سخت رپارٹس دیے تھے۔ کہتا ہے کہ یورپ کی پنٹالیس کروڑ کی آبادی میں سے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ پنٹالیس بچے بھی حلالی ہوں۔ فحاشی کا اس قدر دور دورہ ہے کہ حلال و حرام کی تمیز ہی اٹھ چکی ہے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے فحاشی سے بچنے کے لیے سخت قانون دیے ہیں جن کی پابندی سے انسانی اخلاق درست رہ سکتے ہیں اور انسانی سوسائٹی پاک رہ سکتی ہے۔ اسی لیے شرعیّت نے پرچے کے احکام نازل فرما کر عورتوں کے غیر محرم مردوں سے میل جول بغیر محرم کے سفر کرنے اور کھیل تماشے پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اسلام نے تصویر کشی کو بھی اسی لیے حرام قرار دیا ہے کہ یہ فحاشی کے مبادی میں سے ہے۔ چہ جائیکہ کہ شیخ پر نیم برہنہ رقص ہو اور مردوزن کا عام اختلاط ہو۔

بہر حال شرعیّت مطہرہ نے پرچے کے احکام نازل فرما کر مسلمان سوسائٹی کو ہر قسم کی قباحتوں سے پاک رکھنے کا درس دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی کوتاہی ہو جائے یا خامی رہ جائے تو فرمایا وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا تو اللہ تعالیٰ

مختصہ والا مہربان ہے، مطلب یہ کہ اگر کوئی نے کے اہتمام کے باوجود کچھ کرنا ہی روکنا
 تو اسے ضمانت کرنے سے گا۔ خدا کے قانون کی پابندی کا بند باند اور اس تمام پرنا چاہیے۔ نیت
 نیک ہے تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کی کہ سطعون نہیں کرنا اور نہ وہ گرفت کرے گا۔

تعمیراتی
 قانون

ہرگز خواتین سے پھیرا پھار کے واقعات منافعین کی وجہ سے پیش آتے
 ہتے تھے۔ اس لیے اہل آیت میں اللہ نے اس قیامت کے لیے تعمیری
 قانون بھی بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا ہے لَقَدْ كُنَّا بَنِيَّ النَّاسِ خَلْقًا
اَكْرَمًا لَّا نُلْقِي الْبَشَرَةَ نَارًا اَوْ تُرَابًا وَاَكْرَمًا فِي فُلُوٰنِهِمْ
تَرِيحًا وَاَرَوْهُ لَوْ كُنَّا عَمٰی کے دلوں میں شمولی ہماری ہے وَالْمَرْءُ لِرَبِّهِ
الْوَالِدِ يَتِيْمًا وَاَرْسَبًا اور شہر میں جمہوری خبریں پھیلائے وَلَا تَنْفَعُ بَنِيَّ اَنۡ يَّحْسِبُوْا
 تو مجھ آپ کو ان کے خلاف امدادیں گے۔ یعنی ایسے لوگوں پر آپ کو غائب کر
 دیں گے۔ آپ ان پر تعمیری رکھیں۔ یا تو وہ شریف شہری بن کر رہیں گے یا پھر
 مدین سے پتے جائیں گے۔ اور اگر جو جہاں فرماتے ہیں کہ یہ تعمیری قانون کی
 طرف اشارہ ہے۔ بعض جہاں کی معدودہ قوانین متحرک کر دی ہیں کہ اس سے کہ
 یا زیادہ سزا نہیں دی جا سکتی مگر تعمیری قانون میں سزا کی مدد ہی نہیں کی گئی۔ بلکہ
 حاکم وقت کی صلاح پر پرچھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جرم کی نوعیت کے پیش نظر کم و بیش
 سزائے تعزیرات میں معمولی سزا سے لے کر جرم کے مطابق سزائے موت تک
 کی سزا دی جا سکتی ہے۔ قاضی مجرم کو قید کی سزائے سزا سے یا مکس ہر کرنے
 کے احکام جاری کر سکتا ہے یا مجرم کو کرڑے ٹھکانا ہے۔ یہاں پر مَنْ جَفَنَ
كَافً فَغَضَّ طَرَفًا پر تو جہ طلب ہے۔ قوم کی پست ترمیمی کے لیے ناہ اس و
 جنگ میں جمہوری خبریں یعنی انہیں پھیلاؤ دشمن کا ہمیشہ سے ضرب رہا ہے۔ یہاں
 پر چرچہ کرنے کے احکام بیان ہو رہے ہیں تو اس مقام پر ہم جھوٹ

۱۰ احکام القرآن جلد ۳۵ (فیاض)

سے مراد بے حیائی اور فحاشی کی جھوٹی خبریں پھیلانا بھی ہو سکتا ہے۔ جس سے سوسائٹی میں انتشار پھیلانا مقصود ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جھوٹی خبریں پھیلانے والوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ ایسے لوگوں سے ہوشیار بننے کی ضرورت ہے، اور اگر کوئی ایسا شخص گرفت میں آجائے تو پھر قاضی اپنی صوابدید کے مطابق اُسے زیادہ سے زیادہ سزا بھی دے سکتا ہے۔

پھر جب ایسے بد طبیعت لوگوں کا محاسبہ ہوگا تو فرمایا ثُمَّ لَا يَجُورُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا تو وہ آپ کے پڑوس یعنی شہر مدینہ میں نہیں رہ سکیں گے۔ مگر بہت کم دنوں تک، اس قسم کے بد اخلاق لوگ خود بخود شہر سے بھاگ جائیں گے۔ اور سوسائٹی پاک ہو جائے گی۔ فرمایا مَلْعُونِينَ یہ لعنتی لوگ ہیں، ان پر پھینکا پڑے گی۔ أَيُّنَا تَقِفُوا أَخَذُوا پھر جہاں بھی یہ پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے۔ یہ شہر میں چھپ چھپا کر اپنی قبیح حرکات جاری نہیں رکھ سکیں گے بلکہ قانون کی گرفت میں آئیں گے وَقَاتِلُوا نَفْسًا اور سخت طریقے سے مائے جائیں گے، ایسے لوگ تعزیری لحاظ سے واجب القتل ہیں اور ان کے ساتھ نہایت سختی سے پنڈا جانے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ تعزیری طور پر ان کے سر قلم کیے جاسکتے ہیں۔ جو لوگ معاشرے میں فحاشی، بے حیائی اور بد اخلاقی پھیلانے کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ کسی ہمدردی کے لائق نہیں، انہیں سخت ترین سزا ملنی چاہیے۔

ارشاد ہوتا ہے سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اللہ کا یہ دستور پہلے لوگوں یعنی سابقہ امتوں میں بھی بدستور جاری رہا ہے۔ پہلی شریعتوں میں بھی غنڈے بد معاشرے قسم کے لوگوں کی سرکوبی کے لیے قوانین موجود تھے۔ اب آخری شریعت میں بھی اللہ نے یہی قانون رکھا ہے لوگوں

اللہ کا اہل
دستور

کی عزت و ناموس کی حفاظت ضروری ہے لہذا حکومت وقت کو اس کا مناسب
 انتظام کرنا چاہیے۔ صدر، وزیر اور مشیرین ذمہ من دولت جمع کرنا طبع نظر نہیں ہونا
 چاہیے۔ گند کار پر لڑنا ان حکومت کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کے مذہب، اخلاق و عورت
 کا روادار کی حفاظت کرے، حکومت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر فرد کیلئے
 روزگار کے مواقع فراہم کرے تاکہ لوگ گھبروں ہزاروں میں مبیٹہ کر سکیں کی طرف
 مائل نہ ہوں بلکہ سب اپنے اپنے کام میں مصروف رہیں۔ فرمایا اللہ کا یہ قانون دنیا
 سے جاری ہے وَلَنْ نَجِدَكَ إِلَّا مُسْلِمًا لِلَّهِ تَبْدِيدًا اور تم اللہ کے دستور
 میں کوئی تبدیلی نہیں دے گے۔ اس قسم کے قوانین قرأت میں بھی موجود تھے اور
 قرآن میں بھی ہیں ان پر عمل درآمد کرنا حکومت وقت کے فرائض میں شامل ہے۔

الاحزاب ۳۳

آیت ۶۳ ۶۸

ومن یقنت ۲۲

رس لبت ۲۳

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ وَقُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا
عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ
قَرِيبًا ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكٰفِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ
سَعِيرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَا يَجِدُونَ
وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ
فِي النَّارِ يَقُولُونَ يٰلَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا
الرَّسُولَ ﴿٦٦﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا
وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلًا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَا ارْتِهَمْ
ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَهُمُ لَعْنًا
كَبِيرًا ﴿٦٨﴾

۸
۱۰
۵

ترجمہ :- لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے
بارے میں . آپ کہہ دیجئے ، بیشک اس کا علم اللہ کے
پاس ہے . اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب
ہی ہو ﴿۶۳﴾ بیشک اللہ تعالیٰ نے پھٹکار کی ہے کافروں
پر اور تیار کی ہے ان کے لیے جہنم کی آگ ﴿۶۴﴾
ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں . نہ پائیں گے کوئی
حفاظتی اور نہ مددگار ﴿۶۵﴾ جس دن کہ پلٹے جاؤں گے ان

کے چہرے روزِ زک کی آگ میں تو کہیں گے، لے افسوس
 ہائے یلے کہ ہم نے اطاعت کی بھرتی اللہ کی اور اطاعت
 کی بھرتی رسول کی (۶۶) اور وہ کہیں گے، لے ہمارے
 پروردگار! بیشک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی
 اور اپنے بڑوں کی تو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا سب سے
 راستے سے (۶۷) لے ہمارے پروردگار! اُن کو لعنت
 مذاب ہے۔ اور اُن پر لعنت کر بہت بڑی لعنت (۶۸)

مطابقت

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر کے آداب اور
 ازدواجِ مطہرات کے بارے میں احکام بیان فرمائے۔ پھر پیغمبر علیہ السلام پر ورود
 سلام پڑھنے کا سنہ بیان کیا، اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول کو ایذا
 پہنچانے والوں کو مومن ٹھہرایا۔ اور انہیں مذاب کا متعلق قرار دیا، اسی فلسفہ
 ایمان و سرمدوں اور عزتوں کو تکمیل پہنچانے والوں کی خدمت بیان فرمائی۔
 ایسے لوگ بہتان طرازی کرتے ہیں اور بہت بڑے گناہ گے مرکب ہوتے
 ہیں، پھر اللہ نے ازدواجِ مطہرات حضور علیہ السلام کی بیٹیوں اور عام دوست
 عزتوں کے لیے پردے کا حکم دیا اور غنڈہ گردی کرنے والے منافق قسم کے
 لوگوں کو تنبیہ کی کہ اگر وہ عساکر سے باز نہ آئے تو ان پر تعزیر لگائی
 جائے گی، وہ مومن ہوں گے اور اُن کو بڑے طریقے سے قتل کیا جائے گا۔
 فرمایا کہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ پرانا دستور ہے جو سابقہ انبیاء کے
 زمانے سے چلا آ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے دستور کو تبدیل نہیں کرتا۔

وزن قیامت
 اسلم

بعض منافق لوگ قیامت پر طعن طرح کے اعتراضات کرتے تھے اور
 اس نظریے کا سزا اڑاتے تھے، اللہ نے اُن کی اس توجیح حرکت کے متعلق فرمایا
يَسْأَلُكَ الْمُنَافِقُونَ كَيْفَ تَصَدَّقُ لِمَا كُنْتَ تَصَدَّقُ لِمَا كُنْتَ تَصَدَّقُ
 قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ یہ لوگ قیامت کا

انکار کرتے تھے مگر جب اللہ کے پیغمبر ان کو قیامت کی ہونا کیوں سے ڈراتے تو پھر
استہزاء پر چھتے اور اچھا باتیں قیامت کب آئے گی؟ اُس کے جواب میں اللہ نے فرمایا
قُلْ اِنَّ سَاعَةَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يَمُرُّ بِكُمْ اِلَّا وَلَكُمْ عَلَيْهَا حَقٌّ لَّا تَدْرِيْنَ
وَقَدْ وَقَعَتْ قِيَامَتُهَا كَمَا عَلَّمَ تَوَصُّفُ الْمُرْتَدِّ فِي الْبَيْتِ الْاَسْوَدِ
ایک روایت میں آتا ہے اَمَّا وَجَبَتْهَا فَلَا يَعْزَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ، یعنی
عین وقوع قیامت کی گھڑی کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ یہ علم اُس نے نہ
کسی نبی مرسل کو دیا ہے اور نہ ملک مقرب کو۔ البتہ قیامت سے پہلے پیش
آنے والے بعض واقعات کا ذکر ضرور کیا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا
فرمان ہے اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ یعنی میں اور قیامت اس طرح آگے پیچھے
آنے والے ہیں جس طرح یہ دو انگلیاں۔ آپ نے دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے
فرمایا۔ جس طرح دو انگلیاں متصل ہیں اسی طرح قیامت بھی بالکل قریب ہے، اب
میرے بعد نہ کوئی نبی آئیگا اور نہ کوئی نئی شریعت، بلکہ اب تو قیامت ہی آنے
والی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق کی ہے اِقْتَرَبَتِ
السَّاعَةُ وَالشُّقُّ الْقَمَرُ (القمر-۱) قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہوگا
شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ منافقوں نے یہ سوال محض ہٹ دھرمی کی
بنیاد پر کیا ہوگا۔ جس چیز کا جواب دُنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے اُس کا بار بار
سوال کرنا بے معنی بات ہے۔ لہٰذا اگر کسی سادہ لوح آدمی نے محض علم حاصل
کرنے کے لیے ایسا سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے اُسے دو سکر طریقے سے
سمجھایا۔ جیسے ایک دیباچی نے عرض کیا تھا، حضور! یہ بتائیے مَتَى السَّاعَةُ

کرم سے کب آنے گی؟ تو آپ نے جواباً فرمایا: مَا أَحَدٌ كَلِمًا مَبْهُورًا كَوْبًا
 کو تم نے قیامت کے لیے تیار کیا کر رکھا ہے، جو ایسا سوال کرتے ہو، مطلب
 یہ کہ تم نے کون سے نیک اعمال کیے ہیں جن کے صلہ کے لیے قیامت کے منتظر
 ہو؟ اس شخص نے عرض کیا، حضور! میں نے کوئی زیادہ نمازیں نہیں پڑھیں، زیادہ
 لغز سے لکھے ہیں اور نہ کوئی زیادہ نیک کے سوا کام کیے ہیں، البتہ میں اللہ اور
 رسول کے ساتھ محبت ضرور رکھتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: أَنْتَ مَعَ
مَنْ لَعْنَتِهِمْ تم آجرت میں ایسی کے ساتھ ہو گے، جن کے ساتھ تمہیں محبت
 ہے، اگرچہ آپ نے اس شخص کو جنت کی بنا دے دی۔

اس کے برخلاف جو لوگ مَنْ وَتَفَتِحَ كَيْ طَوْبِهِ ایسے سوال کرتے تھے،
اللَّهِ أَنْ كَرِهِي ان کے رد میں فرمایا: وَإِنِّي لَكَلَّ السَّاعَةِ لَكَلَّ
 قیامت آپ کو کیا معلوم شاید کہ قیامت قریب ہی ہو۔ ایک ترقیامت کو یہ
 ہے جو پوری کائنات پر یکبارگی وارد ہوگی جب صراطِ اربعہ پر لوگ ہٹ جائیں گے۔
 اور اس کے متعلق بھی فرمایا کہ یہ قریب ہی ہے۔ البتہ ایک قیامت صغریٰ
 بھی ہے جو ہمارے سامنے ہر شخص پر وارد ہوجاتی ہے اور وہ ہر شخص کی اطواری
 موت ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: مَنْ مَاتَ فَهَذَا قَامَتِ
بِقِيَامَتِهِ جس کو موت آگئی، اس کے لیے قیامت واقع ہوگئی۔ قیامت
 سے مراد جو نئے عمل سے اور یہ ہر شخص کے لیے عالم بزرگ میں ہی شروع ہو
 جاتی ہے، جب کسی شخص کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو فوراً قبر کے سوال پر اب
 شروع ہوجاتی ہے اور پھر اس اولین استمآن کے نتیجے میں یا تو راحت پہنچا
 شروع ہوجاتی ہے یا انسان تکلیف میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ تو اس کا دوسرے
 قیامت کو برابر ہوگئی، لہذا اس کے متعلق الٹ پلٹ سوالات کرنا، بے سنی ہے

۱۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۴۴ ج ۱۱ بحوالہ علی بن ابی حمزہ رافعا
 (قصاص)

اس کی بجائے انسان کو اپنی دوسری زندگی کے لیے تیاری کرنا چاہیے تاکہ وہ اُس
زندگی میں عذابِ الہی سے بچ جائے۔

اس آیت کریمہ میں مَا يُذْرِيكَ کے الفاظ میں جس کا معنی ہے کہ آپ کو
کس نے بتلایا بعض مقامات پر اسی کے ہم معنی الفاظ مَا أَذْرَاكَ بھی آتے ہیں
جیسے سورۃ القدر میں ہے وَمَا أَذْرَاكَ مَا آيَةُ الْقَدْرِ اور آپ کو
کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا چیز ہے؟ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ جس چیز کے متعلق
يُذْرِيكَ آتا ہے، وہاں مذکورہ چیز کو ظاہر نہیں کیا جاتا اور جہاں أَذْرَاكَ
استعمال ہوتا ہے وہاں بات کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ امام سفیان ابن
عمیرہ جو امام ابو سفیان کے شاگرد اور امام شافعی کے استاد ہیں، وہ بھی مذکورہ
حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے قیامت کے
ساتھ يُذْرِيكَ کا لفظ استعمال کیا ہے تو اُس کی تفصیلات نہیں بتائیں
مگر لیلیۃ القدر کے لیے أَذْرَاكَ استعمال کیا ہے تو آگے کچھ تفصیل بھی بتائی
ہے کہ لیلیۃ القدر ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے اور اس میں روح الامین اور
فرشتے نازل ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

آگے ارشاد ہوتا ہے إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ
نے کافروں پر پھینکا بھیجی ہے لعنت کا معنی ہے رحمت سے بعید کر دینا
سورۃ بقرہ میں ہے، جو لوگ کفر کی حالت میں مر گئے اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ
لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ر آیت۔ ۱۶۱ ان پر
اللہ، اُس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اس مقام پر سنر آیا ہے
وَاعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔ سعیر
جہنم کے ناموں میں ایک نام بھی ہے۔ خَلِيْدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا۔ وہ اس
میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یہ لوگ دنیا میں کفر اور شرک میں مبتلا ہے اور
اسی پروگرام کو غالب کرنے کی کوشش کرتے ہے، ایمان اور توحید کی مخالفت

کفار پر
لعنت

کرتے ہے، انبیاء کا تھا بلکہ، ان پر یہ سب اور اعتراضات کیے، دن کا نسخہ اڑا اور وقت
قیامت کا انکار کیا، لہذا یہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے لَا تَجِدُ فِرْقًا وَّالِيًّا
وَلَا قَصِيْرًا اور پھر کرنی ممانیٰ اور مددگار ہوں نہیں پائیں گے جو اس اڑے وقت میں
ان کی مدد کرے۔

ان
نسخہ

فِيَوْمَ يَوْمٍ نَّتَقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ جِسْمِ دُنْ اُنْ كے جسے نسخہ
کی نگ میں اوندھے سزاؤں میں رہیں گے، تقرب کا نقل معنی توڑنا ہوتا ہے، تاہم حدیث
میں اوندھے سزا گرائے جانے کا ذکر بھی آیا ہے، اس وقت وہ لوگ سنت انفس کا اظہار
کریں گے اور يَقُوْمُوْنَ يَلْبِسُوْنَ اَطْعَمَنَا اللّٰهَ وَاَطْعَمَتِ الرَّسُوْلَ كِيں گے
کاوش کر رہے ہیں اور اُس کے رسول کی اطاعت کی جوتی تو کیا، اچھا ہوتا اور آج ہم اس
سزا میں گرفتار نہ ہوتے، اس وقت اُتفت کریں گے کہ ہم نے دنیا کی زندگی کو کبھی بڑا
کر دیا اور آخرت کے لیے کچھ سامان نہ کیا۔ اگر ہم نے اللہ اور اس کے رسول کا کلام
جو آ کر آج یہ، وزیرہ دیکھنا نصیب نہ ہوا، مگر اس دن ان کا انفس کو کام نہ آنے لگا
اور انہیں غلاب اللہ کو مڑا لکھنا پڑے گا۔

پیشواؤں کے
خلوت
مطابقت

اس کے ساتھ ساتھ مجرم لوگ یہ بھی کہیں گے وَقَالُوا رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا
وَكُنْتُمْ اَوْلِيَاءَنَا جہار سے پردہ دگا۔! ہم نے اپنے سزاؤں اور بڑوں کی اطاعت کی، دنیا
میں ان کے کہنے پر چلتے تھے فَاتَّخَذْتُمْ اَوْلِيَاءًا مِّنْ دُوْنِنَا اِنْتُمْ سَادَتُنَا
سے بڑے کہ غلط راستے پر ڈال دیا، مہر دار اور بڑے حکومت کے آدمی بھی ہو سکتے ہیں اور
غریبی پیشوا بھی جو قوم کی صحیح راہنمائی نہیں کرتے، وہ اپنا اُتوسیدھا کرنے کے لیے لوگوں
سے من مانی کرتے رہتے ہیں۔ اور ایمان کو تو مہ کی بھلے نے گھرا اور شرک کا درس دیتے ہیں۔
انبیاء و پیغمبر السلام کا متبرک کرنے والے اور ان کی تکذیب کرنے والے اکثر بڑے
لوگ ہی ہوتے ہیں، دولت مند، حاکم، مہر دار، چوہدری اور سڑیہ دار لوگ، لوگوں کو سب دماغ دکھا
کر اپنے پیچھے دکھائی دیتے ہیں اور پھر نہ صرف ان کی دنیا بکھرنا قسمت ہی غراب کرتے ہیں،
اس دن لوگ اپنے بڑوں اور پیشواؤں کی شکایت کریں گے، مگر اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے تمہیں انسان بنایا تھا، عقل فہم اور شعور عطا کیا تھا، مگر تم بغیر سوچے سمجھے لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کے پیچھے چلتے ہو۔ وہ تمہیں عیسائی اور فحاشی کا سبق دیتے ہیں، شرکیہ اور بدعتیہ امور کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مشرک مولوی لوگوں سے جھنڈے بازی اور فتنے بازی پر ہی مال غنیمت کرتے ہیں اور علوم کو بیوقوف بناتے ہیں۔ اُس دن افسوس کا اظہار کریں گے کہ ہم نے ان لیڈروں کو ووٹ دے کر ممبر بنایا۔ مگر انہوں نے ہمیں غیر اسلامی نظام دے کر برباد کر دیا۔ ہم نے پیر، مولوی اور بزرگ سمجھ کر اپنا ایمان تک اُن کے ہاتھ میں دے دیا مگر انہوں نے ہمیں جہنم کے راستے پر ڈال دیا۔ اُس دن لوگ اپنے پیشواؤں کو خطاب کر کے کہیں گے اِنَّكُمْ كُنْتُمْ مَعَنَا تَوْبَتَنَا عَنِ الْمَيْمِينِ (الصفۃ - ۲۸) تم ہمارے دائیں بائیں سے آگے نہیں سنزبان دکھاتے تھے، وہ آگے سے جواب دیں گے کہ تم خود اُس وقت سوچتے کہ تم کدھر جا رہے ہو۔ تم آنکھیں بند کر کے ہمارے پیچھے چلتے ہو، لہذا اس گمراہی کے تم خود ذمہ دار ہو۔

جب مجرم لوگ ناامید ہو جائیں گے تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کریں گے رَبَّنَا اِنَّهُمْ ضَعُفَاتٌ مِنَ الْعَذَابِ اے ہمارے پروردگار ان پیشواؤں کو دگنا عذاب دے کیونکہ یہ خود بھی گمراہ تھے اور ہمیں بھی گمراہ کرنے سے وَالْعَثَمَةَ لَعْنًا كَبِيرًا اور ان پر بڑی لعنت بھیج۔ مگر اللہ فرمائے گا۔ کہ تم سب تابع اور متبوع پر ڈبل عذاب ہو گا کیونکہ جس طرح انہوں نے تمہیں گمراہ کیا تھا، اسی طرح تم نے بھی آگے لوگوں کو گمراہ کیا۔ لہذا ایک سنزات تمہیں گمراہ ہونے کی پٹے کی اور دوسری سنزادوسروں کو گمراہ کرنے کی پٹے کی۔ اس طرح جاہل پیر اور مرید دوہری سنز میں مبتلا کیے جائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا
 مُوسَىٰ وَبَرَّاهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ
 عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
 اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ
 لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَأَنَّ
 مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا
 عَظِيمًا ﴿٧١﴾

ترجمہ۔۔۔ اے ایمان والو! نہ ہو تم ان لوگوں کی طرح جنہوں
 نے سنا، موسیٰ علیہ السلام کو، اللہ نے اُن کو بڑی قرار دیا
 اُس چیز سے جو انہوں نے کہی تھی، اور موسیٰ علیہ السلام اللہ
 کے نزدیک بڑی عزت والے تھے ﴿۶۹﴾ اے ایمان والو!
 ڈرو اللہ سے اور کسو بات سیدھی ﴿۷۰﴾ وہ درست
 کرنے کا تمہارے لیے تمہارے اعمال اور بخشش کے
 تمہارے لیے تمہارے گناہ اور جو شہنشاہت اطاعت کرے گا
 اللہ اور اُس کے رسول کی، پس بیک دو کامیاب
 ہو گیا بڑی کامیابی سے ﴿۷۱﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نوریہ رسول کی ایذا رسانی سے منع فرمایا
 کہ ایسا کرنے والے سلفین ہیں، اسی طرح کسی عام مومن پر یا عورت کو تکلیف پہنچانا

بھی ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے۔ پھر اللہ نے اہل ایمان کو خبردار کیا کہ وہ منافقوں
مشرکوں اور یہود نصاریٰ کی طرح اللہ کے نبی کے متعلق کوئی ایسی بات زبان پر نہ لائیں
جو آپ کے لیے اذیت کا باعث ہو۔ اگر کوئی مومن ایسا کرے گا تو اس کے ایمان
میں خلل واقع ہو جائے گا لہذا ایسی بات سے پرہیز کرنا چاہیے۔

موسیٰ علیہ السلام
کو ایذا پہنچانی

اب اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے اور مومنوں کو
خبردار کیا ہے کہ تم بھی موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح اپنے پیغمبر کی ایذا رسانی کا باعث نہ
بنا۔ جن لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا وہ بھی ملعون ٹھہرے اور سخت عذاب ہوئے
ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ
لِأَيْمَانِ وَهُوَ بِالْوَالِدِ الّذِي آمَنَ مِنْكُمْ كِرْهًا فَكَفَرْنَا بَلْ هُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ
عِنْدَ اللَّهِ وَبِجِبْتِهَا اور موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے نزدیک بڑی وجاہت والے
یعنی باعزت تھے۔ آپ اللہ کے عظیم النان رسول اور صاحب کتاب نبی تھے،
اور اس کے ساتھ اللہ نے آپ کو خلافت بھی بخشی۔

حضور علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں کسی قدر مماثلت پائی جاتی
ہے کہ ان کی قوموں نے اپنے جلیل القدر رسولوں کو کس طرح ستایا اور ذمہ کی گرفت
پہنچائی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے دیکھا
کہ ایک شخص حضور علیہ السلام سے کہہ رہا ہے یا محمد اعدل۔ اے محمد! انصاف کر۔ مال
تعمیرت تقسیم ہو رہا تھا تو اس شخص نے اعتراض کیا کہ مال کی تقسیم صحیح طریقے سے نہیں
ہو رہی ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام کو سخت پریشانی ہوئی۔ غصے سے آپ کا چہرہ
مبارک سرخ ہو گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا رَحِمَ اللَّهُ مُوسَىٰ لَقَدْ

أَوْ ذِي بَالِكْتُمْ مِنْ هَذَا أَقْصَبَ الشَّرِّ تَعَالَى مَوْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ بِرَبِّهِ فَرَأَى
 انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچانی گئی مگر انہوں نے صبر کیا۔ آپ کا مقصد
 یہ تھا کہ میں جی رہا، ایذا رسانی پر صبر کا مظاہرہ ہی کروں گا۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے
 اس عرض کو جواب دیا لَقَدْ جِئْتُمْ كِتَابًا لَمْ أَعِدْ لَهُ مِثْلَهُ فَسَمِعَ كَيْدَهُ
 اے شخص! تو یہ بات کر کے نالام ہو گیا۔ اگر میں
 بھی انصاف نہیں کروں گا تو پھر اور کون انصاف کے تقاضے پر عمل کرے گا؟
 آپ نے مزید فرمایا کہ آسمان ٹٹکے تو مجھے امین سمجھتے ہیں اور تم مجھے بدویانت کہہ
 رہے ہو۔ بڑے انصاف کا مقام ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے پیر کا دل
 میں سے ایسے لوگ نکلیں گے جو دین سے اس طرح خارج ہو جائیں گے جیسے تیس
 لشکر میں سے نکل جاتا ہے۔ تو فرمایا تم اپنے نبی کو ایسی اذیت نہ پہنچانا جس طرح موسیٰ علیہ السلام
 کو تکلیف پہنچانی گئی۔

حوار سے
 گھڑی

موسیٰ علیہ السلام کو ایذا رسانی کی ایک مثال سورۃ المائدہ میں موجود ہے۔ آپ نے
 اپنی قوم سے کہا کہ اپنے وطن شام و فلسطین کو آزاد کرانے کے لیے وہاں پر آباد کافر
 لوگوں کے ساتھ جہاد کرو، اللہ تمہیں فتح عطا کرے گا۔ مگر قوم کہنے لگی کہ موسیٰ!
 إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ (آیت - ۲۳) وہاں پر تو بڑے سخت قسم کے
 لوگ ہیں، ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلْ
 إِنَّا هَاهُنَا قَوِّدُونَ (آیت - ۲۴) لہذا تم اور تمہارا خدا دونوں جا کر اس قوم
 سے جنگ کرو۔ ہم تمہیں بیٹھیں گے۔ اس صاف انکار سے موسیٰ علیہ السلام
 کو سخت کوفت ہوئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا، مولا کریم! اس
 ناہنجار قوم پر میرا بس نہیں چلتا، میں تو صرف اپنے بھائی کو ہی کہتا ہوں، لہذا
 تو ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اللہ نے فرمایا، اچھا!

یہ سرزمین شام و فلسطین ان لوگوں پر حرام کر دی گئی ہے۔ اب یہ چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہیں گے۔ اس عرصہ میں اس نسل کے اکثر لوگ ختم ہو جائیں گے تو یہ سرزمین اگلی نسل کو منتقل کر دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مطلب یہ کہ قوم نے موسیٰ علیہ السلام کو ازیت پہنچائی اور خود بھی خدا کی طرف سے مستوجب ہوئے۔

صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نہایت حیادار آدمی تھے۔ جب آپ غسل فرماتے تو سخت پڑے کی حالت میں تاکہ کسی شخص کی نظر آپ کے برہمہ جسم پر نہ پڑے۔ اس سے مخالفین نے یہ پراگینہ اکثرنا شروع کر دیا کہ آپ کا جسم عیب دار ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے جسم کے کسی حصہ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ بعض کہتے کہ آپ کو آدرہ کی بیماری ہے جس سے جسم کے فوطے پھول جاتے ہیں۔ یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے لیے تکلیف دہ بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اتہام سے بری قرار دینے کے لیے یہ سبب پیدا کیا کہ ایک دفعہ آپ نے پتھروں کے درمیان تنہائی میں غسل کرنے کے لیے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیے۔ اتنے میں اللہ کا حکم ہوا تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ بھی اُس کے پیچھے پیچھے دوڑے حتیٰ کہ وہ پتھر لوگوں کی مجلس کے قریب جا کر رک گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے لینے کے لیے برہنگی کی حالت میں ہی وہاں پہنچ گئے، جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ آپ کا جسم بالکل بے داغ ہے، اور اس طرح اللہ نے آپ کو اس اتہام سے چھٹکارا دلایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں آتا ہے کہ جب آپ نے اپنی قوم کے صاحب حیثیت لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کہا تو وہ ہجر ہو گئے۔ ان میں قارون سب سے پیش پیش تھا جس کے پاس بے شمار دولت تھی اور اُس کی زکوٰۃ

جہانی عیب
کاشخانہ

بدکاری کا
الزام

کی مقدار بھی اسی نامی جتنی تھی۔ اُس شخص نے نبوی علیہ السلام کو یہ نام کرنے کا ایک
 منصوبہ بنایا اور اس کام کے لیے ایک خاص عورت کو لالچ دے کر اپنا آلہ کار
 بنایا۔ ایک موقع پر نبوی علیہ السلام جمع کے سامنے برکاری کی خدمت بیان کر چکے تھے
 تھے قرآن خاص عورت نے سرعام حضرت کو نبی علیہ السلام پر الزام لگایا کہ انہوں
 نے میرے ساتھ برکاری کی کہنے لہذا برکاری کی سزا سے پہلے ان کو مرنے چاہیے۔ اس
 اتہام سے نبوی علیہ السلام کو سخت ذہنی اذیت پہنچی، تاہم آپ نے لوگوں کے
 سامنے اُس عورت کو قسم دلائی کہ اُس وعدہ کا شریک کی قسم تھا کہ راستہ کو انہیں
 نے سمندر کو بھاری کرنا اور انہیں کیوں کو پار کر دیا اور فرعونوں کی اسی سمندر میں غرق کر دیا
 اور جس نہ اونہ تعالیٰ نے قرأت جبرئیل علیہ السلام کتاب نازل فرمائی، اُس نہ ان کی
 قسم تھا کہ بتاؤ کہ کیا تمہارا الزام درست ہے وہ عورت سرعوب ہو گئی، اور
 اُس نے اقرار کیا کہ اُسے عارفوں نے پھیلنے کے لیے الزام لگانے پر آمادہ کیا تھا،
 پھر نبوی علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں قاریوں کے حق میں جو دعا کی تو انہ
 نے اُس سے عفت استقام لیا۔ سورۃ القصص میں ہے **فَسَفَّنا بِهِ وَجِدَارًا**
الَّذِي يَرْمِي دَآئِمًا ہم نے اُس کو خزانوں سمیت اور اُس کی دانوں کا گاہ کو بھی زمین
 میں دھنسا دیا۔ بہر حال نبوی علیہ السلام پر طرح طرح کے الزامات لگا کر آپ کو
 اذیت پہنچائی گئی مگر انہوں نے آپ کو ہر اتہام سے بری کیا۔

اہل ایمان
 کو نصیحتیں

قریباں پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تنبیہ کی ہے کہ نبوی علیہ السلام کی قوم
 کی طرح تم بھی اپنے نبی کی شان میں کوئی گستاخی نہ کرو جیسا کہ آپ کو تکلیف پہنچنے
 آپ کی ذات پر بھی لوگ طرح طرح کے اعتراض کرتے تھے جو صحیح نظر چکا ہے
 کہ منافقوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا۔ بعض
 آپ پر نقد ازواج کی وجہ سے علیٰ حق کا الزام لگاتے تھے جس سے آپ کو سخت
 اذیت پہنچی تھی۔ سورۃ البقرہ میں ہے کہ نبوی لوگ آپ کے لیے رابعین کے لفظ
 کو جھڑک کر رابعین کہہ کر پکارتے تھے جس کا معنی اچھڑا ہوا بہو ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ

نے حکم دے دیا کہ آپ کی ذات مبارکہ کے لیے یہ لفظ سرے سے استعمال ہی نہ کیا
 کرو وَا لَا تَقُولُوا رَاعِنًا وَقُولُوا انظُرْنَا بَلْكَ اس کی بجائے اَنْظُرْنَا کا
 لفظ استعمال کیا کرو تاکہ کسی جگہ کا احتمال ہی باقی نہ رہے۔ اس سورہ کی ابتداء میں بھی
 اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام، آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے گھم کے آداب بیان
 کیے ہیں تاکہ آپ کی شانِ اقدس میں کسی ممکنہ کمی کے تمام دروازے بند ہو جائیں اور آپ
 کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم اُن لوگوں کی طرح
 نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ازیت پہنچائی مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہر اہتمام
 سے پاک قرار دیا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے اے ایب اور قانون بیان فرمایا ہے۔
 ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ اے ایمان والو! اللہ سے
ذُرْجَابًا وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا اور ہمیشہ سیدھی بات کو۔ ظاہر ہے کہ
 اگر سیدھی اور سچی بات کرو گے تو اس میں ازیت کا کوئی امکان نہیں ہوگا، اور اگر
 اُلٹی ٹپٹی باتیں کرو گے تو نبی کو تکلیف پہنچنے کا احتمال ہوگا۔ مفسر عکرمی نے منقول ہے
 کہ قولِ سدید سے مراد کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں
 کہ قولِ سدید ہر سچی بات کا نام ہے، ہر بات واقعہ کے مطابق ہونی چاہیے اپنی
 زبان سے کوئی غلط، غلیظ اور جھوٹی بات مت نکالو۔ شرک کی بات، گالی گلوچ،
 کفر، نفاق وغیرہ قولِ سدید کے منافی ہیں، لہذا ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے
 حضور علیہ السلام نے زبان اور شہرہ گماہ کی حفاظت کا خاص طور پر حکم دیا ہے۔ گناہ
 اور بے احتیاطی کی باتوں سے منع فرمایا ہے، غرضیکہ فرمایا کہ ہمیشہ سیدھی بات کرو
 فرمایا اگر تم زبان کی حفاظت کرو گے تو اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ يُصْلِحْ
لَكُمْ دُورَ أَعْمَالِكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو سنوارے گا۔ درست

قولِ سدید
 کی تشریح

سچائی کا
 فائدہ

کرنے کا۔ وَبَيْنَ يَدَيْكَ ذُرِّيَّتُكَ اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا
 شاہد القادر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے ذہنی اور اخروی
 سامنے کام درست ہوں گے۔ آخرت میں انسان کے اعمال اللہ کے ہاں مقبول
 ہو کر اُس کی نسبت کا ذریعہ بنیں گے اور وہ رحمت کے مقام میں پہنچیں گے اور
 دنیا میں اُس کے حالات درست رہیں گے ہمیشہ سچائی کا ہی لول بالا ہوتا ہے۔
 کوئی شخص ناجز ہے۔ ملازم ہے، کارخانہ دار ہے یا مزدور ہے، وہ جس مقام پر
 بھی ہے۔ اگر درست بات کرے اور اپنی زبان سے کوئی غلط بات نہیں کرے
 تو دنیا میں ہی اُس کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ لوگوں میں عزت بڑھے گی اور لوگ اُس پر
 اعتراف کرنے لگیں گے۔ اور پھر ساتھ ساتھ اللہ نے انہوں کی صفائی کا ذریعہ سے
 لیا ہے۔ جب انسان خود اپنے اعمال اور زبان کو درست رکھے گا تو اللہ تعالیٰ
 اُس کی چھپائی ہوئی کوتاہیوں کو خود ہی معاف کرے گا۔ اور اس طرح وہ کامیابی کی
 منزل تک پہنچے گا۔

اطاعت کا
 اصول

اے اللہ نے ایک اصول بتا دی ہے وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
 جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔ اور اس کے احکام کی تعمیل کرے
 گا۔ زبان کی سچائی اور اعمال کی درستگی ہی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے حکمت
 ہی ہوگی۔ لَنْدُرِيَا قَدْ فَازَ هُنَّ وَأَعْيُنُهُنَّ لِلَّهِ فَتُؤْتَوْنَ أَجْرًا مِمَّا كُنْتُمْ
 تَعْمَلُونَ جوگی کامیابی کا ذریعہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہے جس نے اُس کو
 اختیار کر لیا۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ کامیاب ہوگا۔ افسوس کہ ذہنی
 زندگی بھی پاکیزہ ہوگی اور آخرت میں تو یقیناً نجات حاصل ہو جائے گی جو ہمیشہ ہمیشہ
 کے لیے کامیابی ہے۔ اللہ کی رحمت کے مقام پر پہنچنے سے بڑی کوئی کامیابی نہیں
 جزا اللہ اور اُس کے رسول کے اطاعت گزاروں کو حاصل ہوگی۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
 وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ
 مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا
 جَهُولًا ﴿٤٢﴾ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنٰفِقَاتِ
 وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى
 الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
 رَحِيمًا ﴿٤٣﴾

ترجمہ۔ بیشک ہم نے پیش کی امانت آسمانوں ،
 زمین اور پہاڑوں پر۔ پس انکار کیا انہوں نے کہ
 اٹھائیں اس کو اور اُس سے ڈر گئے۔ اور اٹھا لیا
 اُس کو انسان نے۔ بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل
 ہے ﴿۴۲﴾ تاکہ سزا دے اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور
 منافق عورتوں کو ، اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں
 کو ، اور اللہ تعالیٰ رجوع فرمائے (مہربانی کے ساتھ)
 مومن مردوں اور مومن عورتوں پر۔ اور اللہ تعالیٰ بہت
 بخشش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۴۳﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اُس کے رسول اور عام مومنوں
 کو ایذا پہنچانے سے منع فرمایا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال دے کر سمجھایا

رابطہ آیات

و ان کو بھی لوگوں سے ظہر طریق کے الزامات مائدہ کر کے تکلیف پہنچانی مگر اللہ نے آپ کو تمام الزامات سے پاک کیا۔ رسولی علیہ السلام اللہ کے نزدیک بڑے باعث تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے نہیں۔ اور ہمیشہ سیدھی اور سچی بات کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو درست فرمادے گا اور ان کی غلطیوں کو معاف کرنے کا۔ پھر اللہ نے صحتی طور پر اعلان فرمایا کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی۔ وہ یقیناً کامیاب ہو گیا۔

انسان کا
عمل نیت

اب انسان کی کامیابی یا ناکامی کے مسئلہ میں اللہ تعالیٰ نے اس بارامت کا ذکر کیا جو انسان نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے، ارشاد ہوا ہے اِنَّ اَعْمَالَ الْاٰمَنَاتِ عَلَى السَّخُوٰتِ وَالْاَرْضٰی وَالْجِبَالِ بِیْکِمْ نَمِیْ امانت ہمیشہ کی آسمانی زمین اور پہاڑوں پر تھا آئین اَنْ یَّحْمِلُهَا بِسِ انہوں نے اُس کو اٹھانے سے انکار کر دیا وَ اَسْتَفْهِنَ مِنْهَا اور اس سے ڈر گئے وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ اِنَّ اَعْمَالَ قَطْمُوًا جَمْعًا فَاُولَئِکَ وہ بہت بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

اس آیت میں مذکورہ امانت کی تشریح مندرجہ کلام نے مختلف طریقوں سے کی ہے اور امانت کا معنی مختلف چیزوں کو ضمیراً ہے۔ عام طور پر امانت سے اللہ تعالیٰ سنگے کو امر و نواہی سے جانتے ہیں۔ جن کی پابندی ہر انسان پر لازم ہے۔ تاہم محدثین اور فقہائے کرام نے امانت کے مختلف معانی متعین کیے ہیں۔

امام شافعیؒ اور آپ کے پیروکار کہتے ہیں کہ امانت سے مراد تکلیف ہے جس کو وجہ سے انسان پر قانون کی پابندی لازم آتی ہے اور اس طرح وہ تکلیف بن جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں امانت سے مراد قرآن، احکام، اور آیات، احکام

شرع اور حدود وغیرہ کی پابندی ہے، ظاہر ہے کہ ان احکام کی تعمیل کی صلاحیت زمین اور آسمان میں ہے، نہ زمین میں، نہ پہاڑوں میں اور نہ شجر و حجر میں، لہذا انہوں نے اس بارگاہ کو اٹھانے سے انکار کر دیا، اور انسان میں چونکہ یہ استعداد پائی جاتی ہے، لہذا اس نے اس بار کو اٹھایا۔ امام ابوحنیفہ کے پیروکار بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں کہ اس امانت سے مراد وہ استعداد اور صلاحیت ہے جس کی بنا پر انسان تکلف ٹھہرا گیا ہے۔ اگرچہ جنات بھی پابندی قانون کے مکلف ہیں مگر ان کی صلاحیت انسان کی نسبت کمزور ہے، اس لیے جنات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں امام غزالی، امام بیضاوی، خواجہ محمد پارسا اور بعض دیگر مفسرین اس عمدہ تکلیف کا قلابہ اپنے گلے میں ڈالنا مراد لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قانون کی پابندی کو اپنے فمے لے لیا جائے اور پھسر اطاعت کی صورت میں اجر و ثواب اور معصیت کی صورت میں عتاب کو قبول کر لینے کا نام امانت ہے

اس آیت کرمیہ میں آدھ الفاظ عَرْضًا اِذَا ابْتِئِنَ خَاصُّ طُورٍ تَوْجِبُ طَلِبَہِیْنَ عَرْضِیْنَ کَاسْمَعْنِیْ عَامُّ طُورٍ پُکْسِیْ جِزِیْہِیْ زَبَانِیْ یَا تَحْرِیْرِیْ طُورٍ پُرْمِیْشِیْ کَر نَاہُوْتَاہِیْ اِی لے تحریری طور پر پیش کی جانے والی درخواست کو عرضی بھی کہتے ہیں۔ ہم امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت پیش کرنے کا مفہوم زبانی یا تحریری طور پر پیش کرنا نہیں بلکہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کی استعداد اور صلاحیت کی طرف نسبت کرتے ہوئے پیش کرنا مراد ہے چونکہ ان میں اس عمدہ تکلیف کو اٹھانے کی صلاحیت نہیں تھی لہذا انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح یہاں پر الجب یا انکار کا معنی بھی زبان کے ذریعے انکار نہیں جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے بلکہ اس سے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں

عرض اور
ابنی کا مفہوم

۱۔ بیضاوی ص ۲۵۴ ج ۲

(فیاض)

۲۔ بیضاوی ص ۲۵۴ ج ۲

کو طبعی استوار بنا دے۔ ان میں تقابلیت ہی میں ملتی، کہ وہ باہر امانت اٹھا سکتے، نہ ان کی حالت یہ جاری ملتی، کہ انہوں نے عمل امانت سے اتنا کر دیا ہے۔ ان اشیاء کے برخلاف انسان میں استعداد اور صلاحیت موجود ملتی کہ وہ احکام و شرائط کی پابندی کر کے اس امانت کا بوجھ اٹھا سکتے۔ لہذا اس نے اس بوجھ کو اٹھایا یعنی اقرار کیا کہ دنیا کی زندگی تکلیف بن کر گزارے گا، اور پھر اس کے نتیجے میں جزا یا سزا کے لیے تیار ہے۔

اس آیت میں باہر امانت کے اٹھانے کی علت اشرع نے یہ بیان کی ہے کہ انسان ظالم اور جاہل ہے، ظلم اور جہول پہلے کے صیغے میں یعنی انسان بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے جس نے ایسی امانت کو اٹھایا جس کو آسمان، زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا، اہم شاہ ولی اشرع فرماتے ہیں کہ ظلم اور جہول کے الفاظ انسان کی ذہانت کے پیمانے نہیں آتے، بلکہ ان کو عمل امانت کی علت کے طور پر لایا گیا ہے۔ ظلم سے مراد وہ شخص ہو آجے جس میں عدل کی صلاحیت موجود ہو، بخیر وہ بافضل انصاف نہ کرے، اس طرح جہول کا مطلب یہ ہے کہ اس میں حصول علم کی استعداد موجود ہو، بخیر وہ بافضل علم کے ساتھ موصوف نہیں ہے، مقصد یہ ہے کہ انسان اگر عقلی طور پر عدل نہیں کرتا، علم حاصل نہیں کرتا تو اس میں ان چیزوں کا حصول بننے کی صلاحیت تو موجود ہے اور یہی استعداد و صلاحیت انسان کو تکلیف بناتی ہے زمین، آسمان، پہاڑ، دریا سمجھو وغیرہ عدل و ظلم کے حصول کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، لہذا وہ تکلیف نہیں ہیں، الغرض اللہ تعالیٰ نے ظلم اور جہول کو عمل امانت کی علت کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

عمل امانت کی علت

عہد تعین

اہم لہجہ، صاحب تفسیر نظری اور بعض دورے مفسرین نے عمل امانت کو مثالی طور پر بیان کیا ہے، انہوں نے حضرت عہد اشرع بن مسعود سے روایت اشرع کی

لے فتح الباری ۲۷۲ سے معالم التنزیل ص ۱۸۶ سے مندری ص ۱۳ سے قرطبہ ص ۲۵۵ ج ۱۳ (فیاض)

ہے کہ تخلیق کے بعد آدم علیہ السلام جنت میں آزادی سے ادھر ادھر گھومتے پھرتے تھے۔ انہوں نے وہاں ایک بڑی چٹان پڑی ہوئی دیکھی۔ فرشتے اس چٹان کے قریب سے گزر جاتے تھے مگر اس کے حجم اور بوجھ کے پیش نظر کوئی بھی اٹھانے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کی کم ہمتی پر حیرت ہوئی اور انہوں نے بغیر کسی کے کہے اس پتھر کو خود اٹھانے کی پیشکش کی۔ آپ نے اس چٹان کو گھٹنوں تک اٹھا کر پھینک دیا، پھر دوبارہ کوشش کی تو کڑھ۔ جب لے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے اس پتھر کو اٹھا لیا ہے۔ تو اب یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی گمراہی پر قیامت تک ہے گا۔ یہ عمدہ تکلیف ہے جس کو تم نے برضا و رغبت اٹھا لیا ہے لہذا اب اسے زندگی بھر اٹھانے رکھنا ہوگا۔ اور اس بار امانت کو نیچے نہیں پھینکنا، چنانچہ صحیح حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی آتا ہے إِنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَدْرِ هَلُوبِ الرَّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ بِمَعْنَى تَكْلِيفِ كَيْ يَرِ اَمَانَتِ لُوْغُوں كے دلوں میں اتاری گئی تھی، پھر انہوں نے دنیا میں آکر اس کی تفصیلات قرآن و سنت سے معلوم کیں۔

حضرت جنید بغدادی نے اس بار امانت کی توضیح اپنے انداز میں اس طرح بیان کی ہے کہ انسان نے ازل میں یہ امانت اٹھا تو لی تھی مگر دنیا میں آکر وہ عرض میں مبتلا ہو گیا۔ اور اس کی توجہ فرض کی ادائیگی کی طرف نہ رہی۔ خدا تعالیٰ نے یہ بار امانت پیش کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی پیشکش بہت بڑی چیز تھی جس میں انسان کو بڑا ہی لطف و سرور آیا۔ اور اس نے فیصلہ کیا۔ خدا کی پیشکش کو ٹھکرا کر نہیں چاہیے، چنانچہ وہ اسی سرور میں مست رہا۔ مگر یہ نہ سوچا کہ یہ ذمہ داری یا فرض مجھ سے پورا ہی ہو سکے گا یا نہیں۔ اب جو شخص اس ذمہ داری کو نہیں اٹھائے گا۔ وہ قابلِ مؤاخذہ ہوگا۔

جنید بغدادی
کی توضیح

اس ضمن میں حضرت مہدوالعن ثانی فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذاتی تعلیمات کو برداشت کرنے کی صلاحیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتی تعلیمات تو نسبتاً ہی ہیں، جن سے اللہ کے فرشتے اور باقی مخلوقات بھی مستفید ہوتی رہتی ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی ذاتی تعلیمات کا مورد صرف خدا کی امان ہی ہیں تاکہ میں اللہ نے ان تعلیمات کو برداشت کرنے کی وہ صلاحیت کبھی سے جو کسی دوسری مخلوق میں نہیں غالب نے یہ بات اپنے شعر میں اس طرز میں بیان کی ہے۔

لطفات بے کثافت مبروہ ہیا اگر نہ ہیا سکتی

چمن زنگار ہے آئینہ باد ہیا س کا

کہتے ہیں کہ شیخے میں سے اس وقت تک عکس نظر نہیں آتا جب تک کہ اس کے پیچھے زنگار یعنی آئینے کی آگائیدہ نہ لگائی جائے۔ اسی طرزت موسمِ بہار کی ہولاسے لطف اٹھانے کے لیے اس کے پیچھے چمن کا بونا ضروری ہے۔ باد ہیا س جب چمن سے ہو کر آئیگی تو پھول، پتھر، صورت پتے اور ان کی خوشبو نکلنے لگی۔ اور اگر اس کے پیچھے باد کا زنگار ہی نہ ہو تو یہ بونا بیکار محض ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق مٹی سے کی ہے اور یہی وہ کثافت ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذاتی تعلیمات کو برداشت کرنے کی استعداد بخشتی ہے۔ لہذا انسان کا خاک ہونا ہی اُسے ہر امانت اٹھانے کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کس اور مخلوق نے اس امانت کو نہ اٹھایا، محض ان نے اس امانت کو اٹھایا۔ عام ضمیرین امانت سے مراد اداروں، قوں، میسجے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اعضاء، اعضاء، زبان، کان، ناک، دل، اعضا، مستورہ اور دیگر قوں انسان کے پاس اللہ کی امانت ہیں۔ اگر ان اعضاء کو صحیح طریقے سے استعمال کرے گا۔

تو اس امانت کا حق ادا ہوگا، ورنہ نہیں۔ اعضاء کے علاوہ بہت سے احکام بھی امانت سے تعلق رکھتے ہیں، بخل جنابت، حفاظتِ ناموس، فرائض کی ادائیگی، عہد و پیمان اور اور امور و نواہی کی پابندی اسی امانت سے متعلق ہیں۔ اس امانت میں خیانت کرنا یعنی احکام و فرائض سے غفلت اور اور امور و نواہی کی عدم پابندی انسان کے لیے وبالِ جان ہوگی۔ اور اس امانت کی حفاظت کرنے پر اللہ نے درجات کی بلندی اور گناہوں کی معافی کا وعدہ فرمایا ہے، لہذا اس امانت کی پاسداری کرنی چاہیے۔ اس امانت کا حق نہ ادا کرنے والا آدمی منافق ہوگا۔ یا مشرک اور ہمیشہ کے لیے مبتلائے عذاب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ اگر انسان سے چار چیزوں کے علاوہ باقی ساری بھی فوت ہو جائیں تو اُسے فخر مند نہیں ہونا چاہیے۔ اُن میں سرفہرست امانت کی ادائیگی ہے۔ اگر اُس کے پاس کوئی مال بطور امانت ہے تو اُس کو واپس کرے، کوئی وصیت ہے تو پوری کرے، کوئی عہد و پیمان کیا ہے تو اُس کو نبھائے، یہ سب چیزیں امانت کا حصہ ہیں۔ فرمایا دوسری چیز بچائی ہے تیسری اخلاقِ حسنہ، اور چوتھی رزقِ حلال جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے دوسروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے اور وہ حلال روزی کھاتا ہے اور استعمال کرتا ہے، تو پھر اگر اس کے پاس اور کچھ بھی نہ ہے تو بھی فخر کی کوئی بات نہیں، کیونکہ دنیا میں ان چار چیزوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

شاہ عبدالقادرؒ نے حل امانت کی بات چند جملوں میں بڑے اچھے طریقے سے سمجھا دی ہے، فرماتے ہیں کہ انسان نے اپنی جان پر ترس نہ کھایا اور اس بار امانت کو اٹھالیا۔ نیز فرماتے ہیں کہ اپنی خواہش کو روک کر حکم کی تعمیل کرنا گویا امانت کا حق ادا کرنا ہے۔ انسان کے اپنے دل میں کوئی خواہش ہے اور اللہ کا حکم اُس کے خلاف

شاہ عبدالقادرؒ
کی تفسیر

ہے تو اگر وہ اپنی خواہش کے خلاف حکم پہل کرے گا تو اس نے امانت کو پاسداری کی اور ایسا کرنا بہت برا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں زمین اور پہاڑوں کا ذکر کیا ہے مگر ان میں تو خواہش پائی ہی نہیں جاتی یا اگر طبعی طور پر کرنی ہے تو وہ اس سے اوجھڑا دوسرے حالت ہی نہیں سکتے اور اسی پر قائم رہتے ہیں۔ یہ امانت جیسا ہے جو خواہش بھی رکھتے ہیں۔ اللہ بھی نہ حکام الہی کی تعمیل بھی کرتا ہے، اسی کا نام امانت کی ادائیگی ہے۔ امانت کا قانون بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی امانت کو جان بوجھ کر ضائع کرے گا تو اسے اس کا بدلہ دینا پڑے گا۔ اور اگر کوئی امانت کسی شخص کے اختیار کے بغیر ضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ نہیں دینا پڑتا۔ بہر حال شاہ صاحب کے نزدیک اصل امانت سے مراد احکام و شرائط کی پابندی ہے۔

مولانا شبلی نعمانی نے مسطور شریعت کی شرح میں اور یہاں عاصیہ پیش بھی اصل امانت کی نہایت عمدہ تشریح کی ہے۔ دیکھتے ہیں اس قسم کر دیا۔ جو مجھ کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں سے نہ اٹھ سکا، اُس کو اس نادان انسان نے اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ اسی لیے ترشہ ہو گیا کہتے ہیں۔

آسمان ہا امانت تو امانت کشی

قرہٴ خال بنام من ویرانہ زون

یعنی امانت کے جس مجھ کو آسمان زمین ز اٹھاسکے اُس کو اٹھانے کا قرہ مجھ نادان کے نام پر نکلا ہے۔

مولانا عثمائی فرماتے ہیں کہ اصل امانت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی امانتیں امانت مخلوق کی کسی نوع میں رکھنے کا ارادہ کیا، تاکہ اگر وہ چاہے تو اپنی گرفتاری کسب اور قوت بازو کے ذریعے اس امانت کو محفوظ رکھ کر اسے ترقی دے سکے اور اس سلسلہ میں اللہ کی ہر قسم کی شمول اور صفات کا ظہور ہو۔ پھر اُس نوع کے جو افراد

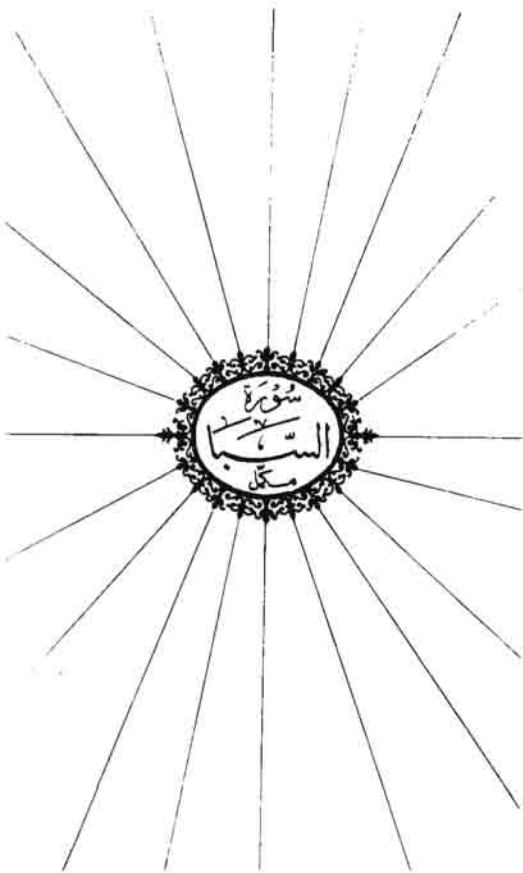
اس امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں تو ان پر انعام و اکرام ہو، اور جو غفلت اور شرارت سے اس امانت کو ضائع کر دیں ان کو سزا دی جائے۔ اور جو لوگ اس بارے میں قدمے کو تباہی کریں۔ ان سے معافی کا معاملہ ہو۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ امانت ایمان اور ہدایت کا تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیرا گیا ہے اور جس کی وجہ سے انسان سکھت بنتا ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ جو امانت کا پاسداری نہیں وہ ایمان سے خالی ہے۔ انسانوں کے دلوں میں موجود ایمان کے بیج کی حفاظت اور نگہداشت کی جائے گی تو ایمان کا درخت اُگے گا۔ گویا بنی نوع انسان کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں جن میں امانت کا بیج ڈال دیا گیا ہے۔ پھر بارش برسانے کے لیے رحمت کے بارش بھی وہی بھیجتا ہے۔ اور جن کے سینوں میں وحی الہی کی بارش ہوتی ہے ان کا ایمان پھلتا پھولتا ہے۔ لہذا ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ امانت الہی یعنی ایمان کے تخم کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے اور بے ضائع نہ ہونے سے ایسا نہ ہو کہ امانت کا پودا اُگنے کی بجائے اس کا بیج ہی سوخت ہو جائے۔ اس بات کی تصدیق حضرت خذیفہؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ امانت آسمان سے لوگوں کے قلوب پر نازل کی گئی ہے۔ پھر اس کی تشریح و تفسیر قرآن و سنت سے معلوم ہوئی ہے۔ یہ امانت وہی تخم ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے قلوب رجال میں ترسین کیا گیا ہے۔ پھر علوم قرآن و سنت کی بارش ہوئی۔ اگر اس سے ٹھیک طور پر فائدہ اٹھایا جائے گا۔ تو ایمان کا درخت اُگے گا، پھلے پھولے گا تو انسان کو اس کے ثمر شیریں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے گا۔ اور اگر اس سے فائدہ اٹھانے میں انسان کوتاہی کرے گا، تو ایمان کے درخت کو اُبھرنے اور پھلنے پھولنے میں نقصان ہوگا۔ اور اگر اس

۱۔ منطری ص ۲۲۳ ج ۷ و خازن ص ۲۶۹ ج ۵

۲۔ ابن کثیر ص ۵۲۴ ج ۳ (فیاض)

معاظ میں بائیں کی غفلت برائی گئی تو سکر سے حکم ہی منع ہوا ہے گا۔ آدمی کی
استعداد غراب جوبلے گی اور وہ کھرا اور شرک کی طرف چلے جائے گا۔ یہ لانت تھی جو اللہ
نے آسمانوں، زمین اور پانیوں پر پیش کی تاکہ کسی میں ہی اس کو اللہ نے کی استعداد
تھی۔ این میں سے ہر چیز جہاں مال کہہ دی تو میں ہی اس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ ان
کی اہل نہیں ہے، اب صرف انسان ہی تھا، جو اپنی استعداد کے مطابق اس عظیم بارگاہ
اللہ نے کا حوصلہ کر سکتا تھا، نہ حقیقت اس عظیم لانت کا حق ادا کرے اور نہ مالک کی
تعمیر بڑی شاہانہ افکارہ زمین کو خراب پسینہ ایک کر کے بگ و بار میں تبدیل کر دینا۔ اس
ظاہر وصول انسان کا ہی حصہ ہر سکتا تھا۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس بار لانت کو اللہ نے کی غایت یہ ہے
رَلِعَدَابِ اللّٰهِ الْمُنِيفِيْنَ وَالْمُغْنِقَاتِ مَا كَرَّ اللّٰهُ تَعَالٰی سَلَفَ سَلَفِ مَرْدُوْنَ اور
سابق سو توڑی کر بٹلے دل میں جاری ہے اور وہ اس امانت الہی کی حفاظت نہیں کر سکتے وہ
پہلے سزا کے مستحق ہیں وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكِيَّةِ اور وہ شرک مرد اور شرک
سور تہ میں سزا کی مستحق ہیں جنہوں نے اللہ کی صفات اور عبادت میں دوسروں کو
شرک کیا۔ اور دلوں میں لانت کے بیج کو خراب کر دیا۔ فرمایا وَيَسْأَلُ اللّٰهَ
عَلَى الْعُوفِيَّتَيْنِ وَالْعُوفِيَّتِ اور اللہ تعالیٰ مردانی کے ساتھ رجوع
فرمائے گا۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر۔ جب اللہ کا کوئی بندہ اپنے گناہوں
پر اہم ہو کر نہایت مجبورانہ کاری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے تب تو اللہ تعالیٰ
جیسی مردانی کے ساتھ اُس کی طرف رجوع فرماتا ہے، اسی چیز کا نام تہ ہے فرمایا
وَيَسْأَلُ اللّٰهُ عَقُوْبًا رَّجِيْحًا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور ارحم صواب
ہے۔ اگر انسان اپنے دل سے تہ کرے تو اللہ تعالیٰ چھوٹی موٹی گناہوں کو نہ مانت
کر دیتا ہے کیونکہ وہ بڑا مغفور و رحیم ہے۔



سبا ۳۳
آیت ۶۱

ومن یقنت ۲۲
درس اول ۱

سُورَةُ سَبَا مَكِّيَّةٌ ذُو اَرْبَعٍ وَخَمْسُونَ آيَةً وَسَمِيَتْ كُرُوعَاتٍ

سورۃ سبا مکی ہے اور یہ چوں آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَهُوَ
الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ① یَعْلَمُ مَا یَلْبِغُ فِی
الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ
السَّمٰوٰءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَهُوَ الرَّحِیْمُ
الْفَعُوْرُ ② وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِنَا
السَّلٰةُ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِنَكُمْ لَا عَلِمَ
الْغَیْبُ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ
ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ③
لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ⑤ وَالَّذِينَ
 سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَئِكَ لَهُمْ
 عَذَابٌ مِّن رَّحْبِ أَلْبَسَهُمُ ⑥ وَتَبَرَى الَّذِينَ
 أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ
 هُوَ الْحَقُّ لَا يَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ
 الْحَمِيدِ ⑦

ترجمہ۔۔۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں
 کہ اُس کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو
 کچھ ہے زمین میں، اور اُس کی تعریف سے آخرت میں
 اور وہ حکمتوں والا اور سب چیزوں کی غیر رکھنے والا
 ہے ① وہ جانتا ہے جو چیز داخل ہوتی ہے زمین
 میں اور جو خارج ہوتی ہے اس سے، اور جو آسمان کی طرف سے
 نازل ہوتی ہے اور جو اسکی طرف پڑھتی ہے اور وہ نہایت رحم کرنے
 والا، اللہ بخش کرنا والا ہے۔ ② اور کما ان لوگوں نے حصول
 کفر کیا کہ نہیں آئیگی ہمارے پاس قیامت، آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں؟
 اللہ میرے رب کی قسم البتہ ضرور آئے گی وہ تمہارے
 پاس وہ جانتے والا ہے غائب کا۔ نہیں غائب اُس
 سے کبھی ذرہ بزرگ بھی کرتی چیز نہ آسمانوں میں اور
 نہ زمین میں، اور نہ اُس سے کوئی چھوٹی چیز اللہ نہ بڑی
 چیز سزا دہ ایک کھلی کتاب میں درج ہے ③ آکر

بدل دے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے ④ اور وہ لوگ جنہوں نے کوشش کی ہماری آیتوں میں عاجز کرنے کے لیے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے ⑤ اور دیکھتے ہیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے، وہ چیز جو انہی گئی ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے، وہ بہت ہے اور وہ رہنمائی کرتی ہے عزیز اور حمید خدا تعالیٰ کے راستے کی طرف ⑥

اس سورۃ کا نام سورۃ سبأ ہے جو کہ اس کی آیت ۱۵ میں آدھ لفظ سے ماخوذ ہے۔ سبأ ایک شخص، قبیلہ، شہر اور ملک کا نام تھا جس کا ذکر اس سورۃ مبارکہ کے دو سکر رکوع میں آیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ نور سے لے کر سورۃ سجدہ تک ساری مکی سورتیں تھیں۔ اس کے بعد پچھلی سورۃ الاحزاب مدنی تھی اور یہ سورۃ پھر مکی ہے۔ آگے پھر تین سورتیں متواتر مدنی ہیں اور اس کے بعد مکی اور مدنی مخلوط سورتیں آئیں گی۔

نام اور
کوالف

اس سورۃ کی چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں یہ سورۃ مبارکہ ۸۸۳ الفاظ اور ۱۵۱۲ حروف پر مشتمل ہے۔ یہ سورۃ مکی دور کے زمانہ وسطیٰ میں سورۃ لقمان کے بعد نازل ہوئی۔ سابقہ سورۃ احزاب کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے امانت کی حفاظت کا قانون نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پانڈول پر پیش کیا مگر انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے مگر انسان نے اس بار امانت کو اٹھا لیا کیونکہ اللہ نے ان میں جمل امانت کی پوری پوری صلاحیت اور استعداد رکھ دی ہے۔ چونکہ انسان نے از خود اس بار امانت کو اٹھا لیا ہے لہذا اب یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ اس امانت کی حفاظت کرے، جو شخص اس امانت کا حق ادا

سابقہ سورۃ
کے ساتھ ربط

نہیں کرے گا یا اس پر کسی کوستے گا۔ دو دن نین ہوگا یا مشرک اور کافر کا سونچنے سے
 ہوگا۔ البتہ جو شخص اس امانت کو برے طریقے سے ادا کرے گا، وہ کھلے کبے کا ذوق
 ہوگا۔ اور خدا کی بخشش و رحمت کا سونچ ہوگا۔ اب اس سورۃ کے ساتھ رابطہ ہے
 کہ اعظم الامانات یعنی سب سے بڑی امانت انسان کے پاس تو یہ نہ اونہ ہے
 اگر وہ تو یہ نہ کہ اپنے رب سے کہے گا۔ تو اگر اُس نے امانت کا حق ادا کر دیا اور کفر اور شرک
 کرے گا تو اس امانت کو ضائع کرنے والا ہوگا۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں تو یہ
 کا بطور خاص ذکر آ رہا ہے۔

مضامین سورۃ

سبکی سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی تو یہ باری تعالیٰ، رسالت،
 و تو یہ قیامت اور قرآن کی صداقت و معانیت کا ذکر ہی زیادہ تر آتا ہے۔
 اس کے علاوہ اعلیٰ کی اصلاح اور انسانوں کی تہذیب پر زور دیا گیا ہے۔ تو یہ
 کے ساتھ ساتھ اس سورۃ میں معنی شرک کی تردید بھی آگئی ہے۔ قیامت کا انکار
 کرنے والا کو ملامت جواب دیا گیا ہے۔ تو یہ کے حتمی دلائل پیش کیے گئے
 ہیں اور قرآن حکیم کی صداقت کو واضح کیا گیا ہے۔ اس طرز رسولوں کی بعثت اور
 ان کا انکار کرنے والوں کا ذکر بھی آگیا ہے۔ سابقہ سورتوں کی طرح اس سورۃ میں
 شکر گزاری اور ناشکری کا مندر بیان ہوا ہے اور اس ضمن میں حضرت داؤد علیہ السلام
 اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکر گزاری کا بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ
 از میں اس سورۃ مبارکہ میں شفاکت کا سند بھی بیان ہوا ہے بشرک لوگ ہمیری
 سفارش کے قائل ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی۔

محمد بن محمد

قرآن پاک کی پانچ سورتوں یعنی فاتحہ، الفاتحہ، کھت، اسباب اور فاطی کی ابتداء
 اللہ تعالیٰ کی حمد سے ہوتی ہے۔ ان سورتوں میں ذمیری اور مغربی معجزوں کا ذکر ہے
 لہذا ان کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ خود انسان کا وجود اللہ تعالیٰ
 کا فضل ہے، اس جسم کی بقا کے لیے اللہ نے بہت سے سامان مہیا کیے ہیں۔
 لہذا انسان کو ان سب نعمتوں پر شکر ادا کرنا چاہیے، اور اللہ تعالیٰ کی تعریف و ثناء

کی شکر گزاری اور ایمان کی بدولت ہی نصیب ہوں گی۔ انسان کے لیے جس طرح ہوا، پانی، خوراک اور دیگر ضروریات زندگی مطلوب ہیں، اسی طرح اُس کے لیے پریت کی بھی ضرورت ہے جو وحی الہی، کتاب، شریعت یا دین کے پاکیزہ اصولوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرنے کے لیے اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء محمد باری تعالیٰ سے ہو رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَفَّ السَّمَوَاتِ وَمَا فِيهَا اَلْمَرْضُ سَبَّ تَعْرِيفِ اللّٰہِ تَعَالٰی كِی ذَاتِ كے لَیے ہِی كَر اُمِی كے لَیے ہِے جَو كَچھ آسْمَانوں مِی ہِے اور جَو كَچھ زَمِیْن مِی ہِے۔ كُنَات كِی ہر چِیز اُمِی كِی كَلِیْت ہِے۔

وہی ہر چیز کا خالق، مدبر اور متصرف ہے۔ ان امور میں کوئی بھی اُس کا شریک نہیں، نہ کوئی پیدا کر سکتا ہے، نہ تعمیر کر سکتا ہے اور نہ کسی کو تصرف حاصل ہے۔ جب یہ بات ہے تو مستحق عبادت بھی اُس کے سوا کوئی نہیں۔ مشرک لوگ خواہ مخواہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ اور ان کو نذر و نیاز پیش کر کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

یہ تو دنیوی نعمتوں کا دنیا ہی میں شکر یہ ادا ہوا، فرمایا وَكَلِمَةُ الْحَمْدِ فِي الْآخِرَةِ اور آخرت میں بھی اُمِی كے لَیے تَعْرِیْفِ ہِے۔ ظاہر ہِے كہ اللّٰہ تَعَالٰی مَوْزُون كِر جَو نَعْمَتِیْنِ آخِرَت مِی عطا كِرے گا تو دُنوں اُن نَعْمَتوں كَ شُكْرِے ہِے ادا كِیا جائے گا۔ جب مومن لوگ خدٰی كِی رَحْمَت كے مَقَامِ سَبْت مِی پہنچ جائیں گے، انہیں ہر طرح كَا اَرْحَامِ مَسْئَلِہِ حاصل ہوگا تو بے اختیار پکار اُٹھیں گے الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْفِ هَدَانَا اللّٰهُ (الاعراف: ۴۳) اُس خدٰی تَعَالٰی كَا لَا كَلْمِ لَا كَلْمِ شُكْرِے ہِے۔ سَبَّ تَعْرِیْفِیْنِ اُس كے لَے ہِے جس نے ہمارے راہنمائی كِرے كے اس مَقَامِ سَبَّ پہنچایا۔ اگر وہ ہمارے راہنمائی نہ كرتا تو ہم یہاں كِیسے پہنچ سكتے تھے۔ جَنّت مِی پہنچ كِر اگر چہ حَمْد وَ تَنَا ضَرُورِی نِہِی ہُوگا۔ مگر دُنوں پَر اہل و اِیْمَان بے اَحْیَیْتِیَارِ اللّٰہ كِی تَعْرِیْفِ وَ حَمْد كے گِیْت گائیں گے

حادیث میں آتے کہ جنت والوں کو خدا تعالیٰ کی تسبیح الامام کے جانے لگی اور وہ ان سے اس طرح بے اختیار سرزد ہو گئی جس طرح انسان سے سانس بے اختیار سرزد ہوتا رہتا ہے۔ اگر آخرت میں بھی مٹی کے لیے محدودنا ہے۔

خدا تعالیٰ
کا علم محیط ہے

فرمایا وَهُوَ الْحَكِيمُ الْحَسْبِيُّ اور وہ محسوس والا اور ہر چیز کی خبر لکھنے والا ہے۔ کائنات کی ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور مسلمات کا فرماؤں جن کو انسان نہیں جانتے۔ مخلوق میں سے جس کو جس قدر اللہ کی محسوس کا علم ہوتا ہے اور اسی قدر میراں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کس قدر بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اس کا نظام قدرت کس عجیب و غریب طریقے سے چل رہا ہے۔

فرمایا اِنَّ خَيْرَ مَنَ بَرَأَ كَافَرًا اس قدر کہ سنت ہے کہ يَعْلَمُ مَا يَكْتُبُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْتَجِرُ وَنَهَا وہ زمین میں داخل ہونے والی اور اس سے خارج ہونے والی ہر چیز کو جانتا ہے۔ زمین میں داخل ہونے والی اشیا میں بارش، برف، بکڑے، سکڑے اور جانور ہیں۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی زمین پر داخل ہوتے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے اَللّٰهُ يَخْتَلِعُ الْاَرْضَ كَمَا تَأْتِي ﴿۱۵﴾ اِحْيَاؤُهَا وَتَوَاتَا ﴿۱۶﴾ (سورۃ السمرات) کیا ہم نے زمین کو زندہ اور مردوں کو مینے والا نہیں بنایا؟ اسی طرح زمین سے ابر نکلنے والی چیزوں میں پوسہ، رشت، سبزہ، کھیتیاں اور پھر صد نباتات میں سونا، چاندی، گیس، پٹرول اور ہر قسم کی دھاتیں ہیں۔ یہ تمام چیزیں انسانی زندگی کی ضروریات میں داخل ہیں اور اللہ نے انہیں زمین سے پیدا کیا ہے۔

پھر فرمایا اللّٰهُ تَعَالٰی ہر اُس چیز کو جیسا جانتا ہے وَمَا يَسْتَجِیْبُ لِمَنۡ سَأَلُوْهُ وَمَا يَنْتَظِرُ یَقْضِیْہَا جو آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور جو اس کی طرف چرتی ہے۔ آسمان کی طرف سے آنے والی چیزوں میں بارش ہے، جس پر انسانی زندگی کا انحصار ہے۔ پانی کے بغیر نہ کھیتی باڑی ہو سکتی ہے اور نہ فصل پھول اور پھل پیدا ہو سکتے ہیں کہ انسانی زندگی کا لازمی چھوڑ ہے۔ خود پانی

کے بغیر کوئی جاندار زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ انسانی جسم میں دوڑنے والے عرق میں اسی فیصدی پانی کا عنصر ہے، لہذا پانی کا نزول بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے علاوہ وحی الہی بھی عالم بالا سے آتی ہے اور قضا و قدر کے فیصلے بھی اللہ کے فرشتے آسمان کی طرف سے لاتے ہیں۔

پھر آسمان کی طرف چڑھنے والی اشیاء میں انسان کی دعائیں ہیں، اُس کے اعمال ہیں۔ فرشتے بھی آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ اُن کے علاوہ بھی بے شمار چیزیں ہیں جو آسمان کی طرف چڑھتی ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے علم محیط کا مالک ہے کہ وہ زمین میں داخل ہونے والی اور اس سے خارج ہونے والی، نیز آسمان سے نازل ہونے والی اور آسمان کی طرف چڑھنے والی ہر ہر چیز سے باخبر ہے۔ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الْعَفْوَءَ وَهُوَ بَرَّامِرْبَانٍ اور نَسْتَعْنِ وَالْآلَاءِ دُنْيَا كِي سَادِي چِل چِل اُس كِي مَرْبَانِي اور رَحْمَتِ كَا ظُورِ هِي۔ اِنَّا نُوْرَ اَحْقِ شَسْنَا سِ هِي جُو اُس كِي اِنْعَامَاتِ كِي قَدْرُ وَا لِي نِي سِ كَرْتِي۔ اللّٰهُ تَعَالٰى اِپْسِي بَخْشِشِ وَرَحْمَتِ كِي وَجِبِ سِي اِنْسَانُوں كُو سَبْتِ سَا مَوْجِ دِي تَا هِي ، وَكَمْرِنِه وَه فُوْرًا كَمْرِفْتِ كَر لِي تُوْرِنْدِي كَا كِهَالِ مُصْكَانَا هِي ؟

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ كَا فِر لُو ك كَتِي هِي كَر هَا سِي پَا س قِيَامَتِ نِي سِ اِي كِي۔ مَحِي كِي مَشْرِكِ بِي كَتِي تَحِي كِي لَاتِ اور عَزْمِي كِي قَسْمِ كُو ئِي قِيَامَتِ نِي سِ اِي كِي نِي كُو ئِي جِزَا ئِي عَمَلِ وَا قِيعِ هُو كَا۔ چِنَا كُچِ جِس طَرَحِ كَا فِر اور مَشْرِكِ قِيَامَتِ كَا سَمْحِي كِي سَا تَحَا اِنْكَارِ كَر تِي تَحِي اِسي طَرَحِ جَوَابِ بِي اللّٰهُ نِي سَمْحَتِ دِيَا۔ فَرِيَا قُلْ مَبَلِي وَرَيْفٌ لَتَا تِي تِي كُفْرُ اِي سِي پَر غِيْبِرِ؟ اَبِ اُن سِي كَمْرِ دِي كِيُوں نِي سِ، مَجْهِي مِي رِي رِبِ كِي قَسْمِ قِيَامَتِ تَحَا كَا پَا س ضَرُوْرِ اُنِي كِي۔ قَمِ كِي سِي اِنْكَارِ كَر تِي هُو، اللّٰهُ نِي سَمْحَتِ تَا كِي دِي كِي سَا تَحَا فَرِيَا بَا هِي۔ اُن كِي اِسي سُوْرَةِ مِيں اَر تَا هِي كَر قَمِ سَمْحَتِي هُو كَر اِنَّا نُوْرَ كَر مِيں مَلِ جَاتِي هِي، اُن كِي اَجْزَا مِ رِي زِه رِي زِه هُو كَر مُنْتَشِرِ هُو جَاتِي هِي تُوْرِي كِي سِي دُو بَارِه جِي اُنْهِيں كِي۔ اللّٰهُ نِي فَرِيَا كَر قَمِ قِيَامَتِ كَر بَعِي دِ سَمْحَتِي هُو حَالَا كَرِي بَا كَلِ قَرِيْبِ هِي۔

دفعہ
قیامت

باقی رہی یہ بات کہ منتشر ذرات کو اللہ تعالیٰ کیسے اکٹھا کرے گا۔ اور پھر ان کو
 ویسے ہی ہر کم کے شکل سے گا، جیسے وہ مرنے سے پہلے تھا، تو فرمایا طَلِيمَ الْغَيْبِ وہ تمام
 غیب کی چیزوں کو باندھے والا ہے لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ شَيْءٍ اور زمین میں کوئی ذرہ برابر چیز بھی اس
 سے غائب نہیں ہے۔ ذرہ پیروئی کر بھی کہتے ہیں اور رکشہ ان سے اندر آنے والی
 اور صوب میں جو چھوٹی چھوٹی چیزیں نظر آتی ہیں وہ بھی ذرات کہلاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے
 کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی نظروں سے اور جمل نہیں ہے۔ مگر اس کا
 علم ذرے ذرے پر محیط ہے۔ یہ اس کی صفت خاصہ ہے جس میں کوئی دو ذرے تک
 نہیں ہے اور ہر شے پر قادر ہے، انسانی جسم کے اجزا جہاں کہیں بھی ہوں گے وہ
 اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور سونہ نہیں جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔ یہ تمام چیزیں لوح محفوظ
 یعنی مدنی جبر میں بھی درج ہیں لہذا ان کی گمشدگی کا کوئی امکان نہیں۔ اللہ تعالیٰ
 قیامت میں دن سب کو اکٹھا کرے گا۔ فَرَأَىٰ ذَٰلِكَ صَاحِبُ مِصْرَ ذَٰلِكَ
وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا خِفْ كَيْفَ كَيْتَابٍ مِّمَّنْ اس سے چھوٹی اور بڑی کوئی بھی چیز
 اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ ہر چیز ایک گنجل کتاب یعنی لوح محفوظ میں
 درج ہے۔ قیامت ضرور واقع ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس دن سب چیزوں کو مٹا کرے گا
فَرَأَىٰ ذَٰلِكَ قِيَامَتِ اس لیے ضروری ہے لِيُعْلِمَ أَيُّ الذَّيْبِ الْمَسْكُونِ
وَعَلِمُوا الْعَقَابَاتِ اگر یہ نہ لے لے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے
 ایسے اعمال انجام دیے۔ اس دنیا میں ہر چیز غلط ہو رہی ہے، لہذا یہاں کسی شخص کو
 اس کے اچھے یا بُھے اعمال کا پورا پورا انداز نہیں ہو سکتا، یہاں اس دنیا کا قانون تو یہ ہے
 ایک حالت فیصلہ کرتی ہے اور اس سے تو پر والی عدالت اس کو کا لوم قرار دیتی ہے
 پھر اس سے اور پر والی سپریم کورٹ اس کی جھیل کو مزید بدل دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
 بعض سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ کسی شخص کو اس کے جرم کی ٹھیک ٹھیک سزا ملی
 ہے یا نہیں۔ اسی لیے قیامت کا واقع ہرنا ضروری ہے، تاکہ ہر نیک و بد کا کام

چونکہ
 کی منزل

بالکل ممتاز ہو جانے اور پھر اس کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ ہو۔ یہی حتمی اور صحیح فیصلہ ہو گا جو اللہ کی بارگاہ میں ہو گا۔ اور اسی کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

پھر اہل ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ترجمین کی جزا کے متعلق فرمایا أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور باعزت روزی ہوگی۔ بخشش سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کر کے اپنی رحمت کے مقام میں داخل کرے گا۔ جہاں نہیں ہر نعمت بغیر کسی محنت و مشقت کے حاصل ہوگی۔ دنیا میں تو رزقِ حلال حاصل کرنے کے لیے بڑی تگ و دو کرنی پڑتی ہے مگر وہاں کسی کام کا ج کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بغیر کسی محنت کے ہر چیز دیا کرے گا۔ امام سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں یہ روایت نقل کی ہے ابْتَغُوا الرِّزْقَ فِي حَبَايَا الْأَرْضِ اس دنیا میں زمین کے کونوں سے رزق تلاش کرو یعنی بیشک سفر اختیار کرنا پڑے، اتنی ہی محنت کی ضرورت ہو ممال راستے سے روزی تلاش کرو۔ مگر آخرت میں اللہ تعالیٰ ہر جننی کرائس کی خواہش کے مطابق بغیر کسی مشقت کے ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ باعزت روزی سے یہی مراد ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ جنت میں کسی چیز کی کبھی بھی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اس دنیا میں تو کئی چیزیں نایاب ہوجاتی ہیں اور بعض میں کمی واقع ہوجاتی ہے مگر وہاں ایسی کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ وہاں ہر چیز بلا قیمت اور باافراط میسر ہوگی۔

فرمایا وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں کے باسے میں کہ انہیں نیچا دکھا دیں یعنی قرآن کے پروگرام کو ناکام بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ فرمایا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجِيمٍ ایسے لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہوگا۔ یہاں تو ایسے

قرآن کی
معاہدگی

یہ جنہوں کو پوری سزا نہیں مل سکی، لہذا اقسامت کر ان کے جرائم کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا
 اگلے آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی معانیت اور صداقت کو بیان
 فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَعْرِى الَّذِينَ أَوْسُوا إِلَيْكُمْ أَرْحَمَ الرَّحِمِ
 کو طرہ حکاکیا گیا ہے وہ دیکھتے ہیں الَّذِينَ أَنْزَلَ الْكِتَابَ مِنْ رَبِّكَ
 میں میز کر جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کی گئی ہے وہ کتاب کجا
 شریعت اور دین ہے جبراً اور وہی آیا ہے وَهُوَ الْحَقُّ وہ ہے بھی برحق، انسان
 کو اسی کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے کہ یہی اس کے لیے لَا تُدْرِعُ سے۔ ہر شخص
 کو اگر شرم کرنی چاہیے کہ اللہ کا پروردگارم دنیا میں غالب ہو کر سزا کا دار و مدار
 اسی پروردگارم پر ہے اور یہ ایسا پروردگارم ہے وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
الْحَسْبُ جو عزیز اور حمید خدائے برتر کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہ اللہ
 کی کتاب قرآن پاک ہے جو بالکل سچا ہے اور اسی کے بتلے ہوئے راستے پر
 چل کر انسان دنیا و آخرت میں کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتے ہے۔ فَرِيقًا إِلَىٰ عِلْمٍ
 پر رہانت علیاں ہے۔ لہذا قرآن پاک کی معانیت اور صداقت کو تسلیم کر لینا چاہیے

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ
يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِقْتُمْ كُلٌّ مِّمَّزِقٍ ۚ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ
خَلْقَ جَدِيدٍ ۙ أَفَتَرَىٰ عَلَىٰ اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ
جِنَّةٌ بِلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي
الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۙ أَفَلَمْ يَرَوْا أَنَّ
مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِن نَّشَاءُ نَحْشِفْ بِهِمُ
الْأَرْضَ أَوْ نَسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۙ

ترجمہ ۱۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ
اختیار کیا، کیا ہم بتلائیں تمہیں ایسا شخص جو تمہیں خبردار کرتا
ہے کہ جب تم پارہ پارہ کر دیے جاؤ گے پورے
طریقے سے پارہ پارہ کیا جاتا تو بے شک تم نئی مخلوق
میں ہو گے ۙ (۹۲) اس نے افسوس باندھا ہے اللہ پر جھوٹ
یا اس کو جنون ہے۔ (فرمایا یہ بات نہیں) بلکہ وہ
لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر، وہ عذاب میں
ہوں گے، اور گمراہی میں دوڑ پڑے ہوئے ۙ (۹۳) کیا

ان لوگوں نے نہیں دیکھا جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے آسمان اور زمین میں مگر ہم چاہیں تو دیکھا دیں ان کو زمین میں یا ہم لوگوں ان پر کوئی ٹھنڈا آسمان سے بیٹھک اس میں ابستہ نشانی ہے ہر اُس بندے کے لیے جو رجوع رکھتا ہے خدا تعالیٰ کی طرف ①

سورۃ سبأ کی ابتدا خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء سے ہوئی۔ دنیا و آخرت میں انہی اہل ایمان کے لیے تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ علیہم کل ہے اور وہ ذرے ذرے کو جانتا ہے پھر اللہ نے قیامت کے متعلق فرمایا کہ کافر لوگ پیڑ نہیں اٹھا سکتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی مگر اللہ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہیں کہ میرے رب کی قسم قیامت ضرور وارد ہوگی۔ خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے آسمان و زمین کی ہر چیز کو بڑی چیز اس کے علم میں ہے اور کوئی ذرہ برابر چیز بھی اس سے مخفی نہیں۔ اس کے علاوہ ہر چیز خدا کی رحمت میں بھی محفوظ ہے۔ لہذا کسی چیز سے صرف نظر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فرمایا قیامت کی آہ اس لیے ضروری ہے تاکہ اہل ایمان کو ان کے عقیدے کی تائید اور انہیں کا پروردگار پر دلہل سکے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اہل علم لوگ جانتے ہیں کہ آپ کی طرف نازل کردہ کتاب قرآن مجید برحق ہے جو کہ سید سے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اللہ نے قرآن کو کتب و شہادت کا بھی نذر فرمایا جو کفار و مشرکین کو حید و رسالت، قرآن اور معاد کے متعلق رکھتے تھے، خاص طور پر قیامت کے متعلق زور دے کر کہتا کہ وہ ضرور آئیں اور عزرائلے علی ضرور واقع ہوگا۔

بعثت

اب آج کے دور میں بھی اللہ تعالیٰ نے درج قیامت کے متعلق مخلوق کے شہادت کو دور کیسے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَقَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ

لَقَدْ كَرَّمْنَا كَلِمَ تَوَكَّلْ عَلَيْكَ أَيُّهَا الشَّيْخُ الْإِسْلَامُ كَمَا كَرَّمْنَا كَلِمَةَ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَرَبِّكَ إِذْ أَمَرْنَا كُلَّ مَمْنُونٍ أَنْ يَنْصَرِفَ إِذْ هُوَ مُدْبِرٌ مِمَّنْ يَنْظُرُونَ إِذْ يَأْتِي السَّمَاءَ بِحُجَابٍ مُخْتَلِفٍ أَلْوَانٍ فَتَكُونُ الْكَوَاكِبُ أَكْبَادًا تُرْمَى فِيهَا حِجَابًا وَإِنَّهُمْ فِي ذَلِكَ لَافْتِنَاءٌ لِقَوْمٍ يُدْعَوْنَ إِلَى اللَّهِ وَرَبِّهِمْ أَذْنًا حَرِيمًا

وہ اعتراض ہے جو کافر لوگ اسلام کے نظریہ معاد کے متعلق اٹھاتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو بطور تمسخر کہتے تھے کہ ذرا اس شخص (حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف دیکھو جس کا دعویٰ ہے کہ جب تم سر کہ سٹی میں مل جاؤ گے، تمہارے اجسام کے ذرات منتشر ہو جائیں گے تو ایک وقت آئے گا، جب تمہیں دوسری زندگی عطا کی جائیگی، وہ بعثت بعد الموت کی خبر پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے تھے کہ ایسا کیونکر ممکن ہو گا۔ انہوں نے تو اپنے اباؤ اجداد میں سے کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔

جیسا کہ گذشتہ درس میں گزر چکا ہے اللہ نے اس اعتراض کا جواب تو ایک جگہ میں دیدیا عِلْمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ کہ اللہ تعالیٰ تمام خوب کر جانے والے زمین و آسمان کی ذرہ بھر چیز بھی اُس سے مخفی نہیں ہے۔ ہر انسان، اس کا اختیار، اعمال، اخلاق وغرضیکہ ہر چیز اللہ کے ہاں محفوظ ہے لہذا اُس کے لیے تمام ذرات کو جمع کر کے انسان کو نئی زندگی سے دینا کون سا مشکل کام ہے؟ یہ مشکل تو مخلوق میں سے کسی کو پیش آسکتی ہے، جس کا نہ تو علم ذرے ذرے پر محیط ہو، اور نہ وہ قدرت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ تو سمندر کی تہہ اور جانوروں کے پیٹ سے بھی اجزاء کو نکال کر جمع کرنے کا، لہذا کافروں کو بعثت بعد الموت کے نظریہ سے تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ پھر اللہ نے وقوع قیامت کی علت بھی بیان کر دی کہ ہر شخص کو اپنے عقیدے اور عمل کا پورا پورا بدلہ دینا مقصود ہے جو اس دنیا میں ممکن نہیں یہاں تو نیکی بدی غلط غلط ہوئی ہوتی ہے اور لبا اوقات دنیا میں حق و باطل اور جائز و ناجائز کا امتیاز نہیں ہو پایا جس کی وجہ سے اکثر مجرم منرا سے بچ جاتے ہیں۔ اسی طرح

بیا او حکایت نیکو کار لوگ دنیا میں عسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور انہیں ان کی نیکی کا پورا صلہ نہیں ملتا۔ مگر آخرت میں ہر چیز تکمیل کر سکتے ہیں۔ ان کی نیکی اور وہی میں امتیاز ہو گا جو ہم اور ہے۔ گناہ الگ الگ ہر نامیہ کے تراش وقت ہر شخص کو اس کی نعمت کا عوض اور جرم و گناہ کا پورا پورا بدلہ مل سکے گا۔

بہر حال جب اللہ کا نبی کفار و مشرکین کو قریح قیامت اور جزائے عمل سے خبر دے کر آتو وہ کہتے آفتابنی علیؑ اللہ کی عبادت باکر اس نے افترا بانہا ہے اللہ پر صبرٹ۔ کہتے تھے کہ اللہ کا نبی قریح قیامت کو اللہ کی طرف غلط طور پر منسوب کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ اللہ ہی کو محکم دیا کہ قسم اللہ کر کہیں کہ قیامت ضرور آنے والی ہے۔ اللہ کا فریب ہے وعدہ اعلیٰ ستا امانا کنت فیہ یلین والذہنیآ و۔ ۱۰۳۔ یہ ہوا پکا وعدہ ہے جسے ہم پورا کر کے رہیں گے۔

مصدقین فرماتے ہیں کہ تم شخص نبی کی طرف کوئی صبرٹ بات منسوب کرنا ہے کہ یہ بات اللہ کے نبی نے کہی ہے۔ حالانکہ وہ نبی کا قول نہیں ہوا تو ایسا شخص کبیرے گناہ کا مرتب ہوا ہے۔ اور جو شخص نبی پر افترا بانہا ہے وہ اُسے حقیر سمجھ کر اس کی تہمیت کا مرتکب ہوا ہے، لہذا وہ کافر ہو گیا ہے۔

فریاد کا ذکر لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اللہ پر افترا بانہا ہے۔ اگر وہ جنت یا جہنم میں شخص یعنی اللہ کا نبی معاذ اللہ روا نہ ہے جو اس قسم کی نیکی پسلی پائیں کر آئے کہ قیامت آنے والی ہے، سب لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔ حساب کتاب کی منزل آئے گی اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ کہتے تھے لالت اور عزی کی قسم نہ کوئی قیمت ہے اور نہ کوئی جزائے عمل کی منزل آئے گی حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں نبی سے بڑھ کر کوئی عقل مند نہیں ہوا۔ مگر حضور علیہ السلام قریح انبیاء کے سب سردار ہیں جن کا کوئی قول فعل غلط عقل نہیں۔ آپ کو

دیوانہ کہنا تو محض ضد، عناد اور تعصب کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے۔ یہ ایسے بد بخت لوگ تھے کہ کبھی آپ کو دیوانہ کہتے، کبھی شاعر اور کبھی کذاب کہتے، کفار کا یہ سلوک صرف حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص نہیں تھا کہ لوگوں نے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی ایسے ہی خطاب دیے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو ذلیل اور کذاب کہا بعض جادو گر کہتے تھے اور بعض مسحور کہتے یعنی اس پر جادو کا اثر ہو چکا ہے۔ کہتے تھے اس کا کلام جادو کا اثر رکھتا ہے۔ بہر حال کافروں نے کہا کہ اس نے الشتر پر جمبوٹ باندھا ہے یا پھر یہ مجنون ہے۔

اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ یہ کافر و مشرک لوگ اپنی بات میں سچے نہیں ہیں۔ یہ وقوع قیامت کا انکار کر رہے ہیں مگر بالآخر یہ پکڑے جائیں گے فرمایا بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ بَلَدَةٌ لَّهُمُ الْكُفْرُ وَاللَّعْنَةُ وَالْأَذَىٰ الَّذِي فِي الْأَعْيُنِ وَمَا يَحْتَفِرُونَ ایمان نہیں رکھتے فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ وہ سزا کے مستحق ہیں اور وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب کوئی شخص دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے تو پھر اس کا روبرو راست پر آنا محال ہو جاتا ہے، وہ اسی کفر، شرک کی نجاست کے ساتھ ہی دنیا سے جاتا ہے اور لازماً سزا کا مستحق بنتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے أَفَلَمْ يَسْأَلُوا اللَّهَ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلَقَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ کیا انہوں نے آسمان و زمین میں نہیں دیکھا جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے؟ کائنات میں ذرا غور کرو اور پھر تبادلوں کو دیکھو کہ کسی انسان کا پیدا کردہ ہے یا کسی لالت اور عزی نے ان کو پیدا کیا ہے سورۃ العنکبوت میں ہے وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَعَرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيَقُولَنَّ اللَّهُ (آیت - ۶۱) ذرا کفار و مشرکین سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیے ہیں، اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے تو وہ جواب دیں گے کہ ہر چیز اللہ ہی نے پیدا کی ہے اور وہی ہر چیز کا متصرف ہے۔ جب ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر یہ عنیروں کو اس کے ساتھ کیوں شریک بناتے ہیں۔

توحید کے
درجات

یہ تو بڑی حماقت کی بات ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ تو حیس کے حامد و ثنا
 ہیں جن میں سے دو درجات ترستحق علیہم میں آمد دو میں اختلاف پایا جا آئے۔
 پہلا درجہ ہے کہ نہ انسانی واجب الوجود ہے یعنی اُس کا وجود خود بخود ہے، کسی کا
 عطا کردہ نہیں۔ لفظ اللہ اور خدا ہی منہوم کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس میں کسی مذہب و ملت
 والے کو اختلاف نہیں۔ دوسرا درجہ جلق کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے
 اُس کے خالق ہونے میں بھی کسی کو اختلاف نہیں۔ اللہ تو سکر و درجوں میں تہ تبر
 اور عبادت میں آکر دو گروہ میں جاتے ہیں۔ اہل ایمان دہر ہی صرف اللہ کو کہتے ہیں
 یعنی ہر کام کی تہیر وہ خود کرتا ہے اور ایمان میں اُسے کسی دوسرے کی معادرت کی ضرورت
 نہیں ہوتی۔ بر خلاف اس کے شرک لوگ دوسروں کو بھی دہر کہتے ہیں۔ اور کہتے
 ہیں کہ دوسرے ہی کچھ نہ کچھ تہیر کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض ستاروں کو دہر کہتے ہیں
 اور بعض شجر و درخت کو بعض مخلوق کی چہرے کا شکل کا خیال ہے کہ خدا تعالیٰ یعنی بربا، ارض و
 ستاروں کے ہیں مذاہب سے بچائیں گے۔ یہ بھی باطل عقیدہ ہے، پھر تو چند درج
 عبارت کا ہے۔ ایمان والے عبادت بھی صرف اللہ کی کرتے ہیں۔ جب کہ شرک
 لوگ دوسروں کی نذر دنیا ہی جیتے ہیں، اُن کے نام کا پڑھا اور پڑھاتے ہیں اللہ ان کو بوجہ
 کرتے ہیں، بعض لوگ شمس و قمر کے ملنے کو بجز بڑبڑ کہتے ہیں۔ بعض شجر و درخت کو سمجھتے
 ہیں اللہ بعض جنوں کی پوجا کرتے ہیں، نر نہیں اس درجہ میں بھی مومن اور شرک الگ الگ
 ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ کائنات کا خالق، ایک، مدبر اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ
 ہے، کیا یہ سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے نہیں دیکھتے۔

شرک کے
 لیے سزا

اس کے باوجود اگر ہر لوگ شرک سے باز نہیں آتے تو فرمایا اِنَّ كَسَا
 خَعَصَتْ اِبِلَسُ الْاَرْضِ اِنْ اَمْرُكُمْ هَا هِيَ تَمْسُكُ الْعُرْسُ اِنْ اَمْرُكُمْ هَا هِيَ تَمْسُكُ الْعُرْسُ
 دین۔ دنیا میں شہوت کے واقعات مشابہ ہیں آتے رہتے ہیں۔ اللہ نے کئی قیول

کو یہی سزا دی۔ قارون کا واقعہ تو قرآن پاک میں موجود ہے کہ اللہ نے اُس کو اس کے گھر اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ سورۃ القصص میں موجود ہے فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِئَادِ الْأَرْضِ (آیت - ۸۱) اس قسم کے واقعات اب بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں جاپان میں زبردست زلزلہ آیا تھا جس میں ڈیڑھ لاکھ آدمی زمین میں دھنس گئے تھے۔ ابھی بیس سال پہلے بلوچستان کی بارہ ہزار کی پوری بستی زمین میں دھنس گئی تھی ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کا واقعہ بھی ایسا ہی تھا جس میں بڑی بڑی درختیں پڑ گئی تھیں اور ہزاروں لوگ لقمۂ اہل بن گئے تھے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسے ناہنجاروں کو زمین میں دھنسا دیں۔

أَوْ فَسَقَطْ عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ يَا كَرِيمٍ تو ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گر ادریں۔ کچھ عرصہ پہلے امریکہ کے کسی علاقہ میں شہاب گر ا تھا۔ جس میں سے آگ پستی تھی۔ اس حادثہ میں چار پانچ سو آدمی ہلاک ہو گئے تھے۔ قوم لوہ پوہ پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی تھی اور ان کی پوری بستی بھی الٹ دی گئی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ایسی سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

فَرَمَّا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ بیشک اس میں نشانی ہے خدا کی طرف رجوع رکھنے والے ہر بندے کے لیے۔ جس شخص کے دل میں ایمان کی ذرا سی رتق بھی باقی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کو ہی اپنا مرجع و مادی سمجھتا ہے وہ جان لے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ قادر و مطلق اور علیم کل ہے۔ اس کے انبیا و ادرکت میں برحق ہیں۔ وقوع قیامت برحق ہے۔ اور جزائے عمل کی منزل آنے والی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سزا دینے پر بھی قادر ہے ابلا شہر ایسے شخص کے لیے جگہ جگہ نشانات قدرت پھیلے ہوئے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر وہ ایساں کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کر سکتا ہے۔ البتہ جس شخص کے دل میں غرور و تکبر ہے اور جو کفر و شرک سے پاک نہیں اسکی سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی اور وہ اسی طرح اذھیروں میں سرگرداں پھرنا ہے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يُجِبَالٌ أُولِي
 مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۖ وَالنَّارَ لَهُ الْهَمْدِیَّةَ ۝۱۰۱۰ إِنَّ مَعْلَمَ
 سَلِفَتِمْ وَقَدَّرَ فِي السَّرِّدِ وَعَمَلُوا صَالِحًا
 إِلَيْنَا بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝۱۰۱۱

ترجمہ:- اور ابستہ صحیفن دی ہم نے داؤد علیہ السلام کو
 اپنی طرف سے بڑی نصیبت۔ اور ہم نے حکم دیا ہے
 سپاڑو! رٹاؤ اُس کے ساتھ اپنی آواز کو۔ اور پرندوں کو
 بھی دہم نے مسخر کر دیا اس کے لیے اور ہم نے نزم
 کر دیا اس کے لیے لہے کہ ۱۰۱۰ داؤد ہم نے کہا
 کہ بناؤ دکان بیچنے کی ازبوں، اور انلاہ ٹھکانہ کوڑیاں
 جوڑنے میں، اور عمل کرو نیک۔ نیک میں، جو کچھ
 تم کرتے ہو، اس کو دیکھنے والا ہوں ۱۰۱۱

ربط آیت

دیگر کی سورتوں کی طرح اس سورتہ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد کا نامی ذکر ہے
 یعنی توحید، رسالت، معاد اور قرآن کریم کی حقانیت و منزلت۔ خاص طور پر توحید کے
 متعلق ارنقل دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی اس سورتہ کا نام
 موضوع ہے۔

گذشتہ درس میں توحید کے دلائل ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فسق و
 اِنْفِ ذٰلِكَ كَذٰبَةٌ لِّحٰكِلٍ عٰبِدٍ مُّقْنِبٍ كَرِيْمٍ اِنْ جِئْتُمْ مِنْ
 رِجْعِ اِلَ اللّٰهِ لَيَكْفُرُنَّ بِمَا لَمْ يُبَدِّئُوْا بِهِ ۚ سُوْرَةُ الزُّمَرِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی

کافرمان ہے **وَإِنِّي بَوَّأُ إِلَيْكَ رَبِّكَ كُفْرًا وَأَسْلِمُ مَوَآكِلَهُ** (آیت ۵۴) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اُس کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ اس ضمن میں آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رجوع رکھنے والے اپنے دو بندوں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرمایا ہے اور ان کو انابت الی اللہ رکھنے والے بندوں میں بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ اللہ نے دونوں باپ بیٹا کو بڑی فضیلت عطا فرمائی ہے مثال حکومت دی، اس کے باوصف ان میں کمال درجے کی انابت پائی جاتی تھی۔

داؤد علیہ السلام
کے فضائل

ارشاد ہوتا ہے **وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا مَقْضَاتًا** اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ آپ صاحب شریعت نبی ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب زبور بھی عطا فرمائی جیسا کہ سورۃ نبی اسرائیل میں فرمایا **وَإِنشِينَا دَاوُدَ زَبُورًا** (آیت ۵۵) فرمایا **يَا دَاوُدَ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ مِنَّا** (ص ۲۶) اے داؤد علیہ السلام! ہم نے آپ کو زمین میں خلافت عطا فرمائی تاکہ تم لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لو۔ نبوت بھلے خود بہت بڑی فضیلت ہے کہ انسان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں۔ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر سورۃ الانبیاء اور نمل میں آچکا ہے اور آگے سورۃ ص میں بھی آ رہا ہے جہاں اللہ نے ان کی فضیلت اور برتری کو بیان کیا ہے۔ رسول اور خلیفہ ہونے کے باوجود آپ کمال درجے کے عبادت گزار بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافر ان ہے **كَانَ أَعْبَدَ الْبَشَرِ** آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام انبیائے نبی اسرائیل میں سے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کافرمان ہے کہ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کھتے تھے۔

یہ بہت بڑی سعادت ہے جس کو نصیب ہو جائے۔ ہماری امت کے لوگ اگر وہ دن چھوڑ کر بھی روزہ رکھ لیں تو بہت بڑی بہت ہے مگر داؤد علیہ السلام ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھتے تھے۔

داؤد علیہ السلام
کو خوش الحانی

حضرت داؤد علیہ السلام کو جو کتاب: بول غلطی گئی اُس میں زیادہ تر اہل تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے۔ آپ اس کتاب کی تلاوت نہایت خوش الحانی سے کرتے تھے کہ آپ کی آواز سن کر پیڑاؤ پر بندے بھی آپ کے ساتھ تلاوت میں شریک ہو جاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو کتاب الہی کی تلاوت کا اس قدر ذوق شوق تھا کہ آپ اپنے خادم کو اجیل سے گھوڑا لائے گا حکم دیتے اور جب تک گھوڑا چشیش کیا جاتا، آپ پوری زبور کی تلاوت مکمل کر لیتے۔ آپ کی طرح حضرت ابو بکر صغیرؓ بھی بڑے خوش الحان تھے۔ آپ رات کو قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے یہ آواز سنی تو فرمایا: لَعَلَّكَ مِنْ مَكْرَانَ، مَعْرُوفٌ جَدِيدٌ، كَأَنَّكَ لَمِنِّي امْتَرْتَنِي، تمہیں داؤدی گھلا تھا فرمایا ہے، میرا بھی چاہتا ہے کہ تیری تلاوت کرنا شروع کروں۔ خوش الحانی خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جسے عطا ہو جائے یہ غیر منتظرانہ چیز ہے مگر جسے مل جائے اُسے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کو اچھے معصوم میں لانا چاہیے، اس آواز کے ساتھ اللہ کی حمد و ثنا بیان کرے اور قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ مگر انہوں کو قصاص ہے کہ اکثر لوگ خوش الحانی سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور بھی اور غیر غلطی گانے گا کہ اس نسبت خداوندی کی انگریزی کے سر تکب ہو تے ہیں۔ اکثر عشق تیار علیہ اخلاقی اشعار پڑھے جاتے ہیں جو بلا فر انسان کے لیے وبالِ جان بن جاتے ہیں۔

۱۰

تہ اہل کثیرہ ص ۵۲۶ و قرطبی ص ۲۶۵ (فیاض)

بہر حال جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی بیٹی اور پڑوسوں آواز میں تلاوت فرماتے، تو اردگرد کے پہاڑ، شجر و حجر اور پرندے بھی آپ کے ہمنوا ہو جاتے، یہ کوئی مبالغے کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا، اور خرقِ عادت کے طور پر ان سے بھی ویسی ہی آواز نکلتی تھی، جیسے آپ تلاوت فرماتے تھے۔ سورۃ نمل میں ہے۔ عَلَّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (آیت ۱۶) اللہ نے دونوں باپ بیٹے کو پرندوں کی بولیاں بھی سکھا دی تھیں۔ اور آپ کے تابع بھی کر دیے تھے۔ وہ بھی آپ کی آواز کے ساتھ آواز ملنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ عادت کے خلاف کسی چیز کو پیغمبر کے تابع کرنے یا کوئی دیگر خرقِ عادت واقعہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ معجزہ کہلاتا ہے اور یہی چیز اگر دل کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔ معجزہ اور کرامت انسان کا اپنا فعل نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جسے جب چاہے اور جہاں چاہے ظاہر کر دیتا ہے۔ ارشادِ باری ہے وَمَا كَانَ لِنَسُؤِكَ أَنْ يَأْتِيَنَّكَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (المؤمن - ۷۸) کسی نبی اور رسول کے لائق نہیں ہے کہ وہ اذنِ الہی کے بغیر کوئی نشانی پیش کر سکے۔ ہاں اگر ایسی ہی کوئی خرقِ عادت چیز کافر، مشرک یا نافرمان کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو وہ استدراج کہلاتا ہے یعنی سب سے پہلے شخص کو بغاوت کی مہلت ملتی رہتی ہے۔ پھر جب وہ مہلت پوری ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت آجاتی ہے۔ قربِ قیامت کے واقعات میں دجال کا ذکر بھی آتا ہے جو نہائی دعویٰ کرے گا اور اُس کے ہاتھ پر بڑے بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آئیں گے جنہیں دیکھ کر لوگ ڈگمگ رہ جائیں گے اور اس طرح وہ اکثریت کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگا، مگر یہ سب استدراج ہوگا، جو مقررہ وقت پر ختم ہو جائے گا۔

معجزہ اور
کرامت

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا ذکر سورہ بقرہ ہاتھ۔ اس مقام پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حکم دیا يَجِبَالُ أَقِيبِ مَعَهُمُ وَالطَّيْرُ لے پہاڑ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ اپنی آواز کو لوٹاؤ، یعنی ان کے ساتھ صدائیں ملنے

پہاڑوں
پرندوں
کی ہمرانی

میں شریک ہو جاؤ۔ اور ہم نے پرندوں کو کبھی آپ کے لیے کھڑا کر دیا، وہ بھی آپ کے ساتھ نغمہ سرائی کرتے تھے، اے یہ بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تجھ پر عطا فرمایا تھا۔ پہاڑ اور پرندے واقعی آپ کے ساتھ عجزاً ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے۔

پرویز اور نرگس یہ قسم کے گمراہ لوگوں نے عجزات کا انکار کیا ہے۔ اور قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی عجزات کا ذکر آیا ہے، انہوں نے الٹی سی دی کہ وہ نہیں کی ہیں، مثلاً یہی تسخیر طیر کے تعلق لیے لوگ کہتے ہیں کہ طیر سے مراد پھلی آدمی ہیں۔ یہ کہہ پڑے، پرویز نے تو اللہ کا معنی قانون اور عالم کا معنی سامعین کیا ہے۔

قرآن پاک میں آتھ ہے اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (سورہ زمرہ: ۱۲۸) اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے وہی خوف رکھتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔ پرویز کے نزدیک علماء سے مراد قرآن و سنت اور حدیث و فقہ کے علماء نہیں بلکہ مفسران ہیں خواہ وہ علم اور دہم پر ہوں یا نہ ہوں اور کلمہ ہوں۔ اسی طرح اس نے خود و عین کو کاسنی پاکیزہ ٹھہرا کیا ہے، اہل کاسنی اونٹ کی جیسے بادل کیا ہے۔ پھر مال پر لوگ تو عجزات کے سطر میں مگر اللہ تعالیٰ نے بیٹھا رحمتاً پر عجزات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پہاڑ اور پرندے سے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ جلی کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے تھے۔

لے کے
تفسیر

پہلے پہاڑوں اور پرندوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ آگے اللہ نے تیسری چیز لے کر ذکر فرمایا ہے۔ **وَإِنَّمَا لَهُ الْخِصْيَةُ** اور ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے اوت کو نرم کر دیا۔ اللہ کے کاغذ قدرت میں لڑا ایک اہم چیز ہے۔ اس کے نام پر قرآن پاک میں ایک مستقل سورہ آگہ دی گئی ہے جس میں اللہ نے فرمایا ہے **وَإِنَّمَا لَكَ الْخِصْيَةُ فِيهِ بِمَا نَسِيتُكَ وَفَعَلْنَا لَكَ شَيْئًا مِمَّا تَدْرِكُ** اور ہم نے لڑا لڑا، اس میں نسیئت لڑا لڑا سا مان ہے اور لوگوں کے لیے نوریست سے خانہ ہے۔ لڑا لڑا ہے زمانہ سے ہی کار آمد وصات کے طور پر استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ادریس علیہ السلام نے اس سے سونے تیار کی جس سے آپ

نے کپڑے سینے کا آغاز کیا۔ اس قریبی زمانہ میں موجودہ دور تو ایسی دور کہلاتا ہے جب کہ پہلی صدی کو لوہے کا دور (IRON AGE) کہا جاتا تھا۔ اس زمانے میں لوہے سے بڑا کام لیا گیا اور بڑی مشینری تیار کی گئی جس کے ذریعے دنیا میں صنعتی انقلاب آیا اور آلات حرب و ضرب میں بھی بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ آج چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر دیڑھیل کشیں، ٹینک، ہوائی جہاز، بحری جہاز اور دیل گاڑیاں لہے کی ہون منت ہیں۔

لوہا ایک سخت دھات ہے جسے تیز آگ میں ہی نرم کیا جاسکتا ہے۔ مگر اللہ نے اس کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزانہ طور پر نرم کر دیا تھا۔ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ آپ کے لیے لوہا آٹے یا موم کی مانند تھا جس کو بغیر گرم کیے جس طرف چاہتے تڑپڑ کر اس سے اشیاء بنا لیتے۔ لوہے سے کام لینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا اِنْ اَعْمَلْتُمْ سَبْغَتِ اَبْ اِسْ سَ زَبْیْنِ بِنَائِیْنِ۔ وہی لوہے کی قمیض جو دوران جنگ میں بچاؤ کے لیے پہنی جاتی ہے۔ یہ چیز لوہے کی چھوٹی موٹی کڑیوں کو ملا کر تیار کی جاتی ہے اسباقہ زمانے میں زرہ انسانی جسم کی حفاظت کا ایک موثر ذریعہ تھی۔ اب زمانہ ترقی کر گیا اور جی ہمتی کے طور پر۔ بڑے بڑے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں ایجاد ہو چکی ہیں۔ بہر حال اللہ نے آپ کو نرم بنانے کا حکم دیا۔

امام مغربی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام خلیفۃ اللہ تھے۔ آپ مجیس بدل کر عام شہریوں میں گھل مل جاتے اور پھر ان سے پوچھتے کہ تمہارا خلیفہ کیسا ہے۔ اکثر لوگ آپ کی تعریف کرتے کہ بڑا نیک اور عادل حکمران ہے۔ ایک موقع پر اسی طرح آپ نے کسی شخص سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ ہمارا خلیفہ تو بڑا اچھا ہے، صرف ایک ہی نقص ہے کہ وہ

ذاتی اخراجات کے لیے بیت المال سے واپس لیتا ہے۔ یہ سن کر آپ سخت پریشان ہوئے کہ چونکہ آپ واقعی اپنے اہل بچوں کے اخراجات بیت المال سے پورے کرتے تھے۔ اگرچہ حاکم کے لیے بیت المال سے خرچ لینا ناجائز نہیں ہے۔ مگر آپ نے اسے تقویٰ کے خلاف تصور کیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈکا کر پورا پورا کوئی ایسا سبب پیدا کر کے کہ میرے ہاتھ سے یہ خرچ بھی دسل ملے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم نے تمہارے لیے اسے کرنا ہی کرنا ہے۔ اس کی کٹیاں جو رقم نہ ہیں بناؤ اور انہیں بیچ کر اپنے اہل خانہ کے اخراجات پورے کر لیا کرو۔

بہت
کافی

حدیث شریف میں آئے کہ ان کے لیے بہتر روزی رو ہے جو وہ اپنے ہاتھ سے کاٹے، اور اللہ کے نبی ہونے کے بعد کافی سے کھاتے تھے۔ ہاتھ کی کافی سے مرد صرف مزدوری یا صنعت و حرفت ہی نہیں بلکہ محنت کا ہر کام مرد ہے جس میں کاشت کاری، روزمرست، تعلیم و تفریح بھی آجاتے ہیں۔ جو شخص ہاتھ کے کاٹے کاغذی کار کرتا ہے، زمین کے ذریعے سوچنا سمجھتا اور منصوبہ سازی کرتا ہے وہ بھی اس میں آتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو آدمی اپنے ظاہری اور باطنی قویٰ کو استعمال میں لاکر کوئی کام کرتا ہے وہ ہاتھ کی کافی والوں میں شامل ہے اور اللہ کے نبی نے اسے بہتر روزی قرار دیا ہے۔

تفسیری روایات میں آئے ہیں کہ ڈوڈ علیہ السلام کی تیار کردہ روزہ اتنی عمدہ ہوتی تھی کہ چھ چھ ہزار روپے قیمت پائی تھی۔ آپ اس میں سے چار ہزار روپے صدقہ کر دیتے اور دو ہزار روپے گھر میں استعمال کر لیتے۔ اسلامی تاریخ میں بعض ایسی باتوں کا ذکر قلم ہے جو بیت المال سے دینا نہیں دیتے تھے بلکہ خود ہاتھ کی کافی سے اخراجات پورے کرتے تھے۔ ہندوستان میں آخری دور کے سب سے بڑے حکمران اور ذمہ داروں کا یہی رواج تھا کہ ان کے لیے روزی کا تہہ

لے قرطبہ ۳۲۶ھ سے دمشق ۴۲۶ھ رابن کثیر ۵۲۶ھ (فیاض)

اسی طرح ناصر الدین تمش بہارت سے برہمہ کی سلطنت کے مالک تھے۔ مگر اپنے
ہاتھ کی کاٹی سے گزرا، مات کرتے تھے بعض دوسرے حضرات بھی کوشش
کرتے تھے کہ بیت المال پر بوجھ نہ ڈالیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو افضل ہے اور نہ
بیت المال سے حسب ضرورت لے لینا جائز ہے۔

ایک دورہ اٹلہ پٹیہ وری کا ہے اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم کر رکھا ہے۔
کہ ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے مختلف لوگ مختلف پیشے اختیار کرتے
ہیں۔ کوئی کوسے کا کام کرتا ہے تو کوئی مکڑی کا، کوئی برتن بنا تا ہے تو کوئی کپڑا
بنتا ہے، کوئی رنگ ساز ہے تو کوئی جو تاسازی کرتا ہے، ہاتھ سے کوئی بھی
جائز کام کیا جائے، محبوب نہیں ہے، ہمارے ہاں ہندوؤں کی طرف سے آنے
والی ذات پات نے بعض پیشوں کو حقیر بنا دیا ہے جو کہ غلط ہے۔ کام کوئی بھی کرتا
ہو انسان کا اخلاق اور کردار اچھا ہونا چاہیے، دین دار ہو، بڑائی سے بچنے والا اور
نیکی کرنے والا ہو۔ ہر جائز پیشہ درست ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے تجارت بھی کی
ہے اور بکریاں بھی چرائی ہیں۔ صحبت زکریا علیہ السلام بڑھی کا کام کرتے تھے اور یس
علیہ السلام مشین اور سونے بناتے تھے، الغرض! محض پیٹھے کی بنا پر کسی کو حقیر نہیں سمجھنا
چاہیے اور نہ ہی کوئی پیشے کی بنا پر زیادہ باعزت ہوتا ہے۔ بلکہ عزت کا اصل معیار
تقویٰ ہے۔

پیشہ داری

اللہ نے فرمایا کہ لہبے سے زرہ میں بناؤ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ اور کڑیوں
کے جوڑنے میں اندازہ مت نہ اؤ۔ زرہ سازی میں کڑیوں کی موٹائی اور لمبائی کو پیش نظر
رکھنا پڑتا ہے اور اُن کو جوڑتے وقت تناسب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے،
اسی بے فرمایا کہ اس کام کو اندازے کے مطابق ٹھیک ٹھیک انجام دو۔ مولانا
اشرف علی تھانوی ذہن لے ہیں کہ کسی بھی کام کے کرنے میں وقت کا انضباط بھی

اعتدال
پہنڈی

بڑا ضروری ہے۔ ہر کام کی ذمیت کے پیش نظر اس کے لیے وقت مقرر کرنا چاہیے کسی ایک کام میں انداز سے زیادہ وقت گھنے کی صورت میں دوسرا کام متاثر ہو سکتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان اپنا سارا وقت کاروبار اور کسبِ قسائے میں گھاٹیے اور اللہ کی عبادت کے لیے وقت ہی نہ نکال سکے، آخرت کی نذر ہی نہ کھسکے۔

فرمایا ہر کام کو انداز سے کے مطابق کرو وَأَشْكَلُوا صَحَابَهُ اور پیچھے کام کرو۔

بسے افعال سے اجتناب کرو۔ یہ خطاب اگرچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے ہے مگر پوری نوبتِ انسانی کے لیے ہی حکم ہے کہ نئی کارہائے اختیار کرو اور پرانی سے بچ جاؤ۔ فَرَأَى الْآفَافَ بِمَا نَعَسَلُونَ بھبھو میں تمہارے ہر کام کو دیکھ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم کون سا کام کس عرصے اور نیت کے ساتھ کر رہے ہو۔

میں انھی کے مطابق چل رہی ہیں عطا کروں گا۔

وَلَسْلِيمَانَ الرِّيحَ عُدُوَهَا شَهْرًا وَرَوَاحَهَا شَهْرًا
 وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ
 بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَن يَزِغْ مِنْهُمْ
 عَنَ أَمْرِنَا نَذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿۱۲﴾
 يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِبٍ وَتَمَاثِيلَ
 وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رُسِيَّتٍ إِعْمَلُوا
 آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ :- اور سلیمان علیہ السلام کے لیے (ہم نے سحر کر
 دیا) ہوا کو۔ اس کا پہلا پہر ایک ماہ کی مسافت طے کرتا اور
 پچھلا پہر بھی ایک ماہ کی۔ اور بہا دیا ہم نے اُس کے لیے
 آبنے کا چشمہ۔ اور وہ جنات میں سے تھے جو محنت
 کرتے تھے اُس کے سامنے اُس کے رب کے حکم
 سے۔ اور جو کوئی اُن میں سے کجی (سکرتی) اختیار کرتا تھا
 ہمارے حکم کے سامنے، ہم پکھاتے تھے اُس کو آگ کا
 عذاب ﴿۱۲﴾ وہ (جنات) کام کرتے تھے اس کے لیے
 جو وہ چاہتا تھا، یعنی قلعے، مجھے، حوض نما پیالے اور
 جہی زونی دیکھیں۔ (ارشاد ہوا) کام کرو لے آل داؤد۔ شکر گزاری
 کے لیے۔ اور بہت تھوڑے ہیں میرے بندوں میں سے

شکر ادا کرنے والے (۱۶)

رہنما

حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سیدنا علیہ السلام کا ذکر بھی ایک سورتوں میں کیا ہے۔ اس سے پتہ سورتہ عمل میں آپ کا تذکرہ تھا، اب یہاں آرہے ہیں اور اگے سورتہ قصص میں بھی آئے گا۔ یہ دونوں اباب بنی اللہ کے صلح القدر اور صاحب کتاب پیغمبر تھے اس سورتہ میں ہے اللہ تعالیٰ نے قریمہ کے عقل اور عقلی دلائل بیان فرمائے اور آخر میں فرمایا انہی ذلک لآبہ لیکھا عبید قذیب کہیں میں اللہ کی طرف رجوع رکھنے والے ہر نبی سے گے لیے نشانی ہے۔ اللہ نے عبید قذیب کے طور پر پیغمبر داؤد علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور اب ان کے فرزند ہامان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے۔

سیدنا علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام کے ایسے بیٹوں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مسند خلافت پر بھی سیدنا علیہ السلام ہی تھے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا وَكَوْرَتْ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ الرَّقْلَ (۱۶) ہم نے سیدنا علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کا خلافت میں وارث بنایا، اگر سیدنا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کے آپ کی طرح نبوت و رسالت بھی عطا فرمائی اور خلافت و نبیبت بھی آپ نے تیرہ سال کی عمر میں عیسیٰ بنی ماریا کو عطا فرمایا اور چالیس سال تک بے مثال نبوت کی۔ آگے سورتہ قصص میں آ رہا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کی تھی پروردگار: هَبْ لِيْ مٰسِكًا اَلَيْسَ بَعْضِيْ اَلْكٰفِرِيْنَ فَجٰدِيْ اٰيٰتِ (۳۵) مولانا میر جیسے ایسی حکومت نصیب فرما جو میرے بعد کسی کو میری جگہ نہ آسکے۔ آپ کی یہ دُعا قبول ہوئی اور اللہ نے آپ کو بے مثال نبوت عطا فرمائی، آپ نہ صرف انسانوں کے نبی ہیں بلکہ اللہ نے جنوں اور پرندوں کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا آپ کے لیے بڑا کوئی نسخہ کر دیا گیا تھا جو آپ کو نبیبت تیز رفتاری کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتی تھی۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں چار شخصیتوں کو تقریباً پوری دنیا پر غلبہ حاصل رہا ہے۔ ان میں سے دو ہستیاں اہل ایمان میں سے ہیں یعنی سکندر ذوالقمرین اور سلیمان علیہ السلام۔ دو کافروں میں سے ہیں۔ ایک بابل کا بادشاہ بخت نصر اور دوسرا آشوریوں کا بادشاہ فرودان میں سے سلیمان علیہ السلام کی حکومت سب سے ممتاز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو رساں حکومت عطا فرمائی تھی اُن کا تصور اساتذہ کرام آج کے درس میں آ رہا ہے۔

ہولکی تیغ

ارشاد ہوتا ہے، وَلَسَّ لِمَنْ الرِّيحُ حَمًّا نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا ایک ایسی ضروری چیز ہے جس پر ہر جاندار بلکہ نباتات کی زندگی کا انحصار بھی ہے۔ یونانی دور میں ہوا کو بیسٹا مانا جاتا تھا لیکن بعد کی تحقیق کے مطابق ہوا مرکب ہے، اس میں آکسیجن، نائٹروجن اور لائٹروجن وغیرہ گیسوں ملی ہوئی ہیں۔ ہوا کا سب سے ضروری عنصر آکسیجن ہے جو ہر سانس کے ساتھ ہر جاندار کے اندر جاتا ہے اس کے ذریعے جاندار کا خون صاف ہوتا رہتا ہے۔ درخت دن کے وقت پتوں کے ذریعے آکسیجن کھینچتے رہتے ہیں اور رات کو کاربن ڈائی آکسائیڈ جیسی زہریلی گیس باہر نکالتے ہیں۔ آکسیجن ہوا کا لطیف ترین حصہ ہے جس پر زندگی کا انحصار ہے۔ اگر پانچ منٹ کے لیے بھی سانس رُک جائے تو کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ چونکہ یہ اس قدر ضروری چیز ہے، اس لیے اللہ نے اسے بالکل فری دیا کیا ہے، ہوا پر کسی طاقت کی اجارہ داری نہیں اور یہ ہر ایک کو بلا محنت اور بلا قیمت میسر ہے، ہوا کے بعد دوسری ضروری چیز پانی ہے، یہ بھی منسری ہونا چاہیے اور ہر حکومت کو بلا ٹیکس پانی کی بہم رسانی کا انتظام کرنا چاہیے۔ اس کے بعد خوراک کا نمبر آتا ہے جو انسان محنت کر کے حاصل کرتے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ آپ

نے جب کہیں دور دراز کے سفر پر مانا، تو آپ اپنا تخت ہلار کھپاتے، اس پر خود بھی بیٹھ جاتے اور دگر درباریوں اور شیروں کو بھی، ہنسی سے اور چکر دیتے تو بڑا آپسک اٹھا کر نزل مقصود تک لے جاتی، اس کو آگ بھست کر کار مارا تھا عذو و کھا مشہور جب دہشت کے وقت چلی تو ان کے حضور سے مجھے میں بیٹھنے صبر کا سفر طے کر لیتی قد اٹھنا مشہور اور اس کا پھیلا پیر ہی ایک ماہ کی مدت طے کر لیتا، مطلب یہ کہ عام سواری گھوڑے، اونٹ وغیرہ پر کئی شخص بیٹھ سونان کے پٹے سے میں با پھیلے مجھے میں طے کر سکتا، تاہنست سیمان عزیر العمام نے عصر میں سینہ صبر کر سافت طے کر لیتے۔

اس وقت تو نیز رفتاری کی یہ صورت بغیر آلات کے مسجد زانور پر پیش آتی تھی، تاہم اس زمانہ میں یعنی تیز رفتاری سے سلمان، ابو جہل ہی کہ نہ وہی نسبت تیرا آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ نفاست کی تیز ترین سازش ہوائی جہاز ہے جو کہ ہوائی تیز رفتاری ہے، تاہم اب ہوا کو آلات کے ذریعے ٹھکر کیا جاتا ہے۔ ہوائی جہاز کے مسافر وہ پٹرول، ڈیزل اور کوئلہ وغیرہ سے چلنے والی مشین ہے، یاں اسی اصول کے تحت چلتی ہیں، گھڑی میں ایندھن من جل کر سٹیٹیم پیدا کرتا ہے جو کہ ہوائی کی ایک قسم ہے، اور وہ سٹیٹیم ٹوری کہ دوڑانا چاہتا ہے، بہر حال ہوا کی تیز حرکت سیمان علی اللہ کی مشین ہے میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی تھی اور آپ اس سے جسے بڑے کام لیتے تھے، آج تو ہوائی جہاز یا سڑکوں اور ہوائی میں چلنے والی گاڑیوں کو ہر آن مادہ پیش آ جاتے، لفظ ہمیں لاحق رہتا ہے مگر سیمان علی اللہ کی ہوا کے دوش پر چلنے والی گاڑی کو الیکٹریکل مشینوں پر چلانا ہوا تھا۔ آپ یہاں چاہتے جانور، فطر ہوا کے کندھے پر سوار ہو کر پہنچ جاتے، یہ آپ کی اُس دُعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا کہ پروردگارا! مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔

نظائر ہر ایک کمزوری کی چیز ہے جس کے تعلق سعوی صادر ہو گئے ہیں۔

جہاں پر آبِ شاد دست زندگی بر باد لے من ظلم آں کہ دل مرد نہ نہاد

جان کی بنیاد تو خدا تعالیٰ نے پانی پر رکھی ہے کہ کرہ ارض کے ارد گرد پانی احاطہ کے ہوئے ہے مگر زندگی کی بنیاد اللہ نے ہوا پر رکھی ہے انسانی زندگی کی یہ بنیاد بڑی کمزور ہے مٹھوڑی دیر کے لیے سانس رک جائے تو زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ سانس دان کہتے ہیں کہ کرہ ارض کے ارد گرد پانچ سو میل تک ہوا محیط ہے۔ اگر ہوا کا یہ احاطہ نہ ہو تو اوپر سے آنے والے کرہ دروں شہاب زمین پر گر کر اسے تباہ و برباد کر دیں اور انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ہوا کا احاطہ ہے جو شہاب کے زمین تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے، کوئی پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک شہاب امریکہ کے کسی علاقے پر گرا تھا جس سے مکانات کو آگ لگ گئی اور سینکڑوں جانیں تلف ہو گئیں تھیں۔

فرمایا ایک ترجمہ نے ہوا کو سیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا اور دوسری چیز یہ کہ وَاسْتَلْنَا لَهُ الْعَيْنَ الْقَطْرَ ہم نے آپ کے لیے آنے کا چشمہ بنا دیا۔ آنہ ایک مفید اور قیمتی دھات ہے، ابھی کچھ عرصہ پہلے تک اس کے بڑے بڑے برتن بنائے جاتے تھے۔ یہ دھات بجلی کی تاروں میں خاص طور پر استعمال ہوتی ہے کیونکہ یہ بجلی کی منتقلی میں بہترین ثابت ہوئی ہے۔ جس طرح اللہ نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوبہ کو زرم کر دیا تھا اور آپ بغیر تپائے اس سے زہر میں وغیرہ بناتے تھے، اسی طرح سیمان علیہ السلام کے لیے اللہ نے آنہ کے چشمے جاری کر دیے تھے۔ وہاں سے آنہ نکال کر آپ ظروف بناتے تھے۔ اب بھی صنعتِ صوفت میں آنہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

ہوا اور آنہ کی تسخیر کے علاوہ اللہ نے فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بِالْحِجَابِ اور ہم نے جنات کو بھی سیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا مَنْ يَحْمِلُ بَيْنَ يَدَيْهِ یا ذن زبہ یہ جنات اپنے پروردگار کے حکم سے حضرت سیمان علیہ السلام کے سامنے کام کرتے تھے۔ جنات سے مراد وہی غیر مرئی مخلوق ہے جو انسانوں کی طرح مکلف ہے مگر درجے میں ان سے کم تر ہے۔ جنات کی مختلف شکلیں

آنہ کا
چشمہ

جنات کی
تسخیر

ہوئے ہیں جنہیں وہ حسبِ مشابہت ہی کہہ سکتے ہیں۔ ان کی تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے ہوئی تھی تو انہی کے ایک فرد ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بکایا جنوں کے جی انسان کی طرح خاندان ہوتے ہیں۔ یہ کاروبار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی طرف ان میں بعض جنوں اور بعض کاقر ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ نے سورۃ جن میں ان کا اپنا بیان نقل فرمایا ہے۔

أَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَإِنَّا مِنَ الْقَاطِطُونَ آیت۔ ۱۱۴ ہم میں سے بعض فرمایا جنوں میں اور بعض نافرمان۔

شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں کہ انسان اور جن مکلف مخلوق ہے۔ اسی لیے تو اللہ نے سورۃ الرحمن میں دونوں انواع کو خطاب فرمایا لِيُعَذِّبَ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ لِجَزْئِ لِعَمَلِهِم مِّمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ اگر تمہیں قدرت ہو تو آسمان وزمین کے کنڈوں سے نکل جاؤ۔ جن کے نام سے ایک مستقل سورۃ بھی ہے جس میں جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسانوں کی طرح جن بھی نوروں سے کھتے ہیں اور رزق کو زندگی میں آلات استعمال کرتے ہیں۔ البتہ انسان خاک ہیں اور جنات ا۔ی۔ انسان کی تخلیق میں مٹی کو زیادہ دخل ہے جب کہ جنوں کی تخلیق میں برادر آگ کا عنصر غالب ہے۔

فرمایا جنات پہنے پروردگار کے حکم سے عیساں عیساں علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کرتے تھے وَ مَن يَنْزِعْ عَنْهُمَا مِصْرًا مِّنْهُم مِّنْ شَيْءٍ يَّجْعَلْهُ جَنًّا مِّنَ الْجِنَّةِ کہتا تھا عن آدم بنا ہمارے حکم سے نذوقہ مِّنْ عَذَابِ السَّعِيرِ قرآن میں آگ کا عذاب کھلتے تھے مطلب یہ کہ اللہ نے جنات کو عیساں عیساں علیہ السلام کی خدمت پر مہر کر رکھا تھا۔ آپ جرمی کام ان کرتے وہ کہنے پر مجبور ہوتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی جن حکم عدول کی کوشش کرتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر آگ کے کڑے برسائے جاتے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعض کاموں کا ذکر فرمایا ہے جو جنات سلیمان علیہ السلام کے حکم پر انجام دیتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُونَ مِنْ
تَحَارِيْبَ جَنَاتِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے لیے ان کی حسبِ فتنہ کام کرتے تھے۔
ان میں سے ایک کام قلعوں کی تعمیر تھا۔ محاریب محراب کی جمع ہے۔ ہمارے ہاں
تو محراب مسجد کے اس حصے کو کہا جاتا ہے، جہاں پر امام کھڑا ہوتا ہے، مگر یہ اس لفظ
کا صحیح مفہوم نہیں ہے کیونکہ ابتدائے اسلام میں تو مسجدوں کے محراب نہیں ہوا کرتے
تھے۔ یہ تو پہلی صدی کے آخر میں بنے شروع ہوئے۔ محراب خلفاء کی حفاظت کے
لیے بنائے شروع ہوئے تاکہ نماز کے دوران کوئی حملہ آور نہ ہو۔ اب یہ رواج عام
ہو چکا ہے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ امام کسی حد تک محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور
دوسرا یہ کہ مسجد میں ایک صف کی مزید گنجائش نکل آتی ہے۔ تاہم فقہانے اسلاف کہتے
ہیں کہ امام کو محراب کے باہر اندر نہیں کھڑا ہونا چاہیے کہ وہ مقتدیوں کو نظر نہ آئے
بلکہ مقبور اس باہر نکل کر کھڑا ہونا چاہیے۔ ویسے محراب کا عام لغوی معنی عمدہ قسم کا
کمرہ ہے جس کا اطلاق عبارت خانے پر بھی ہوتا ہے۔ تاہم اس مقام پر محاریب
سے مراد عمدہ قسم کے قلعے اور مکانات ہیں جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے
حکم پر تعمیر کرتے تھے، اور جن میں سرخ و سفید نفیس قسم کے پتھر لگانے جاتے تھے
اس کی ایک مثال سورۃ النمل میں بھی گزر چکی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم پر جنات
نے پانی کے حوض پر شیشے کا خوبصورت فرش لگا دیا تھا۔ بلکہ سائے سمجھا کر یہ
پانی ہے حالانکہ وہ شیشے کا نفیس فرش تھا جس کے نیچے پانی تھا۔

فرمایا ایک ترجمان محراب بناتے تھے اور دوسرا وَتَمَّارِيْلَهُمْ وہ مجھے
(STATUES) بھی بناتے تھے مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ پہلے ادیان میں
مجسمہ سازی ممنوع نہیں تھی مگر ہمارے دین میں کسی مجسمہ، پتھر یا دھات کا مجسمہ بنانا
یا ہاتھ سے تصویر بنانا یا کپڑے سے فوٹو لینا سب حرام ہے۔ قدیم زمانے میں کسی
نیک آدمی کی شکل پر کوئی بت تراش لیتے تھے، اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس

کے سامنے نذر دینا پیش کرتے تھے۔ یہی شرک ہے جس کی انتہا سنہ ۱۰۰۰ سے نزیہ
 فرمائی ہے۔ مجسم سازی پھول کی تزیین میں بھی ممتی ہے۔ بخود صاڈ اور ٹیکلا کے
 کھڈیوں سے بھی بہت برآمد ہوئے ہیں اور دکن میدا آباد کی قدیم تزیین لکھنا آرا
 میں بھی مجسم سازی کے بہت سے آثار ہیں۔ مغرب میں مغربین میں سے امام زعفرانی اور
 صاحب تفسیر زعفرانی نے لکھا ہے کہ مجسمہ حرام ہے خواہ وہ کسی بھی مادہ کا ہو۔ بعض
 لوگ قرآن کے اسی لفظ تائیل سے مجسم سازی کا جواز پیش کرتے ہیں مگر کہ غلط ہے
 تصور کرکشی اور مجسم سازی کی حرمت میں بجز تائیل سے بجز تائیل اور یہ لفظ تائیل
 واضح بھی نہیں ہے کہ اس سے کون کون سے مجسمے مراد ہیں، تاہم ہماری شریعت میں
 اس کی بہت سی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ سے یہ روایت بھی آئی ہے کہ
 حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا اَلَا تَدْعُوْنَ كَمَا تَدْعُوْنَ اِلَّا تَدْعُوْنَ كَمَا تَدْعُوْنَ اِلَّا
 تَدْعُوْنَ كَمَا تَدْعُوْنَ كَمَا تَدْعُوْنَ كَمَا تَدْعُوْنَ كَمَا تَدْعُوْنَ كَمَا تَدْعُوْنَ كَمَا تَدْعُوْنَ
 وہاں حرمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ فرمایا اِنَّ اَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوْرِ
 يَدْعُوْنَ لِقَوْمِهِمْ الْقَيْسِيَّةِ اَسْمَاءَ الْعَنْكَابِ يَمِينِ تَصْرِيفِ بَانَةِ دَارِ
 كَرِيْمَتِ كَسْ وَنَحْوِهَا اَسْمَاءُ دُوْجَارِ بِنَا بِنَا اَسْمَاءُ الْعَنْكَابِ يَمِينِ تَصْرِيفِ بَانَةِ دَارِ
 لاکھ پانی پراقتہ گری تو سب سے صفت ہے ہُوَ الَّذِي تَصَوَّرَكُمْ فِي
 الْاَرْضِ كَمَا كَيْفَ يَسْأَلُ (آل عمران ۶۰) وہی اللہ کی ذات ہے جو ماڈوں کے
 جہوں میں بھی پاتا ہے۔ تہہ پانے کر آسے۔ تو اللہ فرماتے ہا تم نے میری صفت
 اختیار کر کے تصویر کرنا اب اَخْيَارًا خَلَقْتُمْ اب ان تصویروں کو
 زندہ بھی کرو، مگر وہ نہیں کر سکیں گے اور نہ تھاب کا شکار ہوں گے۔
 حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے۔ اَسْمَاءُ النَّاسِ عَدَابًا لِقَوْمِ الْقَيْسِيَّةِ

۱۔ لکھنؤ ۱۹۳۳ء ۲۔ قرطی ص ۲۶۲ ۳
 ۴۔ مزاحمہ ص ۵۵۵ و اعلام القرآن مجلد ۱ ص ۲۰۵ ۵۔ تہہ اذنیس

الْمَصْرُورُونَ تَصَوِّرُ كَيْفِي كَرْنِ وَالْوَلُونَ كَوَسْمَتِ سَزَائِي كِي۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں تصویر کشی کا کام کرتا ہوں۔ آپ نے اُس شخص کو قریب بلا کر فرمایا کہ تمہیں علم ہے کہ تصویر کشی حرام ہے۔ حضور نے جاندار چیروں کی تصویر بنانے سے منع فرمایا ہے، وہ شخص کہنے لگا کہ یہ تو میرا پیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ افسوس اگر تم نے یہی پیشہ اختیار کرنا ہے تو کم از کم جانداروں کی تصویریں تو نہ بناؤ۔ بہر حال تمہیں کالفاظ صریح نہیں ہے۔ اس میں جاندار بھی آتے ہیں اور غیر جاندار پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگر قدیم زمانے میں لوگ جانداروں کے مجسمے بناتے تھے تو یہ ان کی شریعت میں تو مباح ہو سکتا ہے۔ ہماری شریعت میں قطعی حرام ہے۔

تیسری چیز جس کا اللہ نے یہاں ذکر کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم پر جنات بناتے تھے، وہ ہے وَجِجَعَانٌ كَالْحَوَآءِ حوضوں کی مانند بڑے پالے تھے۔ چونکہ سلیمان کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہوتا تھا، اس لیے وہ لشکر کو کھانا اپنی حوض نما پیالوں میں کھلاتے تھے۔ اس کے علاوہ وَقْدُورٍ رَسِيْلَتٍ ایک جگہ پر جمی ہونے والی بڑی بڑی ہڈیاں بھی بناتے تھے۔ ظاہر ہے کہ نصری کی کثرت کے پیش نظر ان کے لیے دافر کھانے کی ضرورت پیش آتی تھی جسے بڑی بڑی دیگروں میں پکایا جاتا تھا اور حوض نما پیالوں میں ڈال کر کھایا جاتا تھا۔ یہ کام بھی جنات کے سپرد تھا کہ وہ اتنی بڑی بڑی تانبے وغیرہ کی دیگیں تیار کریں۔ جن میں بڑی مقدار میں کھانا تیار کیا جاسکے۔ یہ اتنی بڑی بڑی دیگیں ہوتی تھیں، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی تھیں بلکہ جہاں ایک دفعہ رکھ دی گئیں وہیں پڑی رہتی تھیں اور وہیں ان میں کھانا تیار کر لیا جاتا تھا۔ اس کی بعض مثالیں آج بھی ملتی ہیں۔ مثلاً اجیر شریفین میں ایک بہت بڑی دیگ ہے جو سون کی دیگ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک دوسری دیگ بھی ہے

حوض نما پیالے
اور دیگیں

جس میں بیک وقت ساٹھ من کھانا تیار ہوجاتا ہے۔ یہی ایک جگہ پر نصب میں اور
 ناقابل انتقال ہیں۔ بہر حال جنہ کے ذمے ایک کام بھی تھا کہ وہ بڑی بڑی دیگیں
 تیار کرتے تھے

شکر گزاری
 کے کام

سیدنا علیہ السلام کی اس بے مثال حکومت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا
 اَعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ سُكْرًا لِّئَلَّا دَاوُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَلِمَةً لِّمَنْ كَلِمَةً لِّئَلَّا
 كَرُوهُ يَوْمَ يَلْعَلُ اَعْمَالُ النَّجْمِ دُونَ مَنِّ سَعْدِ الشَّرْقِيِّ كَلِمَةً لِّمَنْ كَلِمَةً لِّئَلَّا
 دَاوُدُ اَبْرَهِيْمَانِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ الشَّرْكَ كَلِمَةً لِّمَنْ كَلِمَةً لِّئَلَّا يَنْدَسَ تَعْسَةً
 جَسْرًا عَلَيْهِ السَّلَامُ كَاذِبَانِ
 ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے پندہ یہ ناز و لذت علیہ السلام کی ہوتی تھی۔ آپ
 کبھی صرف تہانی حصہ سوتے اور دو تہائی عبادت میں گزارتے اور کبھی تین حصہ
 سوتے اور باقی سا دو وقت عبادت الہی میں گزارتے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آیا
 ہے کہ آپ نے گھر کا نظام اس طرح بنا رکھا تھا کہ آپ کے عبادت خانہ میں
 چوبیس گھنٹے عبادت ہوتی رہتی تھی اور وہ کسی وقت بھی غالی نہیں ہوا تھا۔
 آپ خود آپ کی کوئی نہ کوئی بیوی مزید مجموعاً دو رہتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام
 کا روزہ بھی اللہ کر بڑا پسند تھا، آپ ایک دن روزہ رکھتے اور دو سکران چھڑھتے
 آپ بنا اور اس قدر تھے کہ لَا يَفْسُرُ رَأْسَهُ لَأَنَّهُ جَبَّ وَثْمَنٌ مِّنْ سَخِيْبَةٍ هَوَتْ رَأْسَهُ
 پشت پھر کر نہیں جھاگتے تھے بلکہ غربت کا مذاق لہ کر تے تھے۔

ابن ماجہ شریف کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت سیدنا علیہ السلام کی والدہ نے
 آپ کو نصیحت کی کہ اے بیٹے! رات کو زیادہ نہ سو جا کر دیکھو کہ ثروت اللہ تو
 بِالْبَيْسِلِ تَسْتَرِلُ الرَّجُلُ فَتَقْرَأُ بِمِنْ رَأْسِهِ كَوْنِ زَادَهُ نَبْذَ اَدَى كَوْنِ حَاجِ بِنَا
 دیتی ہے۔ ایک موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ
 پروردگار! میں تیری نعمتوں کا کس طرح شکر ادا کروں کیونکہ جب میں تیری نعمت

کاشکر یہ ادا کرتا ہوں تو یہ بھی تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہوتا اور یہ مجھ پر ایک مزید انعام ہوتا ہے۔ اللہ نے خوش ہو کر فرمایا کہ اے داؤد! جب تم مجھ گئے کہ ساری نعمت میری جانب سے ہے تو تم نے شکر کا حق ادا کر دیا ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ آل داؤد کی مانند وہ شخص ہوگا، جو خوشی اور غصے میں عدل کو حق سے رکھے گا، دولت مندی اور احتیاجی میں میانہ روی کو اختیار کرے گا، اور جس کے دل میں پریشانی اور ظاہر ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہوگی۔ ان تین خصوصیات کا حامل شخص آل داؤد کی طرح شکر گزاروں میں شامل ہوگا۔

مگر اللہ نے ساتھ یہ بھی فرمایا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ
میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ اکثر لوگ میری نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں مگر نہ زبان سے شکر ادا کرتے ہیں اور نہ اعضاء و جوارح یعنی ہاتھ پاؤں اور قلب سے جب آدمی ان تین اعضاء کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہے تو گویا وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اسی طرح جب زبان سے اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ جب دل میں خشیت الہی آجائے تو یہ قلب کا شکر ہوتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص دعا کیا کرتا تھا۔ کہ پروردگار! مجھے قلیل لوگوں میں سے بنا دے رَبِّ اجْعَلْنِي مِّنَ الْقَلِيلِ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم یہ کیسی دعا مانگتے ہو کہ کثرت سے قلت میں آنا پسند کرتے ہو؟ کہنے لگا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں اور میں قلت میں شامل ہونا اس لیے پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤں۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ عمر سے تو سارے لوگ ہی زیادہ مجھ رکھتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کی اکثریت ناشکر گزار ہی ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى
 مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِن سَاتِهِ
 فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ أَنْ لَوْكَانُوا يَعْلَمُونَ
 الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝۱۴

ترجمہ:- پس جب ہم نے فیصلہ کر لیا اس (سلمان علیہ السلام) کے لئے کہ اسے موت کا قرعہ بتلایا، ان لوگوں کو آپ کی موت کا حال سچو زمین کے ایک کیرٹھے نے جو کھا رہا تھا آپ کی لاش کی روٹی پر پڑا، آپ کو جب وہ کیرٹھے سے مرعوب کر لیا جہنم لے گیا، اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو قرعہ ٹھہرتے اور ذلت تاکہ تکلیف میں ۱۴

رہا آیت

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کے دو منیب بندوں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں آپس میں جوڑی نصیب عطا فرمائی تھی۔ دنیا میں خلافت، حکومت اور عزت عطا فرمائی اور تربیت و رسالت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اللہ نے داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر کوزم کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوش آسمانی عطا فرمائی تھی کہ جب آپ اللہ کی حمد ثنا بیان کرتے تو پہاڑ اور پہنڈے بھی آپ کے جھنڈا ہر جاتے۔ آپ اللہ کے بڑے ہی عبادت گزار اور شکر گزار بندے تھے۔ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے پہاڑوں، پہنڈوں اور جہات کو کھنڈ کر دیا تھا، جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ نبوت سے بڑے بڑے کام لیتے تھے، اگر وہ آپ کے حکم سے ڈاؤمی

سر تابی کرتے تو ان پر آگ کے کوزے برستے تھے۔

بیت المقدس
کی تعمیر

گذشتہ درس میں جنات کے ذریعے بڑے بڑے قلعوں اور دیگر عمارت کی تعمیر کا ذکر آیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر بھی جنات کے سپرد کر رکھی تھی۔ وہ دور دور سے بڑے بڑے پتھر اٹھا کر لاتے اور پھر انہیں تہ اش تراش کر عمارت میں لگاتے۔ اس عمارت کا نقشہ بھی بہت خوبصورت تھا، اس پر میٹرل بھی بہت نفیس لگا یا گیا۔ بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز تو حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا مگر وہ آخری وقت میں بقیہ کام حضرت سلیمان علیہ السلام کے سپرد کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے یہ کام اپنی خلافت کے چوتھے سال میں جنات کے ذریعے شروع کیا، اور بعض روایات کے مطابق اپنے دور خلافت میں اسے مکمل کر لیا۔ تاہم بعض کہتے ہیں کہ عمارت کا کام تو آپ کی زندگی میں ہی مکمل ہو گیا تھا البتہ اس کی آخری زیب و زینت باقی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ ابھی سال بھر کا کام باقی تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا آخری وقت آ گیا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ تعمیر کا قصور اس کا کام باقی تھا کہ آپ نے صخرہ پتھر پر کھڑے ہو کر بارگاہ رب العزت میں دعا کی کہ مولیٰ کریم تو نے مجھے جو نعمت عطا فرمائی ہے اور جو فضیلت بخشی ہے مجھے اس کا شکریہ ادا کرنے کی بھی توفیق عطا فرما۔ آپ نے بیت المقدس کے بارے میں یہ دعا بھی کی کہ پروردگار! جو شخص تیرے اس عبادت خانے میں داخل ہو،

اس کو یہ پانچ چیزیں عطا فرما۔ یعنی

(۱) اگر اس مسجد میں کوئی گنہگار داخل ہو تو اسے توبہ کی توفیق عطا فرما کیونکہ مومن کے مقامات عالیہ میں سے پہلا مقام توبہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
اَلتَّائِبُونَ الْعَمَدُونَ الْعَمَدُونَ ... الخ (التوبہ - ۱۱۲) اللہ کے نیک بندوں

۲۲۸ قلمی ص ۱۴۸

(فیاض)

۲۲۸ قلمی ص ۱۴۸

۲۲۱ قلمی ص ۱۴۸

۲۲۱

میں صبح پیلانہ ترقی کر کے والوں کا ہے۔ اگر انسان کفر و شرک اور ہر قسم کی ملامت سے ترقی کرے اور اس کے بعد عبادت کی طرف قدم اٹھائے۔

(۱۲) اگر کوئی خوف والا آدمی اس سبیل میں داخل ہو تو اس کو اس عمل کو (۱۳) بیجا آدمی داخل ہو تو اسے شفا ہے۔

(۱۴) اگر مہتاب آجائے تو اسے سستی کرے۔ معنی ہے مراد دل کا معنی ہے کہ یہ نہ ہو کہ یہ ہو
 کا فرمان ہے لَيْسَ الْغِنَىٰ عَنِ الْغِنَىٰ كَثْرَةُ الْعُرْيِينَ مَعْنَىٰ مَالٍ وَدَوْلَتٍ اَوْ
 مَا وَرَثَتُكَ كِذَا لَمْ يَكُنْ لَكَ مَالٌ مِّنْ مِّمَّا لَكَ الْغِنَىٰ عَنِ الْغِنَىٰ اَصْلُ مَعْنَىٰ تَرَدُّلٌ اَوْ
 مَعْنَىٰ سَهْوَةٌ۔

(۱۵) جب تک کوئی آدمی تیرے اس گھر میں موجود ہے تو اس پر اپنی رحمت کی نظر ڈالے رکھو۔

سلمان علیہ السلام
 کی روایت

جب بیت المقدس کی تعمیر مکمل کے قریب تھی تو سلمان علیہ السلام کی روایت
 کا وقت آن پہنچا۔ اُس اُن کو فخر لاحق ہوئی کہ وفات کے ساتھ جنت کا دوا دریا
 چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ حکومتی سرگرمیوں کے باوجود آپ کا معمول تھا کہ اونٹ خانہ
 کی عبادت کے لیے وقت نکال بیٹے تھے۔ آپ بے عرصہ تک عبادت الہی
 میں مصروف رہتے۔ بعض عیسائی کہتے ہیں کہ کوئی کمی ہفتوں کا توڑ لے کر عبادت خانہ
 میں جاتے اور تنہائی میں اللہ راہ کر کے رہتے۔ چنانچہ آپ نے اپنی اس عادت
 کو بیت المقدس کی تکمیل کے لیے بطور بنیاد استعمال کیا۔ شیخ الاسلام
 مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا حاضیہ پر لکھتے ہیں کہ جب سلمان علیہ السلام کی وفات کا وقت
 قریب آسینا تو آپ نے تمیز کے باقی ماندہ کام کا نقشہ بنا کر جنوں کو دیا
 اور خود شیخ کے کمرے میں بند ہو کر عبادت الہی میں مصروف ہو گئے۔ جنات

۱۸۰۰

۱۸۰۰ (فواصل)

دیکھتے تھے کہ آپ عبادت میں مصروف ہیں، لہذا وہ اپنا کام کرتے رہے
 سلیمان علیہ السلام اپنی لامٹی کے سہارے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر عبادت کر رہے
 تھے کہ اسی حالت میں آپ کی روح قبضِ عنقریب سے پیدا ہو گئی۔ موت ہر ذی روح
 کے لیے لازمی ہے كَلُّ نَفْسٍ ذَا لِقَاءِ الْمَوْتِ (الانبیاء - ۳۵) اس
 سے پیغمبر بھی مستثنیٰ نہیں ہیں، لہذا سلیمان علیہ السلام بھی اپنے خالقِ حقیقی سے جا
 ملے۔ یاد رہے کہ پیغمبروں کا یہ خاصا ہے کہ ان کو وفات سے پہلے اطلاع دے
 دی جاتی ہے اور دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ کا کیا ارادہ ہے۔ اس کے بعد
 جب ان کی طرف سے ملاں ہو جاتی ہے تو جان قبض کر لی جاتی ہے۔

سلیمان علیہ السلام شیشے کے کمرے میں بند ٹیک لگائے کھڑے تھے یا بیٹھے
 تھے۔ جنات کام کر رہے تھے اور آپ کو دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ
 آپ مصروفِ عبادت ہیں مگر اندر جانے کی کوئی جرأت نہیں کرتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام
 اسی حالت میں اللہ کو پیارے ہو چکے تھے، مگر جنات انہیں زندہ سمجھتے ہوئے
 اپنے کام میں مصروف تھے۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام ہو رہا
 تھا تاکہ جنات کام نہ چھوڑ بیٹھیں لہذا کسی کو سلیمان علیہ السلام کے کمرے میں نہیں جانے
 دیا۔ اس کی مثال عزیر علیہ السلام کے واقعے میں بھی ملتی ہے۔ اللہ نے ان پر سو سال
 تک کے لیے موت طاری کر دی۔ آپ کا گدھا تو فنا ہو گیا اور اس کی ہڈیاں بھی
 بکھر گئیں مگر آپ کا کھانا بالکل تروتازہ رہا اصحابِ کہف کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔
 وہ تین سو سال تک غار میں پڑے رہے مگر اللہ نے کسی کو وہاں جانے نہیں دیا۔ جب
 خود اللہ نے بیدار کیا تو حقیقتِ حال واضح ہوئی۔

جنات اسی حالت میں کام کرتے رہے حتیٰ کہ ایک سال کا عرصہ گزر گیا اور
 اُدھر بیت المقدس کی تعمیر کا کام بھی مکمل ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام

جنات کو
 وفات کا علم

کی موت کو ظاہر کر دیا جس کے لیے ایک ناموس سبب بھی خود ہی پیدا کیا۔ ارشاد ہوا ہے
فَلَمَّا قَضَيْتَ كَلِمَةَ الْحَيَاتِ جب ہم نے سیمان علیہ السلام کی موت کا
 فیصلہ کر لیا مَآذَلَهُمْ كُلَّ مَوْتِهِ قَرَأْسٍ كَرِيْمٍ بِظَاهِرِ نَبِيِّهِمْ بَوْمَنِي دِيَا -
إِلَّا فَاتَتْهُ الْأَرْضُ تَأْخُطُ مَسَافَةً مَكْرُومًا کہ ایک کثیراً جو آپ کی لائمی کو کھا
 رہا تھا، مَآذَلَهُمْ زَبَانِ كَالْفَلْظِ بِجَرْمِ لَيْلِي فِي مَعِي اسْتَعْمَالَ بِرَأْسِهِ اِدْرَاسِ كَالْمَعْنَى
 لائمی ہے۔ اس لکڑی کی لائمی کو کھانے والا کثیراً دیکھ
 تھا جسے ناری میں دیکھتے ہیں۔ سال ہر ایک سلیمان علیہ السلام ایک ہی جگہ پر
 کھڑے تھے۔ اس دوران میں دیکھنے لگے کہ لائمی کو کھانا شروع کر دیا۔ جب لائمی
 کمزور ہو کر گر پڑی (سلیمان علیہ السلام کو ہم بھی نہیں پر آتا)۔

یہ عجیب بات ہے کہ دیکھ لکڑی کو کھاتا ہے اور اس جگہ پر لٹا اور پانی بھی ہوتا
 ہے مالا مال الیہ چیزوں کے وہاں بیٹھے گا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ مشور سے کہی اور
 پانی دیکھ کر جنات پہنچتے ہیں کہ چونکہ دیکھنے سیمان علیہ السلام کی لائمی کو کھڑا دیا
 تھا جس کی وجہ سے جنات کو آپ کی موت کا علم ہو گیا اور وہ کام چھوڑ کر چلے گئے
 گویا جنات دیکھ کا احسان منستے ہیں، تاہم یہ بے حقیقت بات ہے جس کی کوئی
 سند نہیں۔

ارشاد ہوا ہے فَلَمَّا حَضَرَ لَائِمِي کے ٹوٹ جانے سے جب سیمان علیہ السلام
 زمین پر گر پڑے تَبَيَّنَتِ الْهَيَاتُ قَرَأْسٍ وَرَأْسٍ ہوا کہ سیمان علیہ السلام
 گرفت ہو چکے ہیں اور ہم خواہ مخواہ ان کے کام میں گئے تھے۔ چھڑانوں نے یہ بھی
 کہا کہ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُونَ الْقَدِيْمَ اگر وہ عجیب جانتے ہوتے مَآ
لَيْسُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ تو اتنی دیر تک ذلت ناک سزا میں
 مبتلا نہ ہوتے۔ یعنی اگر ہمیں خبر ہو چکی ہو یا کہ سیمان علیہ السلام وفات پا
 چکے ہیں تو فوراً کام چھوڑ کر بھاگ جاتے اور سال ہر ایک مسقت برادشت نکلتے۔
 حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے بڑا کام لیتے تھے، چنانچہ جنوں کے ساتھ ان کے

اختلاط کی وجہ سے کئی غلط چیزیں بھی مشہور ہو گئیں جنہیں لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں موجود ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل نے اللہ کی کتاب تورات کو تڑپس پشت ڈال دیا، اور اس کے بجائے جنات کے بتائے ہوئے جادو پر چل نکلے اور کفریہ اور شرکیہ باتوں میں ملوث ہو گئے۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ انہوں نے ان غلط چیزوں کو شیاطین کا کارنامہ قرار دینے کی بجائے انہیں سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ اسی لیے اللہ نے وہاں وضاحت فرمائی وَمَا كَفَرْنَا سَلِيمًا وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ الْبَقْرَةَ ۱۰۲۰ کہ یہ کفر یعنی جادو سلیمان علیہ السلام کا تعلیم کردہ نہیں بلکہ یہ تو شیاطین لوگوں کو سکھاتے تھے بہر حال اس طرح کے غلط عقائد میں سے بنی اسرائیل میں ایک یہ عقیدہ بھی راسخ ہو گیا کہ جنات علم غیب جانتے ہیں۔ یہ تصور آج بھی کسی حد تک جہال میں پایا جاتا ہے چنانچہ جنات سے غیب کی خبریں دریافت کی جاتی ہیں۔ جو کہ صریح کفر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنات چونکہ لطیف مخلوق ہے اور ان کی رفتار بھی بہت تیز ہے اس لیے وہ بعض چیزوں کو دیکھ کر ان کا علم رکھتے ہیں مگر بے وقوف لوگ اسے غیب پر محمول کرتے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔ غیب کا علم اللہ نے مخلوق میں سے کسی معرب سے مقرب ہستی کو بھی نہیں دیا۔ اسی چیز کی تصدیق اس آیت کریمہ میں خود جنات کی زبان ہو رہی ہے کہ اگر ہم غیب دان ہوتے تو سلیمان علیہ السلام کی وفات کے باوجود سال بھر تک مشقت میں نہ پھلے ہتے۔ الغرض اللہ نے اس باطل عقیدہ کا رد فرما دیا ہے۔

ایک مسئلہ اور رہ جاتا ہے کہ بعض لوگ عملیات کے ذریعے جنات کو تسخیر کر کے ان سے بعض کام لیتے ہیں، ہماری شریعت میں اس فعل کے متعلق کیا حکم ہے اس ضمن میں مولانا شاہ اشرف علی تھانوی اور بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں

(فیاض)

لہ بیان القرآن ص ۵۷ ج ۹ لے

جنات کی
تسخیر پر لایہ
عملیات

کہ اگر جنات کی تفسیر سنیانہ انداز میں ہو گیا کہ مسلمان علیہ السلام کے لیے سعی نور پر توجہ ہے
 جائز ہے، یا اگر کوئی جن اپنی مرضی سے کسی انسان کے تابوت پر جانے کو بھیج دیتے
 ہے، بعض مبارک کلام کے متعلق آتے ہیں کہ جنات کو بھی ان کے کام انجام دیتے تھے،
 اس مسئلے میں حضرت علامہ فاروقی اور حضرت علامہ بریلوی کا ہم لیا جاتا ہے کہ بعض جنات
 از خود ان کے حکم کی تعمیل کرتے تھے، یہ بھی درست ہے، البتہ کلیات کے ذریعے
 جنات کی تفسیر کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، اگر جائز کلام پڑھ کر ان کا یہاں توجہ
 فرما دینا ہے اور اگر کھڑے یا شکر کے کلام پڑھ کر جنات کی تفسیر کیا جائے تو یہ حرام ہے
 جنات بھی اللہ کی آواز مخلوق ہے مگر ان کو زبردستی غلام بنانا کسی طور بھی جائز
 قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ کسی آزاد آدمی
 کو غلام بنالینا جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والا شخص سخت مجرم ہو گا، اسی طرح آزاد
 جنات کو زبردستی غلام بنانا بھی جائز نہیں ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اگر کلام شکر و کفر اور بیعت سے پاک ہو، اور کرنے
 کا کام بھی خلوت شرعی نہ ہو تو جنات کو جنھیں اس لیے سزا دیا جائے کہ اس طرح کسی بیمار
 کا علاج کیا جائے گا یا کسی کا جائز طریقے پر دفاع کیا جائے گا، اگر کوئی جن کسی انسان
 کو تکلیف دے رہا ہے اور اس کے معنی وغیرہ کے لیے جنات کی تفسیر مطلوب ہے
 تو فرماتے ہیں کہ اس حد تک تفسیر شاید جائز ہو، ورنہ نہ غیر شرعی اور ناجائز کام کرنے
 کے لیے کسی دوست انسان کو ایذا پہنچانے کے لیے جنات کو مائل کیا جائے تو یہ
 قطعی ناجائز اور حرام ہے، اسلاف میں سے حضرت اروا، عتقاری اور حاجی المداونہ
 صحیحہ کے پاس اگر کوئی ایسا شخص بیعت کے لیے آتا، جس نے جنات کو
 سزا کر رکھا ہو تو یہ حضرات ایسے شخص کو کہتے کہ پیٹے جن کو آزاد کرو اس کے بعد
 ہماری بیعت کرنا، آپ اس فعل کو اس قدر محبوب سمجھتے تھے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَا فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَيْنِ
 عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۚ كُلُوا مِنْ رِزْقِ
 رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۗ بَدْدَهُ طَيِّبَةً وَرَبُّ
 غَفُورٌ ۝۱۵ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ
 الْعَرِيمِ ۖ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ
 أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثَلٍ ۖ وَشَجْوٍ ۖ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝۱۶
 ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي
 إِلَّا الْكَفُورَ ۝۱۷

ترجمہ :- البتہ تحقیق قوم سبا کے لیے اُن کی بستی میں
 نشانی تھی - دو باغات دائیں اور بائیں جانب - کھاؤ اپنے
 پروردگار کی عطا کردہ روزی میں سے اور اُس کا شکر ادا
 کرو - یہ شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش کرنے
 والا ۝۱۵ پس اعراض کیا اُن لوگوں نے، پھر چھوڑ دیا ہم
 نے اُن پر نالہ زوردار سیلاب کا - اور ہم نے تبدیل
 کر دیا اُن کے لیے دو باغوں کے بدلے دو ایسے باغ
 جن کا پھل کیلا تھا، اور کچھ جھاڑ کے درخت اور کچھ
 تھوڑے سے بیر ۝۱۶ یہ ہم نے بدلہ دیا اُن کو اس
 وجہ سے کہ انہوں نے کفرانِ نعمت کیا اور ہم نہیں ایسا

پر جیسے عکس و عکس گزاراں کرے ⑤

گذشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات، کفر کے رد و قرعہ
قیامت اور نبوت و رسالت کے سلسلے میں کئی دلائل ذکر کیے۔ پھر اللہ کی طرف
انابت کئے جانے والے دو انبیاء حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرمایا۔ ان دو
انبیاء کے واقعات میں قدرت کے نمونے بنائے تاکہ لوگ رسالت اور قیامت
کا انکار نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کو خصوصی معجزات عطا فرمائے تھے۔ ان
کی سلطنت بے مثال تھی جس میں عجیب و غریب قیام کا نظام تھا، اللہ نے
حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر لہجہ کرزم کر دیا تھا اور آپ اس سے
بہتر شفقت کے زہریں بناتے تھے، آپ کو نہایت عمدہ آرزو سے نوازا
تھا۔ چنانچہ جب آپ اپنی پر سوز آواز میں زبور کی تلاوت فرماتے تو ارگرد گرد
پھاڑا اور پرنندے بھی حمد باری تعالیٰ میں آپ کے ہمنوا ہو جاتے۔ اور سلیمان علیہ السلام
کے لیے بولڈن اور جنات کو کسر کر دیا، آپ جنات سے بڑے بڑے کام لیتے
تھے۔ دونوں باب فیما اللہ کے نہایت ہی شکر گزار بنے تھے۔ پھر اللہ نے
گھڑ کیا کہ اس کے شکر گزار بندے بہت ہی مٹھوڑے ہیں۔

اب آج کے دھن میں اللہ تعالیٰ نے ناشکر گزار قوم کے طور پر قوم سبا
اور اس کے انبار کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہر لبت لفتد کسان
رَسَبًا فَمَسَكْنَهُمْ اِنَّهٗ اَبَدًا تَحْقِيقُ قَوْمِ سَبَا كَيْ يَلْعَنَ لِكِ
وَالَّذِي كَاوَهٗ (یعنی ہمیں نشانہ تھی۔ سبا قوم کا نام ہے اور اسی نام سے ایک
بستی بھی تھی۔ اس قوم کا دارالسلطنت مارب تھا اور وہاں پر آپیا کئی کے لیے
ایک سرچاس فٹ لمبا اور پچاس فٹ چوڑا ایک ڈیم بھی بنایا گیا تھا جس میں بار
کے نام سے مشہور تھا۔

ترجمہ شریف کی روایت میں آ آہت کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

ایک صحابی حضرت فروہ ابن میکث یمن کے رہنے والے تھے، اور ان کا تعلق وہاں کے قبیلہ مراد سے تھا۔ یہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں اپنی قوم کے ایماندار آدمیوں کو ساتھ لے کر اپنی ہی قوم کے کفار و مشرکین سے جنگ کروں۔ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمادی۔ اور ساتھ ہی اپنی قوم کا امیر بھی مقرر کر دیا۔ پھر جب میں آپ کی مجلس سے چل دیا تو میرے پیچھے آدمی بھیج کر مجھے بلایا اور فرمایا کہ پہلے تم اپنی قوم کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو جو شخص اسلام قبول کر لے تم بھی اس کو قبول کرو، اور جو شخص ایمان نہ لائے تم اس کے ساتھ جلد بازی نہ کرنا بلکہ میری طرف سے مزید ہدایات کا انتظار کرنا۔

حضرت عروہ مزید بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن کی سورۃ سبأ نازل ہوئی اور اس بات کا چرچا ہوا کہ اللہ نے قرآن میں قوم سبأ کا ذکر کیا ہے تو آپ کی مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہاں سبأ یعنی سبأ کیسے ہے۔ کیا یہ کسی خطے کا نام ہے یا کسی مرد یا عورت کا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک آدمی کا نام تھا۔ اس کے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے چھ تو یمن میں آباد ہو گئے، اور چار شام کے علاقے میں چلے گئے اس شخص کے نام پر اس قوم کا نام سبأ مشہور ہوا اور پھر ملک کا بھی یہی نام پڑ گیا۔ سبأ کی اولاد میں سے جو یمن میں آباد ہوئے ان قبیلوں کے نام ازد، اشعر، حمیر، کندہ، مزنج اور انمار ہیں۔ اسی طرح شام میں آباد ہونے والے قبیلوں کے نام تخم، جذام، غسان اور عامرہ ہیں ایک شخص نے عرض کیا، حضور! یہ انمار کیا ہے۔ فرمایا انمار وہی جیز ہے جس سے آگے تخم اور بکیلہ کے قبیلے آباد ہوئے گویا یہ قبیلہ انمار کی مزید شاخیں ہیں۔ سبأ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ سبأ ابن یثجب ابن قحطان۔ اسی لیے اس علاقے کے لوگ قحطانی عرب کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی عرب

۱۔ خازن ص ۲۸۵ و ابن کثیر ص ۵۳۱ و طبری ص ۶۶ و جبل ص ۶۶ (فیاض)

عدائی عرب کلاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا خانہ ان میں سے بھی اپنی میں سے ہے۔
 سب عرب کے جزئی حصہ میں واقع ہے جو طبع سندر سے ۳۹۰۰ فٹ
 کی بلندی پر واقع ہے، آب و ہوا کے لحاظ سے یہ معتدل خط ہے، لہذا سب عربوں
 کا ذکر سورۃ نمل میں ہے، وہ بھی اسی علاقہ کی سب سے والی تھی۔ قوم تبع کا ذکر بھی قرآن
 میں آیا ہے، ان کا خانہ ان تباہی میں ہی قوم سب سے تعلق رکھتا تھا۔

سب عرب

قوم سب کا علاقہ مہاری اور ریگستانی علاقہ تھا۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے کاشتکار
 بہت معمولی قسم کی تھی۔ پھاڑوں پر ہونے والی بارش کا پانی یا قریت میں جذب
 ہو جاتا، مسند میں بہرہ جاتا تھا، یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً آٹھ سو سال
 قبل کی بات ہے کہ اس قوم نے اپنی زمینوں کی آبپاشی کیلئے بارش کے پانی
 کو ذریعہ کرنے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ دو پھاڑی دھول کے درمیان ۱۵۰ فٹ لمبا اور
 ۵۰ فٹ چوڑا بند بنا کر بارش پانی کو روک لیا۔ اس طرح وہ اس ڈیم سے حسب ضرورت
 ماہانہ پانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، ان کی زمینیں سیراب ہونے لگیں اور
 پورے علاقے میں باغ لگ گئے اور کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ یہ ڈیم انہوں نے اپنے
 ذرا لٹاؤں، رب کے قریب ہی تعمیر کیا، یہ سب عرب کہلاتے تھے، اس پانی کی ذمہ
 سے آرب کے مشرق و مغرب میں تین سو مربع میل کے قبضہ پر باغات ہی باغات
 تھے جن میں دافر علی پلہ ہوتا تھا اور لوگوں میں خوشحالی آگئی تھی، انہی باغات کے
 لئے تعلق اللہ نے یہاں فرمایا ہے جَنَّاتٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ فِيهَا نَجْمٌ سَائِلٌ
 اَنْ كَسَّ وَرَائِهِمْ اَنْ بَابِمْ اَنْ بَابِمْ اَنْ بَابِمْ اَنْ بَابِمْ اَنْ بَابِمْ اَنْ بَابِمْ اَنْ بَابِمْ
 سیرت نبوی اور ارض القرآن کے مصنف مولانا سید عیاض نے وی اس سٹے
 کمال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی عمارت میں سے یہ ڈیم بھی تھا تھے
 سب عرب کا ماہا تھا۔ عرب میں کوئی دائمی دریا نہیں ہے۔ بارش کا پانی یا ڈیموں

سے بہ کر ریگستان میں خشک ہو جاتا ہے۔ اور کاشتکاری کے لیے استعمال نہیں ہو پاتا۔ قوم سب نے پہاڑوں اور وادیوں میں بڑے بڑے بند باندھ کر پانی کو روک لیا اور اے کمیٹی بڑی کے لیے استعمال کرنے لگے۔ یہ کئی چھوٹے چھوٹے بند تھے مگر ان میں سے بڑا اور مشہور بند سد مارب تھا جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یہ بند دو پہاڑوں کے درمیان تعمیر کیا گیا تھا۔ اب اس کا ایک حصہ افتادہ ہے، تاہم تقریباً ایک تہائی ٹوٹی پھوٹی دیوار اب بھی نظر آتی ہے۔

یورپ کے ایک ارنانڈ نامی سیاح کا مجلہ "فرینچ ایشیاٹک سوسائٹی" میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں اُس نے سد مارب کا نقشہ عمدگی کے ساتھ تیار کیا ہے۔ اُس کے مطابق بند کی دیوار پر جا بجا کتبے لگے ہوئے تھے، جو کہ پڑھے گئے۔ بند کے اوپر نیچے کھسکیاں تھیں جن کے ذریعے ڈیم کا پانی کھولا جاسکتا یا بند کیا جاسکتا تھا۔ اس بند کے دائیں اور بائیں یعنی مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ و راست زمینوں کو سیراب کرنا تھا۔ اس نظام آبپاشی کے ذریعے دائیں بائیں جانب اس ریگستانی اور شورزدہ ملک میں تین سو مربع میل تک بہشت ناز تیار ہو گئی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ اُن کو قرآن پاک میں جَبْتِیْنِ عَنفِ یَمَیْنِ وَ شِعَالِ کہا گیا ہے۔

ایک یونانی مؤرخ جو مسیح علیہ السلام سے ۱۴۵ سال قبل ہوا ہے اور قوم سبا کا ہم عصر تھا، وہ بیان کرتا ہے کہ سبا عرب کے سرسبز و شاداب حصے میں سے ہے۔ جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں۔ دریا کے کنارے پر خوبصورت درخت ہیں اور اندرون ملک بخوراست، داجہنی اور چھوٹارے کے بلند و بالا درختوں کے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ جن سے نہایت شیریں خوشبو مکتی ہے۔ کہتا ہے کہ درختوں کی اقسام اور تنوع کی کثرت کے سبب اُن

میں سے ہر قسم کا نام اور وصف بیان کرنا مشکل ہے۔ البتہ ان سے جو خوشبو اٹھتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں۔ جو لوگ کشتیوں پر سائل سے دور گزرتے ہیں وہ بھی اس خوشبو سے لطف اندوز ہوتے ہیں گریا کر کہ آپ حیات سے لطف اندوز ہوتے ہیں اگرچہ یہ تشبیہ ہی اس خطبے کی لطافت کے مقابلہ میں ناقص ہے، اس نے مساک کے مقام پر قصہ عثمان کا ذکر بھی کیا ہے جو کہ بیسیں منزل اٹھ کر شکاف عمارت تھی۔

سبب اسکے آخری دور کا ایک مؤرخ آری میڈورس لکھتا ہے کہ سبب بادشاہ کے ایران ناب میں ہی ہو کر پورا اجماع پہاڑی پر پیش دست میں واقع ہے۔ بہر حال یہ ساری سرسبز و شادابی ناب ڈیم کی وجہ سے تھی۔ قدیم مصر کے فرعون بھی اس قسم کے ڈیم بنا کر زمینیں آباد کرتے تھے۔ اس دور میں ہی یہ بندوبست میں رائج ہیں بلکہ اب ترکہ بدینا لڑکی کی بدولت پانی کے اس محفوظ ذخیرے سے زحمت آج پاشی کا کام لیا جاتا ہے بلکہ اس سے بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔ ڈیم کے پانی کو جلدی سے گرا کر نیچے جبرٹ لگا دیے جاتے ہیں۔ پانی جنریشنوں کے تحنزوں پر گزر کر انہیں حرکت دیتا ہے، جس سے بجلی پیدا ہوتی ہے جو روشنی اور بڑی بڑی مشینوں کو چلانے کے کام آتی ہے، ہمارے ملک میں بجلی کی کچھوٹے چھوٹے بند باندھ کر ان سے مذکورہ کام لیے گئے ہیں ان میں قریباً ڈیم، سنگھ ڈیم اور رابک ڈیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ملک میں بجلی کی ترسیل کا انحصار انہی ڈیموں پر ہے۔

الغرض! خوشحالی و سرسبزی و شادابی اور معتدل آب و ہوا کے اعتبار سے ماہرب اس قابل شاکہ اترنے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ پاکیزہ و شرف تھا جس میں ہر چیز کی فراوانی تھی۔ لہذا فرمایا کہ لَوْ كُنَّا حَسْبًا رَزَقْنَا رَبَّ كَمَا نَزَلْنَا

روزی میں سے کھاؤ و اشکروا کہ اور اس کا شکر یہ ادا کرو اس کا عام قانون
یہ ہے۔ لَیْسَ شُكْرُکُمْ اِلَّا بِذِکْرِکُمْ وَلَیْسَ کَفْرُکُمْ اِلَّا
عَدْلَیْکُمْ اَسَدِیْکُمْ (ابراہیم - ۷۰) اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں مزید عطا کروں گا
اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بھی بڑی سخت ہے۔ اللہ نے منبرایا۔
بَلَدَةٌ طَيِّبَةٌ یہ ایک پاکیزہ شہر ہے۔ وَدَبَّ عَفْوٌ اور تمہارا پروردگار گناہوں
کو معاف کرنے والا ہے۔

یہ پاک شہر کا لفظ سبب بڑی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے اور اس میں ہمارے
یہ بھی بڑی تعلیم ہے۔ حضرت شاہ دلی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یاد رکھو
ملک کی بستری اور پاکیزگی اُس وقت ہوگی۔ جب ملک فتنہ و فساد سے پاک ہوگا، اگر
شہروں میں شریر لوگوں کا غلبہ ہو۔ اتباعِ ہوا کی وجہ سے لوگ بدہنی میں مبتلا ہوں، تو
ایسا شہر یا ملک ہرگز پاکیزہ نہیں کہلا سکتا۔ اگر کسی ملک یا شہر پر ظالم لوگ چھا جائیں
تو وہ لوگوں کو ظلم و جور کا نشانہ بنائیں گے۔ ملک میں چوری، ڈاکہ، بہ کاری اور لوٹ مار کا
بازار گرم ہوگا۔ اور ملک و شہر برباد ہو جائیں گے۔ اگر شہر میں اعمالِ ضارہ کا دور دورہ
ہو یعنی نقصان دہ کام ہوتے ہوں، جاودہ گناہوں کا کام دکھاتے ہوں، تخریب کار پوشیدہ
طور پر لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتے ہوں، خوراک اور پانی میں زہر ملانے سے بھی دریغ
نہ کرتے ہوں، جگہ جگہ دھماکے کرتے ہوں، اغوا برائے نادان کی ذرا تیں ہوں، علی الاعلان
قتل کا بازار گرم ہو۔ جنگ لڑتے جاتے ہوں تو ایسے ملک یا شہر کو پاکیزہ کیسے کہہ سکتے
ہیں، جہاں اصلاح کی بجائے فساد کی تعلیم دی جاتی ہو، مالک کو لو کر کے ساتھ اور
کارخانے دار کو مزدور کے ساتھ برسرِ پیکار کر دیا جائے تو امن کیسے قائم ہو سکتا ہے؟
اسی طرح لوگ عاداتِ قبیحہ یعنی شراب نوشی، زنا، لواطت اور جانوروں سے پر فعلی
جیسے امور انجام دینے لگیں تو شہروں میں بربادی ہی آئے گی، سکون نصیب نہیں ہو
سکتا۔ جو، سود، رشوت اور پتلہ میں کمی بیشی، بیع حرکات بھی شہروں کی اصلاح
کی بجائے تباہی کا باعث بنتی ہیں اور ایسے شہر اور ملک پاکیزہ کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔

کاشکریہ ادا کرنے کی بجائے فَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ اپنے پروردگار سے اعراض کیا۔ اس کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اُس سے دوری اختیار کی اس کا نتیجہ یہ ہوا إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُ سَائِلُهُمْ سَبِيلَ الْعَسْرِ کہ ہم اُن پر زور دار سیلاب بھیج دیا۔ وہی سدا کا رب جو اُن کی خوشحالی کا باعث بنا ہوا تھا، اُن کے لیے تباہی کا باعث بن گیا۔ بند کی دلیاریں گھاس وغیرہ آگ آئی جسے چوہوں نے کھا کھا کر دلیار کو کھوکھلا کر دیا۔ بند میں ٹھکوت پڑ گیا اور ایسا زبردست سیلاب آیا جس نے پورے ملک میں تباہی پھیلا دی کھیتیاں تباہ ہو گئیں، باغات اجڑ گئے۔ مکانات اور خورد و نوش کے تمام ذخیرے بہ لگے اور اس طرح ایک خوشحال ملک کھنڈرت کا ڈھیر بن گیا۔ گذشتہ آیت میں جن دو پھیل اور باغات کا ذکر کیا گیا ہے اُن کے تعلق اللہ نے فرمایا وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ہم اُن دو باغات کو دو سرے لیے باغوں سے تبدیل کر دیا ذَوَاتِ أَكْمَلِ خَمِطٍ جن کا پھیل سیلا ہوا ہے وَأَثَلُ اور جھاڑ کے درختوں ہوتے ہیں جن میں پھل آتا ہی نہیں وَشَيْءٌ عَمِتٍ سیدر قلییل اور کچھ جنگلی بیرہ گئے باقی پھل دار درخت سارے تباہ ہو گئے۔

فرمایا ذَلِكَ جَزَاءُ الَّذِينَ كَفَرُوا ہم نے اُن کو یہ بدلہ انکی ناشکری کی دیا۔ انہوں نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکرا ادا نہ کیا بلکہ اپنی خوشحالی پر اترنے سے تو اللہ نے اُن کو یہ صلہ دیا۔ فرمایا وَهَلْ يُخَذِّبُ إِلَّا أَنْ كَفَرُوا اور ہم ایسا بدلہ نہیں دیتے مگر ناشکر گزاروں کو۔ اہل سبا کو تو اُن کی ناشکری کی سزا مل گئی۔ اللہ نے دو سرے لوگوں کو بھی سمجھایا کہ اگر توجید، رسالت، کتاب الہی اور قیامت کا انکار کر دے گا تو ناشکر گزاروں میں شمار ہو گے اور تمہارا حشر بھی قوم سارے مختلف نہیں ہوگا۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا
 قُرَى ظَاهِرَةً وَقَدَرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا
 لَيَالِي وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا بُعِدْ بَيْنَ
 أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ
 وَمَزَقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِي ذَلِكَ
 لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ صَدَقَ
 عَلَيْهِمُ ابْلِيسَ ظَنُّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا قَرِيقًا مِّنَ
 الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ
 سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ
 مِمَّنْ هُوَ مِنهَا فِي شَكٍّ ۚ وَرَبُّكَ عَلَى
 كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿۲۱﴾

۲۲
۸

ترجمہ :- اور بنائی تھیں ہم نے ان (سبا والوں) کے درمیان
 اور برکت والی بستیوں (شام و فلسطین) کے درمیان نمایاں
 بستیاں۔ اور مشرقی تھی ہم نے ان کے درمیان سموزوں سات
 (حکم تھا) چلو امن میں راتوں کو اور دن کو پُر امن ﴿۱۸﴾ پس
 کہا انہوں نے اے ہمارے پروردگار! دودی ڈالے
 ہمارے سفروں میں۔ اور زیادتی کی انہوں نے اپنی جانوں

پر۔ پس بنا دیا ہم نے اُن کو قصے کہانیاں اور ہم نے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر اور شاکر شخص کے لیے (۱۹) اور البتہ تحقیق سچ کر دکھایا اُن پر ابلیس نے اپنے گمان کو، پس انہوں نے اس کا اتباع کیا سوائے مومنین کے ایک چھوٹے سے گروہ کے (۲۰) اور نہیں تھا اُس (ابلیس) کا ان پر کوئی غلبہ مگر تاکہ ہم ممانز کر دیں۔ اُس کو جو ایمان رکھتا ہے آخرت پر اُس شخص سے جو اس سے شک میں پڑا ہوا ہے اور تیرا پروردگار ہر چیز کی نجیبانی کرنے والا ہے (۲۱)

اس رکوع میں اللہ نے قوم سبا کا ذکر فرمایا ہے۔ گذشتہ آیات میں پہلے اس قوم پر کیے جانے والے انعامات کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ہم نے اُن کو شہروں کی پر امن زندگی اور ہر طرح کی خوشحالی عطا فرمائی تھی مگر انہوں نے خدا تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے سے اعراض کیا تو اللہ نے تاریخی ڈیم میں سے تباہ کن سیلاب بھیج کر اُن کے باغات اور شہری آبادیاں تباہ و برباد کر دیں اور اُن کی زمین سے زرخیزی کی صلاحیت ہی ختم کر دی۔ اب پہلے درختوں کی کھلنے والی جگہ جھاڑ بوٹ اگتا تھا جو یا تو بے پھل ہوتا تھا یا اس کا پھل کڑوا کیلا تھا۔ البتہ بہت کم مقدار میں بعض جگہ جگلی بیر ہو جاتے تھے۔ اب آج کے دریں ہیں اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کے کچھ مزید حالات بیان فرمائے ہیں۔

رابط آیات

ارشاد بھرتا ہے وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا قُرَى ظَاهِرَةً اُور بُنَادِیْنِ اُور ہم نے اُن سبا والوں کے درمیان اور ان بتیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی ہے۔ نمایاں بتیاں بابرکت بتیوں کے اوشام فلسطین کی بتیاں ہیں جن کو اللہ نے ظاہری اور باطنی برکات سے نوازا ہے۔ ہر سرسبز و شاداب و اعلیٰ کے نیوں کام کر رہا ہے اللہ نے اس خطہ میں بہت سے نبیوں کو مبعوث فرمایا جن میں حضرت

نمایاں بتیاں

وہاں پہلے السلام اور آپ کی اولاد شامل ہے اور وہ ہیں ان کی قبریں بھی ہیں اس سے
 طاروہ میں بیت اللہ سے اور محمد کی بہنیاں ہیں جن کے تعین کرنے میں
 واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بند سے کر آؤں! ات
 مسجد حرام سے الْمَسْجِدِ الْاَقْصَىٰ الَّذِي بَنَىٰ حَوْلهٖ رَبِّي ذَا الْاَيْدِي۔ یہودیوں
 کی طرف سے کہ جس کے ارد گرد کوہِ مہربانے باہر بنا ہے۔ نمایاں بتوں سے
 ماہرستان، خوشحال اور دوسے نطراتے والی واضح بتیاں ہیں یہ ایسی بتیاں تھیں
وَقَدْ رَوَيْنَاهُ الشَّيْخَانِ کے درمیان جو نے خاص اہل ان کے مطابق
 مسافت پر بھی تھی

تذکرہ نمایاں بتیاں عین سے لے کر شام و فلسطین تک آباد تھیں ہاں
 زمانے میں ملائیس وغیرہ قومیں تھیں۔ جمہانی اور درست تھے تہوں یا انہوں پر
 سفر کرتے تھے، سولہوی سے یہ گھڑت بھی استعمال ہوتے تھے، تاہم
 باربروں کے یہ زہادوں اور انہوں کو استعمال کیا ہوا تھا۔ عین سے شمار تک
 جیسے دن کی ہفت ہفتی، عام طور پر عجیبائی بتوں میں آبادی بست گھڑتی ہے
 مگر اس حالت پر محروم مسافت پر جگہ جگہ بتیاں آباد تھیں۔ جن کی وجہ سے
 مسافروں کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی، ان آبادیوں میں مسافروں کو خواہ کون
 مسواریات زندگی میں آجاتی تھیں۔ راستہ پر عین تھا اور دن اور رات کے سفر میں
 مسافروں کو کوئی وقت پریشانی نہیں آتی تھی، اللہ نے اپنے اسی العارفہ ذکر فرمایا ہے
 کہ جو نے اس حق ووق سحر میں مناسب تعلق پر نمایاں بتیاں آباد کر دی تھیں، ان
 بتوں کو قسم کی پریشانی نہ ہو۔ فرمایا، اس راستے کے متعلق تمہیں محرم تھا ہے
فِيهَا لَسَانِي وَأَيْتَاهَا اہستہ بن گیاں پہ دن رات پر امن نہ کرو۔
 صاحب نظیری ظہن آریکی راتوں سے بیان کرتے ہیں کہ عین سے

لے کر شام تک اس شاہراہ پر چار ہزار سات سو شہر، قصبے اور دیہات تھے۔ اس راستے سے مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت ہوتی تھی۔ یمن کے ساحل کے بالمقابل ہندوستان (موجودہ پاکستان) کا ساحل ہے لہذا ہندوستان کا تجارتی مال یمن کے ساحل پر اتر کر اونٹوں کے ذریعے شام و فلسطین پہنچتا اور وہاں سے مصر اور دوسرے افریقی ممالک تک جاتا۔ اسی طرح افریقہ کا مال سبا اور یمن کے راستے ہندوستان واپس جاتا۔ چنانچہ یہ شاہراہ سارا سال مصروف رہتی اور یہ نمایاں بستیاں بھی پُر رونق رہتیں۔ چین تک کا تجارتی مال اسی راستے سے آتا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ حج اور عمرہ کرنے والے لوگ بھی اسی راستے سے آتے جاتے تھے اور ان نمایاں بستیوں کی وجہ سے انہیں بڑا آرام تھا۔ محضرنے کے لیے سرزمین تھیں اور ضروریات کی اشیاء بھی مل جاتی تھیں۔ سبا کی یہ آبادی مسیح علیہ السلام سے آٹھ سو سال قبل اپنے جو بن پختی پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے اس علاقے کو ملیامیرٹ کہہ دیا گیا جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے۔

”ارض القرآن“ کے مصنف لکھتے ہیں کہ سبا کی دولت کا انحصار زیادہ تر تجارت پر تھا۔ یہ لوگ کاشتکاری بھی کرتے تھے اور ان کے بانغات سینکڑوں مربع میل پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس علاقے کے ایک طرف ہندوستان کا ساحل اور دوسری طرف افریقہ کا ساحل ہے۔ دونوں براعظموں کے درمیان خوب تجارت ہوتی تھی۔ سونا، قیمتی پتھر، مصالکے، خوشبو، ہاتھی دانت وغیرہ کالین دین ہوتا تھا۔ برصغیر کا مال یمن کے ساحل پر اترتا اور پھر وہاں سے خشکی کے راستے حجاز سے ہوتا ہوا، شام و فلسطین اور آگے افریقہ تک جاتا تھا۔ اور پھر اسی راستے سے واپسی تجارت ہوتی۔ اس شاہراہ کو قرآن پاک میں ”امام مبین“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی سفر کو سورۃ قریش میں رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ یعنی موسم گرما اور

سرمہ کے سفر کا نام دیا گیا ہے۔ مسیح علیہ السلام سے ۱۹۴ سال قبل ۱۰ یسریٰ
مذبح مکتا ہے کہ حضرت موسیٰ سے لے کر سب تک چالیس روز کو نہ تھا۔
وہاں سے مال تھما کر شتروں پر بیلوں پر عقیقہ تک پہنچا تھا اور اس طرف اہل سبا
مشرق کا مال مغرب کو اور مغرب کا مال مشرق کو پہنچاتے تھے۔

۱۰

بہر حال اترنے فرمایا کہ ہم نے اہل سبا کو بڑی آسودگی بخشی تھی، ان کا فرض
ہے کہ وہ ہماری نعمتوں کی قدر دانی کرتے۔ اس کے برخلاف **هَفَّ لَوَا۟رِبَتًا**
بَعْدَ مَبِیْنٍ اَسْفَارًا کہنے لگے پروردگار! ہمارے سفروں کو لمبا کر دینے
ہم سنتے ہیں کہ دور سے ممالک میں دوران سفر بڑی مشکلات پیش آتی ہیں، مگر
ہمارے سفر قربانیت پر امن اور پرسہولت ہے اور ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں
آتی۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہمارے سفروں کو بھی آسودگی کر دو جانتے کہ ہم سب
مصائب کا سزا جھیلیں۔ شاہ عبدالقادر اس موقع پر بگھتے ہیں کہ ان لوگوں کو آرزو
مندی آتی اور یہ خود چاہنے سے تکلیف مانگتے گئے۔ انہوں نے اہل سبا بنی اسرائیل الی
بات کی کہ کسراوردی کے دوران چھ ماہ سے من و سونے کی بجائے لہسن پایا۔ اور
ہزری تھکاری طلب کرنے لگے۔ فرمایا انہوں نے خود چاہنے لیے دعا کرنے لے
وَوَظَلَمُوا۟ اَنْفُسَهُمْ اِیْمَانًا ہاں پر خود ظلم کیا۔ ان کی اس دعا کا نتیجہ یہ ہوا۔
کہ ایک لاکھ سیلاب نے ان کے باغات، اکیٹیاں، مکان اور ذخائر تباہ
کر دیے اور دوستروہاں کی زمین کی نشوونما کی قسمت ہی ختم ہو گئی اور وہاں
تھما لڑوں کے علاوہ کچھ ہوتا ہی نہیں تھا۔ گھر بھی تباہ ہو گئے اور مال و دولت
بھی جاتا رہا۔ اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اس سرزمین
کو خیر باد کہہ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔

جیسا کہ میں نے گذشتہ درس میں عرض کیا تھا۔ سیلاب کی تباہ کاریوں نے

۱۰
اہل سبا کی
تھما تباہی

بعد اہل سبا کے چھ خاندان یمن میں اور چار شام و فلسطین میں جا آباد ہوئے، اور اس طرح یہ مصروف ترین شاہراہ بھی بند ہو گئی۔ فرمایا اس سرسبز و شاداب علاقے سے قوم سبا کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ہم نے ان کو افسانے بنا کر رکھ دیا۔ ایسی بربادی آئی کہ ان کا نام صرف تاریخ تک محدود ہو کر رہ گیا۔ لوگ ان کی خوش حالی، جاہ و حشمت، تاریخی ڈیم اور پھر ان کی تباہی کی داستان عبرت کے طور پر سنتے سنا تے تھے۔ فرمایا وَمَنْ قَاتَلَهُمْ كَقَاتِلِ مَسْتَرِقٍ اور ہم نے ان کا شیرازہ اس طرح بکھیرا کہ پارہ پارہ کر کے رکھ دیا، کوئی کہہ نہ چکے اور کوئی کسی دوسری جگہ جا آباد ہوئے۔ ارض القرآن کے مصنف یہ بھی لکھتے ہیں، کہ اہل سبا کے زوال کے بعد یونانیوں اور رومیوں نے مصر اور شام پر قبضہ کر لیا، اور ہندوستان اور افریقہ کے درمیان تجارت کو بری راستے سے بحری راستے پر ڈال دیا اب تجارتی مال بحر احمر کے راستے سواحل مصر و شام پر اترنے لگا۔ اس طریق تجارت نے یمن سے شام تک بری راستے کی خاک اڑادی اور سبا کی تمام بستیوں ویران ہو گئیں۔ فرمایا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ یہ شک اس میں ہر صابر و شاکر آدمی کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو شخص یا قوم خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرتی ہے اور مصائب پر صبر کا اظہار کرتی ہے وہ سمجھ سکتی ہے کہ ناشکر گزری کا کیا نتیجہ برآہ ہوتا ہے اور خدا کی ناراضی کس طرح شامل حال ہوتی ہے۔ اس قسم کے واقعات بلاشبہ نشانات عبرت ہیں۔

اللہ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ اور البتہ تحقیق شیطان نے ان لوگوں پر اپنا گمان سچا کر دکھایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت ہی شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ تو نے آدم کو مجھ پر بدتری عطا کی ہے لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ (یعنی اسرائیل - ۶۲) میں اس کی اولاد کے منہ میں ضرور لگام ڈالوں گا۔ اور انہیں گمراہ کروں گا۔ چنانچہ ایس نے اہل سبا کو گمراہ کر کے ناشکری پر مائل کیا۔ جو ان کی تباہی کا سبب بنا گیا اور ان کی طرح

شیطان کی
کارگزاری

ایسے نے ایمان کے متعلق اپنا گمان سمجھا کر دیکھا۔ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا قَلِيلًا
 مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ یہ ایمان سب سے شیطان کو اتباع کی دانت ایمان والوں
 کے ایک گروہ کے جس نے شیطان کا اتباع کیا بلکہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی قدرانی
 کرتے تھے۔ اُس کی وحدانیت اور نبیوں کے بتائے ہوئے راستے پر قائم رہنے
 آگے اترنے مزید وضاحت فرمائی وَمَا كَانَ لَكَ عَلَيْهِمْ مِنْ
 سُلْطٰنٍ اَوْ سَيِّطٰنٍ كَمَا اِنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ مِّنْهَا اِلٰهًا لِّتَعْلَمَ كَيْفَ
 يَكُوْمُ السُّؤْمُورُ بِالْاٰخِرَةِ يَسْمَعُوْنَ هُوَ مِنْهَا فِى شَكٍّ مَّكَرًا اَسَا
 اصل مقصد یہ تھا کہ ہم جانیں کہ کون آدمی آفت پر یقین رکھتا ہے، اور
 کون اس بارے میں شک میں پڑا ہوا ہے، اگر یہ لَعْلَمَ کا معنی جانتا ہی
 ہے پھر خدا تعالیٰ تو یہ چیز کو انزال سے اپنا تک جانتا ہے، لہذا ایمان پر جاننے
 کا مطلب ظاہر کرنا یا عمنہ نہ کرنا ہے، یعنی خدا تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان
 اور مشرکین کو لوگوں کے ساتھ غما کر دے اور دونوں گروہوں کو الگ الگ
 کر دے تاکہ ہر ایک کا جزائے عمل اس کی کارگزاری کے مطابق واقع ہو سکے۔ یہ تو
 محض لوگوں کا امتحان تھا وگرنہ شیطان کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ وہ
 لوگوں سے زبردستی کوئی غلط کام کر دے۔ یہ تو لوگوں کے امتحان کے لیے شیطان
 کو ذرا چھوٹ دی گئی ہے کہ وہ دوسرا انداز ہی کرے، پھر ہم دیکھیں گے کہ
 کون اُس کے تمباغے میں آتا ہے اور کون ایمان پر قائم رہتا ہے۔
 فرمایا، يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا! وَرَبِّكَ خَلَقَ كَيْفَ يَشَآءُ حَيْثُ شَاءَ اَبۡهَامَ
 بَنِيۡ سَبۡئٍ لِّتَعْلَمَ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُنٰفِقِيْنَ۔ ہر چیز کی مخالفت اس کے اختیار میں ہے۔ اُس
 کی اجازت کے بغیر انسان کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ شیطان خود بھی جانتا ہی
 کہ وہ خود سے دبا ہو تو پھر اس کے کسی نکلنے کی کوئی اور بات نہیں تھی۔ نتیجہ رائے
 کہ کئی بار اسے اختیار کرنے والوں کو تمباغے میں بھی فرمادیں۔

قُلْ اَدْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ
 مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ
 فِيْهَا مِنْ شَرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظٰهِرٍ ﴿۲۲﴾
 وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اٰذِنَ لَهُ
 حَتّٰى اِذَا فُزِعَ عَن قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَا ذٰقَالَ
 رَبُّكُمْ قَالُوْا الْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

ترجمہ :- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) پکارو تم ان کو جن کو تم گمان کہتے ہو (معبود) اللہ کے سوا۔ نہیں تاکہ وہ مقدار ایک ذرے کے آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ انہیں ان کے لیے ان دونوں میں کسی قسم کی کوئی شراکت۔ اور نہیں ہے اس (اللہ) کے لیے ان میں سے کوئی مددگار ﴿۲۲﴾ اور نہیں کام دے گی سفارش اس (اللہ) کے پاس مگر اس کے لیے جس کے لیے وہ اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے ان (فرشتوں) کے دلوں سے تو کہتے ہیں کیا فرمایا تمہارے پروردگار نے؟ وہ کہتے ہیں کہ اس نے حق بات فرمائی ہے، اور وہ بلند ہے اور بڑائی

راہداری

اس سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے جو مضمون ذکر کیا تھا۔ اُس کو لوٹا یا جا رہا ہے۔ وہاں یہ اللہ نے ترجیح کے حلق اور عقلی دلائل بیان کیے تھے اور شرک کا رد فرمایا تھا۔ درمیان میں اپنے شکر گزار بندوں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا حال ذکر کیا۔ پھر قریم سبا کا ذکر کیا کہ اللہ نے اُن کو آسوں نازک اور ہر قسم کے اذیتوں سے نوازا تھا۔ مگر انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی۔ مغرور و کجگر میں مبتلا ہوئے تو اللہ نے اُن پر تباہ کن سبب بلا بھیج کر اُن کے باغات کو اکھیر ڈرا۔ کعبتیاں ویران ہو گئیں، مکانات زمین بوس ہو گئے اور اس طرح وہ سزا کے مستحق ٹھہرے۔ اللہ نے فرمایا کہ اُس کے ہنکار گزاروں کو دنیا میں بھی سزا ملتی ہے اور آخرت میں قرودہ وانی غلاب کے صنعتی ہوں گے اب آج کی آیات کا ربط سورۃ کے ابتدائی مضمون قریمہ کے اثبات اور شرک کے رد سے ہے۔ ان کا تعلق گذشتہ آیات کے ساتھ بھی ہے کہ انسان کے لیے سب سے بڑی ناپسندیدہ چیز یہ ہے کہ وہ اپنے معبود حقیقی کے حق کو نہ پہچانے اور اس کی ترجیح پر ایمان لانے کی بجائے کفر و شرک کا راستہ اختیار کرے۔

تریدناؤنی

اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی ناپسندیدہ چیز یہ ہے کہ انسان اللہ کی وحدانیت کو صحیح طریقے پر تسلیم کرے۔ اُس کے حق کو پہچانے اور اُس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرے۔ لہذا شرک کی سب سے بڑی صورتیں ہیں۔ لوگ اللہ کی ذات کے ساتھ بھی شرک کرتے ہیں، اس کی صفات میں بھی شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کی عبادت میں بھی شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بعض نذر دنیا کی صورت میں شرک کرتے ہیں اور بعض محلے میں صلیب لٹکا کر ایدھا کر یا مذکورہ شرک فی العادت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بعض لوگ تصوروں کی تعظیم کرتے ہیں جو کہ شرک ہی کی علامت ہے اللہ نے سورۃ العنکب میں شرک کی مختلف صورتیں بیان کر کے اُن کی تردید فرمائی ہے۔ **الغرض:** اللہ نے شرک کا رد کرتے ہوئے اس مقام پر فرمایا ہے

قُلِ ادْعُوا الذِّمْمَاتِ رَدْعَهُمْ قَدْ دُنِيَ اللَّهُ لَهُمْ

ان سے کہہ دیں کہ پکارو تم ان کو جن کو تم اللہ کے سوا گمان کرتے ہو کہ یہ ہماری حاجتیں پوری کرتے ہیں یا ہماری مشکلات حل کرتے ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ ان میں بھی الوہیت کی کوئی چیز پائی جاتی ہے۔ ذرا ان کو پکار کر تو دیکھو کہ یہ تمہاری کون سی حاجت براری کرتے ہیں۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور عیسائی مسیح علیہ السلام کو اللہ مانتے ہیں۔ مشرکین مکہ و عرب، لات، منات اور عزری وغیرہ سے مشکلات حل کرواتے تھے، یہ سب شرک کی باتیں ہیں۔ جو نزولِ قرآن کے زمانہ میں پائی جاتی تھیں اور آج بھی بستور موجود ہیں۔ اللہ نے انہی کا رد فرمایا ہے

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے اور خالق ہونے میں کوئی بھی شرک نہیں کرنا خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ البتہ مشرک لوگ تیسرے اور چوتھے درجے یعنی تدبیر اور عبادت کے معاملہ میں آکر پھنس جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسرے بھی تدبیر کر کے ہمارا کام بناتے ہیں، حالانکہ اہل ایمان کا پختہ عقیدہ وہی ہے جو قرآن پاک نے بیان کیا ہے

يَدَّبُّونَ الْأَرْضَ مِنَ السَّمَاءِ الْهَبِ الْأَرْضِضِ (السجدة - ۵) آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی تدبیر خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے جس میں کسی کو دخل نہیں بخوبی لوگ قسمت کے بناؤ بگاڑ کر ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہ اس میں ان کا بھی کوئی دخل نہیں ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے اختیار عیسیٰ علیہ السلام کو سونپ رکھے ہیں لہذا وہ بھی لوگوں کی حاجت رزائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں بعض لوگ دوسری آہنیوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ خدا تو نہیں مگر اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال رکھی ہے اور ان کو تصرف کا اختیار دے رکھا ہے۔ یہ شرک فی التدبیر ہے۔ اس مقام پر بھی اللہ نے شرک کی ایسی قسم کا ذکر کیا ہے کہ مشرک لوگ جن ہستیوں کو اللہ کے سوا کار ساز مانتے ہیں لایمحل کون

مشرک فی التدبیر
والعبادت

يَسْتَأْذِنُ دَرَجَةً فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ تَرَانِ دَرَجَاتٍ فِي
 جہرے کے ہیں ہاکس ہیں۔ خالق میں اللہ ہے، آسمان میں وہی ہے اور تصرف میں بھی
 کو حاصل ہے، گویا جہاں وہ چاہے اور جہاں اللہ تعالیٰ ہی مقرر کرے ہے۔ شاہد صاحب نے
 فرماتے ہیں کہ توحید کا چوتھا درجہ عبادت کا ہے۔ لوگ عبادت میں بھی دوسروں
 کو شریک کرتے ہیں، کسی کو نذر دینا، پیش کر دیتے ہیں اور کسی کے سامنے بھی وہ
 بیٹھ جاتے ہیں اور اس طرح وہ شریک فی العبادت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ نے
 فرمایا وَمَا آتَيْنَاهُمْ فِيهَا مِنْ شَيْءٍ لَّيْسَ لَهُمْ شِرْكٌ لَّئِنْ لَمْ يَنْهَ الْأَعْمَىٰ
 کسی چیز میں خدا کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔

بعض مشرکین کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز کو پیدا تو اللہ نے کیا ہے۔ مگر
 ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کا کام چاہا ہے اور میں اس کا چاہا ہے
 روک میں، کوئی اس فعل کو قبول کی طرف منسوب کر آئے اور کوئی دوسری دلیل دیا
 کی طرف اور کوئی ستاروں کی طرف اللہ نے اس کی صاف نفی کی ہے، کہ
 خدا کے ساتھ ارض و سما میں کسی شے کی کوئی شریک نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی فرمادے
 وَمَا لَهُمْ مِنْ شَيْءٍ عِندَ ظَهْرِ عِزِّ اللَّهِ وَإِنْ لَمْ يَأْمُرْ اللَّهُ لَمْ يَكُنْ
 نہیں، بعض مستیوں بعض کی معاون میں، جوئی میں، مخلوق میں سے تو ایک
 دوست کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر نبی کے کاموں میں
 تو اللہ نے تعاون کا حکم بھی دیا وَقَدْ عَلَّمْنَا عَلَى الْغَيْبِ وَالشَّفَعَةِ
 (المانندہ ۲۰) ایسی اور تعاون کے کاموں میں ایک دوست کے ساتھ تعاون
 کرو، مگر خدا تعالیٰ فرزند قادر مطلق ہے، اُسے کسی کے تعاون یا مدد کی قطعاً
 ضرورت نہیں ہے، گویا یہ عقیدہ بھی شریک کا ذبہ کہ خدا تعالیٰ کو کسی کی مدد

کی ضرورت ہے۔

جبریل علیہ السلام کا عقیدہ

شرک کی ایک صورت جبری یا قہری سفارش بھی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ
 العزیز الکبیر نے فرماتے ہیں کہ اکثر مشرک لوگ خدا تعالیٰ کی ذات کو دنیا کے
 سے العزیز الکبیر سے

بادشاہوں پر قیاس کر کے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح کسی بادشاہ، صدر، امیر یا وزیر تک رسائی حاصل کرنے کے لیے درمیان میں واسطے اور سفارش کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح خدا تک پہنچنے کے لیے بھی سفارش کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر وہ مخلوق میں سے اپنے سفارشی ڈھونڈتے ہیں جو ان کی بات کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا سکیں، قرآن پاک نے ان کا بیان نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں **هُوَ الَّذِي شَفَعْنَا عِنْدَ اللَّهِ** (یونس - ۱۸) اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں جو سفارش کر کے دنیا میں ہماری بگڑی بنوادیں گے اور آخرت میں غائب سے چھڑادیں گے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ان خود ساختہ معبودوں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ ان پر چڑھائے کیوں چڑھاتے ہو ان کے نام کی عتیں کیوں مانتے ہو۔ اور ان کے

بلنے سے بجز ریزہ کیوں ہوتے ہو تو جواب دیتے ہیں **مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوا نَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ** (الزمر - ۳) کہ ہم ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔ ہماری دعا تو وہ قبول نہیں کرتا یہ سفارش کر کے خدا تعالیٰ کو منالیتے ہیں خواہ وہ راضی ہو یا ناراض ہو۔ مگر اللہ کے ہاں ایسی سفارش کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اللہ نے

یہاں بھی اسی بات کا اعادہ کیا ہے **وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ** اللہ کے ہاں کوئی سفارش مفید نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ خود کسی سفارش کرنے کی اجازت نہ دے، غرضیکہ جبری سفارش والا عقیدہ بالکل باطل ہے۔

جائز سفارش

البتہ دین میں جائز سفارش کا تصور واضح طور پر موجود ہے۔ آپ حدیث میں پڑھتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت والے دن مقام محمود پر فائز ہوں گے تو شفاعت صغریٰ بھی کریں گے اور شفاعت کبریٰ بھی شفاعت کبریٰ تو تمام بنی نوع انسان کیلئے ہوگی اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کریں گے اور شفاعت صغریٰ اصرامت کے حق میں ہوگی حضور علیہ السلام

خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ بجز جو عاقلین کے تفسیری روایت کے مطابق
 حضور علیہ السلام دس سال تک سجدہ میں پڑے رہیں گے، اللہ کی حمد و ثناء بیان
 کریں گے۔ پھر حکم ہوگا اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ لَعَلَّكَ تَعْلَمُ مَا فِي صُلْبِ الْمُرْسَلِ
 سلام اپنا سر اٹھائیے، آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ اس
 کے بعد آپ سفارش کریں گے، تو مطلب یہ کہ اللہ کی اجازت کے بغیر قرآن
 کی قریب ترین جہتی بھی سفارش کی جرات نہیں کریں گی، وہاں باقی ہستیوں کا کیا شمار
 ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سفارش کی اجازت اس کو دیں گے، جس
 کا عقیدہ درست ہوگا وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (طہ - ۱۰۹) اور میں کی بات بھی اللہ
 کو پسند ہوگی، کسی کا فریضہ ایسا ہے کہ حق میں کوئی نبی سفارش نہیں کرے گا۔ اور اللہ
 کی رضا کی بنیاد یہ ہے فَإِنْ كُنْتُمْ كُفْرًا مِنْ قَبْلِهِ فَكُفْرًا (الزمر - ۱۷) اگر تم کو
 گمراہی میں قبول کر دو گے تو اللہ رضی ہو جائے گا اور پھر تم سے حق میں سفارش
 کی اجازت بھی ہے، لیکن جس پر خدا لعنت ہو گا اس کے لیے سفارش کی اجازت
 نہیں ملے گی۔

فرشتوں کی
 بیعت بھی

بعض فرشتوں کو سفارشی اجازت دیا اور مشاکل سمجھتے ہیں۔ اور
 "إِنِّي أَمْرٌ لِيَأْتِيَنَّكَ كَلِمَةٌ كَوْتُورٍ يُسْتَعْتَبُ" اگر اللہ نے ان کو امتحان استقامت
 کر لکھے ہیں، صمیم حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عالم بالا میں کوئی فیصلہ
 کر آتا ہے تو فرشتے اپنے پر کھینچتے ہیں، ان پر عرش کی طاری ہو جاتی ہے ان
 کی آواز اس طاعت نطقی سے جیسے کسی چٹان پر زلزلہ کر کے کھینچا جانے، اگر
 وہ اللہ کے خوف سے اس قدر خوف زدہ ہوتے ہیں، اسی سلسلے میں اللہ نے
 نبیاں فرمائی ہیں إِذَا فَرَغْتَ مِنْ نَسْتِكَ فَاغْبِطْ سُبْحَانَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّهُ
 كَرِيمٌ إِنَّ كَلِمَةَ تَسْبِيحِهِ أَرْبَعُونَ مِائَةً أَلْفَ مِائَةٍ مِائَةً مِائَةً مِائَةً
 فرشتے اگر پر والوں سے مخاطب ہوتے ہیں فَالْوَمَا كَذَاقًا لِقَالِ رَبِّكَ كَرِيمٌ

اور کہتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ پھر اوپر کے طبقے والے فرشتے بتاتے ہیں قَالُوا الْحَقُّ كَمَا اللَّهُ نَزَّلَهُ حق بات فرمائی ہے وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ اور وہ ذات بہت بلند اور بڑی عظمت و بڑائی والی ہے۔ مطلب یہ کہ فرشتے تو خود اس قدر بے بس اور اللہ کے خوف سے بے خود ہونے والے ہیں، وہ کسی کی کیا سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کا شریک بنا لینا۔ تو فرشتے صاف کہہ دیں گے کہ پروردگار! ہم تو خود تیرے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے، کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا ماننے کے لیے تیار نہیں۔ سُبْحٰنَكَ تَعَالَىٰ ذَاتِ الْبَاطِنِ اور منزه ہے، ہم کیسے کہہ سکتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا اُس کی عبادت میں شریک بنا لو۔

الغرض! اس مقام پر شرک کی تردید میں اللہ نے دو باتیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کے ہاں جبری سفارش کا کوئی تصور نہیں ہے اور دوسری یہ کہ تدبیر اور تصرف میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ آگے توحید کے مزید دلائل اور قیامت کا ذکر آئے گا۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ
 اللَّهُ وَإِنَّا أَوْيَاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ
 مُّبِينٍ ﴿٢٣﴾ قُلْ لَأَسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا
 نَسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا
 رَبَّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ
 الْعَلِيمُ ﴿٢٥﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمُ الَّذِينَ أَحْقَمْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ
 كَلَاهِبَ لَّهُمُ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٦﴾ وَمَا
 أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا
 وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ وَيَقُولُونَ
 مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٨﴾ قُلْ
 لَكُمْ مَبْعَادٌ يَوْمَ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً
 وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ:- اے پیغمبر! آپ کو میں نے کون سے جہلم کو
 روزی پہنچا ہے آسمانوں سے اور زمین سے آپ کو میں نے
 کہ اللہ ہی ہے (جو روزی پہنچا ہے اور بیشک ہم
 یا تم البتہ وایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں) ﴿۲۳﴾ آپ کہہ
 دیجئے اور تم سے نہیں پوچھا جائے کہ ان گناہوں کے

بارے میں جو ہم نے کیے ہیں۔ اور ہم سے نہیں پوچھا جائے گا اُن کاموں کے بارے میں جو تم کرتے ہو (۲۵) آپ کہہ دیجئے، جمع کرے گا ہم سب کو ہمارا پروردگار پھر فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق کے ساتھ۔ اور وہ فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (۲۶) آپ کہہ دیجئے، مجھے بتلاؤ وہ جن کو تم نے ملایا ہے اُس کے ساتھ شریک بنا کر۔ خبردار، بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو کمال قدرت کا مالک اور حکمتوں والا ہے (۲۷) اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۲۸) اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ کہ کب پورا ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو (۲۹) آپ کہہ دیجئے تمہارے لیے وعدہ ہے ایک دن کا۔ نہیں بیچھے ہٹو گے تم اُس سے ایک گھنٹی بھر بھی اور نہ اُس سے آگے ہو گے (۳۰)

ابتداءً سورۃ میں اللہ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے پھر درمیان میں مکرگزاروں اور ناشکرگزاروں کا حال ذکر کیا اس کے بعد شرک اور مشرکوں کا رد کیا۔ اُن کے تدبیر اور تصرف میں غلط عقائد کی نفی کی اور ساتھ ساتھ جبری اور قہری سفارش کے منوعہ نظریات کی تردید کی۔ فرمایا بعض لوگ فرشتوں کو اپنا کارساز اور سفارشی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تو خود خدا تعالیٰ کے سامنے خوفزدہ ہوتے ہیں اور اللہ کے حضور ہمیشہ عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو فرشتے پر پھیلا دیتے ہیں۔ اُن پر مدہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ پھر جب اُن کی دہشت کسی حد تک دور ہوتی ہے تو نیچے پلٹے والے فرشتے اوپر والوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے، وہ آگے سے جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے

رابطہ آیت

گیا، اب زمین کو بھرا کر اگس سے نہایت ہی نرم و نازک پورے کونکالا اور پھر اسے حد کمال تک پہنچا کر انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان مہیا کیا۔ اللہ نے سورۃ بقرہ میں بھی فرمایا وَإِنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ (آیت ۱۲۰) ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا اور پھر اس کے ذریعے تمہاری خوراک کے لیے پھل پیدا کیے۔ عربی میں سادہ اور والی چیز کو کہتے ہیں۔ بادل بھی چونکہ اُدیر ہی ہوتے ہیں اسلئے بارش کے نزل کے سوا کا لفظ ہی عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم اُدیر سے مراد اُدیر سے نازل ہونے والا حکم الہی بھی ہے۔ دراصل اسی حکم کے ذریعے بارش نازل ہوتی ہے وگرنہ بسا اوقات بادل بھی آتے ہیں مگر بارش بالکل نہیں ہوتی یا کسی دوسری جگہ برجاتی ہے۔

رزق پرست
خدا

دراصل روزی رسانی مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق إِنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ (الروم - ۲۶) جس کیلئے چاہتا ہے روزی کو کثرتاً کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اسکا دامن نرا ہے وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریت - ۲۲) تمہاری روزی اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا تعلق آسمان سے ہے اور پورے حکم آتا ہے تو تمہیں اس حکم کے مطابق کم و بیش روزی مہیا ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان میں موجود ہے فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ (العنکبوت - ۱۷) روزی ہمیشہ اللہ سے مانگو کیونکہ اسباب رزق کا مالک وہی ہے اللہ نے خود بھی بار بار اعلان فرمایا کہ روزی رسانی اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہ ہر جاندار کی روزی کا ذمہ دار ہے۔ فرمایا وَكَايِنَ مِّنْ دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا أَوْ يَأْكُهَا کہتے ہی جانور، چرند، پرند ہیں جو اپنی روزی پشت پر نہیں اٹھاتے پھرتے، بلکہ اللہ ہی انہیں روزی پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی جس طرح خشکی پر پہننے والے ہر جاندار کی طرح مگھولے، انسان، مویشی، پرند، چرند اور درند کی روزی اللہ کے فہم سے ہے، اسی طرح سمندروں کی تر میں

سپتہ والی مخلوق کا روزی رسال بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ فرمایا وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا حَتَّىٰ نَرْزُقَهَا اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مجموعہ ۶) زمین میں بسنے والے ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمے ہے۔

ایک روزی گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف سے بارش برسا کر زمین سے پیدا کرتا ہے، اس کے علاوہ زمین کی تر سے نکلنے والی معدنیات، سونا، چاندی، لوہا، تانبا، ہیرے، کوئلہ، تیل وغیرہ بھی روزی کا بہت بڑا سبب ہیں۔ بلکہ آج کی دنیا میں ان اشیاء کی اہمیت بڑھتی جیت۔ مگر زمین سے یہ چیزیں برآمد نہ ہوتیں تو دنیا تمدن نہ بن سکتی اور نہ ہی انسانی زندگی کے آرام و آسائش کی موجودہ سولتیں میسر آتیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے وسائل رزق جگہ جگہ پھیلا رکھے ہیں۔ اب یہ خود انسان کا کام ہے کہ وہ انہیں تلاش کر کے ان سے فائدہ اٹھائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے أَطْلُبُوا الرِّزْقَ حَيْثُ بَايَأَ الْأَرْضُ یعنی زمین کے گوشوں سے رزق تلاش کرو۔ الغرض اللہ نے آسمان و زمین کے وسائل کو روزی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

مذکورہ حقائق کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا
 ہے کہ ذُرِّيَّتِي سے پوچھیں کہ تمہیں آسمان و زمین سے روزی کون پہنچاتا ہے۔
 فرمایا، یہ کافر مشرک، ممداد بے دین لوگ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکیں گے، لہذا آپ خود ہی فرمادیں قَالَ اللَّهُ کہ روزی رسال تو اللہ ہی ہے اور کون ہے جو وسائل رزق مہیا کر کے جانداروں کی خوراک کا بندوبست کر سکے؟
 جب روزی رسال صرف اللہ ہے تو پھر یہ مشرک لوگ دو سروں کو حاجت روا اور مشکل کشا کیوں سمجھتے ہیں اور خدا کی الوہیت میں ان کو کیوں شریک کرتے ہیں؟
 ان کے خود ساختہ الایاتو بے جان شجر و پتھر ہیں جن کی ٹہلے ہی کوئی حیثیت نہیں نہ بول سکتے ہیں، نہ چل پھر سکتے ہیں، نہ کسی کے کام آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ

اگر یہ لوگ انسانوں، جنوں یا فرشتوں پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں تو وہ بھی بے اختیار ہیں، اللہ کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔ ان میں سے نہ کوئی خالق ہے، نہ مالک ہے اور نہ مدبر و متصرف ہے، تو یہ تمہاری کون سی مشکل حل کریں گے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر مخاطب کو اس بہترین انداز میں تبلیغ کی جائے کہ اُسے سوچنے سمجھنے کا موقع مل سکے تو اس کے بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اسی اصول کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے دلیل توحید پیش کرنے کے بعد فرمایا۔
وَإِنَّا أَوْيَاتِكُمْ لَعَلِّيْ أَوْفِيْ ضَلَالٍ مُّبِينٍ بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا گھلی گمراہی میں۔ مقصد یہ کہ مشرک اور موحد میں جو نظریات کا اختلاف ہے اُس کی وجہ سے ایک فریق یقیناً ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہ ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں فریق نہ صحیح راستے پر ہو سکتے ہیں اور نہ دونوں کا عقیدہ غلط ہوگا بلکہ ان میں سے ایک ضرور صراطِ مستقیم پر ہے۔ اب یہ ہمارا اور تمہارا فرض ہے کہ اچھی طرح سوچ سمجھ لیں اور پھر فیصلہ کریں کہ کون حق پر ہے اور کون گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید کو سمجھانے کا یہ بہترین انداز اختیار فرمایا ہے۔

مشرکین کو اعتراض تھا کہ اہل ایمان ان کے بتوں کی مذمت بیان کرتے ہیں۔ لہذا وہ بھی مسلمانوں کو بڑا بھلا کہتے تھے اور یہ بھی بتوں کی برائی بیان کر کے تم نے غلط راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہ اللہ کے مقرب ہیں اور ان کی توہین لامحالہ اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ لَّا تَسْتَلُونَنَا عَمَّا آجُرَمْنَا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر توحید خداوندی کا اثبات اور شرک کا رد جرم ہیں تو پھر ہم ان کا اقرار کرتے ہیں۔ اور ان مفروضہ جرائم کے بارے میں تم سے

ذمہ داری
اپنی اپنی

کوئی سوال نہیں ہوگا، بلکہ ان کی ذمہ داری ہم پر عاید ہوتی ہے۔ اور ہم ہی جوابدہ ہیں۔
 اور دوسری طرف جو کچھ تم کفر سے شریکین اور ہماری کلام کر رہے ہو۔ ان کا الزام
 تمہارے سر پر ہے۔ وَلَا تَنْتَلِ عَنَّا تَعْمَلُونَ اور تمہارے ان جرائم
 کے متعلق ہم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ گریبا ہم اور تمہارے اپنے اپنے اعمال کے
 ذمہ دار ہیں، تم جب پر پختہ نہیں کرنے کی بجائے اپنی نظر کرو۔ آخرت میں تمہیں اپنے
 اعمال کا خود ہی جواب دینا ہوگا۔ فَمَا لَكُمْ تَأْتُونَ كُلَّ نَفْسٍ فَمَا أُوتِيَ عَنْ
 نَفْسِهَا وَتَوَعَّفَ كُلَّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهِيَ لَا تَنْظُرُونَ
 (التكفل - ۱۱) قیامت ملنے دن ہر شخص اپنے اعمال کا خود دیکھتا ہے کہ کیا ہوگا
 انہیں ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی
 اَمَّا الشِّرْكُ قِيَمَتُ كَاذِبٍ صَاحِبِي فَمَا دِيَابِعُ قُلُوبِكُمْ يَتَّبِعُ
 مَبِيتِنَا رُسُلًا اَب كَرْدِيں کہ پہلا پروردگار ہم سب کو قیامت کے دن
 جمع فرمائے گا شَرُّ كَيْفَ تَتَّبِعُنَا بِالْحَقِّ پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلے
 فرمائے گا۔ ہر شخص کو اس کے حصے سے عمل کرنا اور اخلاق کے مطابق جزا یا
 سزا ملے گا۔ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ اور وہ فیصلہ کرنے والا اور مشکلات
 کو کھولنے والا ہے اور ہر بات کو حل کرنے والا ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی
 نہیں لہذا وہ ہر جھوٹے سے چھوٹے عمل کا بھی مندرجہ حساب کرے گا۔

شریک کی
 تردید

گئے اللہ نے شریک کی واضح طور پر تردید فرمائی ہے اور شریکوں کو جہنم کیا
 ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَللّٰهُ يَصَلِّي عَلَى الشِّرْكِيِّ وَيَكْفُرُ بِالَّذِينَ
 اَلْفَتْ شُرْكِيَه شَرِكَاذ اَب ان شریکوں سے کہ وہ جن شریکوں کو تم
 نے خدا کے ساتھ بلا کر کہا ہے مجھے بتلاؤ کہ وہ کیا ہیں؟ وہ کون سا کلام انجام
 دیتے ہیں؟ کیا وہ خالق، مالک یا مستصرف فی الامور ہیں؟ اس کا جواب کہ صلا
 کرنا دیتا۔ اللہ نے خود ہی فرمایا کہ لَا خَيْرَ لَكُمْ فِي الشِّرْكِ سوا کوئی بھی مذکورہ
 صفات کا حامل نہیں۔ ہر چیز کا مالک تو صرف اللہ ہے بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيزُ

الْحَكِيمُ بکہ وہ اللہ ہی ہے جو کمال قدرت کا مالک، ہر چیز پر غالب اور کمال حکمتوں والا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

اگلی آیت میں اللہ نے رسالت کے بیان میں فرمایا وَمَا أَرْسَلْنَاكَ

إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر

تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرسانے والا بنا کر کافۃً للناس کا

مطلب دنیا بھر کے لوگوں کے لیے ہے خواہ ان کا تعلق کسی ملک،

قوم، نسل سے ہو، آپ سب کی طرف رسول ہیں۔ عربی ترتیب کے لحاظ

سے یہ لفظ بشیر و نذیر کے بعد آنا چاہیے تھا مگر مضمون کی اہمیت کو واضح کرنے

کے لیے اسے پہلے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ صرف عرب کے خطے یا عرب

قوم کے لیے نبی اور رسول بن کر نہیں آئے بلکہ آپ کی رسالت کا دائرہ زمین پر بسنے

والے ہر انسان تک وسیع ہے۔ اب اس میں کسی زمانے کی قید بھی نہیں ہے۔ بلکہ

قیامت تک آنیوالی نسلیں آپ ہی کی امت کا حصہ ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے

کہ آپ نے فرمایا، اللہ نے مجھے دو کر انبیاء کے مقابلے میں بعض خصوصیات عطا

فرمائی ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ بُعِثْتُ إِلَى كَافَّةِ النَّاسِ

یعنی میں تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور میری یہ خصوصیت

بھی ہے وَخُتِبَ عَلَيَّ النَّبِيُّونَ کہ مجھ پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا

ہے۔ اب قیامت تک میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضور علیہ السلام

کا یہ فرمان بھی موجود ہے بُعِثْتُ إِلَى الْأَسْوَدِ وَالْأَحْمَرِ میں ہر کالے

اور گورے کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس میں کسی قوم، رنگ اور نسل کا کوئی

امتیاز نہیں ہے۔ فرمایا اللہ نے مجھے عالمی نبی بنا کر بھیجا ہے۔ وَالْكَثْرُ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ سِوَاكَ فَرُغَ اس حقیقت کو نہیں جانتے اور نہ ہی وہ
اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، لہذا اگر ہی میں بڑے سچے ہیں۔

دفعہ
قیامت

مشکر اور کافر لوگ قیامت کا بھی انکار کرتے تھے۔ اللہ نے ان کے

اس باطل عقیدہ کی طرف توجہ دلائی وَفَوَّكَو كُفُوًا مَسْتَحْسِنًا هَذَا لَوْ عَدَّ اِنْ كُفْرًا
طسید و تہذیب کہتے ہیں کہ جس قیامت سے ہمیں ڈراتے ہو وہ کب آئے گی، اگر
تم اپنے دہریہ ہیں مجھے ہو تو اس کے دفاع کی آواز بتناؤ۔ اللہ نے جواباً فرمایا فَسَلِّ
لَكَ مَهْدًا وَيَسِّرْ لِي سَبِيلًا آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہارے لیے قیامت کا وہ
ایک دن کا وہ ہے لَا تَسْتَأْذِنُوا مِنْ عِنْدِ سَاعَةِ وَلَا تَسْتَعِدُّوْنَ
جب وہ مقررہ دن آجائے گا تو پھر نہ تو تم گھڑی پھر بیچھے ہو گے اور نہ آگے، بلکہ
میں وقت پر قیامت برپا ہو جائے گی، اور پھر حساب کتاب کے لیے جمع کی جانے کا
آج تو تم استنہا کرتے ہو مگر اس دن تمہیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔ سورۃ انفصام
میں اس دن کے لیے آجَبَلِيْ قَسَمَتِيْ كَالْفَلَاقِ اَيَسُّوْا كِرْدَهْ اَيَسُّوْا كِرْدَهْ مَعْرُوْهْ وَوَقْتُ
ہے جو ہر انسان کی انفرادی زندگی کے لیے بھی ہے اور مجموعی طور پر تمام عالم کے لیے
بھی۔ جب یہ وقت آجائے گا تو آگے پیچھے نہیں ہوتا

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ
 وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ
 مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْجَعُ بَعْضُهُمْ
 إِلَى بَعْضٍ فِي الْقَوْلِ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا
 لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾
 قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا
 أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ
 بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِينَ
 اسْتَضَعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ
 الْيَلِّ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ
 وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا
 رَأَوُا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ
 الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا
 يَعْمَلُونَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ ۱۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ ہم
 ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر

جو اس سے پہلے آئی ہیں۔ اور اُسے مخاطب اگر تو دیکھے
جب کہ ظالم لوگ کھڑے کیے جائیں گے اپنے پروردگار کے
سامنے اور لڑائیں گے بعض ان میں سے بعض کی طرف
بات کر۔ کہیں گے وہ لوگ جو کمزور خیال کیے جاتے تھے ان
لوگوں سے جنہوں نے حج کیا، اگر نہ ہوتے تم تو البتہ ہم جنتے ایسا دلوں
میں ﴿۱۶﴾ کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے حج کیا ان لوگوں سے جو کمزور خیال کیے
جاتے ہیں، کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت سے بعد اس
کے کہ وہ تمہارے پاس اپنی سعی مکہ تم خود مجرم تھے ﴿۱۷﴾
اور کہیں گے وہ لوگ جو کمزور خیال کیے جاتے ہیں۔ من
لوگوں سے جنہوں نے حج کیا، نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ
رات دن کے فریب میں تم ہی ہمیں گمراہ کرتے تھے جب
کہ تم حکم دیتے تھے ہمیں کہ ہم کفر کریں اللہ کے ساتھ اور
بنائیں ہم اس کے لیے شریک، اور پرشیدہ رکھیں گے۔
ندامت کو جب دیکھیں گے عذاب کو سامنے۔ اور ڈال
دیں گے ہم طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر
اختیار کیا۔ نہیں بلکہ جیسے جائیں گے وہ مگر اس کا جو کچھ وہ
کیا کرتے تھے ﴿۱۸﴾

بطایات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور مشرکین کا رد فرمایا اور توحید کا عقلی
دلیل بیان کیا، پھر رسالت کے تذکرے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت عامہ
کا ذکر کیا کہ ہم نے آپ کو رکھا کہ لئن آسین یعنی تمام نبی نزع انسان کی طرف
رسول بنا کر جوئت نہ آیا ہے اور اس میں رنگ و نسل یا زمان و مکان کی کوئی قید
نہیں، پھر اللہ نے منکرین قیامت کو جواب دیا کہ جس طرح تمہاری انفرادی
زندگی کا ایک دن مقرر ہے، اسی طرح مجموعہ عالم کا بھی ایک دن مقرر ہے۔

قیامت کا وعدہ اُس مقررہ دن پر پورا ہو جائے گا۔ اور اس میں گھڑی بھر کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوگی۔

قرآن پاک
کی حقانیت

اب قرآن پاک کی حقانیت کے ضمن میں قیامت والے دن اس کے منکرین کے دو گروہوں کے درمیان مکالمے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس دنیا میں اس کا انکار کرنے والے آخرت میں کھٹائیں گے اور پھر ایک دوسرے پر الزام دھریں گے ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ کہ ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے اس قرآن پر وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے آئی ہیں۔ مشرکین کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتا تھا۔ اس کی وجہ بھی آگے آرہی ہے کہ اللہ کی کتابوں میں مذکور ہر دو گرام ان لوگوں کے خود ساختہ رسم و رواجی پروگرام سے مطابقت نہیں کھاتا تھا۔ چونکہ وہ اپنی فرسودہ رسوم کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے لہذا وہ آسمانی کتابوں کا سکر سے انکار ہی کر دیتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ کبھی خدائی پروگرام پر شکوک و شبہات کا اظہار کرتے اور کبھی اسے بالکل ناقابل عمل قرار دے دیتے۔ اللہ نے دوسری جگہ قرآن میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو قیامت اور محاسبہ اعمال کا تصور نہیں تھا، اور نہ یہ قرآن اور توحید کا انکار نہ کرتے۔

ظاہر ہے کہ قرآن پاک تو ہر شخص کے عقیدے، عمل اور اخلاق پر پابندیاں عاید کرتا ہے، حلال و حرام کے درمیان امتیاز پیدا کرتا ہے، ظلم و تعدی سے منع کرتا ہے، قومی و ملکی رنج و رنج کی مخالفت کرتا ہے، اس لیے مشرک لوگ نہ تو قرآن کو تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے اور نہ اپنی آزادی کی راہ میں کوئی پابندی قبول کرنا چاہتے تھے، لہذا وہ سکر سے انکار ہی کر دیتے تھے۔

انگریز بھی قرآن پاک کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ یہ قوم جس عیاشی، فحاشی، زنا، لواطت، گندی ذہنیت، گندی فکر اور کفر و شرک میں مبتلا

ہے قرآن اس کی تردید کرتا ہے مگر یہ آواز سن کر لوگ کوئی پابندی قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ یہ قوما پر آزادی چاہتے ہیں۔ لہذا انہوں نے اللہ کی آخری کتاب کے ساتھ انکار کر دیا اور تصیب و خدادیں اس حد تک بڑھ گئے کہ کھڑکھڑا کر کے زمین کے ذریعہ اعظم گھٹائشوں نے پاریسٹ میں کھڑے ہو کر یہ جڑو سرائی کی تھی۔ کہ جب تک قرآن دنیا میں موجود ہے دنیا تمدن نہیں ہو سکتی۔ جو حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے پروگرام پر عمل کے بغیر دنیا میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ مغرب کی نام نہاد ترقی اور ظالمی ہی ایک دمک و حقیقت جمنز کا لگا رہا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ الٰہی کی ذہنی اصلاح ہو سکتی ہے، نہ اطمینان و سکون نصیب ہو سکتا ہے اور نہ آخرت میں فلاح نصیب ہو سکتی ہے۔

قرآن پر مزید پاکیزگی کا قائل ہے۔ اس کے بے مثال پروگرام کے متعلق ہم شہید محمد میں سنتے ہیں إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْمُنْبَغَىٰ (آمل - ۹۰) بے شک اللہ تعالیٰ ہمیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے، قرابت داروں سے حق سبک کی نصیحت کرتا ہے اور فحاشی، مصیبت اور بے عبادت سے منع کرتا ہے۔ قرآن کا یہی پروگرام مسکین کی ساری گندھی امیدوں پر پانی پھیر دیتا ہے، لہذا وہ اسس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

اس کے برخلاف قرآن پاک اپنے پروگرام کی صداقت پر اس قدر یقین ہے کہ اس نے پوری دنیا کو چیلنج کر رکھا ہے إِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ رَبِّيَ فَمَا تَزَالُونَ عَلَيَّ عَبْدًا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ (البقرہ - ۲۳۰) اگر تمہیں اس پروگرام میں کوئی شک و شبہ ہے تو اس سے بہتر پروگرام والی کوئی ایک ہی سورہ بنا کر لے آؤ، پھر پورا نذہ ہو جائے گا، کہ کون سا پروگرام بہتر ہے۔ مگر اس چیلنج کا جواب گذشتہ چودہ صدیوں میں نہیں دیا جاسکا۔ اس سے عیاں ہے کہ پوری دنیا کی مخلوق قرآن سے بہتر پروگرام پیش کرنے سے عاجز ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے آخرت کی ایک کیفیت کو بیان کیا ہے۔ فرمایا آج تو
منکرین توحید، منکرین رسالت، منکرین قرآن اور منکرین معاد دندنا تے پھرتے ہیں اور
تسخیر اڑاتے ہیں مگر قیامت والے دن ان کی حالت قابل دیدہ ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے

اے مخاطب وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اگر آپ دیکھیں جب کہ ظالم لوگ کھڑے کئے جائیں گے اپنے پروردگار کے

سامنے يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلَىٰ بَعْضٍ ۗ الْقَوْلِ ۗ اس وقت ان میں بعض

بات کو دوسروں کی طرف لوٹائیں گے، یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے

اللہ تعالیٰ کے جلال کے سامنے جب اپنے اعمال پر نظر ماریں گے تو سخت مایوسی

ہوگی اور پھر وہ اپنی بد بختی کے لیے ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ پھر

يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا ۗ اِيجِبْ جَلْبِ

کمزور لوگ متکبر اور مغرور لوگوں سے کہیں گے لولا انتم اکما مؤمنین

اگر تم نہ ہوتے تو ہم یقیناً ایماندار ہوتے اور یہ رسوائی نہ اٹھانا پڑتی۔ مطلب یہ کہ

ہم دنیا میں تم سے کمزور تھے، تم ہمارے لیڈر، پیشوا، بل مالک اور جاگیر دار تھے۔ ہم

ہر کام میں تمہارا اتباع کرتے رہے جس کا نتیجہ آج یہ نکلا ہے کہ تم خود بھی جہنم میں جا

رہے ہو اور تمہارے پیچھے پیچھے ہم بھی اسی راستے پر جا رہے ہیں۔ یہ عام محاورہ بھی

ہے النَّاسُ عَلَىٰ دِينٍ ۗ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ النَّاسَ ۗ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ النَّاسَ ۗ

دین پر ہوتے ہیں، انہی کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں تو قیامت والے دن

تابع لوگ متبعین سے کہیں گے کہ ہمارا بیڑا تم نے غرق کر دیا ہے۔

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعُوا ۗ اس کے

جواب میں متکبر لوگ کمزور لوگوں سے کہیں گے اَنْحُنُ صَدَدٌ نَّكِرٌ

عَنِ الْهُدَىٰ ۗ بَعْدَ اِذْ جَاءَكُمْ ۗ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ النَّاسَ ۗ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ النَّاسَ ۗ

تمہیں اس سے روکا تھا۔ مطلب یہ کہ ہم نے تمہیں ہاتھ سے پکڑ کر تو صراطِ مستقیم

سے نہیں روکا تھا بلکہ تم مجرمین بلکہ تم خود ہی مجرم تھے۔ یعنی غلط

راستے کا انتخاب تم نے فرود کیا، اس وقت تمہاری عقل کمان گئی تھی، ایشیائی تھے
 حصین آنکھیں اکاں اور دل عطا کیا تھا۔ سوچنے کی صلاحیت بخشتی تھی، پھر تر
 خواہ غمراہ ہا سسے چکھے کیوں چلے سبے، تمہیں تو ہدایت کا راستہ قبول کرنا چاہیے
 تھا۔ اسکی ہی بات قیامت ملے دن شیطان بھی گے گا۔ لوگ اس کا گریبان
 پکڑیں گے کہ دنیا میں تو نے ہیں بسکا کر گمراہ کیا اور آج ہیں ذلت و رسوائی کا منہ
 دیکھنا پڑا۔ وہ آگے سے جواب دیکھا۔ کہ مجھے تم پر کوئی غلبہ تو حاصل نہیں تھا۔ میں
 نے تمہیں ایک نفل راستے کی دعوت دی تھی تم نے رضا و رغبت قبول کر لیا۔
 اس میں میری کیا تصور ہے؟ فَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَأَكْفُرُوا بِاللَّهِ
 (ابراہیم ۲۱) اب مجھے علامت دکرو وگرنہ تمہیں آپ کو عاصمت کرو۔

تم اپنے نفل کے غمہ زور دار ہو۔ یہی بات مترو میں بھی کہیں گے کہ دنیا میں تم نفل کا
 تھے تم نے خود اپنے سے غلط راستے کا انتخاب کیا۔ اب اس کی سزا چکھو۔

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا كَمُؤْمِنُوا وَاللَّهِ
 اتباع کرنے لگے لوگوں کا جواب در جواب یہ ہو گا بِكُلِّ امْتِلٍ وَالنَّهَارِ
 کہ تم شب در روز اسی دھوکے اور فریب میں گئے تھے کہ لوگوں کو گمراہ کیا چچا
اِذْ تَأْمُرُوْنَ وَمَنْ اَنْتُمْ كُفْرًا بِاللَّهِ جب کہ تم ہیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ
 کے ساتھ کفر کریں۔ تمہی نے ہیں درغلا کر توجیہ کو تسلیم کرنے کی بجائے کفر کرنے
 پر مجبور کیا اور ہم تمہارے جھانے میں آگئے۔ اب تم اپنے آپ کو کیسے بری الذمہ
 قرار دے سکتے ہو؟

عدیث
 کا حال

آج دنیا میں عیسائیت بھی محو و فریب پر ہی چل رہی ہے۔ عیسائیوں نے
 ہر طریقے سے دنیا اسلام کے راستے میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی ہے
 عیسائیت کی پیش قدمی کے لیے نئے نئے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ ان کے مشنری
 ادارے ہی کام کر رہے ہیں۔ کبھی سکول کے نام پر اور کبھی فری ہسپتال کے نام پر
 لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ کبھی ایڈس کے مسلمانوں کے ضمیر کو خریدنے کی کوشش

کی جاتی ہے۔ اس کام کے لیے دنیا بھر میں بڑا روپیہ صرف کر رہے ہیں وہ عیسائیت کو اسلام پر غالب کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا لَنْ تُغْنِي عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ (آل عمران - ۱۱۶) کافروں کے مال ان کے کچھ کام نہ آئے بلکہ اس مال کا وبال انہی پر پڑے گا۔ جب اللہ کی گرفت آئیگی تو لعنت میں مبتلا ہو جائیں گے۔

امیر شکیب ارسلان نے لکھا ہے کہ یورپ کے عیسائیوں اور یہودیوں نے قرآن پاک اور حضور علیہ السلام کی سیرت کے خلاف چھ لاکھ کتابیں اور رسالے شائع کیے ہیں تاکہ لوگ اسلام کی طرف مائل نہ ہوں اور جو ہو چکے ہیں۔ وہ بذنن ہو جائیں مشرقی علوم کے ماہر مغربی دانشور (مستشرقین) ایسا سبق پڑھاتے ہیں اور ایسے طریقے سے گمراہ کرتے ہیں کہ سادہ لوح لوگ ان کے دام میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایوب کے زمانے میں فضل الرحمان نے ایک قبیح شوشہ چھوڑا تھا کہ قرآن سارے کا سارا خدا کا کلام نہیں ہے۔ اس شخص کو حکومت میں بڑا عہدہ ملا ہوا تھا۔ اور بڑے انعام و اکرام ملے تھے۔ مگر اس نے اس قسم کا شوشہ چھوڑا، تو ملک بھر میں احتجاج ہوا۔ جس کی بنا پر اسے حکومت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ یہ شخص مولانا شہاب الدین کا فرزند تھا جو کہ خود بڑے صالح اور نیک آدمی تھے، حضرت مولانا شیخ الہند کے شاگرد تھے مگر مغرب والوں نے ایسا چکمہ دیا کہ الٹی سیدھی باتیں کرنے لگا۔

ابھی سچے عرصہ پہلے بہاولپور کا ایک پروفیسر مغربی تعلیم حاصل کر کے آیا تو اس نے ایک مقالہ لکھا تھا جس میں حضور علیہ السلام کی حیات طیبہ پر بڑے غلط قسم کے اعتراضات کیے تھے، اس سے حضور علیہ السلام کی زندگی کو عام سیاستدانوں جیسی زندگی ثابت کرنا مقصود تھا۔ یہ اور اس قسم کے لوگ عیسائی اور یہودی لابیوں سے متاثر ہو کر اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ ان کے پاس کثیر فنڈ ہوتے ہیں جنہیں خرچ کر کے وہ اپنے قبیح مقصد میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہی ان کا شب و روز کافرِ بے، وہ حدیث کی تحقیق کے نام پر گمراہ کن کتابیں شائع

کس کے دنیا بھر میں پھیلے تھے ہیں اور گزراؤں پر اپنی گناہوں کے ذریعے اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عیسائی، ہوں یا یہودی یا اشراک الیٰ اسلام دشمنی میں سب یکساں بیکر ایک دوسرے کے مدد و معاون ہیں۔ ابھی قریب زمانے میں ایک بڑے آدمی نے یہ بیان دیا تھا کہ حکومتوں کو یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ جب یہ وہ میں اسلام ایک خطرناک طاقت ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر میں میاں بھی کرنی مسلمان حکومت اُبھرتی ہے اور اپنے پاؤں پر گھڑا ہونے کی کوشش کرتی ہے اسے یا تو لایق بننے کو روکا جا رہا ہے۔ یا طاقت استعمال کر کے اسے کمزور کر دیا جاتا ہے۔

بہر حال تابع لوگ اپنے متبرہین سے کہیں گے کہ تم ہمیں اللہ کے ساتھ شریک بنا کر کفر کرنے کا حکم دیتے تھے ان یہ بھی فرمیں کہ لَعْنَةُ اللَّهِ كَذَّابًا کہ ہم اس کے ساتھ شریک بنائیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے اس کے ساتھ شریک بنائیں، ان کی تعظیم کریں، ان کی نذر دنیا زدوں اور ان کے سلسلے سے کریں۔ فرمایا اس وقت ان کی یہ حالت ہوگی فَأَسْرَوْا لِنَدَامَةٍ كَثِيرًا وَأَلَّا الْعَذَابَ كَذَّابًا کہ اپنے سلسلے دیکھ کر اپنی خاموشی کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ بِحُرِّ وَجْهِنَا الْأَضْغَلِ فِي أَعْيُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا ہم کفر کرنے والوں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے۔ مہجروں کے ہاتھوں میں پتھر گڑھیاں اور پاؤں میں بیڑیاں بھی ہوں گی، طوق چڑھا سب سے زیادہ ذلت ناک چیز ہے، اس لیے میاں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں آئے ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنی گردن میں طوق پڑا ہوا دیکھے، تو یہ اچھا خواب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ذلت کی علامت ہے اس وقت دنیا میں جتنے بھی مشرک اور بدعتی لوگ ہیں ان کی گردنوں میں رسالت

باطلہ کے طوق پڑے ہوئے ہیں مگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ہماری گمراہی کوئی
 ہو رہی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ چیزیں قیامت والے دن ان کے لیے ذلت کا سبب
 بن جائیں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص خراب میں اپنے آپ
 کو ہتھ کڑھی یا بیڑی پہنے ہوئے پائے تو یہ اس کے لیے اچھی علامت ہے۔
 اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دین میں پختہ ہے۔

اب دیکھ لیں کس کس قسم کی بدعات کا طوق لگے میں ڈال رکھا ہے۔
 قبروں کو پختہ بنایا جا رہا ہے۔ ان پر گنبد تعمیر ہوتے ہیں، سنگ مرمر لگتا ہے، پھر
 انہیں عرق گلاب سے دھویا جاتا ہے اور اوپر چادریں چڑھائی جاتی ہیں، آخر
 یہ کہاں کی نیچی ہے اور صاحبِ قبر کو اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ خانہ کعبہ
 کو غسل دینا اور اس پر غلاف چڑھانا تو بجا طور پر جائز ہے مگر قبروں کے ساتھ یہ
 سلوک کیوں کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ چادریں مکین کی تن پوشی کے لیے استعمال نہیں
 ہو سکتیں؟ فرمایا: هَلْ مَجَزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ان کو ان
 کے خود کردہ اعمال ہی کا بدلہ ملے گا، اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ کفر کے
 راستے پر چلنے والوں کا انجام بھی اللہ نے بیان فرمادیا۔

قبر پستی

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرِيْبَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا
 إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ
 أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا ۗ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ إِنْ
 رَبِّيْ يَبْسُطِ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنْ
 أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا
 أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا ۖ ذُلْفَى الْأَمْنِ
 أَمِنٌ وَعَمِلَ صَالِحًا ۖ فَاُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الصَّعِيْبِ
 بِمَا عَمِلُوا ۖ وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ أَمْنُونَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ
 يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِبِيْنَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ
 مُخْضَرُونَ ﴿۳۷﴾ قُلْ إِنْ رَبِّيْ يَبْسُطِ الرِّزْقَ لِمَنْ
 يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۖ وَمَا أَنْفَقْتُمْ
 مِنْ شَيْءٍ فَهُمْ بِمُخْلَفَةٍ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِيْنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ :- اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بتی میں کوئی ڈر نہیے
 والا ننگہ کہا وہاں کے آسورہ حال لوگوں نے کہ بیشک
 ہم اس چیز کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں جو تمہارے
 ساتھ بھیجی گئی ہے ﴿۳۳﴾ اور کہا انہوں نے کہ ہم زیادہ

ہیں مال اور اولاد میں اور نہیں ہم سزا دیے جانے والے (۳۵) آپ کہہ دیجئے بے شک میرا پروردگار کشادہ کرتا ہے۔ روزی جس کے لیے چاہے، اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہے) لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے (۳۶) اور نہیں ہیں تمہارے مال اور نہ تمہاری اولادیں کہ تم کو قرب دلائیں ہمارا، مگر وہ شخص کہ جو ایمان لایا اور جس نے اچھا عمل کیا، پس یہی لوگ ہیں جن کے لیے مگنا اجر ہوگا اس وجہ سے جو انہوں نے کیا۔ اور وہ بلاخانوں میں امن سے بہنے والے ہوں گے (۳۷) اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں میں ان کو کمزور کرنے کے لیے یہ لوگ حذاب میں پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے (۳۸) آپ کہہ دیجئے، بیشک میرا پروردگار کشادہ کرتا ہے روزی جس کے لیے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہے، اور جو تم خرچ کرتے ہو پس وہ اس کا بدلہ دیتا ہے، اور وہ بہتر روزی دینے والا ہے (۳۹)

رابطہ بابت

پہلے توحید اور اس کے دلائل بیان ہوئے۔ پھر اللہ نے قرآن کی تھانیت و صداقت کو واضح کیا اور منکرین کا رد فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے رسالت کا ذکر بھی کیا۔ اور پھر مہربان کا حال بیان کیا اور حشر میں پیش آنے والے بعض حالات سے آگاہ کیا۔ اب آج کے درس میں اللہ نے نبوت و رسالت کے ضمن میں فرمایا کہ جب بھی کوئی نبی یا رسول کسی بستی شہر یا علاقے میں مبعوث ہوا۔ اور اس نے لوگوں کو کتاب، شریعت، ایمان اور توحید کی دعوت دی تو سب سے پہلے اُس بستی کے آسودہ حال لوگوں نے ہی مخالفت کی۔

مشترک
اور بہت

رِشَاءٌ رِيسَاءٌ وَمَا ارْتَسَلْنَا فِي قَوْلِهِ حَتَّىٰ نَدْبُرَ اِدْرِهِمْ نَبْرًا
 کسی بستی کوئی ڈرسنانے والا یعنی نبی اور رسول اِلَّا قَالَ مَسْتَهْوٰكًا
 منگھیر کر اس بستی کے آسودہ مال لوگوں نے کہا اِنَّا اِسْعَا اِسْعَا
 یہ کھینچو اور تمھارے ساتھ جو کچھ ہمیں لیا ہے جو اس کا انکار کرتے
 ہیں اللہ کے سارے نبی ایشیا اور اندیز ہوتے ہیں۔ وہ نیک اعمال اور عقیقہ
 پر خوشخبری جیتے ہیں اور بُرے اعمال، دھنڈے سے ڈرتے ہیں۔ خاص طور
 انذار کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ پہلے لوگ بُرائی سے باز آئیں گے
 تو نبی کی طرف راقب ہوں گے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کو نبی اللہ
 نے ابتداء نبوت میں یہی تمہارا کَلِمَةٌ قَدْ اَنْذَرُ (المائدہ - ۴) آپ
 کھڑے ہو جائیں اور لوگوں کو اُن کے بُرے انجام سے ڈلائیں۔

اس آیت کریمہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعین کیا حضور
 بھی ہے کہ اگر آپ کی قوم کے دشمن اِدْرِہِمُ اور رسول لوگ آپ کی مخالفت کھینچتے
 ہیں تو یہ کوئی بات نہیں ہے، برائی کے ساتھ ترس میں نے ایسا ہی لو کہ
 کیا۔ آپ گھبرائیں نہیں اور اپنا کام بھاری رکھیں۔ نبیوں کا مقابہ کر کے
 ملنے بہ بخت اکثر صاحب شہرت نہ لوگ۔ ہی بڑا کرتے ہیں انہیں اپنی
 دولت پر ناز ہوتا ہے اس لیے وہ کسی غریب اور نادار کو اپنے پاس
 بٹھا نامی سہنے نہیں کرتے۔

مال و اولاد
پر محبت

اِنَّ كَيْدَ النَّاسِ لَشَدِيدٌ
 اِن کے خیر و خیر کا یہ حال ہوا ہے کہ وہ صاف کہتے ہیں۔
 وَقَالُوا حَسْبُنَا اَمْوَالُنَا وَاَوْلَادُنَا
 کی ذرا ذرا ہے۔ ہمارا مال اور اولاد ہے۔ اللہ نے ہمیں ہر چیز دی ہے۔
 وَمَا كُنَّا بِمُعَذِّبِيْنَ مَبْلُغِيْنَ كُنْزِنَا سَعَةً اِنَّ
 ہم سے لاشی ہے جس نے مال و اولاد سے نواز ہے۔ اگر وہ ہمارے
 اعمال سے نالارض ہوا تو ہمیں خوشحال کیوں بنایا۔ ہم ہیں توہ مخزوم ڈرا ہے

ہو، ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ مالدار لوگوں کا ہمیشہ سے یہ دظیرہ رہا ہے انہیں مال و اقدار پر فخر ہوتا ہے۔ اللہ نے اس چیز کو گمراہی کے اسباب میں بیان کیا ہے۔

قرآن پاک میں جن انبیاء کا حال بیان کیا گیا ہے ان میں سے کوئی خال ہی ہوگا جس کی مخالفت نہ کی گئی ہو۔ ابتدائی دور میں نبیوں پر ایمان لانے والے عام طور پر غرباد اور مساکین ہی ہوتے رہے ہیں۔ صاحب حیثیت لوگ ابتدا میں اکثر مخالفت کرتے رہے اور پھر حیب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ تو آخر میں چل کر ایمان لائے ہر قیل کے واقعہ میں موجود ہے کہ اُس نے ہجرت کر کے آئوے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور ان کی دعوت کے متعلق سوال جواب کیے۔ پھر مکے کے رہنے والے کسی درویش آدمی کو طلب کیا تو ابوسفیان کو پیش کیا گیا جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے۔ ہر قیل والی رومانے دیگر سوالات کئے علاوہ ابوسفیان سے یہ بھی پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار کیسے لوگ ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ کمزور اور غریب لوگ ہیں جب کہ بڑے بڑے رؤسا مخالفت ہیں۔ ہر قیل پہلی کتابوں کا علم رکھتا تھا، کتنے لگا کہ ہرنبی کے اولین متبعین کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔

شانِ نزول

اس آیت کی شانِ نزول میں امام ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ بعثت میں دو تاجر آپس میں شراکت دار تھے، ان میں ایک درویش کساحلی علاقے میں تجارت کے سفر پر تھا جب کہ دوسرا اپنے گھرمیں تھا۔ مسافر تاجر نے وہیں یہ خبر سنی کہ مکے کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو اس نے اپنے شراکت دار کو لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مکے میں کوئی مدعی نبوت پیدا ہوا ہے، اگر ہے تو مجھے

اُس کے متعلق حالات سے باخبر کریں، تقسیم تاجرنے جواب دیا کہ ہاں واقعی مکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے مگر اُس کے پیروکار مغربِ غرباء ہی ہیں، کسی بڑے آدمی نے ایمان قبول نہیں کیا، یہ خط پاکر مسافر تاجر اپنا کاروبار چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ براہ راست حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں، مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے، میں توحید اور ایمان کی دعوت دیتا ہوں، براہوں سے غیر روکر آہوں، تو وہ شخص اُمّی مجلس میں مشرف باسلام ہو گیا کئے نکلے آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں، حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے مجھے کس طرح پہچانا، کئے دیکھا کہ اس علامت سے کہ آپ کو ماننے والے مغرب لوگ ہیں، دولت مند اعراض کر رہے ہیں، امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ ایسی موقع پر نازل ہوئی

آسودہ حال لوگوں کا حال اللہ نے بعض دوسکڑھا پھر یہی بیان فرمایا ہے

پسے سورۃ الواقعہ میں جہاں اللہ نے مجرمین کا حال بیان کیا ہے۔ وہاں فرمایا ہے

وَاللَّهُمَّ صَلِّ عَلٰى سُلَيْمَانَ وَصَلِّ عَلٰى اٰلِ سُلَيْمَانَ (۵۶) وَصَلِّ عَلٰى اٰلِ عِيسَىٰ وَصَلِّ عَلٰى اٰلِ مَرْيَمَ

عَلَى الْجَنَّةِ الْعَظِيمَةِ (۵۷) یہ لوگ پہلے بھی آسودہ حال تھے اور پتے گن ہوں پراصلدار کرتے تھے، یہ لوگ کفر و شرک میں مبتلا تھے اور مال و دولت کے نشے میں کسی دوسکڑ کر بات سننے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے، یہی لوگ اصلاح کے راستے میں رکاوٹ بنتے رہے ہیں، تاکہ ان کا استعمال دھندلے پھلتا ہے اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔

اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ ان پر راضی ہے جو اس قدر مال و دولت مجھے رکھے ہے مگر یہ چیزیں رضا الہی کی علامت نہیں ہیں۔ رزق کی کٹ رگی یا تنگی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت پر مبنی ہوتی ہے۔ فسربا

قُلْ لِيُغْفِرَ لِيْ اِنْ كَرِهَتْ اَنْ يُّغْفِرَ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَيَسْطُرْ لِيْ الرِّزْقَ يَلْمَنَ يَسْأُوْا وَيَعْتَدُوْنَ بِيْ نَسْكَ اِيْلًا يَّرُوْهُ اِنْ كَرِهَتْ اَنْ يُّغْفِرَ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَيَسْطُرْ لِيْ الرِّزْقَ يَلْمَنَ

رزق کی
کٹ رگی
اور تنگی

کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ رزق کی
 کی فراوانی اچھائی کی علامت نہیں ہے، بہت سے شریر، نافرمان، ملحد اور
 دہریے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں جب کہ بعض اہل ایمان اور خدا پرست
 لوگ تنگی کی حالت میں ہوتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول بندے
 ہوتے ہیں۔ لہذا آسودہ حالی کوئی پسندیدگی کی علامت نہیں ہے وَاللَّيْكُنْ
 أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے
 اور وہ ظاہری خوشحالی کو ہی اپنی مقبولیت کی نشانی سمجھتے ہیں، یہ تنگی اور فراخی تو
 اللہ کی حکمت پر مبنی ہوتی ہے، کبھی وہ کسی کو مال و دولت سے محروم کر دیتا ہے
 اور کبھی ان چیزوں سے محروم کر کے امتحان لیتا ہے، پھر جو بندے اُس کے
 امتحان میں پورے ہوتے ہیں وہی مقبول بارگاہ ہوتے ہیں۔
 امام شافعی کا قول ہے۔

وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَى الْقَضَاءِ وَحُكْمِهِ
 بُوْسُ اللَّيْبِ وَطَيْبُ عَيْشِ الْأَحْمَقِ

اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر یہ دلیل ہے کہ بے اوقات مہلند اور دانا لوگ نہایت تنگ رہتی
 ہیں وقت گزارتے ہیں جب کہ بوقوف، لوگ عیش و راحت میں ہوتے ہیں، سعدیؒ
 کا قول بھی ہے۔

اگر روزی بلائش بر فرودے
 ز ناواں تنگ تر روزی نہ بودے

اگر رزق کی وسعت محض عقل و دانش کی بنیاد پر ہوتی تو بوقوف بیچارے بھوکوں
 مر جاتے۔ بہر حال تنگی و فراخی اللہ کی حکمت اور منتاز کے مطابق ہوتی ہے۔ مگر اکثر
 لوگ اس کی حقیقت کو نہیں پاتے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا ہے وَلَا تَجْعَلْ أَمْوَالَهُمْ
 قَادِرَاتٍ زُكُورًا ۝۸۵ اے پیغمبر! ان کے مال اور اولاد پر آپ
 تعجب نہ کریں۔ یہ قرآنہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے، اس آزمائش

میں ناکامی پر ہی اللہ تعالیٰ ان کو سخت سزا دے گا۔ اس مقام پر بھی منسرد یا
 وَقَدْ أَمْوَأَلَكُمْ ذِكْرًا أُولَٰئِكَ كَفَرُوا لِمَآ آتَىٰهِمْ بَيِّنَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ
 فَصَارُوا كَافِرِينَ ۝۸۶ اے پیغمبر! ان کے مال اور اولاد پر آپ

تصا کے مال اور اولاد کو تمہیں ہمارے قریب نہیں دلا سکتے إِلَّا مَنَ الْأَمْوَالُ
 وَتَحْمِيلُ صَالِحَاتٍ قَرِيبَ الْبَنِي تَوَاسٍ تَشْفَعُ كَرَمًا مِّنْكُمْ جَوَامِيقًا بَرَاءًا
 سنے نیک اعمال انجام دے۔ ہاں اگر مالداروں میں بھی کوئی ایمان لانے
 کے بعد اچھے کام کرتا ہے تو وہ بھی قریب الہی کا حقدار ہے ایسے شخص
 کے حق میں اس کا مال منور و عید ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے
 نِعْمَ صَاحِبِ الْمُسْلِمِ لِمَنْ آذَىٰ أَيْبَ سَلْمَانَ كَيْ يَبِيَّ اس
 کا مال ایک اچھا ساتھی ہے بشرطیکہ اُس نے مال کا حق ادا کیا ہو۔

غزباد اور مساکین کا خیال رکھنا ہو، قربت داروں کا حق ادا کیا ہو، اور
 زکوٰۃ و صدقات دینا ہو، جو لوگ مال کا حق ادا نہیں کرتے ان کے لیے
 یہ وبال جان بن جاتا ہے، جب کوئی شخص کسب میں حلال و حرام کی تمیز
 نہیں کر سکتا، زعفرانی میں جائز اور ناجائز جگہ میں امتیاز کر سکتا، تو اس کا مال
 اُسے ہرگز فائدہ نہیں دے گا۔

فرمایا جو کوئی ایمان لانے کا اور نیک عمل کرے گا حَقًّا وَلِئَلَّا
 كَيْفَ حَسْبُكَ الصَّعْفُ يَتَأَمَّلُ كَوَالِيهِ لَوِغَرُوكَ كَيْ يَبِيَّ
 ان کے اعمال کا وزن بدل ہوگا، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے مَنْ جَاءَهُ
 بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَهْتٍ (الانعام - ۱۶۱) جو کوئی
 نیک عمل کرے گھلے دس گنا بدلے گا۔ ہر نیک عمل کا بدلہ سات سو گنا
 نیک ہے، جس قدر چاہے عطا کرے۔ تاہم ہر نیک عمل کی جزا ڈبل تر

لازم ہے وَهُمْ فِي الْعَذَابِ أُمَّتُونَ اور ایسے نیکو کار لوگ جنت کے بالا خانوں میں نہایت امن و سکون کے ساتھ گزراوقات کریں گے، ان کے عالیشان مکان ہوں گے جن کی دیواریں اتنی شفاف ہوں گی کہ باہر کا نظارہ اندر بیٹھے ہو سکے گا، وہاں انہیں کوئی غم اور پریشانی نہیں ہوگی، کسی محنت و مشقت کی ضرورت نہ ہوگی، اور نہ کسی نعمت کے چھین جانے کا خطرہ ہوگا۔

فرمایا وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ جو لوگ ہماری آیتوں

میں کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں ہرا دیں، کمزور کر دیں أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُخَضَّرُونَ وہ عذاب میں پھڑک کر حاضر کیے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ آیات الہی کا تمسخر اڑاتے ہیں اور اس کے پروگرام کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بالآخر عذاب میں پھڑے جائیں گے اور ان کی رہائی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

آگے فرمایا قُلْ لِي سَعِيرٌ آپ کہہ دیجئے إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ

لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَكَ ذِكْرًا بیشک میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشا دہ کر دیتا ہے۔ اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ یہ اُس کی حکمت ہے جسے کوئی نہیں جان سکتا۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق روزی تقسیم کرتا ہے۔ پھر جس کو زیادہ دیتا ہے۔ اُس کو بھی امتحان میں ڈالتا ہے کہ وہ میرے احکام کی کس حد تک پاسداری کرتا ہے۔ اور جس کو کم دیتا ہے۔ اس کے صبر و شکر کا بھی امتحان لیتا ہے اور پھر ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ کرتا ہے۔

چونکہ اکثر مالدار لوگ کنجوس واقع ہوئے ہیں لہذا آگے اللہ نے الْفَاقِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

کا قانون بھی بتا دیا۔ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ تم جو چیز بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا ضرور بدلہ دیتا ہے لہذا مال کہ ہمیشہ صبح جگہ میں خرچ کرنا چاہیئے۔ اپنی جائز ضروریات بھی پوری کرو مگر حقداروں کے حقوق بھی ادا کرو۔ جس نے مال کا حق ادا نہیں کیا۔ اُس کے لیے

مجرمین کے لیے سزا

الفاق فی سبیل اللہ

یسی مال مصیبت بن جائے گا۔ مال کے بدلے کی کوئی صورتیں ہیں، بعض اوقات
دنیا میں اللہ تعالیٰ اس مال میں فیروز برکت ڈال دیتا ہے اور مال میں زیادتی ہوجاتی
ہے، اگر دباؤ میں نفع حاصل ہوگئے یا نفع ہی ہوجاتی ہے، کسی تاول، بیماری یا
مقدمہ وغیرہ سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ الطہان اور سخن حاصل ہوتا ہے۔ اور
اللہ کی مخلوق بھی مستفیض ہوتی ہے۔

صورت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ ہر صبح اللہ تعالیٰ کی طرف
سے دو فرشتے زمین پر اترتے ہیں! ایک دعا کرتا ہے اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ
مُنِيْعًا لِّمَآءِصْرِيْ صَبْحًا مَجْرِبًا مَجْرِبًا مَجْرِبًا اور دوسرا فرشتہ کہتا
ہے کہ لے اللہ! کجیوں آدمی کو تباہ مبراہ دکر۔ بہر حال فرما کر تم جو بھی صبح کہتے
ہو اللہ تعالیٰ اس کا عزم دیتا ہے وَهُوَ خَيْرُ الرَّزِقَاتِ اور اللہ تعالیٰ
بستر رزقی رساں ہے۔ روزی کا فیصلہ وہی کرتا ہے۔ دنیا میں تو اللہ کی خشاہ
کے مطابق رزق ختم ہے اور آخرت میں وہ ایمان اور نیک کی بنیاد پر افضل رزق
عطا کرے گا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ
 أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ
 أَنْتَ وَلِيِّنَا مَنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ
 الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿٣١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ
 بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ لِلَّذِينَ
 ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا
 تُكَذِّبُونَ ﴿٣٢﴾ وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بِآيَاتٍ
 قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَمَّا
 كَانَ يَعْبُدُ آبَاءَكُمْ وَقَالُوا مَا هَذَا إِلَّا أِفْكٌ
 مُفْتَرٍ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا
 جَاءَهُمْ إِنَّ هَذَا إِلَّا أَسْحَرٌ مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾ وَمَا
 آتَيْنَاهُمْ مِنْ كِتَابٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا
 إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذِيرٍ ﴿٣٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِينَ
 مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَّغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ
 فَكَذَّبُوا رُسُلِي تَفَكَّرْ فَيَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٣٥﴾

توجہ دلا۔ اور جس دن وہ دائرہ نقالی اکٹھا کئے گا ان سب کو پھر فرمائے گا، فرشتوں سے کیا یہ لوگ ہماری عبادت کرتے تھے؟ (۲۱) وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات، تو ہی ہمارا کارساز ہے ان کے سوا۔ بلکہ یہ لوگ جنہوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر ان پر اعتقاد رکھتے تھے (۲۲) پس آج کے دن نہیں، بلکہ ہر گھنٹہ تم میں سے بعض بعض کیلئے کسی نفع اور نقصان کا۔ اور ہم کہیں گے ان لوگوں سے جنہوں نے غلط کیا، پھر آگ کا عذاب جس کو تم جھٹلاتے تھے (۲۳) اور جب ان پر پڑھی جاتی ہیں ہماری واضح آیتیں تو کہتے ہیں، نہیں ہے یہ سگر ایک شخص جو ارادہ کرتا ہے کہ روک لے تم کو ان چیزوں سے جن کی تمہارے آباء و اجداد عبادت کرتے تھے۔ اور کہا انہوں نے کہ نہیں ہے یہ سگر جبرٹ افزا کیا ہوا۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا حق کے ساتھ جب کہ وہ ان کے پاس آیا نہیں ہے یہ سگر کھلا جاو (۲۴) اور نہیں دیں ہم نے ان کو کوئی کتابیں جن کو - رٹھتے ہوں اور نہیں سمجھا ہم نے ان کی طرف تہجد سے پہلے کوئی ڈرنا نہ والا (۲۵) اور جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزے ہیں، اور نہیں پہلے یہ لوگ اُس کے عطر عطر کو مٹی جو ہم نے اُن کو دیا۔ پس جھٹلایا انہوں نے میرے برادر کو پس کس طرف ہوئی میری گرفت (۲۶)

پر آسودہ حال لوگ ہی کرتے تھے کیونکہ نبی کی پیامت کو تسلیم کرنے سے ان کی اپنی سرداری اور چودھراہٹ متاثر ہوتی تھی۔ اللہ نے خوشحالی کو اسبابِ گمراہی میں شمار کیا ہے، اللہ کے ہاں مقبولیت کا تعلق مال و دولت یا جاہ و حشمت سے نہیں بلکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ سے ہے۔ اللہ نے رزق کا قانون بھی بیان فرمایا کہ یہ تقسیم اُس کے اپنے قبضہ قدرت میں ہے، جس کا چاہے رزق وسیع کر دے اور جس کا چاہے تنگ کر دے۔ یہ تقسیم اُس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوتی ہے جسے مخلوق نہیں جان سکتی۔ مخلوق کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو زندگی کا لائحہ عمل بنا لے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت والے دن مشرکین کی کیفیت بیان کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا، ان سے ان کی بعقیدگی اور بد اعمالی کے متعلق باز پرس ہو گی وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اس وقت انسان، جن، عابد اور عبود سب جمع ہوں گے ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمایا گا۔ أَهْلُوا لَكُمْ أَيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ کیا یہ لوگ دنیا کی زندگی میں تمہاری عبادت کیا کرتے تھے اس وقت دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ بعض لوگ فرشتوں کے نام پر سیکل بناتے ہیں۔ بعض ان کو مشکلات میں پکارتے ہیں اور بعض یا جبرائیل یا میکائیل والے تعویذ لکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ فرشتوں کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ تو جب مشرک لوگ اپنے شرک کی کوئی توجیہ پیش نہیں کر سکیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ دنیا میں تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مقرب مخلوق ہیں، وہ جہانیت اور بہیمیت سے پاک ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور اس کے حکم کی تعمیل کرنے والے ہیں، ان کی توجیہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رہتی ہے، وہ جواب دیں گے

فرشتوں کی
عبادت

قَالَ كَلِمَاتٌ جُنْدًا مَوْلَا كَرِيمٍ تیری ذات ہر قسم کی آلودگی اور نقص و عیب سے پاک ہے
أَنْتَ وَوَلَدَاتُكَ مِنْ دُونِ فَحْشِ الْوَالِدِ کے سوا تو ہی ہمارا مناسب ہے۔
 جب ہم خود تیرے محتاج ہیں تو ہم ان کو کیسے کہہ سکتے تھے کہ ہماری عبادت
 کیا کرو۔ **فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ** (الاعراف - ۱۹۰) تیری ذات
 بلند و برتر ہے۔ ان تمام چیزوں سے جن کو تیری طرف منسوب کرتے ہیں۔
 ہم نے تو ان کو کبھی نہیں کہا کہ ہمیں اپنا کارساز سمجھو، ہم تمہاری مشکلات حل کر
 دیا کریں گے، لہذا بوقت ضرورت ہمیں بھلا کر دو۔ فرشتے صاف کہہ دیں گے
 کہ مولا کریم! یہ لوگ ہمیں تمہارا شریک بنا رہے ہیں، ہم نے کبھی ان کو
 اپنی عبادت کی دعوت نہیں دی تھی۔ دوسری جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے
 مقررین سے پوچھے گا۔ **عَآءَ أَنْشُرُوا ضَلَّاتُكُمْ عِبَادِي هَلْؤُا كُؤِرُوا لِقَوْلِي**
 کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا، کیا تم نے ان کو کہا تھا کہ تمہاری یا مخلوق
 میں سے کسی دوسرے کی عبادت کریں، مگر سب انکار کریں گے۔ **بِقَوْلِ الْمَلٰٓئِكَةِ**
 میں موجود ہے کہ قیامت ملے دن اللہ تعالیٰ **سُبْحٰنَ عَلِيہِ السَّلَامِ** سے بھی یہی سوال
 کریں گے **عَآءَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوا مِنِّي وَآلِيٍّ الْهَيْبَتِينَ مِنْ**
دُونِ اللّٰهِ (آیت - ۱۱۶) کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ
 کے سوا سجدہ بنا لو، ان کو عبادت دے اور عقل کن سمجھا دو ان کی نذر و نیاز دو، تو
 جیلی علیہ السلام بھی ایسا ہی جواب دیں **سُبْحٰنَكَ مَا يَسْخُوْنَ بِرَبِّ**
اَدَا اَقْدَمَ مَا لَيْسَ لِيْ بِخَيِّرٍ (آیت - ۱۱۶) مولا کریم تیری ذات پاک سے
 میرے لائق ہرگز نہیں تھا کہ میں ایسی بات کر آجین کا مجھے حق نہیں پہنچا۔ انہیں
 نے ایسی کوئی بات کی ہے تو تو اس کو جانا ہے مطلب یہ ہے کہ میں نے ہرگز
 ایسی دعوت نہیں دی کہ میری پوجا کیا کرو۔ تو یہاں یہ فرشتوں کا ذکر ہے
 کہ ان سے پوچھا جائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے وہ جواب
 دیں گے، مولا کریم! تیری ذات پر عیب و نقص اور شرک سے منز و ستہ

ہم نے ان کو ہرگز نہیں کہا تھا کہ ہماری عبادت کریں۔

جنت کی
پرستش

فرشتے مزید عرض کریں گے بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ بلکہ یہ لوگ تو جنت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اگرتھم بہم مؤمنون اور ان میں سے اکثر انہیں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کام آسکتے ہیں۔ جنت کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین لوگوں کے دلوں میں دوسرے ڈالتے ہیں اور پھر اللہ کے سوا دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کن سمجھنے لگتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سارے بندے نبی، ولی ہی کہتے آئے ہیں کہ عبادت صرف اللہ کی کرو۔ إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ (المائدہ - ۱۱) جو تمھارا بھی رب ہے اور ہمارا بھی رب ہے۔ وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام - ۱۰) اور وہی ہر چیز کا پروردگار ہے اور ہم بھی اسی کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں

اللہ نے فرمایا فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا آج کے دن تم ایک دوسرے کے نفع نقصان کے مالک نہیں ہو گے۔ اُس دن عابد اور معبود، تابع اور متبوع کا بجز بالکل نمایاں ہوگا اور کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکے گا۔ درحقیقت نفع نقصان کا مالک اللہ ہی ہے، مگر دنیا میں اکثر لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر انحصار کرنے لگتے ہیں، مگر آخرت میں تو وہ دبیسے کی بے بسی ہوگی اور کوئی بھی کسی کے کام نہیں آسکے گا۔ تمام خود ساختہ معبود حتیٰ کہ شیطان بھی بیزاری کا اظہار کرنے لگے گا، اور کہے گا۔ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ (ابراہیم - ۲۲) دنیا میں تم مجھے شریک بناتے تھے، میں بیزاری کا اعلان کرتا ہوں، میں نے تمھیں گمراہی کی دعوت دی تھی، شرک کرنے والے تو تم خود ہو۔ اللہ نے تمھیں عقل و شعور عطا فرمایا تھا۔ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ - ۲۵۶) ہدایت اور گمراہی کا راستہ بھی واضح ہو چکا تھا۔ اس کے بعد تم نے خود گمراہی کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کفر اور شرک کیا، اب

اپنی برائی کا خرید ہی جگتان کرو۔

ظالموں کے
یہی نہ

فرمایا قیامت کے دن کوئی بھی ایک دوسرے کے لیے نفع نقصان کا
مالک نہیں ہوگا۔ وَلَنُحْصِيَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ اور ہم نفع کرنے والوں کے کیں
گے۔ ظاہر ہے کہ سب سے بڑا ظلم تو کفر اور شرک ہی ہے۔ جیسے فرمایا۔
وَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ الظَّالِمُونَ زالبقرہ ۱۲۵ اور کافر ہی ظالم ہیں۔
إِنَّ الشِّرْكََ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ راتمان ۱۳۰۔ بیشک شرک بدست برا عمل ہے
تو اللہ تعالیٰ ظالموں سے فرسے گا وَقَدْ عَلِمْتُمُ أَنَّ الشِّرْكََ كِبْرٌ كَبِيرٌ
بِهِمَا تَسْتَكْبِرُونَ اب اس دوزخ کا عذاب چکھو جس کا تم انکار کیا کرتے
تھے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ شرک لوگ جس طرح توبہ و رسالت کا انکار کرتے
تھے۔ اسی طرح قیامت کے بھی منکر تھے اور کہتے تھے کہ جنت دوزخ کچھ بھی
نہیں، بعض کولوں کی بنائی ہوئی گائیاں ہیں، بیشطان نے ایسی بڑی پر اعلیٰ مٹی،
لَا جِنَّةَ وَلَا نَارَ وَلَا حِسَابَ ویکتاب کہتے تھے کہ کوئی جنت ہے نہ
دوزخ، اور نہ کوئی حساب اور نہ کتاب۔ اللہ فرمائے گا اس انکار کا سزا وہ
چکھو۔ سورة الطور میں اس طرح فرمایا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ
أُولَٰئِكَ فِي سَعِيرٍ اور سوا لَا تَحْسَبُوهُمْ كَمَا تَحْسَبُوهُمْ آیت ۱۶۰ اس جہنم میں داخل ہو جاؤ،
اب سب کو رو یا بے صبری تمہارے لیے برابر ہے، اب یہ سزا انہیں برداشت
کرنی پڑے گی۔

فرمایا، إِنَّ كَذِبًا مِّن مَّا مَلَآ سِدْرًا لِّقَوْمٍ إِتَابَتِمْ
قِيَامَتِمْ کہ جب ان پر ہماری واضح واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں، یعنی ان کے
سامنے دلائل، احکام یا سعادت پریش کیے جاتے ہیں فَالْقَوْمَ هَذَٰلِكَ
الَّذِينَ جَاءُوا بِبُرْهَانٍ كَذِبٍ انہیں کھڑے آیتیں آتی ہیں، یعنی ان کے
تو کہتے ہیں کہ یہ شخص تمہیں ایسے آباؤ اجداد کے مجبوروں سے روکا جا رہا ہے۔ یہ
بھی یا رسول نہیں ہے بلکہ تمہارے آباؤ اجداد کے طریقے سے بنا جا رہا ہے۔

یہاں کا
انکار

وَقَالُوا مَا هَذَا إِلَّا آفَافٌ مَّفْرُوءَةٌ ادر ساتھ یہ بھی کہتے کہ جس چیز کو یہ خدا کا کلام قرآن کہتے ہیں وہ تو محض افساد کیا ہوا جھوٹ ہے (نعوذ باللہ) گویا قرآن پاک کا بھی انکار کر دیتے۔ اکثر مشرکین یہی کہتے تھے کہ یہ شخص تمہیں ڈرا دھمکا کر اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اسی لیے دولت مند اور صاحب اقتدار لوگ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرتے تھے۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر یہ شخص اللہ کا نبی نہیں ہے تو پھر لوگ اُس کی بات کیوں مانتے ہیں، جو آدمی ایک دفعہ اس کے قریب آجاتا ہے وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے، آخر بات کیا ہے؟ اس بات کے جواب میں مشرکین نے یہ فلسفہ گھڑا ہوا تھا۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ تَزْكَرُونَ نے حق بات کے متعلق کہا جب کہ وہ اُن کے پاس آگئی اِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ کہ یہ تو کھلا جادو ہے، کہنے لگے اس شخص کی بات میں اثر اس لیے ہے کہ اُس کے پاس جادو ہے جس کے ذریعے یہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے، وگرنہ نہ تو یہ اللہ کا رسول ہے اور نہ ہی قرآن اللہ کا کلام ہے بلکہ یہ تو ایک خود ساختہ چیز ہے جسے اللہ کی طرف منسوب کر رہا ہے (العیاذ باللہ) مشرکوں کا یہ پُرانا صرہ ہے کہ جب دلائل کا جواب دلائل سے نہیں دے سکتے تو حقیقت کو جادو سے تعبیر کر کے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں پہلے لوگ بھی جب کوئی نشانی دیکھتے تو کہتے سِحْرٌ مُّبِينٌ؟ (القمر - ۲) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔

نزدول قرآن سے قبل تقریباً دو ہزار سال تک عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا تھا، چنانچہ ڈیڑھ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر قائم تھے، ان میں شرک کی بیماری پیدا نہیں ہوئی تھی۔ پھر حضور علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً چار سو سال پہلے قصی ابن کلاب کے زمانے میں شرک کی ابتداء ہوئی۔ ایک شخص عمرو ابن لُحی کہیں بیرون ملک سفر یہ

عربوں
کی لائے

گیا تو وہاں کوہ تہاں دیکھیں جو اُسے لپٹہ آئیں اور وہ انہیں ساتھ لے آیا اور یہاں آکر
 بھی ان کی دہی میں تہو و نیا ز شریعہ کر دی جیسے اُس ملک میں لوگ ان کی عبادت
 کرتے تھے۔ سب سے پہلے جانور بھی اس شخص نے غیر التشرکِ کُفر کیے۔ اس کی
 دیکھا دیکھی دوست لوگ بھی جنوں کی پوجا کرنے لگے اور اس طرح عرب میں بھی شرک
 ہونے لگا۔

اشر نے اسی چیز کا یہاں ذکر کیا ہے وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كِتَابٍ
 نَبِيًّا وَتَسُوخًا اِمْ اَمْنًا لَّنَا لَنْ نَكْفُرُ بِكَرْمِ اَنْبِيَا اَمْ نَكْفُرُ بِكَرْمِ اَنْبِيَا
 یہ پڑھتے پڑھاتے ہوں وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ نَبِيٍّ اور نہ
 ہی ہم نے ان کی طرف آپ سے پہلے اور اسماعیل علیہ السلام کے بعد اگر کوئی
 ڈر سنانے والا یعنی نبی بھیجا۔ بنی اسماعیل کے بست سے قبیلے تھے اور ساری
 عرب آبادی انہی قبائل پر مشتمل تھی بلکہ ان کی عمر یعنی خراسان وغیرہ میں بست
 سی آبادیاں تھیں مگر دو ہزار سال تک یہ وہی الہی سے محروم تھے۔ تو اشر نے
 ان پر یہ احسان جتلا ہے کہ اتنے عرصہ تک کسی کتاب اور نبی سے محروم نہ بنے
 کے بعد ہم نے تمہاری طرف آخری نبی اور اللہ کی آخری کتاب بھی بھیجے۔ مگر
 تم نے اس بات پر اشر کا شکر ادا کرنے کی بجائے نہ نبی کو قسم کیا ہے۔ اور نہ
 کتاب کو مانا ہے۔ یہ جس قدر بڑی بات ہے۔

سابقہ اقوام
 کا تشریح

ارشاد ہوتا ہے وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور ان سے پہلے
 لوگوں نے بھی اللہ کے نبیوں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں اور نشانوں کو جھٹلایا۔
 اب اشر نے مشرکین کو اور مشرکین عرب کو تنبیہ کی ہے کہ اگر انہوں نے بھی
 اپنے پیغمبر کو جھٹلایا تو ان کا انجام بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔ فرمایا
 وَمَا كَفَرُوا هُمْ فَكَرَمًا اَنْبِيَا اَمْ نَكْفُرُ بِكَرْمِ اَنْبِيَا
 دیکھا گیا، جو ان کو عطا کیا گیا تھا۔ عام طور پر مفسر کا معنی 'دعوا' ہے اور
 ملت کے امام جمہوری کہتے ہیں کہ مفسر مباحثے کا مینز ہے اور مطلب یہ ہے

کہ سابقہ اقوام کی نسبت عرب لوگ دسویں حصے کے بھی مالک نہیں۔ تاہم بعض دوسرے لغت کے امام اس کا معنی عشر العشر یعنی دسویں کا دسواں حصہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو سوال یا ہزاروں حصہ بھی نہیں ملا۔ نہ تو عربوں میں پہلے لوگوں کی سی جسمانی قوت ہے جیسے کہ قدیم مصریوں، عاد، ثمود، کلدانیوں اور آشوریوں کو حاصل تھی اور نہ ان جتنا مال و دولت اور اقتدار ہی حاصل ہے۔ عربوں کے پاس تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ کس چیز پر بھیکہ کرتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا فَكَذَّبُوا رَسُولِي ان پہلے لوگوں نے بھی میرے رسولوں کو ٹھٹھلایا۔ فَكَيْفَ كَانَتْ كَيْفٍ پھر کیسی ہوئی میری گرفت، قوم نوح، قوم شعیب، قوم سبا، الیٰہی بتی والے اور دیگر نافرمانوں میں سے کیا فرد واحد بھی اللہ کے عذاب سے بچ سکا؟ نہیں بلکہ سب تباہ و برباد ہوئے۔ جب وہ نہیں بچ سکے جو ان سے ہزار درجے زیادہ طاقتور اور مالدار تھے تو ان کی کیا حیثیت ہے؟ ان کو بھی اپنا انجام یاد کر لینا چاہیے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حق کے مخالفین ذلیل و خوار ہوئے اور خدا تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کر دیا۔

قُلْ إِنَّمَا أَعْظَمُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَبْتُوٌّ
 وَفَرَادَى ثُمَّ تَتَفَكَّرُونَ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ
 حِجَّةٍ ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابِ
 شَدِيدٍ ﴿٣٦﴾ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ
 ۚ إِنِ اجْتَبَيْتُمُ الْإِلَهَ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
 شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَذْفُؤُ بِالْحَقِّ
 عِلْمَ الْغُيُوبِ ﴿٣٨﴾ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُدْرِي
 الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿٣٩﴾ قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا
 أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۚ وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فِيمَا يُوحَىٰ
 إِلَيَّ رَبِّي إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ﴿٤٠﴾ وَلَوْ تَرَىٰ
 إِذِ فَزَعُوا فَلَا قُوَّةَ وَأَخَذُوا مِنْ مَّكَانٍ
 قَرِيبٍ ﴿٤١﴾ وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ ۚ وَإِنَّا لَهُمُ السَّائِرُونَ
 مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٤٢﴾ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ
 وَيَقْدِرُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٤٣﴾ وَحِيلَ
 بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ
 مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ ﴿٤٤﴾

تجہ ۱۔ آپ کہہ دیجئے (مے پیغمبر) بے شک میں تم کو نصیحت کرتا ہوں ایک بات کی کہ تم کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے دو دو اور ایک ایک . پھر تم غم و فکر کرو . تمہارے صاحب میں کوئی جزن نہیں ہے . نہیں ہے وہ مگر تمہیں ڈر سننے والا (اللہ کے) شدید عذاب سے پہلے (۴۶) آپ کہہ دیجئے اگر میں تم سے سوال کروں کسی بدلے کا پس وہ تمہارے لیے ہی ہے . نہیں ہے میرا بدلہ مگر اللہ کے ذمے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے (۴۷) آپ کہہ دیجئے بیشک میرا پروردگار پھینکتا ہے حق کو (یعنی نازل کرتا ہے اُپر سے) وہ جاننے والا ہے پرشیدہ باتوں کا (۴۸) آپ کہہ دیجئے حق آگیا ہے . اور نہیں ظاہر کرتا باطل کسی چیز کو اور نہیں وہ لوٹاتا (۴۹) آپ کہہ دیجئے . اگر میں بیک جاؤں ، پس بیشک میں بسکوں گا اپنے نفس کے لیے ، اور اگر میں ہایت پاؤں ، پس اس وجہ سے جو وحی کی ہے میری طرت میرے پروردگار نے . بیشک وہ سب کچھ سننے والا قریب ہے (۵۰) اور اگر تو دیکھے جب یہ لوگ گھبرائیں گے ، پس بھاگ نہیں سکیں گے اور پکڑے جائیں گے قریب جگہ سے (۵۱) اور کہیں گے ایمان لاٹے ہم اس پر . اور کہاں ہو گا ان کے لیے پالینا دور جگہ سے (۵۲) اور تحقیق کفر کیا انہوں نے اس کے ساتھ اس سے پہلے ، اور پھینکتے ہیں وہ (یسے ہی) بغیر دیکھے دور جگہ سے (۵۳) اور رکاوٹ ڈال دی جاٹے گی ان کے درمیان اور اُس چیز

کہ تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی صفائی میں منہ ریا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ آپ کو دیوانہ، بعض شاعر اور بعض ساحر کہتے ہیں۔ مگر جب اس کے افعال و کردار پر نظر کرو گے اور تعلیم میں غور فرما کر دیکھو گے تو اس میں دیوانگی والی کوئی چیز نہیں پاؤ گے۔

اس مقام پر پیغمبر علیہ السلام کے لیے صاحب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سورۃ التکویر میں ہے وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ (آیت ۲۳) تمہارا صاحب مجنون یا دیوانہ نہیں ہے۔ وَمَا هُوَ عَلَيَّ الْغِيْبِ بِضَنِيْنٍ (آیت ۲۴) اور وہ غیب کی باتوں پر تنگ دل بھی نہیں ہے۔ اور تمہیں آپ کی حقیقت معلوم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آنی چاہیے، کیونکہ تم نے مجھ سے جانتے ہو، اور اس کے عادات و اطوار اور اخلاق سے واقف ہو۔ انہوں نے خود تمہیں غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا ہے فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكْفُرُ غَمْرًا مِّنْ قَبْلِهِ (لونس - ۱۶) میں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ تم میں گزارا ہے، کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا تمہیں میری صداقت و امانت میں کوئی شک ہے؟ صاحب کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اسی قدم کے فرد تھے انہی میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ وہیں بڑے ہوئے اور عمر کا ایک حصہ ان میں گزارا جو شخص چالیس سال تک جھوٹ نہیں بول سکتا، وہ بیکار ایک کیسے کذب بیانی کرنے لگے گا۔

جب حضور علیہ السلام کو نبوت ملی اور اللہ تعالیٰ نے تبلیغ حق کا حکم دیا تو آپ نے لوگوں کو آواز دے کر کہہ کہہ کھنکھایا۔ جمع کیا۔ تقریباً چالیس آدمی اکٹھے ہو گئے۔ آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف سے دشمن تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟ سب نے

بیک زبان جواب دیا کہ منور تصدیق کریں گے کہ جو صحابہ کرام نے کلمہ شہادت
 کلمہ باہم کے بھی آپ کی زبان سے صورت نہیں سنا، آپ ہمیشہ سچ کہتے
 ہیں۔ پھر آئیے فرمایا کہ میں تمہیں خدا تعالیٰ کی گرفت سے ڈرا رہا ہوں، ایک
 وعدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ اور اپنی تہوں کی لہجا کو بھروسہ دو۔ اب اتنی بات
 کی تو لوگوں نے پھر سامنے شروع کر دیے۔ اس مقام پر بھی فرمایا کہ میں تمہیں نصیحت
 کر رہا ہوں ایک بات کی کہ تم اجتماعی طور پر انفرادی حیثیت سے خود فخر کر دو گے
 تمہیں پتہ چلے گا کہ تمہارا یہ تاحی و دلایز نہیں ہے، بلکہ وہ تو ظاہر و باطن اور حرکت و
 دامنائی کے سمندر مبارک ہے۔ وہ قوم کا خیر خواہ ہے اور ایسے دلائل کے ساتھ
 بات سمجھا ہے، جو عقل اور عقل دونوں کے مطابق ہیں۔ اس کی حیثیت یہ ہے
إِنَّ هُوَ إِلَّا مَنِّيٌّ كَذَّبِ كِبَئِيٍّ يَدِي عَذَابٍ شَدِيدٍ وہ تمہیں
 شہیدہ خدایا سے پہلے ڈر سنانے والا ہے۔

ذاتی خاوند
 کلمی

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی طرف سے تبلیغ دین کے سلسلے میں
 کسی ذاتی خاوند کو بھی فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ لِي وَلَا لِي
أَجْرًا فَمَنْ سَأَلَ فَسَأَلَ إِلَىٰ ذَاتِ النَّفْسِ الْأُولَىٰ تم سے
 کوئی معاوضہ طلب کروں گا تو وہ تمہارے لیے ہے، مطلب یہ ہے کہ میں اپنے
 فرض منصبی کی ادائیگی کے لیے اور تمہیں فقط نصیحت کرنے کے لیے کوئی معاوضہ
 طلب نہیں کرتا، کیونکہ إِنَّ أَجْرِي إِلَّا لِي اللہ میرا معاوضہ تو اللہ تعالیٰ
 کے پاس ہے، مجھے میری محنت کا صلہ وہی ملے گا، تم اپنا معاوضہ اپنے پاس
 رکھو، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، میری یہ خدمت ہے لوٹ ہے إِنَّمَا
أَنَا دَرِينٌ كَمَا كُنْتُمْ دَرِينًا اور اس کا اجر اللہ پر چھوڑتے ہیں وہی
 حلال نیک شے ہے شہید اور وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ سبب یعنی اس
 سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ میری نیت اور سچائی کو بھی جانتا ہے اور تمہاری
 مخالفت اور بگڑائی بھی اللہ کے سامنے ہے۔ تمہیں نصیحت کرنے میں میرا کوئی

ہر اور تصرف اللہ تعالیٰ ہے اس میں کسی باطل کا کوئی دخل نہیں ہے۔
 اچھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تبیح کا ایک خاص انداز لیتے ہی کرکھا ہے
قُلْ إِنْ صَلَّيْتُمْ فَأِنَّمَا أَضَلُّ عَلَىٰ نَفْسِي لَسَٰءَ مَا يَرْجُوْنَ اب ان مشرکوں
 سے کہہ دیں کہ اگر میں دین کے معاملہ میں بیکرا ہوں تو اس کا نقصان میری ہی جگہ
 کو ہرگا۔ اس کا وبال تم پر تو نہیں پڑے وَإِنْ أَهْتَدَيْتُمْ فِيمَا أُوتِيتُمْ
 بِرَحْمَتِ رَبِّكَ إِنْ كُنْتُمْ مُرْسِلِينَ اور یقیناً ایسا ہی ہے تو پھر یہ اس
 وحی کی برکت سے ہے جو اللہ نے میری طرف نازل فرمائی ہے۔ اگر تمہارے
 نزدیک میں اپنے دعوتی میں سہانیاں ہوں تو اس کا تمبر بھی مجھے ہی جھگٹنا پڑیگا۔
 تم پر کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ فرمایا جس نے میری طرف وحی نازل کی ہے
إِنَّمَا نُنَبِّئُكُم بِمَا لَمْ يَرْجُوا وہ سب کچھ سننے والا اللہ باطل قریب ہے۔ وہ
 اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنا چاہتا ہے، لہذا وہ میری سرپرستی کو مانیتے
 گا۔ یہ تو تمہاری اپنی بد بختی ہے کہ خواہ مخواہ میری مخالفت کر کے دین دویا میں
 نقصان زدہ بن سبھے ہو۔

آخرت میں
 نازی کرتے

فرمایا آج تو یہ سنو کہ اللہ کے ہر طرح کی باتیں بنانے میں لگا ایک ایسا
 وقت بھی آئے والا ہے، جس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَزِعُوا
 عَلَيْهَا اگر تو ان کی حالت کو دیکھے جب کہ یہ گھبرا جائیں گے فَلَا فَتَنَ
 وَا حِذَابٍ مِّنْ عَمَلِكُمْ حیرت اور حجاب تو ان کو کہیں بھانگے کا موقع نہیں دیا جائے
 گا۔ اور یہ فریب دہنہ تم پر ہی پکڑے جائیں گے۔ دنیا میں تو جرم کر کے بھاگ جانے
 کا امکان بھی ہرگز ہے، مجرم روپوش ہو جاتے ہیں اور اللہ کی عدالت کے فیصلے
 کے وقت ان کے فرار کا کوئی منصوبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ مگر فرار گزرتے میں آجائیں
 گے اور اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

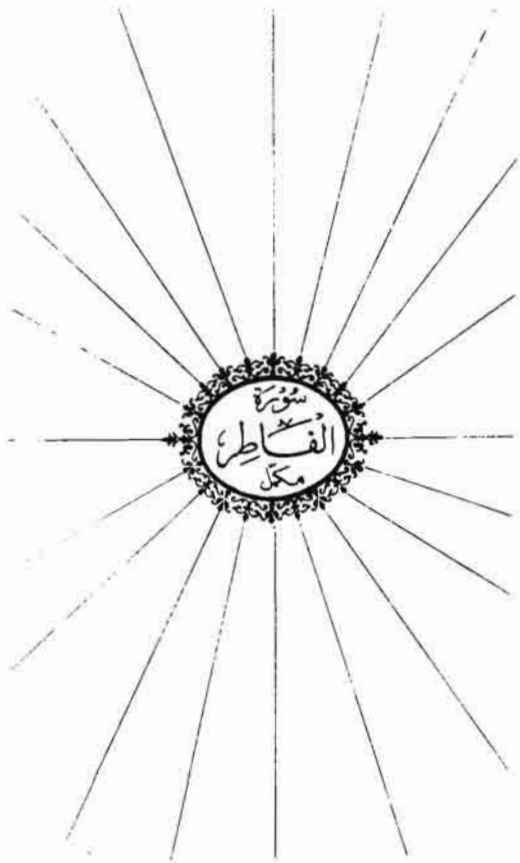
پھر جب عذاب الہی کہنے سے سانسے دیکھیں گے وَقَالُوا إِنَّمَا
 تَرَاثَرْتُمْ تو اس وقت کہیں گے کہ ہم اللہ پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر

اور یومِ آخرت پر ایمان لاتے ہیں، مگر اس وقت تک پانی سر سے گزر چکا ہوگا۔ وَالْعَمَلُ
سے گزر کر در الخبز میں پہنچ چکے ہوں گے وَأَنْفُ كَهْمُ التَّنَائُوشِ مِثْلُ
مِثْلِ كَمِطَانِ كَبِيدٍ تو اس وقت اُن کا دُور سے ایمان کو پالنا کہاں ممکن ہوگا۔ اُس
 وقت کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی اور خدائی فیصلے کے آگے تسلیم خم کرنا پڑے گا۔
 اس قسم کا مضمون سورۃ الاحقاف میں بھی آتا ہے۔ اہل ایمان سر دوزخ پھیراٹ پر سے
 گزر رہے ہوں گے۔ اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور دوسری طرف چل رہا ہوگا۔
 اُن کے پیچھے منافق لوگ گھبب اندھیرے میں گرتے پڑتے آہے ہوں گے۔
 اور پیچھے سے اہل ایمان کو آواز دیں گے کہ ہماری طرف نظر شفقت کریں۔
 کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر سکیں، مگر آگے سے جواب آئیگا
قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا (آیت-۱۱۳) پیچھے لوٹ جاؤ
 اور دلوں سے نور تلاش کرو۔ اب روشنی کہاں میسر آئے گی۔ یہ نور حاصل کرنے کا
 موقع تو دنیا میں تھا جس کو تم نے ضائع کر دیا۔ اب زخمِ دنیا میں واپس جاسکتے ہو
 اور نہ نور ایمان حاصل کر سکتے ہو۔

ارشاد ہوگا وَقَدْ كَفَرُوا بِهٖ مِنْ قَبْلُ وہ اس سے پہلے ایمان اور
 توحید کا انکار کر چکے ہیں۔ مگر اب ان کا ایمان لانا کچھ مفید نہیں ہوگا۔ وَيَقْتَضُونَ
بِالْغَيْبِ مِثْلَ مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ اور یہ بغیر دیکھے دور جگہ سے پھینکتے ہیں (یعنی
 بات بولتے ہیں) بالکل اسی طرح جس طرح کوئی بے تمکا تیر چلا دیا جاتا ہے۔ اور
 وہ کسی اُن دکھی منزل پر جاگتا ہے۔ اور پھر وَجِيءَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا
يَشْتَهُونَ پھر اُن کے اور اُن کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے
 گے كَمَا فَعَلْ بِأَشْيَاعِهِمْ مِمَّنْ قَبْلُ جیسا کہ انہی جیسے لوگوں
 کے ساتھ اس سے پہلے کیا گیا۔ سابقہ اقوام کے لوگوں نے بھی آخری وقت میں
 ایمان لانے کا اقرار کیا مگر وہ بے سود گیا فرعون نے بھی کہا تھا کہ میں بنی اسرائیل
 ہمیں خدا پر ایمان لایا، مگر اُس وقت گرفت آچکی تھی اور وہ جمع قوم پانی کی موجوں

میر غریب کا ہوا تھا۔ اللہ نے فرمایا اَللّٰهُنَّ وَفَدَّ عَصِيَّتَ قَبْلُ رِيُوَسَ (۹۱) اب ایمان لاتے ہو۔ حالانکہ ساری عمر نافرمانی میں گزار دی۔ اللہ کے نبی کو ڈراتے دھمکاتے ہے۔ اور غنیمتہ گردی کا مظاہرہ کرتے ہے۔ اب تم لوگو ایمان لانا کچھ ناگوار نہیں ہے گا۔ بہر حال جب عمل کی دنیا سے نکل کر انسان جزا کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کی دنیا میں واپس جا کر ایمان لانے کی خواہش پوری نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا وقت گزر چکا ہوا ہے۔

فرمایا ہے لوگوں کی طرح ان کی خواہش بھی اب پوری نہیں ہو سکتی، کیونکہ
اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ سَكٰتٍ مِّنْ رَّبِّ دُنْيَا كِيْ ذٰلِكَ لَمَّا كَانُوْا فِيْ رُكُوْعٍ
اللہ تعالیٰ، اُس کے رسولوں اور قیامت کی طرف سے تردد اور الجھن شک میں
پڑے تھے۔ انہیں نبیوں کی بات پر یقین ہی نہیں آتا تھا کہ وہ سچی بات کہہ رہے
ہیں یا غلط۔ وہی الہی پر اعتبار نہیں آتا تھا۔ وقوع قیامت اور جزائے عمل کو نہ سمجھ
کہنیاں بتلاتے تھے اور اس طرح گریبا ہر چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے
فرمایا اب ان کا ایمان کہاں سے آئے گا، اب تو وقت ہی گزر چکا ہے لہذا
ان کی خواہش پوری نہیں ہو سکے گی۔



فاطر ۲۵

آیت ۱

ومن یقنت ۲۲

درس اول ۱

سُورَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَأَرْجُونَ آيَةً وَخَمْسٌ رُكُوعَاتٍ
سورة فاطر کی ہے۔ یہ پینتالیس آیات اور پانچ رکوع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

أَحْمَدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ
رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَحَةٍ مِّثْنَىٰ وَثَلَاثَ وَرُبْعًا
يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ①

ترجمہ :- سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہی جو بنائے
والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اور جو مھڑانے والا ہے
فرشتوں کو پیغام لانے والے، بازوؤں والے دو دو،
تین تین، چار چار۔ اور زیادہ کرتا ہے تخلیق میں جو
چاہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا

ہے ①

اس سورۃ کا نام سورۃ فاطر ہے۔ یہ نام سورۃ کی پہلی آیت میں آدھ لفظ فاطر سے
مانگو ہے۔ مفسرین کرام نے اس سورۃ کا دو ستر نام سورۃ ثلاثہ بھی ذکر کیا ہے

نام اور کثرت

(فیاض)

لے الوسعہ: ۲۳۶، درر مشورہ: ۲۳۴، ومارک: ۳۳۲

کیونکہ اس میں اللہ نے علامتہ کو قصداً بنانے کا ذکر کیا ہے۔
مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ یہ سورہ سبکی زندگی میں سورۃ الفرقان کے بعد نازل
ہوئی، اس کی بیسیاں آیت اور پانچ رکوع ہیں، یہ سورہ مبارکہ ۱۹۷ الفاظ اور
۳۱۲۰ حروف پر مشتمل ہے۔

سابقہ سورۃ کی طرح یہ بھی نئی سورۃ ہے اور اس میں بھی زیادہ تر زیادتی کاغذ
توجیہ، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت و حقیقت ہی کا ذکر ہے۔ توجیہ
کے ضمن میں بعضی دلائل کے ذریعے مشرکین کے ضمیر کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ خدا اپنے
گرد و نواح میں نظر فرما کر دیکھ کر کائنات کی لاکھوں کھنڈوں اشیا، کو یہ دیکھنے
والی کون سی ذات ہے اور تمام ضروریات دیکھ کر نہ والا کون ہے، جو تو
سزا کر دے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرنا چاہے تو کون روک سکتا ہے، اور اگر
ہرے روک دے تو تمہیں کون لے سکتا ہے۔ جب ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر
اور تصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر اس کے سوا موجود بھی کوئی نہیں، تم کہہ کر
بیشک ہے پر اور اللہ کی مخلوق کو ہی اس کا شریک بنیے ہو۔

رسالت کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نسی دی
ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کو عیب لگاتے ہیں تو اس میں گھبرانے کی کون سی بات ہے
پہلی تو میں بھی اپنے انبیاء کو ہر طرح عیب لاتی رہی ہیں، کیا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے دنیا
میں ہی ان کو سزا دی۔

دفع قیامت اور محاسبہ اعمال کے متعلق اللہ نے توہم دلائی ہے کہ تم خود
ہی سوچو کہ جسے اور بیٹھے میں کوئی تیز بونی چاہیے یا نہیں، کیا دونوں کو برابر سراہو
پھر نہ دینا چاہیے یا ہر ایک کو اس کی کارکردگی کا صلہ دینا چاہیے، معمولی عقل و خرد
کا آدمی بھی کہے گا کہ نیک کے ساتھ اچھا اور بڑے کے ساتھ بُرا سوگ ہونا
چاہیے، یہی محاسبہ اعمال ہے، یہی جزا و سزا کا قانون ہے جو اللہ تعالیٰ نے
تصمیم بنا لیا، چاہتا ہے اور قیامت کا وقوع اس مقدمہ کے حصول کی طرف

بیب قدس ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور توحید قبول کرنے والوں کے لیے بڑی بشارتیں دی ہیں اور ان کو بٹنے والے انعامات کا ذکر کیا ہے تاکہ ان کے دل مضبوط ہوں۔ اسی طرح نافرمان لوگوں کی سزا کا ذکر بھی کیا ہے، کہ ان کے عذاب میں کمی نہیں ہوگی، وہ جہنم سے نکلنا چاہیں گے، مگر ان کی رزق قبول نہیں کی جائے گی۔

فاطر باریع

اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہوتی ہے الْحَمْدُ لِلَّهِ سب تعریفیں اور خوبیاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہیں۔ سابقہ سورۃ سبأ کی ابتداء بھی انہی الفاظ کے ساتھ ہوئی تھی اور میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن پاک میں دو مزید سورتوں کی ابتداء بھی انہی الفاظ سے ہوئی ہے یعنی سورۃ فاتحہ اور سورۃ الفہم كُذِّبَ مَا يَأْتِيهِمْ مِنَ السَّمَوَاتِ اور سُورَةُ الْبَقَرَةِ کے لیے ہیں فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کنندہ ہے۔ فاطر اور باریع کا قریب قریب ایک ہی مفہوم ہے یعنی پیدا کرنے والا۔ قرآن پاک میں بعض جگہ فاطر کا لفظ آیا ہے اور بعض مقامات پر باریع بھی استعمال ہوا ہے جیسے بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (البقرہ - ۱۱۷)

قطور کا لغوی معنی کسی چیز کو بھانڈنا یا اس میں شکاف ڈالنا ہوتا ہے۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس لفظ کے صحیح مفہوم کے متعلق تردد تھا لہذا میں اس کی ٹرہ میں تھا کہ کس طرح اس لفظ کا صحیح مطلب سمجھ میں آجائے۔ اس زمانے میں دیہاتی عربی کو معیاری زبان سمجھا جاتا تھا، اسی لیے روس نے عرب اپنے بچوں کی ابتدائی پوروش دریا میں کرنا پسند کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے دو عرب بدویوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے پایا، ان کے درمیان ایک کنزیر کی ملکیت کا جھگڑا تھا۔ ایک شخص دوسرے سے کہنے لگا۔

لے مصباح اللغات ۶۳۵ لے ابن کثیر ص ۵۴۶ و قرطبی ص ۳۱۹ (فیاض) ۱۴۲۰

کہ تم اس کنیز کی کھیت کا کیسے دھوا کر سکتے ہو۔ حالانکہ انا فطرتاً ہی اس کو تو
میں نے ہی سمجھا تھا یعنی زمین میں شکافت ڈال کر میں نے ہی تو بریزن تیار کی
تھا۔ اب تم میرے مقابلے میں کس طرح دھویا رہنے ہو؟ حضرت ابن عباسؓ
فرماتے ہیں کہ بدووں کی اس گفتگو سے مجھے ناخوشی تھی کہ میں آگیا کہ اس سے مزاد
کسی چیز کی ابتداء کرنے سے جب کہ اس سے پہلے اس چیز کا وجود نہ ہو۔

پابست
تعدادی

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ کسی چیز کی تخلیق اور نشوونما
کے لیے اللہ تعالیٰ کی پارسفات ایک جہد دیگر سے کام کرتی ہیں۔ اللہ کی پہلی
صفت ابراع یا فطور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس صفت خاصہ کے ذریعے بغیر ہائے
آءے اور نمونے کے مملوہ چیز کو پیدا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بے بدین
التخلیقات والذمیرین (البقرہ - ۱۱۷) اس نے آسمان اور زمین کو بغیر
کسی ماٹے آءے اور سابقہ نمونے کے تخلیق کیا، ابن کثیر نے تو ہمارے سلسلے
موجود ہے مگر یہ تخلیق کس طرح وجود میں آئی اس کی کیفیت میں علم نہیں اس
چیز کو فلسفے کی زبان میں کہتے ہیں معلوم الانبیاء مجہول الکلیف
اس کا پوری طرح سمجھنا تو ذرا مشکل ہے، تاہم نئی بات جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ
اپنی خاص تعلیمات اور صفات کے ذریعے ہی کسی چیز کو راہ راست پیدا کرتا ہے
جبکہ کیفیت اور مخلوق میں سے کوئی نہیں جان سکتا کہ کس قسم کی تعلیمات کا علم
ہو، اور کس قسم کے تغیرات واقع ہوئے جس کے نتیجے میں کائنات کا علم ہوا
بہر حال یہ اللہ کی پہلی صفت ابراع یا فطور ہے جس کے ذریعے کائنات معرض
وجود میں آئی۔

جب ایک چیز اللہ کی صفت ابراع کے نتیجے میں معرض وجود میں آگئی
تو اب اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت مختصراً خلق نام کرتی ہے، خلق کا معنی یہ

ہے کہ کسی چیز کا مادہ موجود ہو اور اس سے کوئی چیز بنائی جائے۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ خود اسی کا فرمان ہے **اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ** (المومن - ۶۲) چنانچہ انسان، ملائکہ، جنات، جنت اور دوزخ وغیرہ سب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اس کی صفت خلق کی واضح مثال یہ ہے کہ اُس نے زمین کو صفت ابراع کے ذریعے بغیر مادے، آلے اور نمونے کے پیدا کیا۔ اور پھر زمین کے مادے مٹی سے انسان کو صفت خلق کے ذریعے پیدا فرمایا۔ اُس کا ارشاد ہے **خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ** (ال عمران - ۵۹) یعنی اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، اور پھر قطرہ آب سے نسل انسانی کو چلایا۔ اسی طرح ان لوگوں اور جنات کے متعلق فرمایا **خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ نَمَارِجٍ** (التجن - ۱۳-۱۵) اللہ نے انسانوں کو کھنکھاتی ہوئی مٹی سے اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ اسی طرح ملائکہ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ اُن کو اللہ نے ایک خاص قسم کے نورانی مادے سے تخلیق فرمایا۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ ایک چھوٹے سے بیج سے یا ایک معمولی سی گٹھلی سے بہت بڑا درخت بنا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کا کرشمہ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ صفت خلق کے ذریعے کوئی چیز پیدا فرمادیتا ہے۔ تو تیسرے نمبر پر اس کی صفت تدبیر کام کرتی ہے اللہ کا فرمان ہے **يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ** (الاحقاف - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ پیدائش کے بعد کسی چیز کو تدریج بڑھانا یا گھٹانا، کسی چیز کو آگے دیکھے کرنا۔ یا ترقی و تنزل کے مراحل سے گزارنا، ازادہ یا قائم رکھنا، موت سے دینا یا فناء کر دینا یہ صفت تدبیر کا کام ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ خود انجام دیتا ہے۔ اور اس معاملے میں بھی اس کو کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی، اور نہ ہی وہ یہ کام اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد کرتا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ کی چوتھی صفت تہی کا فیہ آتا ہے۔
تہی کا لغوی معنی ہوا کسی چیز کا نیچے کی طرف ٹک جانا یا اتر جانا ہے اور اس سے
مضموم یہ لیا جاتا ہے کہ جب کوئی انسان پیدا ہوا ہے، اس کے تمام اعضا ٹیک
طرف سے بن جاتے ہیں اور اس کی نگاہ ہی انہوں نے باطنی قوتیں کام کرنے لگتی ہیں۔ تو
اللہ تعالیٰ کی تعلیمی اعظم کا عکس اس انسان کی روح پر پڑنا شروع ہوا ہے۔ روح
چونکہ لطیف چیز ہے اور یہ آتی ہی عالمِ بالا سے ہے لہذا اس کی کشش ہمیشہ
اوپر کی طرف ہوتی ہے۔ اس تعلیمی علم یا تہی کا اثر انسان اس دنیا میں محسوس نہیں
کرتا کیونکہ اس پر مادیت کا خول چڑھا ہوا ہے۔ جب اس کی موت واقع ہو جاتی
ہے تو یہ خول بھی اتر جاتا ہے۔ اور اصل انسانیت ابھر کر سامنے آجاتی
ہے۔ اس وقت یہ تہی اوپر کی طرف کشش کرتی محسوس ہوتی ہے۔ اگر کوئی
نیک اور عبادت گزار آدمی ہے تو اسے اس دنیا میں بھی اس کا کچھ نہ کچھ اثر
محسوس ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو یہی کشش
اس کو آسانی کے ساتھ عالمِ بالا کی طرف لے جاتی ہے اور اگر کوئی کافر، مشرک،
یا گنہگار آدمی ہے تو اس کی کشش نیچے کی طرف ہوتی ہے جب کہ تہی کی کشش
اوپر کی طرف۔ اور اس طرح ایسے شخص کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
اس جہاں سے دوسرے جہاں میں منتقلی کی مثال شاہ صاحب نے اسی طرح
بیان کرتے ہیں جیسا کہ کوئی شخص نیند کے دوران خواب دیکھتا ہے۔ خواب
میں مختلف مقامات پر ہوا ہے، کئی کام انجام دے رہا ہوتا ہے۔ اس
کو کئی اچھے برے اعمال سے واسطہ پڑتا ہے مگر جو بھی پیدا ہوتا ہے تو خواب
والا سارا جہاں ختم ہو کر وہی اس دنیا کا جہاں سامنے ہوتا ہے۔ جب ان دنوں
جہاں کی زندگی ختم کر کے نئے جہاں میں پہنچتا ہے تو اسے اس دنیا کی زندگی ایک خواب
محسوس ہوگی۔ الغرض! چوتھے فیہ پر اللہ کی صفت تہی کام کرتی ہے، اور قوت کے
سطح میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات یکے بعد دیگرے کام کرتی ہیں جن میں چوتھی صفت
تہی ہے۔

آیت کے ابتدائی حصے میں اللہ نے اپنی صفت ابداع یا فطور کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا جُوکے فرشتوں کو پیغام رسال بنانے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کا ایک کام یہ بھی ہے، کہ وہ اللہ کے پیغام کے پاس اللہ کا پیغام لاتے ہیں۔ اس فرض کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ فرشتوں سے تدبیر کے مختلف کام لیتا ہے اور وہ تعمیل مکم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بیفدان فرشتوں کے ذریعے ہی کائنات، ہمک پہنچتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث، دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے اربوں، کھربوں سال پہلے انسان کی مصلحت کی خاطر اپنے فضل اور مہربانی سے اللہ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ خدا تعالیٰ ازل میں جانتا تھا کہ انسانوں کی مصلحت فرشتوں پر موقوف ہے۔ تاہم فرشتے درجات میں انسان سے کم تر ہیں۔ فرشتوں کے سات مختلف طبقات ہیں۔ اور ہر طبقہ کا مادہ تخلیق الگ الگ ہے۔ ملا اعلیٰ کی تخلیق لطیف نورانی ہے۔ جن میں جبرائیل، میکائیل وغیرہ شامل ہیں اور ملا سفلی کی تخلیق اس سے کمتر مادہ سے ہوئی ہے۔ شاہ صاحب فرشتوں کے مادہ تخلیق کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کی مثال اُس آگ جیسی ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوئی تھی۔ حقیقت میں یہ حجاب فوری تھا یا ناری تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اُس آگ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ ایک درخت سے نکل رہی ہے مگر رخت کو جلاتی نہیں بلکہ مزید روشن کر دیتی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو لطیف مادے سے پیدا کیا ہے، ان میں رو میں اور عقل و شعور ہے اور وہ وقت، مہرتن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ فرشتوں کو پیغام لانے والا بنانے والا ہے۔ اور فرشتوں

فرشتوں کو
صلاحیت۔

کی ہیئت ہے اولیٰ اَجْنِبَةٌ عَلَتْنِي وَوَلَّتْ وَمُرْبِعٌ كَرُوهُ ۝
 دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو، دس، اسی کے ہونے کی مختلف تعدادوں پر
 عطا کئے ہیں جن کے ذریعے وہ اترتے ہیں۔ فرمایا ان کے ہر ایک کی تعداد چار
 ایک سو دو تیس چار پانچ سب کے لفظی معنی آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی
 تخلیق میں اضافہ کر دیتا ہے جس قدر چاہے۔ جس طرح اس زمین پر پرندے
 اپنے ہر ایک کے ذریعے تیز رفتاری سے اترتے ہیں، اسی طرح اللہ کے حکم سے
 نہایت ہی تیز رفتاری کے ساتھ اپنے ہر ایک کی دولت ایک ایک سے دو سو تیس
 ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی تیز رفتاری کا عالم یہ ہے کہ جب انہیں علیہ السلام ایک سید
 میں نظیراً اللہ سے زمین تک پچاس ہزار مرتبہ آیا کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کا ارشاد مبارک ہے کہ میں نے سراج کے توجہ پر سترہ انتہی کے قریب جب انہیں
 کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا جن کے چہرے پر تھے۔ دوسرے درجے کی روایات
 میں یہ بھی آتے ہیں کہ ہر ایک کے درمیان مشرق و مغرب جتنا فاصلہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتاب الزہد میں ایک روایت ہے کہ ایک
 موقوفہ حضور علیہ السلام نے حضرت جبرائیل سے سارا میں آپ کو اصلی شکل میں دیکھنا
 چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آ۔۔۔ اور ڈھاری ہو گی جتنی کہ۔۔۔ میں کر کے دیکھوں۔ یہ
 جبری جبرائیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا شروع کیا۔ حضور علیہ السلام نے
 والسلام پریشانی طاری ہو گئی۔ جب آپ کو ہوش آیا تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض
 کیا۔ اے محمد! آپ تو مجھے بھی اصلی حالت میں نہیں دیکھ سکتے اور اگر آپ بار
 ہزار ہزاروں بار سے کہیں کہیں دیکھیں تو آپ۔۔۔ کی کیا کیفیت ہوتی۔ چنانکہ صحیح حدیث
 میں آتے کہ حضور علیہ السلام نے دو دفعہ جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل
 میں دیکھا ہے۔ پہلی دفعہ اس وقت جب۔۔۔ وہی کا آغاز ہوا اور دو۔۔۔ دفعہ

کے واقعہ میں سدرۃ المستقیما کے پاس۔

تخلیق میں
اضافہ

اس آیت کریمہ میں یَزِيدُ فِي الْخَلْقِ کے الفاظ توجہ طلب ہیں اس کا بظاہر معنی تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے پروں میں حسبِ منشاء، اضافہ بھی کرتا ہے۔ تاہم مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے عمومی معنی بھی لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ کی ہر قسم کی تخلیق میں اضافہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مثلاً انسان کو اللہ نے تمام اعضاء عطا فرمائے ہیں جو عام طور پر عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں مگر بعض لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ اضافہ بھی فرمادیتا ہے کسی کو غیر معمولی حسن عطا کر دیا، اس کی آنکھوں، کانوں اور ناک کو بہترین انداز میں بنا دیا۔ کہ وہ عام لوگوں سے زیادہ حسین نظر آتا ہے۔ کسی کو خوبصورت اور سر ملی آواز دے دی، کسی کو اضافی عقل و ذہانت عطا کر دی، کسی کے قدم میں اضافہ اور کسی کی جسمانی قوت کو غیر معمولی بنا دیا۔ کسی کو خوش الحانی اور کسی کو تحریر و تقریر میں زیادتی عطا کر دی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں جن کی قدر کرنی چاہیے۔

فَرَمَّا إِنَّ اللَّهَ عَلَّمَ كُلَّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۗ اللَّهُ تَعَالَىٰ هَرَّ حَيْزِرٍ بِرَقَدْرَتِ
رکھنے والا ہے۔ اُس نے ہر چیز اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ بنائی ہے۔ انسانوں پر بے شمار انعامات فرمائے ہیں لہذا انسان کا فرض ہے کہ ایمان اور توحید کو درست کرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

ومن یفتن ۲۲

فاطر ۲۵

درس دوم ۲

آیت ۲۲۲

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا
 وَمَا يُمسِكُ فَلَا مُرْسِدَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَهُوَ
 الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۲﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ
 اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقِ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ
 مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا هُوَ قَالُوا
 نُوْفِكُونَ ﴿۲۳﴾ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ
 رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ ۗ وَاللَّهُ يُرْجِعُ الْأُمُورَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ:-۔۔۔ جو کچھ کسول سے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے
 اپنی رحمت سے، پس نہیں کوئی روکنے والا اُس کو۔
 اور جس کو روک سے، پس نہیں کوئی بھیجنے والا اُس
 کے سوا۔ اور وہی ہے کمال قدرت کا مالک اور
 حکمتوں والا ﴿۲۲﴾ اے لوگو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو
 تمہارے اُپر۔ کیا ہے کوئی خالق اللہ کے سوا جو تم کو
 روزی پہنچاتا ہو آسمان اور زمین کی طرف سے۔ نہیں
 کوئی عبادت کے لائق مگر وہی۔ پس تم کہاں پھرے
 جاتے ہو ﴿۲۳﴾ اور اگر جھٹلا دیں، تو کہو آپ کو
 پس بیک جھٹلائے گئے اللہ کے رسول آپ سے پہلے
 اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے جائیں گے تمام مخلوقات ﴿۲۴﴾

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے ہوئی۔ سب تعریفیں اور ستائشیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا ایجاد کنندہ ہے جس نے فرشتوں کو پیغام رسانی کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ فرشتوں کے متعدد کیمے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے تخلیق میں اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ فرشتے پیغام رسانی کے علاوہ فیضانِ رسانی کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عمومی رحمت کا ذکر فرمایا ہے اور اپنی صفتِ خلق کو بیان کیا ہے ساتھ ساتھ شرک کی تردید ہے اور آخر میں نبی علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے۔

اِشْرَاقٌ بِرَحْمَةِ رَبِّكَ الَّذِي فَتَحَ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَتِهِ
 اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جو کچھ کھول دے فَلَا مُمْسِكَ لَهَا تَرْتِ
 اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کا یہ دروازہ انسان کے جسمانی فوائد کے لیے بھی کھلا ہے اور روحانی ضروریات کے لیے بھی۔ اللہ تعالیٰ انسانی جسم کی نشوونما اور بقاء کے لیے بارش برساتا ہے، اس کے ذریعے پھل اور اناج آگاتا ہے جو انسان کی غذائی ضروریات پوری کرتے ہیں اور انسانی جسم کی نشوونما کا سبب بنتے ہیں، اسی طرح مالک الملک انسان کی روحانی تربیت اور تہارت کے لیے اپنے نبیوں کو مبعوث فرماتا ہے۔ ان پر وحی نازل فرماتا ہے، شریع اور قوانین عطا کرتا ہے۔ اسی سلسلہ کی آخری کڑی کے طور پر اللہ نے اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کو اپنی آخری اور جامع کتاب قرآن حکیم عطا فرمائی۔ قرآن کریم ہدایتِ انسانی کے لیے ایک ایسا خزانہ ہے جو قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے منبعِ رشد و ہدایت ہے۔ اس کے ذریعے انسانوں کو بقائے دائمی کا سامان حاصل ہوتا ہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ کوئی بھی بند نہیں کر سکتا۔ اسی

طرح و تسمیہ مجسّد جس روز اسے کہ نور تعالیٰ بند کرے۔ اپنی جہانی یا روحانی رحمت
 کو روک لے فَلَا تُسْئَلُ لَعْنًا مِنْ كَيْدِهِ تو اس کے بعد اس روک کر کہی جائے
 کہ کوئی بھیجے والا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو کرنی چیز
 دینا چاہے تو اس کی مرضی کے خلاف کون ہے جسے سے اور اس کی مشا کے
 خلاف۔ رحمت کا روزہ کسول کے؟ یہ نامکن ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
 اور وہ ذات کمال قدرت کی مالک اور حکمتوں والی ہے، جس کے سامنے
 کوئی دوسری طاقت سر نہیں اٹھا سکتی، تمام طاقتوں کا سرچشمہ اور سرچیز پر غالب
 ذاتِ خداوندی ہے، اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے وہ ساری مخلوق کا خالق
 ہے اور ہر ایک کی استعداد اور صلاحیت کو جانتا ہے۔ وہ مخلوق کے قول نہ
 فعل اور مصلحتی اراؤں سے بھی واقف ہے، لہذا وہ بہتر سمجھتا ہے کہ کس مخلوق
 کو کتنا اور کب دھاگنا ہے اور کس کو کس وقت تک کسی چیز سے محروم رکھنا ہے
 گویا اس کا کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں۔

شکر کی
 آمیزش

مولا امام باقرؑ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رحمت کا روزہ نہ
 اللہ تعالیٰ ہی کہتا ہے، کسی دوسری جہتی کو یہ اختیار اس میں سے۔ بلکہ بعض
 لوگ یہ صفت ظنیہ اللہ میں بھی لہنتے ہیں مثلاً مشرکین کا ایک گروہ نذولِ بارش
 کو ستاروں کی طرف منسوب کرتا ہے کہ فلان نجمتہ طلوع احوال تو بارش برسی
 اسی طرح دنیا میں پیش آنے والے جزا و نکت کو کسی ذمی ستارے کے اثر و سبب
 منسوب کیا جاتا ہے۔ ایک رات بارش ہوئی تو صبح کے وقت حضور علیؑ الصلوٰۃ والسلام
 نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرے بندوں میں سے دو قسم کے
 بندوں نے سبج کی ہے، ایک گروہ وہ ہے جنہوں نے کہا مُطِئْنَا بِفَضْلِ
اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ، ہم یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے بارش ہوئی اور

دقیاض،

لے تو خدا امام کا کہہ۔ صد و قلمی جہاد ۳۱۱

دوسرا گروہ کتا ہے مُطِرْنَا بِنَوْءٍ كَذَّابٍ ہم پر فلال نچتر کی وجہ سے بارش ہوئی۔ فرمایا ایسے لوگ کفرانِ نعمت کی ترکیب ہوتے ہیں اور اگر وہ ستاروں کو حقیقی موزن مانتے ہیں تو قطعاً کافر ہیں۔ اللہ نے سورۃ الواقعہ میں فرمایا ہے - وَ تَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿۸۲﴾ تم ایسی چیزوں کو ستاروں کی طرف منسوب کر کے اللہ کی رحمت کو جھٹلاتے ہو۔ یہ تو شرک والی بات ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا یہ معمول تھا کہ جب بارش ہوتی تو یوں کہتے مُطِرْنَا بِنَوْءٍ الْفَتَّاحِ یعنی ہم پر فتح کے نود (نارے) کے ساتھ بارش ہوئی۔ اور پھر یہی آیت تلاوت فرماتے مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ... الخ اگر بارش سے مراد یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا دروازہ کھول دے۔ اُسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جس پر وہ خود رحمت کا دروازہ بند کرے اُسے کوئی کھول نہیں سکتا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نماز کے بعد اشریہ ورد کیا کرتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ لَا مَنَعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مَعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَنَّةِ مِنْكَ الْجَنَّةُ دُجَانًا، مسلم، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے سب تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! نہیں کوئی روکنے والا اس چیز کو جو تو عطا کر دے، اور نہیں کوئی نینے والا وہ چیز جو تو روک دے۔ لور تیرے

۱۔ درمنثور ص ۲۹۴ ج ۵ وابن کثیر ص ۵۲ ج ۳

۲۔ خازن ص ۲۹۴ ج ۵ و معالم التنزیل ص ۱۹۴ ج ۳ (فیاض)

ساتے کسی گردشش وائے کی گردشش زادہ مند نہیں ہو سکتی حضرت مغیوثیہ بھی بیان کرتے ہیں **فَقَالَتْ وَقَالَ ابْنُ مَسْرُورٍ** عیرہ السلام نے قیل قال میں بات بات نکرتے ہیں اور ہر بات میں کیرے نکالنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ سے کثرت سوال سے بھی منع فرمایا ہے۔ اگرچہ مجبور ہی کے وقت سوال کرنے کی کسی حد تک اجازت ہے۔ آپ نے کثرت سوال سے منع فرمایا ہے کہ یہ چیز عزت نفس کے خلاف ہے آپ نے اضافت مال یعنی فضول خرچی سے بھی منع فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص ملٹنٹے کی عرش شوری کے کام میں اپنا سارا مال ہی خرچ کرنے قرار دیتے ہیں تو بالکل سزاوارہ ہر گز چکا ناجائز اور مذکورہ کاموں میں صرف کیا جائے اگرچہ وہ ضرور اچھی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ پناہ مال محرموں اور مجرموں کے ہاتھوں میں نہ دو کہ وہ ضائع کر دیں گے تعیش کے کاموں اور فضول شیبہ آپ میں مال خرچ کرنا بلا سبب فضول خرچی میں داخل ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔

محرموں کے
حقوق

آج کل محرموں کے حقوق کا بڑا چرچا کیا جا رہا ہے۔ اکثر یزید نے انہی حقوق کی آڑ میں محرموں کو آزادی کا سبق پڑھا کر آگے بڑھایا اور مردوں کے برابر قرار دیا جس کے نتیجے میں کئی قسم کی اخلاقی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ خراب کاری کی وجہ سے نسلیں خراب ہو گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محرموں کے حقوق کی اسلام ہی صحیح معنوں میں حفاظت کی ہے۔ قبل از اسلام بچیوں کو پتلا ہوتے ہی زندہ دگر کر دیا جاتا تھا۔ یہ تو انسانیت کی توہین ہے جسے کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے اسلام نے محرمات کو وراثت کا حق دیا ہے۔ جو آج حکومت کو غیر ضروری چیز کے نام پر وراثت سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ یہ کون سی حق پروری ہے! اسلام نے عورت کو مال کا مالک بنا کر، خاندان کا اہم حصہ جیسے خوبصورت نام دینے کے ساتھ عورت کو اس کے اہل سے بھی محروم کر دیا۔ اہل و عیال یا خاندان کے نام کا لٹکان کر رہ

گئی ہے جیسے ارم نذیر یا مسز ناصر وغیرہ۔ یہ کون سی عزت افزائی ہے؟ عورت کو فیکری میں ملازمت دے کر یا فوج، پولیس اور دفتر میں بھرتی کر کے مزدور بنا دیا گیا ہے حالانکہ عورت تو گھسر کی زینت اور اس کی ذمہ دار ہے۔ اللہ نے عورت کو چاروں باعزت مقام عطا کیے ہیں۔ بچھیت مال عورت کا بڑا بلند مقام ہے اللہ نے اولاد کی جنت مال کے قدموں کے نیچے رکھی ہے۔ بچھیت بہن بھی عورت کو نہایت احترام کا مقام دیا گیا ہے۔ بچھیت بیٹی اس کا مشتاقانہ مقام ہے اور بچھیت بیوی وہ گھر کی مالک ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے اسی طرح عورتوں کا حق مردوں پر ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے درجے میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے مگر ان کے بھی مردوں پر حقوق ہیں۔ ان کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے کسی عورت کو اس کے جائزہ حق سے محروم رکھنا اسے زندہ درگور کرنے والی بات ہے جس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حضور علیہ السلام نے مال کی نافرمانی سے منع فرمایا ہے۔ باپ کے مقابلے میں خدمت کے لیے مال زیادہ حقدار ہے کیونکہ وہ باپ کی نسبت کمزور ہوتی ہے۔ فرمایا والدین کے لیے ازیت کا باعث نہ بنو۔ چہ جائیکہ ان کو گالیاں دے کر گھر سے نکال دیا جائے یا ان سے ذلت آمیز سلوک کیا جائے۔

عامر ابن قیس ایک بزرگ گذشتے ہیں جو غالباً صحابی ہیں ان کا قول ہے کہ قرآن کریم میں چار آیات ایسی ہیں کہ جب میں ان کی تلاوت کر لیتا ہوں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ میری صبح کیسے گزرے گی اور شام کیسے؟ گویا یہ آیات مجھے ہر چیز سے مستغنی کر دیتی ہیں جو فرماتے ہیں کہ ان چار آیات میں سے پہلی آیت تو یہی آیت زبیر درس ہے یعنی مَا يَفْتَحُ اللَّهُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال رحمت کا ذکر ہے جس کی وجہ سے اس ذات

چار مستغنی
کنندہ آیت

پہلے تین مرتبہ موبہ ہے۔ فرمت ہیں کہ دوسری آیت کریمہ وَإِنْ تَسْأَلْتُمُ اللَّهَ
بِضَرْبٍ فَكَذَلِكَ يُسْأَلُ لَعَلَّ الْأَهْلُؤْنَ؛ وَأَنْ تَسْأَلُوهُ لَعَلَّ الْأَهْلُؤْنَ لَعَلَّ لَفْعُضِلِهِ
 دیویشن ۱۱، ۷۰، ۷۱ اور اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو تم کو کوئی درد نہ کرے گا
 اور تم کو وہ تمہارے ساتھ مہلکی کا اذہ کو سے تراش کر کوئی مال نہیں سنا۔ فرمت ہیں کہ
 تیسری آیت یہ ہے۔ مَسِيحٌ جَعَلَ اللَّهُ بَعْدَ عِيسَى كَيْسُوا رَاطْلِقَ - ۷۰؛
 اللہ تعالیٰ عیسیٰ کے بعد آسانی پیدا فرماتا ہے۔ ایسی ہی دوسری آیت ہے إِنَّ مَعَ
الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح - ۶۰) ہے ثُمَّ تَتْلُوهُ بَعْدَ آسَانٍ سَهْرًا اللہ کی
 مصلحت سے مطلق اس زندگی میں راحت نہ نصیب نہ ہو سکے تو آخرت کی زندگی
 میں تو لارہ کامیابی اور راحت نصیب ہوگی۔ فرمایا جو تم آیت یہ ہے وَمَا
مِنْ ذَاتِ بَشَرَةٍ إِلَّا فِي أَرْضِنَا اللہ روز قضا کرے گا جو زمین پر پہنچے
 پھرنے والے ہر جاندار کی لذی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ غرض کہ ان آیات میں
 خدا تعالیٰ کی ذات پر مکمل اعتماد اور توکل پایا جاتا ہے اسی سے حضرت عارف فرماتے
 ہیں کہ ان آیات کی تلاوت مجھے ہر چیز سے سختی کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ

اگلی آیت کہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا ذکر وہ صفت صَفَاتُ
الْكَامِيَانِ اور شرک کا رد فرمایا ہے۔ اور ان کو تسبیح يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا
فِعْمَتِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ نے ذکر اللہ کے اسمان کراد کر جو اس نے ہر
 کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سہاں اور روحانی برکت سے انعامات سے نوازا ہے
وَإِنْ تَعْسَفُوا فَرَيْتُمُ اللَّهَ لِأَخْسَوْهُمُ اور ابراہیم ۳۴ چنگ کو اگر تم ان انعامات
 الیہ کا شمار فرما جاو تو کر نہیں سکتے۔ اللہ کے لئے لا تعداد احسانات ہیں۔ ذرا غور
 فرمائیں کہ ایک انسان جو میں گھنٹے میں ایک لاکھ سے زیادہ احسان منہا ہے
 اور ہر سانس کے ذریعے انہاں کو دو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جب سانس اندر جاتا
 ہے تو انسان کا حزن ٹوٹتا رہتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ سانس باہر نکالتا ہے تو اس
 اد سے باہر نکلتے ہیں۔ تو انہاں کے گناہوں کو دہن راست میں انسان کو کتنی نعمتیں ہیں۔

آتی ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ نے ان کو بے شمار ظاہری اور باطنی قوی عطا فرمے ہیں، دیکھئے، سنئے، چلنے پھرنے، بولنے اور خورد و فکھ کرنے کی کتنی ہی نعمتیں ہیں کہ انسان ان سب کا شکر یہ ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے بندے اگر اس کا مقصود اس کا شکر یہ بھی ادا کر دیں تو وہ راضی ہو جاتا ہے، ورنہ کوئی شخص کسی نعمت کا شکر یہ ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ کے فرشتے اگرچہ ہمہ تن عبادت میں مصروف ہوتے ہیں۔ مگر شکر یہ کا حق ادا کرنے میں وہ بھی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ هَلْ يَسْتَفِيئِرُ الْكَافِرُ كَيْفَ يَكْفُرُونَ
یہ استغناء انکار کہلاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ یقیناً کوئی نہیں ہے، خالق
صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہر جاندار کو روزی بھی وہی پہنچاتا ہے۔ مگر انسان کس
قدر نادان واقع ہوا ہے کہ اس روزی کی خاطر اپنے ایمان کو ضائع کرے، اللہ کو
چھوڑ کر دوسروں سے حاجات طلب کرے اور اس طرح شرک کا مرتکب ہوتا
ہے۔ روزی کا اختیار تو صرف اللہ کے پاس ہے جو خالق ہے اور جسے ہنود، یسود،
مشرک، مجوسی، سب تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی گزر
چکا ہے کہ خدا کے سوا روزی کا مالک کوئی نہیں لہذا فَاسْتَعْوَا عِنْدَ اللَّهِ الرَّزْقَ
فَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ (العنکبوت - ۱۷) لہذا اسی کے لئے رزق تلاش
کو، اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر یہ ادا کرو۔ ہر ذی روح کے حالات کو اللہ تعالیٰ
ہی بہتر جانتا ہے اور وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق روزی کا دروازہ کھولتا
ہے۔ فرمایا اَلَا يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ مَنْ خَلَقَ لَهُ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (الملک - ۱۴)
کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو نہایت باریک بین اور ہر چیز کی
خبر رکھنے والا ہے، مطلب یہ کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

فرمایا جب اللہ کے سوا خالق کوئی نہیں ہے جو تمہارے لیے روزی کا سامان

رازق صرف
اللہ ہے

میا کر کے تو اَللّٰهُ اِلَّا هُوَ اس کے سوا اور دوسری کوئی نہیں ہے فَاقِي قَوْلَهُمْ كُنْ
 تو یہ تم کہ صریحاً یہ ہے جانتے ہو۔ تمہیں تو یقین ہونا چاہیے کہ جس خالق نے پیدا کیا ہے
 وہ روزی کا بندوبست بھی ضرور کرے گا سب اعتبار اسی کے پاس ہیں۔ وہی عبادت
 کے لائق ہے۔ ہمزور کے اُن تو تین خدا ہیں۔ ایک پیدا کرنے والا، دوسرا
 باقی رکھنے والا اور تیسرا فنا کرنے والا مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق، مالک
 متصرف، مدبر اور حوتِ ظہری کرنا تو الٰہی قسط ایک ہی ذات ہے، لہذا اسی سے
 لڑنا چاہیے اور صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔

تمہی کا
 مضنون

اگلی آیت میں اللہ کریم نے پہنچنے والی اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی
 ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو یہ
 کوئی فوٹھی بات نہیں ہے، شکر کمین نے ہر نبی کی تکذیب اور مخالفت کی اور طرح
 طرح کی تکالیف پہنچائیں، لہذا آپ دلی برداشت نہ ہوں، بلکہ تکالیف کو برداشت
 کرتے ہوئے سُننے کو جاری رکھیں۔ ارشادِ بڑا ہے فَاِنْ يَكْفُرْ بِكَ
اِغْرِبْ لَوْ كَرِهْتَ فَقَدْ كَذَّبْتَ رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَلَمْ يَكُنْ
مِنْ اُولٰٓئِكَ مُتَّبِعِيْنَ مَنْ يَكْفُرْ بِطَوْحٰنِ رَبِّهِ فَاِنَّ رَبَّكَ كَانَ
بِغِيۡبِطِكَ بَصِيۡرًا وَلَا يَكُنْ مِنْ اُولٰٓئِكَ مُتَّبِعِيْنَ مَنْ يَكْفُرْ
بِطَوْحٰنِ رَبِّهِ فَاِنَّ رَبَّكَ كَانَ بِغِيۡبِطِكَ بَصِيۡرًا وَلَا يَكُنْ مِنْ اُولٰٓئِكَ مُتَّبِعِيْنَ
 عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں مگر لوگوں نے اللہ کے نبیوں کو
 گماناں دیں، بیقرار سے اور تکذیب کی، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے، کہ
 جب تمہارا کوئی عزیز فوت ہو جائے اور تم مختلف غم میں مبتلا ہو تو اس وقت میرا تصور
 کیا کرو کہ مجھے کتنی تکالیف اور کتنے غم و اذوہ برداشت کرنے پڑے۔ اللہ
 کا نبی اس کا محبوب بندہ ہوا ہے۔ جب وہ بھی اس جہان سے رخصت ہو گئے

ترہائے تمہارے کسی عزیز کی کیا بات ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ جب کوئی غم لاحق ہو تو میرا سوہ سانسے رخصت ہو۔

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کے متعلق بڑی غلط بات کی۔ کہنے لگا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، انصاف کرو۔ آپ کے دل پر سخت چرٹ لگی۔ فرمایا اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرے گا۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ آسمان والے تو مجھے این سمجھتے ہیں اور تم مجھے بے انصاف جانتے ہو۔ اس قدر پریشانی کے باوجود آپ نے فرمایا رَحِمَ اللّٰهُ مُوسٰی لَقَدْ اَوْذٰی بِاَکْثَرِ مَنْ هٰذَا فَصَبَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی حَسْرَتًا۔ موسیٰ علیہ السلام پر نرم فرمائے، انہیں اس سے بھی زیادہ تکالیف دی گئیں مگر انہوں نے صبر کیا۔ موسیٰ علیہ السلام پر لوگوں نے سخت اتمام لگانے، آپ کی تکذیب کی مگر انہوں نے ہمیشہ سبر سے کام لیا۔ فرمایا اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا۔ آپ تسلی رکھیں وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ جَمَعَ اللّٰهُ مَوَدَّتِہٖ تَمَامَ اَمْرِہٖ تَعَالٰی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ آپ فکر نہ کریں اور اپنا کام کرتے جائیں، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔

ومن یقنت ۲۰

فاطر ۵

درس سوم ۳

آیت ۱۵

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَكُمُ
 الْحَيَاةُ الدُّنْيَا زُفَّةً وَلَا يَغُرَّنَكُم بِاللَّهِ الْغُرُورُ ①
 إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا
 يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ②
 الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَالَّذِينَ
 آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ
 كَبِيرٌ ③

۱۵

ترجمہ :- اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔
 پس نہ دھوکے سے تم کو دنیا کی زندگی اور نہ دھوکے
 سے تم کو اللہ کے بارے میں بڑا دھوکے باز ① بلکہ
 شیطان تمہارا دشمن ہے، پس اس کو دشمن ہی سمجھو
 تحقیق وہ جاتا ہے اپنے گروہ کو تاکہ ہو جائیں وہ
 دوزخ والوں میں سے ② وہ لوگ جنہوں نے کفر سے
 شکیلو اختیار کیا، ان کے لیے سخت عذاب ہے۔
 اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال
 انجام دیے، ان کے لیے بکثرت اور بڑا اجر ہے ③
 گذشتہ درس میں حضرت علیؓ علیہ السلام اللہ آپ کے پیروکاروں کے
 لیے نعلی کا ناموں تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ لوگ آپ کی پیروی کرتے ہیں، اور

پہا

آپ کو تکالیف پہنچاتے ہیں تو آپ ان سے خوفزدہ نہ ہوں کیونکہ پہلے لوگ بھی اسی طرح اپنے رسولوں کو جھٹلاتے رہے۔ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔ وہ ان مکذبین کو ضرور سزا دے گا۔ اس کے بعد اللہ نے عام بنی نوع انسان کو خبردار کیا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس کے اغوائے سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے، قیامت ضرور واقع ہوگی۔ محلے سے کا وقت آئے گا، اور پھر عزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔

وقوع قیامت
کا وعدہ

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسباب ضلالت میں سے دو اسباب کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلا سبب یہ فرمایا۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ لے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اللہ نے وقوع قیامت اور جزائے عمل کا جو وعدہ لوگوں کے ساتھ کیا ہے وہ پورا ہو کر ہے گا۔ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ اور ہر شخص کو بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہوگی۔ سورة الانبیاء میں اللہ کا فرمان ہے وَعَدَّا عَلَيْكُمْ إِنَّا كُنَّا فَعَلِينَ (۱۰۴) وقوع قیامت برحق ہے اور ہم ایسا کر کے رہیں گے۔ قرآن پاک کا تقریباً ایک تہائی حصہ اسی مسئلہ قیامت پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تمام کتب سماویہ میں بھی اس مسئلہ کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ تاہم قیامت کی جس قدر تفصیلات قرآن پاک نے بیان کی ہیں۔ اتنی دوسری کتابوں میں نہیں ہے۔

فرمایا، لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے فَلَا تَغُرُّكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا پس دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ گویا اس دنیا کی زندگی کا ظاہری عیش و آرام اور اس کی رنگینیاں اسباب ضلالت میں سے پہلا سبب ہے۔ اسی میں اکھب کر آحضرت کو نہ بھلا بیٹھنا۔ یہ زندگی تو اللہ نے آزمائش کے لیے دی ہے، کہ انسان یہاں آکر کیسے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اس فانی دنیا میں مگن ہو کر اپنے اصلی مقام کی فکر بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ سورة الملک کی ابتدا میں اسی بات کا تذکرہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ

أَيْ كَوْنَهُمْ لَمْ يَسْتَعْمِلُوا آيَاتِ ۲۰) جس نے موت و حیات کو پہلی بار نہ دیکھا نہ سیکھا کہ تم میں ایسے اعمال کروں انہماں دیتا ہے۔ اللہ نے ان کے متعلق فرمایا ہے ذَلِكُمْ مِمَّا لَمْ يَلْمِهُمْ لَوْلَا أَنَّ كَانُوا قَوْمًا عَادِلِينَ ۲۱) ان کا نام تر حقیقہ صرف دنیا کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے یعنی ان کا بیع علم صرف دنیا کی زندگی ہے اور وہ اس کے آگے کچھ نہیں جانتے۔ فَرَأَى الْقَوْمَ يَفْعَلُونَ مَا هُمْ بِأَعْيُنِنَا خَوْفًا مِنَ الْمَوْتِ وَأَسْفَهًا عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَفُؤُونَ ۲۲) وہ دنیا کی ظاہری زندگی کے متعلق غور و نظر نہیں کرتے۔ اسی لیے اللہ نے مختلف طرح کی باتوں سے سمجھایا ہے کہ انسان دنیا کی ظاہری زیب و زینت اور رونق پر فریفتہ ہو کر دھوکہ نہ کھائیں۔ فَرَأَى قَوْمًا مَنِ السُّعُورِ الدُّنْيَا الْأَلْعَبِ وَهُمْ لَمْ يَلْمِهُمْ لَوْلَا أَنَّ كَانُوا قَوْمًا عَادِلِينَ ۲۳) وہ دنیا کی زندگی کو صرف کھیل مانتا ہے اور زمین کے لیے آخرت کا گھبرایا ہوا ہے۔ سورۃ العنکبوت میں بھی ارشاد ہے وَعَسَىٰ لَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا الْأَلْعَابُ وَلَئِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ خَيْرٌ لِّدِينِكَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۲۴) یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل مانتا ہے مگر آخرت کا دھوکہ کھیلے۔ قیامت ضرور واقع ہوگی لہذا تمہیں دنیا کی زندگی میں دھوکے میں ڈال دے۔

شیطان کا
انگڑا

اللہ نے اسبابِ فطالت میں سے دو سبب بھی فرمایا، وَلَا يَلْمِكُمْ لَوْلَا أَنَّ كَانُوا قَوْمًا عَادِلِينَ ۲۱) اور اللہ کے بارے میں تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے پڑا دھوکے پر میں شیطان۔ وہ تمہارا ذمہ داری و حُسن سے اور تمہیں متراز گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ فَرَأَى ابْنَ السُّعُورِ لَمْ يَلْمِكُمْ لَوْلَا أَنَّ كَانُوا قَوْمًا عَادِلِينَ ۲۲) بے شک شیطان تمہارا خطرناک دشمن ہے، لہذا تمہیں اپنا دشمن ہی سمجھو۔ اِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السُّعُورِ ۲۳) بے شک

اپنے گروہ کو دعوت دیتا ہے تاکہ وہ سارے کے سارے دوزخ والے بن جائیں۔ وہ درودِ ایزدی کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تاکہ اس کی جماعت بہت بڑی بن جائے۔ اس آیت کریمہ میں لفظ **عَنْ قَوْمٍ** معنی کی ترجمہ کے ساتھ آیا ہے۔ جس کا معنی دھوکہ باز یا فریبیہ ہے اور اسی لفظ **عَنْ** کی پیشین گوئی کے ساتھ ہو تو معنی دھوکہ ہو گا۔ لہذا شیطان تمھارا دشمن ہے۔ اس سے بچ کر رہنا۔

شیطان سے
بچنے کا طریقہ

امام قشیری چوتھی صدی کے بزرگ گزرے ہیں۔ وہ اپنی کتاب **رسالہ قشیریہ** میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کا سخت ترین دشمن ہے۔ جس کے متعلق خود اللہ جل شانہ کا فرمان ہے **إِنَّهُ يَكُفِّرُ كُفْرًا وَيُبَيِّنُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَؤُوهُمْ (اعراف - ۲۷)** وہ اور اُس کا قبیلہ تمھیں ایسی جگہ سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ اُس کی دشمنی انسان کے لیے ہر لحاظ سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اُسے آدم علیہ السلام کے سامنے مجاہد کرنے کا حکم دیا۔ اور اس نے انکار کیا تو وہ مردود ٹھہرا مگر اُس نے اللہ کے سامنے عہد کیا، پروردگار **لَا أُعْوِذُ بِكُمْ إِلَّا جَمْعًا (الحج ۳۶)** میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ کہنے لگا، میں آگے پیچھے، دائیں بائیں، غرضیکہ ہر راستے سے آکر انسان کو گمراہ کروں گا۔ چنانچہ شیطان آدم اُس کے چیلے ہر وقت انسان کے درپے رہتے ہیں۔ تو ایسے ازلی دشمن سے بچنے کے لیے امام قشیری فرماتے ہیں کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام نے بعض کلمات بتائے جن کے درود سے شیطان کے شر سے محفوظ رہا جاسکتا ہے **بِسْمِ اللَّهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ** گناہ سے بچاؤ اور یحییٰ کی انجام دہی پس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہے اسی طرح **أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ**

۱۔ رسالہ قشیریہ

(فیاض)

۵

الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ میں سرورِ شیطان سے اللہ کی پناہ پکڑا ہوں۔ یہ الفاظ
 ہی آتے ہیں اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمَزِهِ وَنَفْيِهِ
 وَنَفْثِهِ میں اللہ کی پناہ پکڑا ہوں شیطان سرور کی ہمیشہ پناہ مانگنے کے کبر اور
 جس کے کلمے... اَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَاقِبِ مِنَ الشَّيْطَانِ الْعَاقِبِ میں اللہ کی
 پناہ مانگتا ہوں برنور سے شیطان سے بچنے کے لیے جو خدا ہے۔ ہر حال
 شیطان کے احوال سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی استغاثت کی ضرورت ہے۔
 بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب انسان سوجا ہے اور شیطان
 کو انسان کے اندر داخل کرنے کے لیے کوئی راستہ نہیں مہیا تو وہ ناک میں لکڑی کر بیٹھ
 جاتا ہے اور دل پہ پھونکے گا آ رہا ہے اور اس طرح دوسرا نڈاری کرتا ہے۔ پھر
 جب انسان بیدار ہو کر اللہ کو نام لیتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے، اُس کو
 اللہ کے ذکر سے ہیرا پست ہوتی ہے۔

مفاتیح
 افسوس کی
 حالت

مفسر قرآن امام قرطبی اور ایک دوسرے بزرگ ابن کمال فرماتے ہیں: کہ
 تنہایت افسوس کا مقام ہے کہ انسان اپنے گنہگاروں کو جانتے ہوئے بھی اُس کی طرف
 توجہ نہیں کرے اور اُس کے احوال کا شکر یہ لانا نہیں کرتا۔ نمان اور محمد مصطفیٰ کو ہر
 شخص خوب سمجھتا ہے کہ اُس کے پیشوا انعامات ہیں مگر اُس کا شکر بہت
 کم ہے یہی ادا کرتے ہیں، اسی طرح انسان کو بھی طرح طرح سے کہ شیطان اُس
 کا انہی اہلی دشمن ہے مگر اُس کے باوجود اس سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا،
 گریہ انسان کی حالت کس قدر افسوس ناک ہے۔

امام فضیل بن عیاض حضرت امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔ وہ انسان کو
 خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے انسان! تم کتنا افسوسناک اور مضری ہو کہ ظاہر

میں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہو مگر باطن میں اس کے ساتھ دوستانہ ہے۔ تم اکثر کام شیطان کی خواہش کے مطابق انجام دیتے ہو۔ تمام رسم و رواج، بدعات، شرکیہ اور کفریہ رکات اور فضول خرچی شیطان کی خواہش کی تکمیل ہی تو ہے۔ سورہ لیس میں اللہ نے ابن آدم کو خطاب کر کے فرمایا ہے أَلَمْ آعْهَدُ إِلَيْكُمْ يٰبَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (آیت ۶۰) اے ابن آدم! کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے مگر تم پھر بھی اس کے دام میں پھنس گئے۔

فرمایا، شیطان کو اپنا دشمن سمجھو إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنَ أَصْحَابِ السَّعِيرِ بے شک وہ اپنے گمراہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ سب دوزخ والوں میں ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی جماعت بنا کر ان کو جہنم میں لے جانا چاہتا ہے۔ لہذا اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کا انجام بھی بیان کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ كَفَرُوا وَوَلَّوْا لِحُزْنِهِمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ کفر کا انجام لازماً بُرا ہوگا۔ کفر کا معنی دین، شریعت اور توحید کا انکار ہے۔ یہ سخت جرم ہے جس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان کے متعلق فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہوگا۔ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ دوسری منزل ہے اگر ایمان کی بنیاد مستقیم ہے تو نیکی بھی مقبول ہوگی، ورنہ نہیں، نیک اعمال میں سب سے پہلے فرائض یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج آتے ہیں۔ پھر جہادِ قربانی، اور صدقہ و خیرات کا نمبر ہے، انسان سے بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے معاف فرمائے گا۔ دوسرے

کفر اور ایمان
کا انجام

مقام پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ایمان کی برکت سے جنت کے راستے پر پہنچا کر دلائلِ مہینہ پہنچائے گا۔

قرآن، ایمان اور اعمالِ صالحہ کی برکت سے ایک طرف غلغلیاں اٹھ کر تہذیبِ معارف ہوں گی تو دوسری طرف اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر بھی میسر آئے گا۔ اللہ نے اہل ایمان کے لیے یہ بشارت بھی سنائی ہے۔

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَاهُ حَسَنًا فَإِنَّ
 اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ فَلَا
 تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
 بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۸﴾ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ
 فَتُشِيرُ بِهَا سَحَابًا فُسُقِنَهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ
 فَاجْتَنَبْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ كَذَلِكَ
 النُّشُورُ ﴿۹﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ
 الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۗ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ
 وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۗ وَالَّذِينَ يَسْكُرُونَ
 السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ وَمَكْرُ
 أُولَئِكَ هُوَ يَبُورُ ﴿۱۰﴾

ترجمہ :- بھلا وہ شخص جس کے لیے مزین کر دیا
 گیا ہے اس کا بُرا عمل، پس وہ اس کو اچھا خیال کرتا ہے
 پس بیشک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور
 راہ دکھاتا ہے جس کو چاہے۔ پس آپ نہ آئیں اپنے
 نفس کو ان پر حسرت کرتا ہوا۔ بیشک اللہ تعالیٰ
 خوب جانتا ہے ان باتوں کو جو کچھ یہ لوگ بناتے ہیں ﴿۸﴾

اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے چھاپا ہواؤں کو
 پس اجارتی ہیں وہ باروں کو۔ پس ہم چلاتے ہیں اُس
 کو ایک خطک زمین کی طرف۔ پس ہم زندہ کرتے ہیں
 اس کے ساتھ زمین کو اُس کے مردہ پر ہونے کے بعد ۔
 اسی طرح دوبارہ می مٹنا ہر گھما ① جو شخص اُردو اُردو سے
 عزت کا۔ پس بیٹھا۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جس سے مدد
 عزت۔ اُس کی طرف چڑھتا ہے پال کلام۔ اور ایک عمل ہنر
 سے اس کو اور وہ لوگ جرتے ہیں بڑیاں، اُن کے
 لیے تہ تاب ہے۔ اور اُن کا ضرر ہنر سے وہی ہے۔
 جو ②

آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کا ذکر فرمایا اور توبہ
 فرمائی کہ۔۔۔ میں ظالموں کو توبہ کی توفیق دے گا۔ شیطان تمہارا دشمن
 ہے۔ تمہاری توبہ کو روکنے کے لیے تمہیں اسی دیا گیا ہے۔ اچھے رکھنا۔ پاجات
 اندا اس سے بچنے کی کوشش کرنا۔ فرمایا جو شخص شیطان کے ساتھ ہے۔ وہ دنیا
 وہ دنیا کا۔ ہر توبہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا پروگرام بڑا خطرناک ہے۔ توبہ
 خدا سے۔ اس سے۔ فرمایا وہ مہیاں سے وہی لوگ نکلا ہوں گے۔ جو ایمان
 کے بعد اعمال ماکہ انجام دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی بخشش و حضرت انبی کرؤں
 کے حصے میں آئے گی

یعنی اور بڑی
 اللہ تعالیٰ

ایمان اور کفر یا نیکی اور برائی کے تقابل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد
 فرمایا ہے اَفَمَنْ كَفَرَ مِمَّا رَزَقْنَاهُ قَبْلَ هٰذَا حَسْبًا اَمْ يَكْفُرُونَ
 وہ شخص ہے جس کو برا عمل اُسے مزین کر کے دکھایا ہے۔ یہ شیطان کا کام ہے
 جو دوسرا انداز کے ذریعے رسم و رواج اور عادت کو مزین کرتے دکھاتا ہے۔ اور
 یاد رکھنا ہے کہ قرآن بہت اچھا کام کر رہا ہے۔ بڑا نیکی کا کام ہے۔ شے جاری کر

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ جب انہیں ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے گرفت آئی تو انہوں نے کیوں نہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کیا، بلکہ ان کے دل مزید سخت ہو گئے وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْْمَلُوْنَ (آیت ۴۳) اور شیطان نے ان کے بُرے اعمال کو مزین کر دیا، لہذا انہوں نے توبہ نہ کی۔ پھر اچانک اللہ کی گرفت آئی اور ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔ تو فرمایا جس شخص کی نظر میں بُرے اعمال اچھے ہیں کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اللہ کے فضل سے نیکی اور بُرائی میں تمیز کرتا ہے، نیکی کو اختیار کرتا ہے اور بُرائی سے بچتا ہے۔ یقینی بات ہے کہ یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک ہے جو شیطان کی پیروی کرتا ہے اور شقاوت کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہے، اور دوسرا نیکی کو اپنا کر سعادت کے راستے پر چل رہا ہے۔ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

اگے اللہ نے گمراہی اور ہدایت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَوْمٍ مُّسَدِّقًا لِّرِسٰلِنَا لِيَمْلِكُوْا عَلٰى قَوْمِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ذٰلِيْمٌ (آیت ۱۱۵) جو شخص تعصب، ضد اور عناد کی بنا پر توحید کا انکار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ پکڑ کر ہدایت کی طرف نہیں لاتا بلکہ فرمایا ذُوْلٰٓئِكَ مَا تَأْمُرُوْنَ وَنَصَلِہٖ جَہَنَّمَ (النساء - ۱۱۵) جو وہ جانا چاہتا ہے ہم اسی طرف کی توفیق دے دیتے ہیں اور پھر وہ بالآخر جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے جس شخص میں استعداد اور صلاحیت موجود ہوتی ہے اور وہ حق کی تلاش میں کوشش کرتا ہے ہم اسے ہدایت کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْہٖ مَنْ يَّشَاءُ (الرعد - ۲۷) وہ ہدایت اس کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یعنی ہدایت طلب کرتا ہے۔ اور جن کو ہدایت کی خواہش ہی نہیں ہوگی۔ انہیں صراطِ مستقیم میں نہیں آسکتا۔ سورۃ المائدہ میں ہے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ

آیت ۱۰۸) اللہ تعالیٰ کیلئے اذکاروں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا جو بزانی کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

تعلیمی
تعمیراتی

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر محمد علیہ السلام کو تسلی دی ہے کہ لوگ ہدایت نہیں آتے اور آپ کی طرف سے پرہیزگاری کے باوجود اگر یہ لوگ راہِ راست پر نہیں آتے **فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتًا** قرآن پر براہِ افسوس و اندازہ نہ کریں۔ آپ نے تو اپنا فیاض ادا کر دیا، ادا ان کو خیر خواہی کی بات بتادی، اب ان کا محروم رہنا آپ کے لیے حسرت کا باعث نہیں بننا چاہیے۔ اللہ کے سامنے ہی اپنی اپنی قوم کے ساتھ خیر خواہی کی بات ہی کرتے ہیں، شیخ عبد اللہ نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! میں نے تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا ہے **وَلَقَدْ كُفِرْتُمْ كُفْرًا كَبِيرًا** (الاعراف: ۹۶) میں نے تمہیں پرہیزگاری پر ہی نصیحت کر دی، اب میں کافروں کی قوم پر کیا افسوس کروں؟ فرح عبد اللہ نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا کہ میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیے ہیں **وَأَنْصَحُكُمْ وَالْأَعْرَابَ** (۹۳) اور تمہارے لیے خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے اگر تم اب بھی نہیں مانتے تو پھر خود ذمہ دار ہو، حضرت ابو عبد اللہ نے بھی کہا کہ میں نے اللہ کے حکم پہنچا دیے ہیں **وَأَنْتُمْ كُفْرًا كَبِيرًا** (الاعراف: ۹۸) اور میں تمہاری خیر خواہی کرنے والا امانت دار ہوں، بہر حال اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ خیر خواہی کا حق ادا کرنے کے بعد بھی ضد اور عداوت پر اڑے رہتے ہیں، آپ ان پر حسرت نہ کریں، بہر حال اللہ کی آواز سنا لیں، اللہ نے اپنے عقیدے اور عمل کا زور اور توجہ دیا ہے، ہر شخص اپنے اعمال کا پیمانہ خود فرمے گا۔ **إِنَّ اللَّهَ جَلِيلٌ أَعْلَمُ** اللہ تعالیٰ ان کی پرکار کرے گی کہ جانتا ہے، جب نبوت کی منزل آئے تو وہ ان کا بر عمل ان کے سامنے دکھلا دے گا اور پھر اس کے مطابق ہدایت دے گا، اللہ تعالیٰ نے جرنیلوں کو ہدایت دے گا۔

اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنا چاہے تو عرض کیے کہ ایک نام قہر کی ہوش کی
گی۔ جو نبی! ارشاد پانی زمین پر پڑے گا مرنے سے زندہ ہوئے شروع ہو جائیں گے۔
پھر ایک نیا نیا قائم ہوگا۔ لہذا آخرت پر یقین رکھنا چاہیے۔ اللہ کا وہ برحق
ہے، وہ ضرور پورا ہوگا۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ لہذا اس کی
تیسری لڑنی چاہیے۔

عزت کا
مطلب

اب آئی آیت میں اللہ نے مشرکوں، کافروں اور مشکوکین کی مذمت بیان فرمائی
ہے۔ ارشاد ہو رہے ہیں **مَنْ كَانَ يُؤْمِدُ الْعِزَّةَ بِرِجْسٍ عَزَلْنَا بِهَا عِزَّتَنَا**
فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا تَرَادُفًا عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے
مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کو عزت پر لگ کر بڑی عزت ملنے سے پھرتے ہیں، اپنے حسب
نفس، جاہ و شہرت اور مال و دولت پر فخر کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ **يَسْتَكْبِرُونَ**
تو ان کے لئے قدرت سے ہے۔ سورۃ بقرہ، آیت ۲۵۵۔ **وَيَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ**
الذِّكْرِ الْهَيْبَةَ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أُمَّرَاتِهِ (۸۱) مشرکوں اور کافروں نے
ان کے علاوہ دوسرے معبودوں کو عزت دینے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کو عزت
دیا جاوے اور خدا کو عزت نہ دیا جائے۔ **الذِّكْرُ** یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور
أُولَئِكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وہ ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ سے
فِيَآئِ الْعِزَّةِ يُلْهِجُ جَمِيعًا (۳۹) جو کہ کافروں کو اپنا دوست
سامنے لائے ہیں تاکہ ان کے پاس عزت ہو۔ ان کو عزت دینے میں احمقیت ہے
یہ ہے کہ عزت تو ساری کی ساری اللہ کے پاس ہے، وہ کہاں بٹکتے ہیں؟
میں مجبوراً ان کی پرستش اور عبادت کی اور ان سے عزت حاصل نہیں کر سکتا،
ان لوگوں نے غلط رائے اختیار کیا ہے۔

العزیز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو کمال قدرت کا ہے۔ ان لوگوں
عزت والا ہے، اللہ کے بعد فرماؤں **سُؤْلِهِ** اس کے رسول کو سب سے زیادہ
عزت حاصل ہے، جو کہ وہ اللہ کا مقرب ترین بندہ ہے اور تیسرے نمبر پر

وَالْمُؤْمِنِينَ عَزَّتْ اہل ایمان کے لیے ہے عزت اُس شخص کو حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے گا، اس کی اطاعت کرے گا، نیکی کے کام انجام دے گا اور اللہ کا ذکر کرے گا۔ فرمایا اسی طرح اگر کوئی شخص قوت کا متلاشی ہے تو یہ چیز سی انجنیئر یا سائنسدان یا سرمایہ دار کے ہاں نہیں ملے گی بلکہ اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا (البقرہ - ۱۶۵) قوت اور طاقت کا سرچشمہ بھی فقط ذات خداوندی ہے اللہ چاہے تو ناتواں سے ناتواں شخص اور جماعت کو قوت بخش دے اور بڑے سے بڑے طاقتور کو کمزور کر دے۔ غیر اللہ کے پاس نہ عزت ہے اور نہ طاقت۔ جو لوگ ان چیزوں کے لیے ان کے پیچھے بھاگتے ہیں وہ محروم رہیں گے۔

غرضیکہ بارگاہِ الہی میں عزت کا مقام اُس شخص کو حاصل ہوگا۔ جس کا عقیدہ درست ہوگا۔ ایسے شخص کے متعلق اللہ نے فرمایا اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ، کہ اس کا پاک کلام اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کلمہ طیب سے مراد اللہ کا ذکر، دعا، قرآن کی تلاوت، وعظ و نصیحت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ہر وہ نیک بات ہے جو لوگوں کے لیے دنیا اور دین میں مفید ہو۔ کوئی شخص جو بھی نیکی کا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یُرْفَعُ اور انسان کا نیک عمل اُس کلمہ کو مزید بلند کرتا ہے۔ گویا ہر نیک بات کو اگر عمل صالح کی تائید بھی حاصل ہوگی تو ایسے کلمہ کو مزید تقویت حاصل ہوگی اور اُسے بارگاہِ رب العزت میں کمال درجے کی قبولیت حاصل ہوگی۔ اگر یہ نیک بات کی قبولیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر ساتھ نیک عمل بھی ہو تو وہ نور علی نور ہوگا۔ اللہ کا فرمان ہے فَمَنْ یَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعِیْہِؕ وَاِنَّآ لَہٗ کَاتِبُونَ (انبیاء - ۹۳) جو شخص اچھا عمل کرے بشرطیکہ ایمان دار ہو تو اُس کی تاقدیری نہیں کی جائے گی بلکہ وہ عمل اللہ کے ہاں ضرور قبول ہوگا۔ اور اچھا عمل کیا ہے؟ اس میں سب سے پہلے فرائض آتے ہیں۔ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ پھر واجبات، سنن

کلمہ طیبہ
اور عمل صالح

اور تجھ سے کہتے ہیں: بارگاہِ قرآنی صدقات وغیرہ سب اچھے اعمال ہیں اور یہ اعمال انسان کے کلوطنیہ کی مشربیت میں محدود معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اگر مشرکین فرماتے ہیں کہ تَبَعُہُ میں وہ کی تفسیر کلمہ کی طرف لوثی سے یعنی نیک عمل کلوطنیہ کو فہمی پر سے جاتا ہے، آج حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ وہ کی تفسیر عملِ سائن کی طرف لوثی ہے اور میں یہ جانتا ہے کہ کلوطنیہ نیک عمل کو مزید بندہ ہی کہہ سکتا ہے۔

فِرَاقٌ نِیک عمل کے برعکس وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ
جو لوگ براہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان کے لیے تلمیح سوچتے ہیں پروردگار
جاتے ہیں لَمْ يَكُنْ سَعْدًا بَشَرًا يَدَّ اَنْ كَيْفَ نَحْتِ عَذَابَ تَدْرِكِ
گیسے، بعض اوقات دنیا میں اللہ تعالیٰ لیے عرصہ تک عدت دیتا رہتا ہے
اور وہ سزا سے بچے سنتے ہیں اور شاید خداوند ہی سے وَأَسْفِلُ كُهُمُ الرَّاغِبِينَ
کیسے ہی مستحقین الاعراف ۱۸۲ میں ان کو عدت دیتا ہوں مگر میری تدبیر
ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ سورۃ انفال میں فرمایا وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ
وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَكْرِيْنَ (آیت ۲۰) کافر، مشرک اور منکر بھی تدبیر کرتے
ہیں اور اصرار اللہ تعالیٰ بھی تدبیر کرتا ہے، مگر اللہ کی تدبیر بہترین تدبیر ثابت
ہوتی ہے اور وہ بھی کامیابی سے بھگتا ہوتی ہے، مگر اور کھموا و مضمكرو
أُولَئِكَ هُمُ السَّيِّئُونَ ان لوگوں کی تباہی و بربادی ہو کر ہے کہ ان کا نتیجہ
کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، مشرکین نے دارالندوہ میں جمع ہو کر حضور علیہ السلام کے
قل کا حضور بنا یا تھا، مگر اللہ نے اسے ناکام بنا دیا، اے اسی سورۃ میں بھی آیا
ہے وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَعْيُنِنَا (آیت ۴۲) جو شخص کسی راستے

۱۹۵ء و ۲۳۱ء و ۲۴۱ء و ۲۴۲ء

(فیاض)

۲۴۸ء و ۲۴۹ء

نے بارے میں غلط تدبیر سوچتا ہے، وہ خود اسی کو گھیر لیتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان
 بھی ہے مَنْ حَفَرَ لِأَخِيْتِهِ بِسُنْءٍ وَقَعَ فِيْهِ جِوَادِيٌّ مِنْ بَيْتِي كَيْفَ
 يَلِي كُفْرًا كَسُودًا هُوَ، وہ خود ہی اس میں گر آئے۔ غرضیکہ مخالفین حق کے خلاف
 سازشیں کرتے رہتے ہیں مگر بالآخر یہ خود ہی ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے اور دین حق
 کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اس میں تسلی کا مضمون بھی آ گیا ہے۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ
 جَعَلَكُمْ أَرْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا
 تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعْتَمِرُ مِنْ مُعْتَمِرٍ وَلَا
 يُنْقِصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ
 عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ
 هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا
 مِلْحٌ أُجَاجٌ وَمَنْ كُلَّ تَاكُلُونَ لِحَمَاطٍ رِيًّا
 وَتَسْتَخْرِجُونَ حَبْلَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى
 الْفَلَكَ فِيهِ مَوَازِيرَ تَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ
 وَلَعَنَّاكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ يُؤَلِّجُ الْبَحْرَ فِي
 النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
 كُلًّا يَجْرِي لِأَحَدٍ مُسَمًّى ذَلِكَمُ اللَّهُ
 رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ
 دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۝ إِنَّ
 تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا

مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ
بِشْرِكِكُمْ وَلَا يَنْبِئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۱۲

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تم کو سٹ سے - پھر (نوع انسانی کو) قطرہ آب سے - پھر بنایا ہے تمہیں جڑ سے - اور نہیں اٹاتی کوئی مادہ اور نہیں جلتی (اُس کو) مگر اس کے علم سے - اور نہیں عمر دی جاتی کسی عمر والے کو اور نہیں گھٹائی جاتی اس کی عمر مگر وہ کتاب میں (لکھی ہوئی ہے)۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ۱۱ اور نہیں برابر دو سمندر، ایک میٹھا، خوشگوار، پیاس بجھانے والا اور دوسرا کھاری، کڑوا - اور ہر ایک سے کھاتے ہو تم تازہ گوشت، اور نکلتے ہو تم زیر جس کو تم پینتے ہو - اور دیکھے گا تو کشتیوں کو سمندر میں پانی کو بھاڑتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تلاش کرو تم اُس کے فضل سے اور تاکہ تم شکر ادا کرو ۱۲ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں، اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اُس نے سسخر کیا ہے سورج اور چاند کو - ہر ایک چلتا ہے ایک مقررہ وقت تک - یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار - اسی کی بادشاہی ہے - اور جن کو تم پکارتے ہو اُس کے سوا، نہیں مالک وہ کھجور کی گھٹلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کے ۱۳ اگر تم اُن کو پکارو تو نہیں سنتے تمہاری پکار کو - اور اگر سُن لیں تو وہ تمہارا کام

نہیں کر سکتے۔ وہ قیامت طوفانِ دین وہ انکار کریں گے
 تمہارے شرک سے، اور کوئی نہیں بدلے گا تجھ کو مثل
 اس ذات کے جو ہر چیز کی خیر نیکنے والی ہے ﴿۱۴﴾

سیدنا

گزشتہ آیات میں نیک و بد انسانوں کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ کی رحمت
 اور قوتِ قیامت پر دلائل بیان ہوئے۔ اللہ نے مشرکوں کے متعلق فرمایا کہ وہ
 غیرت سے حرمت کے علم کو جو جہاں ملائکہ عزت فرمائی کی ماری اور تھانے
 کے پاس ہے۔ اس نے بد لغتوں نے پاکیزہ کلمات کا ذکر کیا کہ وہ بارگاہِ الوہیت
 میں پیش ہوتے ہیں اور اگر ان کو نیک اعمال کی تائید ملی حاصل ہو تو وہ مزید
 تقویت کا باعث بنتی ہے۔ نیک عمل کو پاکیزہ کلمات اور اظہار ہے۔ اور اس
 کی مقبولیت اس وقت ہوتی ہے جب اس کی تائید ان اور توحید ہو۔ اللہ
 نے کافروں کے متعلق فرمایا کہ ان کے لیے شدید عذاب ہے اور ان کی ہر
 تدبیر بکام ہوگی

تخلیقِ انسانی
 کے مراحل

اب آئی کہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت اور توحید کے بارے
 میں کچھ متنی دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ سب سے پہلے انسانی تخلیق کے متعلق فرمایا
وَاللَّهُ خَلَقَ كَعَرَقٍ تَرَابًا خدا تعالیٰ نے ذاتِ وہ سے جس نے زمین کو
 سے پیدا فرمایا عَرَقٍ قطرہ پھر قطرہ آب سے، مطلب یہ
 ہے کہ اللہ نے اولین انسان اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کو تو مٹی سے پیدا کیا
 اور پھر آگے نسل انسانی کو ایک مٹی پر قطرہ آب سے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت
 کی دلیل ہے کہ اس نے جسے جان سٹی سے آدم علیہ السلام جیسی بندہ یا یہ سستی پیدا
 کی اور انسانیوں کو ایسے خیر قطرہ سے کہ اگر کپڑے کو آگ جاسے تو اس کو
 دھوا لایا ہو جائے، حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے سوا بھی
 ہیں۔ اللہ نے ان سے کلام فرمایا، اپنا عزیز فی الارض بنایا اور بندہ تری نعمت
 دیا۔ اسی لیے اللہ نے اور نبی علیہ السلام نے۔ راستہ سمجھائی ہے کہ

ابنا آدم و آدم من تو اب کہ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی، لہذا کسی انسان کو دوسرے کے مقابلے میں تکبر نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور پر کسی ماحول میں کسی خاندان کے ذریعے کوئی شرافت یا عزت بخشی ہے تو اس کو اللہ کا فضل سمجھنا چاہیے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے، نہ کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔

فرما خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر قطرہ آب سے تم جعککم از واجبا پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنا دیا، مرد اور عورت میں تفریق کر کے دو صنف بنائیے۔ پھر ان کے ملاپ سے نسل انسانی کے بقا کا سلسلہ قائم کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کی دلیل ہے۔

فَرَأَىٰ وَمَا خَمِلُ مِنْ أَنْثَىٰ وَلَا قَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ كَوْنِي
عورت نہیں اٹھاتی بچہ اپنے پیٹ میں اور نہ اُسے جنتی ہے۔ مگر وہ اللہ کے علم میں ہوتی ہے۔ عورت کے رحم میں حمل قرار پانا اور پھر مقررہ مدت کے اندر شکم آد میں نیک کا پرورش پانا اور پھر باہر آجانا سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ اور اسی طریقے سے وَمَا يُعْمَرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ إِلَّا بِعِلْمِهِ كَوْنِي اور نہ گھٹائی جاتی ہے اس کی عمر وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمرٍ إِلَّا بِعِلْمِهِ۔ کتب نگار وہ کتاب میں بھی ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان اس دنیا میں آجاتا ہے تو پھر وہ کتنی عمر پاتا ہے، پھر کتنی عمر میں فوت ہو جاتا ہے یا لمبی عمر پاتا ہے۔ اس کی زندگی میں کیا تبدیلیاں آتے ہیں۔ بیماری، تندرستی، دولت مندی، مفلسی، شہادت، سعادت ہر چیز کو اللہ جانتا ہے۔ ہر چیز اللہ کی کتاب لوح محفوظ میں ہی راجح ہے، مقدر ہے، درمیانی یا لمبی عمر کی حکمت اور مصلحت کو بھی اللہ ہی جانتا ہے، یہ چیز کسی دوسری ذات کے علم میں نہیں ہے۔

فَرَأَىٰ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَىٰ اللّٰهِ يَسِيرٌ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے، اُسے کوئی کام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ اس مقام پر پھر اللہ تعالیٰ

ایک اور بات بھی سمجھاتے ہیں کہ جس طرح انسان کی نشوونما آہستہ آہستہ اور تدریج ہے، اسی طرح اسلام بھی تدریجاً بڑھے اور پھیلے پھوسے گا اور کفر بالآخر مغلوب و مقہور ہو گا۔ یہی انداز میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ایک طرف اپنی قدرتِ تامہ کو واضح کر دیا اور دوسری طرف دفریح قیامت پر بھی دلیل قائم کر دی ہے۔ اگر انسان اپنی پیشانی اور عمر کے مختلف مراحل کو آسانی سے سمجھتا ہے تو اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندگی بھی اُس کی نگہ میں آجانی چاہیے۔

ایمان اور
کفر و کفر

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک مثل کے ذریعے ایمان اور کفر کو واضح فرمایا ہے اور دونوں کا انجام بھی ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَكَانَ يَتْلُو الْحِكْمَانَ دوسرے یہاں دیر پڑھنا ہے کیونکہ هَذَا عَذَابٌ عذاب ایک معنی ہے اور پائس کر کے سمجھانے والا ہے سَاءَ لِمَنْ شَرِبَ اور اس کا مشروب غرضگوار ہے جب کہ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ یہ دوسرا کھاری اور کڑھ ہے اس کا حلق سے اترنے والا ایک گھونٹ حلق کو پھیل ڈالنے کے لیے کافی ہے جس طرح یہ دو پانی ایک سے نہیں، ایک نہایت سفید ہے اور دوسرا سخت سبز ہے، اسی طرح کفر اور اسلام بھی برابر نہیں ہیں، ایمان کمال درجے کی حقیقت ہے، اللہ نے اہل ایمان کو خوشگوار اور دائمی زندگی کی بشارت سنائی ہے جب کہ کفار کے لیے دائمی سزا کی وحید سنائی ہے۔ لہذا یہ دونوں آپس میں قطعاً برابر نہیں ہو سکتے۔

سمندر
کے فوائد

اللہ نے پیٹھے اور کھاری سمندروں کا ذکر کرنے کے بعد اُن کے فوائد کا ذکر کیا ہے جو انسانوں کو دونوں اقسام کے پانی سے حاصل ہوتے ہیں۔ وَمِنْ فَوَادِحِهَا مِنْ فَوَادِحِهَا لِحَمَا طَرِيقًا تم ہر قسم کے پانی سے نازہ مرگشت کھاتے ہو اس سے مراد پھیل ہے جو پیٹھے اور کھاری ہر قسم کے پانی میں پائی جاتی ہے۔ نوٹ ہے پوڈو کر اس کا مرگشت غمراک کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں پھیل کا مرگشت نہایت لذیذ اور طاقتور غذا ہے، اس میں پروٹین بہت زیادہ

ہونے ہیں۔ خشکی کے جانوروں کو تو پیکر ٹھنکے کے بعد ذبح کر کے اس کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے مگر مچھلی کو ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ دنیا کے لاکھوں انسانوں کی معیشت کا دار و مدار مچھلی کے شکار پر ہے۔ ساحلی لوگ عام طور پر مچھلی کا کاروبار کرتے ہیں۔ سمندروں اور دریاؤں کے علاوہ مصنوعی طور پر جو ہٹروں اور ٹالابوں میں بھی مچھلی پالی جاتی ہے جو لوگوں کی خوراک کا حصہ بنتی ہے۔

فرمایا ایک تو تم ان پانیوں سے مچھلی کا شکار کرتے ہو اور دوسرے وقت شیخ جنوں
حلیۃ تکسوتھا ان سمندروں سے پینے کے زیورات ہی نکالتے ہو۔ زیورات
 سے مراد موتی اور مونگا ہیں جن کے بار بنا کر پینے جاتے ہیں۔ سونے چاندی کے زیورات تو سردوں کے لیے جائز نہیں البتہ موتیوں کے بار مرد بھی پہن سکتے ہیں۔ یہاں بھی اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس طرح لوگ میٹھے اور کھاری ہر دو سمندر سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح اسلام کی تقویت مسلمانوں کے ذریعے تو مسلم ہے انہیں انہار کی طرف سے بھی بجز اور خراج کی صورت میں فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا اس کے علاوہ سمندروں اور دریاؤں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ
تَرَى الْعُلَّكَ فِيهِ مَوَابِخٌ اور تم کشتی کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی پھرتی
 ہوئی چلتی ہے۔ پہلے زمانے میں بادبانی کشتیاں چلتی تھیں جو چھوٹے پیمانے پر
 نقل و حمل میں کام دیتی تھیں مگر اب سائنسی دور میں لاکھوں ٹن وزنی جہاز معوض
 وجود میں آچکے ہیں جو نہ صرف مسافروں کو سفر کی سہولت سہم پہنچاتے ہیں بلکہ لاکھوں
 ٹن وزنی تجارتی سامان بھی ایک ملک سے جو دوسرے ملک تک پہنچاتے ہیں۔
 سامان کی بین الاقوامی نقل و حمل میں بحری جہاز بڑا مفید کردار ادا کر رہے ہیں ان
 کے بغیر سامان کی ترسیل بہت مہنگی اور دشوار ہوتی ہے۔ فرمایا جہاز رانی کا فائدہ
 یہ ہے لَتَبْتَغُوا مِنْهُ فَضْلًا تاکہ تم اس کے ذریعے اللہ کا فضل
 یعنی رزق حلال تلاش کرو۔ بین الاقوامی تجارت روزی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔
 اللہ نے اپنا یہ احسان بھی جہاں دیا کہ اُس نے کشتی رانی کے ذریعے تمہارے لیے

روز کی کہ سابق ہم ہستی و پاست وَأَلَّفَكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ اور آہستہ آہستہ ہے
 کاشکے اور نور۔ اتنی بڑی نعمت پاکر تمہیں حق تعالیٰ کا شکر گزار رہنا چاہیے۔
 نے نہ روں اور دواؤں کو تمہارے لیے سحر کر دیا اور تمہیں سے غلامہ اٹھائے تو
 ارشاد ہوا ہے الذات کی ذات بود سے جَوَلَّوْا فِي السَّبِيلِ فِي النَّهَارِ
 آہستہ آہستہ میں داخل کرنا ہے۔ اور درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے بڑبڑاؤ
 اور دن کو رات میں داخل کرنا ہے۔ بِسْمِ رَبِّكَ اور رات چھوٹی ہوتی ہے۔ اور
 کبھی رات بڑی اور دن چھوٹا ہوتا ہے۔ اور درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے بڑبڑاؤ
 بھی ہو جاتے ہیں۔ دن رات کے تغیر و تبدل کے سارو خدائی نعمت کے تحت ہو کر
 بھی تبدیل ہوتے ہیں اور ہمہ سزو کس کے طَائِفٌ مَّخْتَلِفٌ أَلْسِنَتُهُمْ اور ان میں
 ہوتا ہے جو انسانوں کی خوراک بناتا ہے۔ فَرِيًّا وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
 انہوں نے سنا۔ اور یہ کوئی سحر یا جادو ہے یعنی تمہارے کام پر لگا دیا ہے۔ وہ
 شب و روز ہی بولتی خود سنتے ہیں ذَاتِ الْوَلَدِ اور انہوں نے سنا اور خود تبارک و تعالیٰ
 ہرگز ہنسنا ہے۔ كَلِمَاتٍ يُخَيَّرُ لِي أَحْسَنُ لِمَا يَشَاءُ ان میں سے ہر ایک کلمہ
 ہمت کا ہے۔ انہوں نے ان کے لیے جو مسائل اور وقت تدارک کر دیا ہے اس
 نے ہر روز اپنے بَيْنَ يَدَيْهِ اور اس طریقے سے کائنات کا نظام بنا دیا ہے
 شاہ عبدالعزیز یہ لفظ میں بیان کرتے ہیں کہ جس طرح کبھی سورج غائب ہوتا
 ہے اور کبھی چاند اسی طرح کبھی سورج غائب آجاتا ہے اور کبھی غمرا اور آفتاب
 اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے غائب کر دیتا ہے اور جب چاہتا
 ہے مخلص بنا دیتا ہے۔ اس کی حکمت اور مصلحت کو دینی یا ناسبتہ ذی لِكُلِّ
الْقَدَرِ ذَاتِ كَلْمَةٍ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار۔ لَهُ الْمُلْكُ الْحَقِيقِيُّ وہی
 اُس کی ہے۔ یہ ساری کلمہ کا نام گزردہ ہے اور وہی اس کو پیدا کیا ہے۔ وہ دوسرا

رات دن
 کو تغیر دیتا ہے

لاشریک ہے۔ اُس کی توحید کو مان کر اُسی کی عبادت کرنے کی چاہیے۔ جب ہر چیز کا مالک، مدبر اور متصرف وہی ہے تو پھر اپنی حاجات دوسروں کے سامنے پیش کرنا کس قدر حماقت کی بات ہے۔

معیودانِ باطلہ
کی بے بسی

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ جُمْلًا لَمْ يَمْلِكُوا اور دوسروں کو پکارتے ہیں، ان سے حاجت براری چاہتے ہیں، فرمایا مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِينٍ وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، وہ تو اتنی معمولی سی چیز بھی نہ بنا سکتے اور نہ کسی کو دے سکتے ہیں ان کو نہ کوئی اختیار حاصل ہے اور نہ وہ کسی کی تکلیف دُور کر سکتے ہیں۔ فرمایا إِنْ تَدْعُواهُمْ لَمْ يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار کو سن بھی نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ وہ تو لکڑھی یا پتھر کے بے جان محسمے ہیں یا پھر شجر و حجر ہیں۔ وہ تمہاری پکار کو کیسے سنیں گے؟ وَلَوْ سَمِعُوا اور اگر بالفرض تمہاری بات کو سن بھی لیں مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ تو وہ تمہیں جواب تک نہیں دیں گے۔ وہ تو بے جان ہیں اور قوتِ گویائی سے محروم ہیں۔ وہ تمہیں کیسے جواب دیں گے؟ اور اگر تم جائز ہتھیوں مثلاً ملائکہ، جنات، انبیاء اور اولیاء، گویا کسی دوسری ہستی کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری بات سن کر بھی تمہاری مدد پر قادر نہیں ہیں۔ وہ تو اللہ کے حکم کے بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ کا فیصلہ ہے مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرہ - ۲۵۵) اس کی اجازت کے بغیر کوئی ذات سفارش بھی نہیں کر سکتی۔ بھلا وہ تمہاری مشکل کا کیسے مدد کر سکیں گے؟

فرمایا یہ ہتھیاں تمہاری مدد کرنے کی بجائے وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ قیامت والے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے، جب اللہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تم نے ان کو کہا تھا کہ تمہاری عبادت کریں۔ تمہارے سامنے نذر و نیاز پیش کریں اور تم سے حاجات طلب کریں تو ملائکہ، جنات، انبیاء اور اولیاء سب انکار کر دیں گے کہ مولا کریم! ہم نے تو ان سے نہیں کہا تھا کہ ہمارے بعد ہمیں اپنا

عاجت روا اور مشکل کا بنائین ہم خود بھی تمہی سے عاجت طلب کرتے ہے اور تمہیں
 بھی یہی درس دیتے ہے کہ درست سوال صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے نہ کرنا، مگر لوگ
 شیطان کے بہکاوے میں آگئے اور اُمی کے کہنے پر کفر و شرک پر اصرار کرتے ہے
 فرمایا تم اپنی سمور دن باطل سے کیا توقع رکھتے ہو وَ لَا يَسْتَكْفِرُ مِمَّا كَفَرْتُمْ
 لے مخاطب! اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرح یہ تمہیں کچھ نہیں بتا سکیں گے، ان کے کہنے
 لاکھ دیکھتے چلا تے ہو، ان کو باقیوں کے اسباب پکارتے ہو، یہ تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے
 کہ خود کفر و جبر صرف ذات خدا ہی ہے، باقی سب عاجز مخلوق ہے۔ حقیقت یہ ہے
 يَسْأَلُكَ فِي السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ (الرحمن، ۲۱) آسمان و زمین کی ہر چیز
 اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی اُمتدھار چلائی ہے لہذا تمہیں بھی اپنی عاجت اُمی سے
 طلب کرنی چاہئیں۔ یہ خود ساختہ سمجھو تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ
هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ⑮ إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ
وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ⑯ وَمَا ذَلِكُ عَلَى
اللَّهِ بِعَزِيزٍ ⑰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ
وَإِنْ تَدَّعِ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِهَةٍ لَا يُحْمَلُ مِنْهُ
شَيْءٌ وَكَوُكَّانَ ذَا قُرْبَىٰ ⑱ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ
يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ⑲ وَإِلَىٰ
اللَّهِ الْمَصِيرُ ⑳

ترجمہ :- اے لوگو! تم محتاج ہو، اللہ کی طرف

اور اللہ تعالیٰ ہی غنی اور تعریفوں والا ہے ⑮ اگر وہ چاہے
تو تم کو لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے ⑯ اور نہیں
یہ بات اللہ پر کوئی شکل ⑰ اور نہیں اٹھانے کا
کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ اور اگر کوئی
بوجھ اپنا بوجھ اٹھانے کی طرف کسی کو بلے گا، تو
نہیں اٹھائی جائے گی اس سے کوئی چیز اگرچہ وہ قرابتدار
ہی کیوں نہ ہو۔ بیشک آپ ڈر سنتے ہیں اُن
لوگوں کو جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے بغیر دیکھے۔

اور قہر کی انہوں نے نماز، اور جو شخص تزکیہ حاصل کرے وہ
 پس بے شک وہ تزکیہ حاصل کرے وہ اپنے نفس کے
 لیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جا، ہے ①

گزشتہ آیت کی طرف آج کے درس میں بھی توجیہ کا اثبات، مشرک ہونے
 و توحید قیامت اور محاسبہ اعمال کا بیان ہے۔ ماحقر تفسیر مکرر کی جیسے
 زجر و تہنیر کا پہلو بھی ہے، تاہم جی نوع ان کی کتاب کر کے انہیں ان کی
 ذمہ داری کا احساس دیا جا رہا ہے۔ ارشاد پر ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْجِعُوا
لِلدِّينِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ اللہ کے دنیا جہان کے لوگو! تم سب کے سب اللہ کے
 کی طرف متوجہ ہو۔ فقار دراصل پشت کے ٹہرے کو کہا جاتا ہے جس شخص کو
 ضرور ٹھہرا ہوا جو اس کی کمر سے یہ بھی نہیں ہوسکتی اور اس کا دست وہ محتاج تو
 ہے۔ توفیقاً تھمارا دست کے سامنے اللہ کے دروازے سے تھپہ تھپہ ہوا اپنی تمام
 حاجات اسی سے حاصل کرتے ہو۔ سورۃ الزمر میں آیا بھی فرمایا ہے کہ مَنْ
صَدَّقَ بِرَبِّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۲۰۔ ایمان اور یقین سے ایمان
 آجی سے ہوتی ہے، مفلوک میں خود اللہ کے تقسیم فرستے ہوں یا جہات، یا انہوں
 نبی ولی سب۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے محتاج ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں قرآن، مال اور زبان حال دونوں
 طریقوں سے ملتے ہیں مگر جو کچھ صرف زبان حال سے طلب کرتے ہیں۔
 پانڈ، درخت، پھر سے وغیرہ ہیں جس سے توجہ نہیں جن کی زبان نہیں کہ وہ دونوں
 کر اپنی ضروریات کا اظہار کر سکیں، ان کی حالت ہی اللہ تعالیٰ سے بنی توجہ سے
 طلب کرتی ہے، اسی طرح جانور کثیر سے منکر ہے، چرند اور پرندہ سے ہیں سمندر
 کی لاکھڑی مخلوق ہے سب کی حاجات ہیں اور وہ سب کے سب سے توجہ

حال ہی سے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات میں سوال کر رہے ہیں۔ اللہ کی مقرب مخلوق فرشتے بھی اللہ تعالیٰ سے ترقی و عروج اور انعامات کے طالب ہیں اور اپنے انڈے سے درخواست کرتے ہیں۔ جنات کا اپنا انداز ہے، غریبیکہ ساری مخلوق اسی کی محتاج ہے اور اسی کے آگے دست سوال دراز کیے ہوئے ہے۔ فرمایا وہ صرف ایک ہی ذات ہے جو کسی سے سوال نہیں کرتی ہے بلکہ سب اس کے سوالی ہیں۔ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ اور وہ ذاتِ خداوندی ہے جو بے نیاز اور تعریفوں والی ہے، وہ ہستی تمام کمالات کے ساتھ متصف ہے، ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ ساری مخلوق اسی سے استعانت کرتی ہے، وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے لہذا عبادت کے لائق بھی وہی ہے، اس کے علاوہ کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں۔ غنی اور صمد وہ ذات ہے جس کی طرف قصد کیا جاتا ہے اور اس کو کسی قسم کا احتیاج نہیں ہوتا۔ ہندی زبان میں ایسی ذات کو "نرادھار" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ جو ذات اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگی اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے، اگر مجھ سے سوال کیوں نہیں کرتا۔ اُدھر انسان سے سوال کیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے مگر رب تعالیٰ سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے کہ میرا بندہ ہو کر میرے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتا۔ ایک مشہور عربی شاعر عبید ابن ابرم کہتا ہے

مَنْ يَسْأَلُ النَّاسَ يُخْزِمُوهُ

وَسَأَلُ اللَّهَ لَا يَخْزِبُ

جو لوگوں سے مانگتا ہے تو لوگ اس کو محروم رکھتے ہیں اور جو اللہ سے طلب کرتا ہے وہ کبھی محروم نہیں رہتا۔ حضور علیہ السلام کے زمانے کے ایک عیبانی

شاعر نے اپنے مدوح لوگوں کے بارے میں کہا۔
 سَأَلْنَا فَأَعْطَيْتُمْ وَعَدْنَا فَبَدَلْتُمْ
 وَمَنْ أَكْثَرُ النَّسَالِ يَوْمَئِذٍ سُخْرَمٍ

ہم نے ایک دفعہ مانگا، تم نے دے دیا۔ ہم نے پھر طلب کیا تم نے پھر دے دیا۔ اور جو زیادہ مانگے گا لوگ تنگ آکر اس کو محروم کر دیں گے مگر خدا تعالیٰ سے جس قدر زیادہ مانگا جائے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور جو نہیں مانگتا اس پر ناراض ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ اللہ سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔ لہذا اسی سے مانگنا چاہیے اور غیروں کی طرف سوا لیا نہ مانگا ہوں سے نہیں دیکھنا چاہیے۔

ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے اِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ وَا
 يَأْتِ بِخَلِيقٍ جَدِيدٍ کہ اگر چاہے تو تم سب کو صفحہ ہستی سے لے جانے اور تمھاری جگہ دوسری مخلوق کر لے آئے۔ ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اللہ نے بعض اقوام کو صفحہ ہستی سے حروفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔ قوم عاد و ثمود کی تباہی کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے۔ اللہ نے قوم عاد کے متعلق سورۃ احماد میں فرمایا اِنَّ ظَالِمِيں پر سات رات اور آٹھ دن تک سخت تندرہ ہوا چلی تو وہ تباہ ہو گئے اور اُن کی لاشیں کھجور کے تنوں کی طرح پٹی تمیں فھَلْ تَرٰہِی لَہُمْ مِّنْ بَاقِیَۃٍ (آیت ۸۰) اب دیکھو کیا اُن کا ایک فرد بھی نظر آ رہا ہے؟ سب ختم ہو گئے فرمایا وَمَا ذٰلِکَ عَلٰی اللّٰہِ بِعَیْنِیۡنِ اَیۡکَ قَوْمٍ کُوۡنَ اَبۡوَدَکَیۡنَا وَاوۡرَ دُوسری قوم کر لے آ، اللہ کے لیے کچھ دشوار نہیں ہے انسانوں کے کام میں تو رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے، اُن کے وسائل میں کمی آئے آسکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ تو قادر مطلق اور تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے، اس کا کوئی کام نہیں ٹرکتا۔ وہ جب کسی کام

کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اُس کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت اور محاسبہ اعمال کا احساس دلایا ہے کہ محض دنیا کی رنگ رلیوں میں ہی الجھ کر نہ رہ جاؤ بلکہ آخرت کا بھی کچھ خیال کرو ہر شخص سے اُس کے عمل کے بارے میں سوال ہو گا، ایمان، عقیدہ ہے، اخلاق اور فکر کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اُس وقت ہر شخص کو اپنے عقیدے اور عمل کی خود جوابدہی کرنا ہوگی اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھایا جلا۔ اسی لیے فرمایا وَلَا تَسْرُرْ وَاذَرُوحًا حُرِّیٰ كُوْنِیْ بُوْجْهِ اِطْحَانِے وَالْاَكْسَى دِرْسَكْ كَالْبُوْجْهِ نَبِیْ اِطْحَانِے كَا۔
وَ اِنْ تَدْعُ مَثْقَلَةً الْاَلْفِ حَمْلُهَا اُوْر اِگْر كُوْنِیْ بُوْجْهِ كَسِی كُو بُوْجْهِ اِطْحَانِے كِے لِیْے جِلَانِے كَا كُو ذِرَا مِیْرِی مَدْر كُرُو لَا یُحْمَلُ مِنْهُ شَیْءٌ تُوْر اُس مِیْن سِے كُوْنِیْ جِیْرِی مِیْن اِطْحَانِی جَا سَكِے كِی اُوْر مَدْر طَلْب كِرْنِے وَاْنِے كُو اِیُوْسِی بُوْجِی۔
روایات میں آتا ہے کہ ہر خاوند اور بیوی اپنے اپنے بوجھ کی فکر میں ہوں گے۔ خاوند اپنی بیوی سے کہے گا کہ دیکھ! میں نے دنیا میں تیرے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا، تمہاری تمام فرمائشیں پوری کیں اور تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں آنے دی، اب اپنی نیکیوں میں سے ایک نیکی مجھے دیدو۔ وہ کہے گی کہ میں تو خود اس معاملہ میں فکر مند ہوں، تجھے کہاں سے دسے دوں؟ پتہ نہیں میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے؟ اسی طرح ماں اپنے بیٹے سے کہے گی، بیٹا! میرا پیٹ تیرے لیے ظرفِ قضا جس میں میں تجھے نواہ نمک اٹھاٹھے پھری۔ پھر میری چھاتی تیرے لیے مشکیزہ بنی ہوئی تھی تم جیب چاہتے تھے میرا ب ہوتے تھے، میری گرد تیری لیے بطور گوارا تھی۔ جس میں تم آرام کرتے تھے۔ اب میری مدد کرو اور پاک نیکی مجھے دیدو۔ بیٹا ماں کے تمام احسانات کو تسلیم کرے گا مگر کہے گا کہ میں تو نیکیوں کے معاملہ میں خود پریشان ہوں، معلوم میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے لہذا میں خود مجبور ہوں غرضیکہ قریبی عزیز بھی ایک دو سگڑ کے لیے اجنبی بن جائیں گے اور کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ ایک دوسرے سے بھاگیں گے کہ کہیں کوئی دوسرا نیکی نہ طلب

عابہ اعمال
کا فکر

کرے۔ قرآن پاک نے اس صورتِ مال کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے **يَوْمَ لَيْفٌ
الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ
لِكُلِّ امْرِيٍّ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَانٌ يُغْنِيهِ قِيَامَتِ**
دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، اپنی ماں اور باپ سے بھاگے گا، اپنی بیوی اور
بیٹے سے راہ فرار اختیار کرے گا۔ اس دن ہر شخص ایک ہی فکر میں مبتلا ہوگا۔
اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ **وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ** اگرچہ وہ قرابتدار
ہی کیوں نہ ہو۔ ہر ایک کو اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرنا ہوگا۔

ایمان
بالغیب

آگے نبی علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ لوگ توحید کا انکار کرتے ہیں۔ شرک
کفر اور سحابی کا ارتکاب کرتے ہیں، خدا پر تعصب کی بنا پر سمجھانے سے سمجھتے
بھی نہیں بلکہ بٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ
إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ آپ ان لوگوں کو ڈر
ساتے ہیں جو بغیر دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کوئی
رب ہے جو ہم پروردگار پر بس کرے گا۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر ہم اللہ اور اس
کے نبی کی بات کو نہیں مانیں گے، کلامِ الہی پر یقین نہیں کریں گے تو ہمارا ٹھکانا
کہاں ہوگا؟ دنیا کا نظام تو ایسا ہی ہے کسی نے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا، نہ
ملائکہ کو دیکھا ہے اور نہ جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا ہے۔ صحابہ کرام نے
تو نبی علیہ السلام پر نزولِ وحی کا مشاہدہ کیا۔ مگر باقی سب لوگ تو ان تمام چیزوں پر
ایمان بالغیب ہی رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ کی ذاتِ وحدہ لا شریک
ہے، اس کے انبیا و مرسلین ہیں اس کی کتابیں سچی ہیں اور پھر محاسبہ اعمال کا وقت
آنے والا ہے تو فرمایا کہ آپ تو اپنی کو ڈرا سکتے ہیں جو ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔

نماز اور
تذکیہ

فرمایا محاسبہ اعمال سے ڈرنے والوں کی دوسری صفت یہ ہے **وَأَقَامُوا
الصَّلَاةَ** کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں جو کہ ایمان کے بعد سب سے ضروری عبادت
اور تمام عبادت میں سب سے زیادہ مقرب الی اللہ ہے۔ قیامت کے دن سب

سے پہلے نماز ہی کے متعلق سوال ہوگا کہ اسے ادا کیا تھا یا نہیں۔ نیز فرمایا کہ ایمان لانے اور اعمال صالحہ انجام دینے کے بعد وَمَنْ تَرَكَ فَاَتَاكَ تَزَكِي لِنَفْسِهِ جو شخص تزکیہ حاصل کر لے گا یعنی اپنے آپ کو پاک بنائے گا تو یہ اس کے اپنے نفس کے لیے ہی مفید ہوگا۔ شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ تزکیہ سے مراد ظاہر باطن ہر طرح کی پاکیزگی شامل ہے۔ جسم، لباس، مکان اور ماحول کی پاکیزگی کے علاوہ فکر، ذہن، قلب، دماغ اور روح کی پاکیزگی بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص بظاہر پاک صاف ہے مگر اس کی خوراک اور لباس مال حرام سے ہے تو آدمی نجس ہے۔ ایسے شخص کی عبادت مقبول نہیں۔ دھوکہ، فریب، سود، چوری اور سنگٹنگ کی کمانی پاکیزہ نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مکمل تزکیہ حاصل کرتا ہے تو اپنے ہی لیے حاصل کرتا ہے۔ اس کا فائدہ خود اسی کو ہوگا۔ خدا تعالیٰ کو ہماری عبادت و ریاضت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہم اللہ کی خوشنودی کے لیے کام کریں گے تو اس میں ہمارا اپنا ہی مصلحت ہے، ہمیں ترقی نصیب ہوگی۔ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور خدا کی رحمت کے مقام میں چلے گی۔

غرضیکہ ہمیں اپنے آپ کو، اپنی فکر کو اپنے ماحول کو، شہر اور ملک کو، مسجدوں اور مدرسوں کو پاک کرنا ہوگا، مسجدوں میں شور و شر کرنا، بیہودہ غزلیں پٹینا، لڑائی جھگڑا کرنا، دوسروں پر کھوپڑا اچھالنا، کسی پر اتنا مہلکا سبب تزکیہ کے خلاف چیزیں ہیں۔ ہماری مسجدوں کو ان نجاستوں سے پاک صاف ہونا چاہیے۔

فرمایا جس نے تزکیہ حاصل کیا تو اپنے ہی فائدے کے لیے۔
يَا دُرُكْهُرُ وَالْحَبِّ اللّٰهُ الْمَصِيْرُ اور سب کو خدا تعالیٰ کی

طرف ہی لوٹ کر جانے اور اپنی کارگزاری کا خود جواب دینا ہے، اگر اس دنیا سے
 تزکیے کر جاؤ گے تو انجام اچھا ہوگا، اور اگر نجاست سے آلودہ ہو کر جاؤ
 گے تو بہت بڑا حشر ہوگا۔ اللہ کے سامنے سب کی پیشی ضروری ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۝۱۹ وَلَا الظُّلُمَاتُ
 وَلَا النُّورُ ۝۲۰ وَلَا الظُّلُّ وَلَا الْحُرُورُ ۝۲۱ وَمَا
 يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۗ إِنَّ اللَّهَ
 يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّن
 فِي الْقُبُورِ ۝۲۲ إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۝۲۳ إِنْ أَرْسَلْنَاكَ
 بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۗ وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا
 خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝۲۴ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ
 كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
 بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝۲۵ ثُمَّ
 أَخَذتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝۲۶

ترجمہ :- اور نہیں برابر اندھا اور بینا ۱۹ اور نہ اندھیرے
 اور نہ روشنی ۲۰ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ ۲۱ اور
 نہیں برابر زندہ اور مردہ - بیشک اللہ تعالیٰ سنااتا ہے
 جس کو چاہے ، اور آپ نہیں سنانے والے ان کو جو
 قبروں میں پڑے ہوئے ہیں ۲۲ نہیں ہیں آپ مگر
 ڈر سنانے والے ۲۳ بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ
 کو حق کے ساتھ خوشخبری لینے والا اور ڈر سنانے والا اور

نہیں گزری کوئی امت مگر یہ کہ ہوا ہے ان میں ڈر سنانے والا (۲۳) اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ آئے ہیں ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لے کر (۲۵) پھر پکڑا میں نے ان کو جنہوں نے کفر کیا۔ پس کس طرح ہوئی میری گرفت (۲۶)

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں مشرکین کا رد تھا۔ نیز ساری مخلوق کے احتیاج اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر تھا۔ اس بنا پر تمام حاجات اللہ ودعہ لا شریک سے طلب کرنی چاہئیں اور اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ چاہے تو ساری مخلوق کو صفحہ ہستی سے نابود کر کے اُس کی جگہ دوسری مخلوق کو لے آئے لہذا ہر انسان کو محاسبہ اعمال کی فکر کرنی چاہیے۔ قیامت والے دن کوئی عزیز ترین رشتہ دار بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اللہ نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈراتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ لوگ من ز پڑھتے ہیں اور ظاہری و باطنی تزکیہ حاصل کرتے ہیں۔ فرمایا جو کوئی پاکیزگی اختیار کرے گا تو اُس میں خود اسی کا فائدہ ہے جس کا نتیجہ اللہ کی بارگاہ میں پیشی کے وقت سامنے آئے گا۔ اس طرح اللہ نے قیامت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا۔

نیک بہ
کی مثال

گذشتہ درس میں میٹھ اور کڑوے سمندر کی مثال بیان کی گئی تھی کہ دیوڑوں برابر نہیں مگر مخلوق خدا اوصاف کیساں طور پر فائدہ اٹھاتی ہے۔ اس لیے تسلسل میں بعض دوسری مثالیں بیان کی ہیں کہ متضاد چیزیں آپس میں برابر نہیں ہو سکتیں ارشاد ہوتا ہے وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہیں۔ ہر شخص ہی کے گناہ کا کہ بنی آدمی اندھے سے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ دیکھ کر اچھے اور بُرے میں تمیز کر سکتا ہے اور نقصان سے بچ کر مختلف چیزوں

سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح فرمایا وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّجُومُ اِنْ مِصْرَے
اور نہ کسی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اِنْ مِصْرَے میں انسان ٹھوکر میں کھانا پھرنا ہے۔ جب
کہ اجالے میں سارے کام انجام دیتا ہے، لہذا ان کو بھی کوئی شخص برابر تسلیم کرنے
کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ پھر فرمایا وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّجُومُ وَلَا مِصْرَے اور دھوپ
بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ سالے میں آدمی کام کاج کر سکتا ہے، کچھ دیر کے لیے
مسافر آرام کر سکتا ہے۔ جب کہ دھوپ کی شدت میں رات سکون سے کوئی کام
ہو سکتا ہے اور نہ ہی آرام کر سکتا ہے۔ یہ بھی متضاد چیزیں ہیں جن میں سے ایک
مفید اور دوسری غیر مفید ہے۔ فرمایا وَمَا يَكْتُمُونَ إِلَّا الْأَنْبَاءَ وَلَا
الْأَمْوَالَتِ زَكَةً اِنْ مِصْرَے اور مردہ بھی برابر نہیں ہیں۔ زَكَةً انسان دنیا میں چلتے پھرتے
ہیں، کام کاج کرتے ہیں، عبادت کرتے ہیں۔ جب کہ مردہ انسان قبروں میں
خاموش پڑے ہیں۔ یہ دونوں گروہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ یہی مثال نیک اور
بی ایمون اور کافر کا ہے، ایک طرف ایمون ہے جس کے دل کی آنکھیں کھلنے
روشن کر رکھی ہیں، اُس کو بصیرت ہے۔ جس کے ذریعے وہ نیکی اور بدی میں تمیز
کر سکتا ہے۔ وہ جس طرح ظاہری روشنی کو دیکھ رہا ہے اسی طرح دل کی بصیرت
سے وحی کے اجالے کو بھی دیکھ رہا ہے اور اپنی منزل کھٹے کرتے چلا جا رہا ہے
ظاہری روشنی آنکھوں کے لیے ضروری ہے۔ جب کہ وحی الہی کے روشنی
عقل کے لیے لازمی ہے جب تک انسان کو وحی الہی کی روشنی میسر نہ ہو۔
وہ اپنی منزل طے نہیں کر سکتا، عقل ایک قیمتی جوہر ہے مگر تمام چیزوں میں
وہ بھی خود مکنتی نہیں ہے۔ بلکہ وحی الہی کی محتاج ہے۔ جو شخص وحی الہی کی روشنی
میں آخرت کے سفر پر گامزن ہوتا ہے وہ بِالْآخِرِ خَيْرٌ مِنَ الْقَدَسِ اور جنت
بیک پہنچ جاتا ہے، دوسری طرف جو شخص وحی الہی کی بصیرت سے محروم ہے۔
اور اس کے دل پر کفر اور شرک اور معاصی کی تاریکیاں چھٹی ہوئی ہیں، وہ خدا کی
رحمت کے مقام میں کبھی نہیں پہنچ سکے گا، بلکہ وہ تو جسم کی آگ میں ہی پہنچے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے شخص کو بھی مردہ سے تشبیہ دی ہے۔ جس کا دل ذکر الہی سے خالی ہے۔ فرمایا مَثَلُ الذَّوْنِ الَّذِي يَذْكُرُ اللَّهَ فَلَا ذِكْرَ لَا يَذْكُرُهُ كَمَثَلِ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ يَعْنِي خُذَا تَعَالَى كَاذِبٌ كَحَقِّهِ وَالْوَائِي أَوْ ذَكَرَ نَكَرْتَهُ وَالْمَثَلُ زِنْدَةٌ أَوْ مَرْدَةٌ كَيْ هِيَ. زِنْدَةٌ شَخْصٌ تَرْتَبِعُتْ سَهْ فَاذْمُهْ اِثْمًا يَكْتَبُهْ، اِمْكَانُ بَهْ كَرُوهُ كَيْ نَكْسِي وَتَقْتِ اِيْمَانُ قَبُوْلُ كَرَلَهْ لَمُكْرُ مَرْدَهْ شَخْصٌ تَوَدَّرَ الْعَلُّ سَهْ تَحْلُ كَرُ ذَا الْعَجْزِ اِيْنِ بِنَجْ مِجْلَبَهْ، اِبْ اِسْ كَهْ يَهْ كُوْنِي نَصِيحَتٌ قَطْعًا مَبْفِيْدٌ نِيْنِ هُوَ سَكِي. وَهْ نَكْسِي اِيْمَانُ كِي بَاتٌ كَرْتُنْ سَكْتَهْ، اِنْ نِيْنِي كَمَا سَكْتَهْ هَهْ اَوْ زَنْكَهْ كُوْنِي فَاذْمُهْ بِنَجْ سَكْتَهْ. مَوْئِنٌ اَوْ كَا فَرِيْبِي اِيْسَهْ هِي هِي. مَوْئِنُ كِي مَثَلُ اِيْكُ زِنْدَهْ كِي هَهْ جُوْنِي كَمَا رُبَا هَهْ اَوْ كَا فَرَا اِيْكُ مَرْدَهْ هَهْ جُو اِيْكُ رَا نِي كَهْ دَانَهْ كَهْ بَرَبْرَهْ نِيْنِي حَا صِلْ نِيْنِ كَر سَكْتَهْ. اِسِي صَمْنِ مِيْنِ فَرَا اِيْمَانُ اِنَّ اللَّهَ يَسْمَعُ مَنْ يَشَاءُ مِنْ شَيْءٍ اَللّٰهُ تَعَالَى سَا دِيْتَا هَهْ جِسْ كُو چَلَبَهْ وَفَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقَبُوْرِ اَوْ رَا اَبْ نِيْنِ سُنَا كَتَهْ اُنْ كُو جُو قَبُوْرٍ مِيْنِ پُرَهْ هُوْنَهْ هِيْنِ مَطْلَبُ يَهْ كَرُ جِسْ طَرَحُ اَبْ قَبُوْرٍ وَ اَلَهْ مَرْدُوْنِ كُو نِيْنِ سُنَا سَكْتَهْ يَعْنِي اُنْ پَر اَبْ كِي نَصِيحَتٌ كَا رُ كَر نِيْنِ هُوَ سَكْتِي، اِسِي طَرَحُ كَفْرٌ اَوْ شُرْكٌ كَرْنَهْ وَ اَلُوْلُ كَهْ يَهْ جِي اَبْ كِي كُوْنِي نَصِيحَتٌ فَاذْمُهْ مَنَهْ نِيْنِ هُوَ سَكْتِي. اِسِي بَاتٌ كُو سُوْرَةُ الْعَقْصِ مِيْنِ اِسْ طَرَحُ فَرَا اِيْمَانُ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لِيَكُنَّ اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ مِنْ شَيْءٍ جِهْ اَبْ چَاهِيْنِ هِدَايَتٌ نِيْنِ مَهْ سَكْتَهْ، بَلْ كَرُ هِدَايَتٌ كَا نُوْرٌ اِحْسٌ كَر حَا صِلْ هُوْنَا هَهْ جِسْ كُو اَلْمُرْ چَلَبَهْ وَ لَانْكَ لَتَهْدِي رَا لِحْ صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ (الشُّوْرَى - ۵۲) اَبْ تُو صَرَفٌ يَهْ رَسْتَهْ كِي طَرَفٌ رَا هِنَا نِي كَرْتَهْ مِيْنِ، بَاتِي هِدَايَتٌ دِيْنَا اَللّٰهُ كَا كَامٌ هَهْ يَعْنِي هَر بَاتٌ اَللّٰهُ كِي حَكْمَتٌ اَوْ اَرَادَهْ كَهْ مَطْلَبِيْنِ هُوْتِي هَهْ. اِكْرُ اَللّٰهُ چَاهِيْنِ هَهْ كَا تُو كَسِي كَا فَرٌ، مَشْرُكٌ كُو هِدَايَتٌ نَصِيْبٌ هُوَ جَا نِيْنِي. اِكْرُ اُسْ كِي مَشِيْدَتٌ نِيْنِ تُو پِيْچَرُ هِدَايَتٌ نَصِيْبٌ نِيْنِ هُوَ سَكْتِي. اَبْ اِسِي مَرَضِي سَهْ قَبْرُ وَ اَلُوْلُ يَعْنِي كَفْرٌ وَ مَشْرُكِيْنِ كُو سَنَا نَا چَاهِيْنِ تُو

نہیں سنا سکتے۔

سماح موٹی
کا مسئلہ

سماح موٹی سے متعلق اس قسم کی آیت سورۃ نمل، نمل، روم اور آگے سورۃ احقاف میں یہی ہے، یہ تمام آیات بظاہر سماح موٹی کے متعلق ہیں مگر دراصل ان سے مردے نہیں بلکہ کافر مرد ہیں۔ یعنی کافروں کی حالت مردوں جیسی ہے جن پر نصیحت کی کوئی بات کارگر نہیں ہوتی۔ چونکہ ان آیات سے حقیقی مردوں کے مٹنے یا نسننے کی بحث چھیڑ لی جاتی ہے، اس لیے مفسرین کرام نے اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سماح موٹی کا مسئلہ صحابہ کرامؓ کے زمانے سے لے کر مختلف فیہ چلا آ رہا ہے امام المؤمنینؑ حضرت عائشہ صدیقہؓ سماح موٹی سے انکار کرتی ہیں اور جو احادیث سماح کے حق میں آئی ہیں ان کی تاویل کرتی ہیں۔ بعض دوسرے صحابہؓ بھی ان کے ہم مسلک ہیں، البتہ حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ فی الجملہ مردوں کا سننا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ جن جن مقامات پر مردوں کے مٹنے کا ذکر آیا ہے صرف انہی مقامات پر سماعت کا عقیدہ رکھیں گے نہ کہ ہر وقت اور ہر مقام پر۔ چنانچہ فقہائے حنفیہ کے امام ابن مہمامؒ لکھتے ہیں۔ کہ مردے عام طور پر نہیں سنتے البتہ بعض مقامات پر اس اصول سے مستثنیٰ ہیں، وہاں مردے سنتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اپنی آواز ضرور ہی کسی مردے کو سنا سکتا ہے تو یہ دعویٰ درست نہیں کیونکہ یہ کام کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ لیکن علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر مردے فی الجملہ نہیں سنتے تو بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔ امام بخاریؒ نے تو باب باندھ کر سماح موٹی کو ثابت کیا ہے۔ باب یہ ہے بلکہ

الْمَيِّتُ يَسْمَعُ قَرْعَ زَعَاكٍ يَعْنِي حَيْبُ لَوْكٍ مَرْدَةٍ كَو دَفْنِ كَيْسِ وَابِيسٍ
جاتے ہیں تو مردہ اُن کے چرتوں کی کشمکش ہاٹ کی آواز سنتا ہے۔ یہ وجہ اول
کی حدیث ہے جس کی کوئی بھی توجیہ یا تاویل نہیں کر سکتا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مردوں کے لیے بھی
سلام کا وہی طریقہ بتلایا ہے جو زندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ یعنی جب
تم قبرستان میں جاؤ تو اُن کو یوں سلام کرو اَللّٰهُمَّ عَلَيْنَا كَمَا عَلَيْنَا يَا اَهْلَ
الْقُبُورِ يَعْنِي اَللّٰهُمَّ عَلَيْنَا كَمَا عَلَيْنَا فِي الْحَيٰةِ نَهْ بِهٖ تَوْبَةُ كَلَامِ
ہی بے مقصد ہے۔ محدثین کو اس ایسی احادیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں جن میں
کہا گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتے ہوئے سلام کرتا
ہے تو مردہ اُس سلام کو سنتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے مگر ہم اُس کے
جواب کو نہیں سن سکتے۔ اگر مردہ سلام کرنے والے کو دنیا میں پہچانتا تھا تو بعد
از مرگ بھی پہچانتا ہے۔ محدث ابن عبد البر نے اس حدیث کو صحیح سند
کے ساتھ نقل کیا ہے۔

بعض اصحاب نے مذکورہ آیات کو عام معانی میں لیا ہے کہ آپ مردوں
کو نہیں سنا سکتے۔ اس بنا پر انہوں نے سماع موٹی والی احادیث کی تاویل
کی ہے۔ جبکہ بعض نے احادیث کو صحیح مان کر آیات کی تاویل کی ہے تاکہ
بات سمجھ میں آجائے امام بیضاوی، امام قرطبی اور صاحب روح المعانی وغیرہ
کہتے ہیں کہ مردوں کے سینے سے متعلق سننا سرا نہیں بلکہ ایسا سماع مراد
ہے جو مفید ہو۔ آپ قبر پر کھڑے ہو کر دو گھنٹے تک وعظ و نصیحت کریں
مگر مردے کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ گل کی دنیا سے نکل کر جزا کی دنیا میں پہنچ

۱۔ بیضاوی ص ۲۶۱ ۲۔ قرطبی ص ۲۲۰ ۳۔ روح المعانی ج ۲۵
۴۔ البحر المحیط ص ۲۰۹ ۵۔ (فیاض)

چکا ہے بالکل اسی طرح کافر حضور علیہ السلام کی آواز تو سنتے ہیں مگر یہ سماع اُن کے لیے مفید نہیں کیونکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ گویا ان آیات میں سماع نافع کی نفی کی گئی ہے کہ مردوں کو نصیحت کرنا بیکار ہے، اذیہ کہ وہ بالکل سنتے ہی نہیں۔ امام ابن تیمیہ جو ان مسائل میں بڑے شدید ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں کہ مردے سلام بھی سنتے ہیں اور قرآن پڑھنے والے کی آواز بھی سنتے ہیں۔

الغرض ان آیات کا یہی مفہوم لینا پڑے گا کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ اپنی مرضی سے کسی مردے کو سنا دے تو یہ تو ممکن نہیں کیونکہ اس کے لیے مشیتِ خداوندی ضروری ہے۔ اور اگر بلا فائدہ کوئی مردہ سنتا بھی ہے تو سنتا ہے، اس سے کیا فرق پڑے گا۔ بعض لوگ سماع موتی کو اس لیے نہیں مانتے کہ اس سے شرک پیدا ہونے کا خطرہ ہے، اگر سماع مانیں گے تو لوگ اُن سے مرادیں مانگنے لگیں گے اس میں شرک کو داخل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مرد مانگنا تو مردہ چھوڑ زندہ سے بھی جائز نہیں وہ بھی شرک ہے۔ بہر حال سماع موتی کے مسئلہ میں شروع سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ عام مردوں کے سماع کے سلسلے میں دونوں طرف دلائل موجود ہیں، تاہم مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ نبیوں کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جب کوئی شخص حضور علیہ السلام کی قبر مبارک پر جا کر درود سلام پڑھا ہے تو آپ اس کو سنتے ہیں۔ اسی لیے صاحبِ فتح قدیر اور بعض دیگر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص آپ کی قبر پر جا کر درود و سلام پیش کرے اُسے چاہیے کہ وہ اپنے حق میں دعا کی درخواست بھی کہے کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں خاتمہ بالا ایمان کی سفارش فرمادیں۔

اس زمانے میں بعض اصحاب نے سماع موتی کا بالکل انکار کیا ہے حالانکہ اہل حدیث بزرگ مولانا نذیر حسینؒ بھی فتاویٰ نذیریہ میں لکھتے ہیں کہ اگر حضور علیہ السلام کی قبر پر جا کر درود شریف پڑھا جائے تو آپ سنتے ہیں تاہم دور سے صلوة و سلام فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب

جلد الافہام میں صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مولانا ناتوڑی نے بھی یہ بات سمجھائی ہے کہ عام سماع موٹی کا مسئلہ اختلافی ہے۔ بعض اس کے قابل ہیں اور بعض قابل نہیں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جسے اب کوئی بھی حل نہیں کر سکتا۔ اس کی حقیقت لزقہ قبر میں پہنچ کر ہی معلوم ہوگی کہ سنائی دیتا ہے یا نہیں۔ بہر حال یہ کوئی اعتصامی مسئلہ نہیں کہ ماننے یا نہ ماننے والے پر کفر یا شرک کا فتویٰ لگا دیا جائے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ عام مردوں کے متعلق بھی عدم سماع کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف بھی دلائل ہیں جنہیں یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ قرآن و حدیث میں سماع اور عدم سماع دونوں کا ذکر ہے لہذا جس نے جو بھی پہلو اختیار کیا ہے۔ وہ درست ہے دوسرے فریق کو جبراً معتلا نہیں کہنا چاہیے۔ انبیاء کے سماع کا مسئلہ اتفاقی ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فتاویٰ رشیدیہ میں تین دفعہ لکھا ہے کہ انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں کسی ایک متعیر عالم کا بھی ذکر نہیں ملتا جس نے اختلاف کیا ہو۔

بہر حال فرمایا اِنَّ اَنْتَ الْاَكْسَبُورُ؟ آپ تو ڈرانے والے ہیں۔ آپ کسی شخص کو اپنے اختیار سے راہِ راست پر نہیں لاسکتے۔ البتہ تمام انبیاء علیہم السلام بشیر اور نذیر ہوئے ہیں جو اپنی اپنی قوم کو نیک اعمال کی بشارت اور بُرے اعمال سے ڈراتے رہے۔ تاریخ میں حضرت علاؤ الدولہ سمنانیؒ کا ذکر ملتا ہے۔ انہوں نے یہ بڑا قیمتی فقرہ لکھا ہے کہ تمام انبیاء دنیا میں اس لیے تشریف لائے کہ مخلوق کی آنکھیں اس طور پر کھول دیں کہ ان کو اپنا حجبِ اللہ حق تعالیٰ کا کمال نظر آنے لگے۔ اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرت نظر آنے لگے، اپنی ظلم و زیادتی اور حق تعالیٰ کا عدل و انصاف نظر آنے لگے، اپنی جہالت اور حق تعالیٰ کا علم نظر آنے لگے، اپنی پستی اور حق تعالیٰ کی عزت نظر آنے لگے۔ اپنی بندگی اور حق تعالیٰ کی مالکیت نظر آنے لگے اپنا فقر اور حق تعالیٰ کا غنا نظر آنے لگے، اپنی کوتاہی اور حق تعالیٰ کی نعمتیں نظر آنے لگیں۔ اپنا فنا ہے اور بقا ہستی صرف خدا تعالیٰ کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّا لَرَسُوْلُكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا بَشِيْرًا

ہر قوم کے لیے نذر

ہم نے آپ کو خود شجرہ فیئے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اہل ایمان کے لیے جنت میں اعلیٰ مقام کی بشارت ہے جب کہ کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے رُءے انجام کی وعید ہے۔ فرمایا وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا اَحَدًا فِیْہَا نَذِیْرٌ ہر امت میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا گنہگار ہے کوئی ایسی امت نہیں جس میں اللہ کے صاحب کتاب اور صاحب شریعت نبی یا ان کے نائب آئے ہوں۔ نبیوں کے بعد ان کی امت کے مبلغین ہی انذار کرنے والے ہوتے ہیں اور یہ تسلسل کے ساتھ ہر قوم و ملک میں آتے رہتے ہیں اور آتے رہیں گے۔

فرمایا وَاِنْ تَبِیْکُمْ بُوْکٌ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو گھبراہٹ میں نہیں یہ تم ان کی پرانی ریت ہے۔ فَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلایا۔ جَاؤْا فِیْہُمْ رَسٰلُہُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ان کے رسول ان کے پاس کھلی اور واضح نشانیاں احکام اور دلائل لے کر آئے۔ وَبِالْذِّبْرِ وہ اپنے ساتھ صحیفے بھی لائے۔ اللہ نے بہت سے انبیاء علیہم السلام پر صحیفے بھی نازل فرمائے وَبِالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ اور وہ روشن کتابیں بھی لائے۔ چار آسمانی کتابیں ازبور، تورات، انجیل اور قرآن ہیں۔ ان کے علاوہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اللہ نے ایک سو چھوٹے موٹے صحیفے بھی نازل فرمائے۔ جب اللہ نے انبیاء اور کتب کے ذریعے حجت پوری کر لی، اور جو پھر بھی نہ مانے تو فرمایا لَوْ فَرَمٰی نَعْمَ اَخَذَتْ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا پھر میں نے کفر کرنے والوں کو کھپڑ لیا۔ پہلے انذار کیا، مہلت دی مگر جب وہ کسی طرح نہ مانے تو میری گرفت آئی فَکِیْفَ کَانَ کیوں پھر دیکھو میری گرفت کیسی ہوتی۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا تو پھر نافرمان قوم کافر و داعی بھی نزع کا سبب دنیا ہے نہ پیر ہو گئے۔ فرمایا دیکھو ایسے لوگوں کا کیا حال ہوا۔

ومن یفنت ۲۲
درس ہشتم ۸

مناظر ۲۵
آیت ۲۱، ۲۲

الْمُ تَرَانَّ اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا
بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ
بَيْضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ
سُودٌ ②۵ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ
مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ
عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ②۶ إِنَّ
الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً
يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ②۷ لِيُؤْتِيَهُم
أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ
غَفُورٌ شَكُورٌ ②۸ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ وَإِنَّ اللَّهَ لِعَبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ②۹

ترجمہ - کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ
نے آسمان کی طرف سے پانی - پھر نکالے ہم نے اس کے
ساتھ پھل مختلف رنگوں کے . اور پہاڑوں میں سے بعض

گھاٹیاں سفید ہیں اور سُرخ۔ اُن کے مختلف رنگ ہیں اور کچھ انتہائی درجے کی سیاہ ہیں (۲۷) اور لوگوں، کپڑوں، مکوڑوں اور مویشیوں میں سے جن کے مختلف رنگ ہیں اسی طرح۔ بیشک ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اُس کے بندوں میں سے علم والے لوگ۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور بخشش کرنے والا ہے (۲۸) تحقیق وہ لوگ جو پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب اور قائم رکھتے ہیں نماز کو، اور خرچ کرتے ہیں اُس میں سے جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے پوشیدہ اور ظاہر۔ وہ اُمید رکھتے ہیں ایسی تجارت کی جو کبھی تباہ نہیں ہوگی (۲۹) تاکہ وہ بدلے سے اُن کو اُن کا پورا پورا۔ اور زیادہ سے گا اُن کو اپنے فضل سے۔ بیشک وہ بہت بخشش کرنے والا اور قدر دان ہے (۳۰) اور وہ جو ہم نے وحی مازل کی ہے آپ کی طرف کتاب سے، یہ برحق ہے۔ تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے (کتابیں) ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ اللہ خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ہے (۳۱)

گذشتہ آیات میں انداز کا بیان تھا۔ اللہ نے اہل ایمان اور کفار کی الگ الگ حیثیت کو بیان فرمایا تھا کہ یہ دونوں گروہ برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح اندھا اور بینا، اندھیرا اور روشنی، سایہ اور تپش، زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے اسی طریقہ سے کافر، مشرک، گمراہ اور ایماندار برابر نہیں ہو سکتے، اُس کے بعد اللہ نے رسالت و نبوت کے بیان میں فرمایا کہ ہم نے ہر امت میں ڈر سنانے والے بھیجے ہیں، اور آپ کو بھی ہم نے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اگر یہ لوگ انکار کرتے ہیں تو آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ یہ تکذیب کو ٹیٹی بات نہیں ہے

آپ اطمینان رکھیں، پہلے انبیاء علیہم السلام کی بھی تکذیب کی گئی۔ پہلے انبیاء بھی واضح دلائل اور کھلے معجزات لے کر آئے۔ لہذا میں اور صحیفے لائے، مگر کافروں نے تسلیم نہ کیا۔ پھر اللہ کی ایسی گرفت آئی کہ صفحہ ہستی سے نابود کر دیے گئے۔

اب آج کی آیات میں بھی دلائل قدرت بیان کر کے توحید کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے اگر انسان غور کریں تو توحید خداوندی کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کے نمونے دیکھ کر انسان کے دل میں یقین پیدا ہوتا ہے۔ انہی آیات میں اللہ نے ایمان لانے اور سمجھ رکھنے والے لوگوں کی تعریف بھی فرمائی ہے۔ ان کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور پھر ان کا انجام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

پھلوں اور
سبزیوں کی
مخلیق

ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً كَيْ يَاكُلَ آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا۔ عربی زبان میں سماء کا اطلاق آسمان کے علاوہ بادل اور فضا پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سمندر سے بھارات کو اٹھاتا ہے اور پھر جہاں بارش برسانی مقصود ہوتی ہے ہوا نہیں اٹھیں اٹھا کر وہاں لے جاتی ہیں۔ آسمان کا ذکر اس لیے بھی کیا گیا ہے کہ بارش برسانے کا حکم تو اوپر ہی سے آتا ہے، اللہ کا فرمان ہے وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذّٰریت۔ ۲۲) تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ سب آسمانوں میں ہے یعنی حکم تو وہیں سے آتا ہے۔ فرمایا اللہ نے اَسْمَانِ كِي طَرَفٍ سَيَبَانِي نَا زِل كِيَا فَا خْرَجْنَا بِهٖ تَحْتِ لِفَا اَلْوَا تِهٖا پَس اِس كِي ذَرِيْعِيْ عِيْل پِيَا كِيِي جِن كِي مَخْلَقَات رِغَم هِي اَللّٰه نِي يِي عِيْرِي اَلنَّاسُو لِي كِي عِذَا اُو تَفْرِيْح كِي لِيِي پِيَا فَرْمَا تِي هِي۔

اب ذرا ان پھلوں کی ساخت، رنگ اور ذائقہ میں غور کریں، ہر ایک کا الگ الگ حجم، الگ الگ رنگ، ذائقہ اور خواص ہیں ہر موسم کے پھل بھی مختلف ہیں جنہیں انسان جانور اور کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ سورہ الرعد میں اللہ نے زمین کے مختلف خطوں اور مختلف باغات کی طرف توجہ دلا کر

فرمایا ہے۔ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ تَائِبٍ (آیت ۴۰) سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر اس سے پیدا ہونے والے بعض پھلوں کو بعض پر اللہ نے فضیلت بخشی ہے۔ پانی تو وہی ہے جو بارش کے ذریعے نازل ہوتا ہے۔ پھر وہ کبھی ندی نالوں اور دریاؤں کی صورت میں بہہ نکلتا ہے۔ کبھی چشموں کی شکل میں زمین کے اندر رُک جاتا ہے، اور پھر کنوؤں کے ذریعے نکالا جاتا ہے مگر یہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے کہ ایک ہی پانی حاصل کرنے والے پھلوں میں سے کوئی میٹھا ہے، کوئی کٹورا، کوئی ترش اور کوئی پھیکا ہے۔ رنگ بھی مختلف ہیں اور سائز میں بھی تفاوت ہے بہر حال اناج اور پھل اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔

فرمایا جس طرح اللہ نے پانی کے ذریعے مختلف پھل پیدا کیے ہیں اسی طرح

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيْضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ وَأُخْوَاطٌ اور بعض انتہائی سیاہ ہیں۔ دنیا ان کے مختلف رنگ ہیں وَغَرَابِيبٌ سُودٌ اور بعض انتہائی سیاہ ہیں۔ دنیا کے مختلف خطوں میں میں مٹی کا رنگ بھی مختلف ہے اور پہاڑوں کے رنگ بھی مختلف ہیں، کہیں سیاہ پتھر ہیں تو کہیں مٹیالے۔ کہیں سفید ہیں تو کہیں سُرخ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ہر چیز کا خالق وہی وہ مددگار تبارک ہے۔ انسان، پھلوں اور پہاڑوں کی تخلیق میں ہی غور کرنے تو اُسے اللہ کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے۔

پہاڑوں کی گھاٹیاں

بے جان چیزوں کی تخلیق کے بعد اللہ نے جانداروں کی تخلیق کا ذکر بھی کیا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ وَالْذَّوَابِّ اور لوگوں میں سے اور زمین میں چلنے پھرنے والے کیڑے مکوڑوں میں سے۔ وَالْأَنْعَامِ اور مویشیوں میں سے ذرا ان تمام جانداروں میں غور کرو وَمُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ کذالک اسی طرح ان کے بھی مختلف رنگ ہیں۔ انسان بھی ظاہری شکل و صورت اور رنگت کے اعتبار سے مختلف ہیں، کوئی سیاہی مائل ہے، کوئی گورا چٹا، کوئی زردی مائل، اور کوئی گندمی رنگ والا۔ قد و قامت کے لحاظ سے بھی کوئی پست قامت ہے۔

جانداروں کی تخلیق

کوئی درمیانہ اور کوئی طویل قامت ہے۔ اسی طرح کوئی سڑھا ہے اور کوئی پتلا۔ قوت کے لحاظ سے کوئی بڑا طاقتور اور کوئی کمزور ہے۔ مختلف خطوں کے لوگوں کے خواہش میں مختلف ہوتے ہیں۔ باطنی طور پر بھی لوگوں کے خصائل مختلف ہیں کوئی ایماندار ہیں اور کوئی کافر، مشرک، مجوسی اور دہریے اور کوئی خوش اخلاق ہیں اور کوئی باخلاق لوگوں کے عزائم بھی مختلف ہیں اور سوچ اور فکر بھی مختلف ہوتی ہے گویا انسانوں میں بڑا ہی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی تفاوت دیگر جانداروں میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

در اصل نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مخالفین کا ایذا رسانیوں سے پریشان نہ ہوں۔ دنیا دار الامتحان ہے۔ اس میں لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے جیسے فرمایا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ (دھود - ۱۱۸) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر انان برابر اختلاف کھینچتے رہیں گے۔ سورۃ النحل میں فرمایا وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (آیت - ۹) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا مگر وہ کسی پر جبر نہیں کرتا۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (الکاف) جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے، اللہ نے دونوں کا انجام واضح کر دیا ہے۔ اگر ایمان لائے گا تو خطیرۃ القہس جیسے پاک مقام کی رکنیت حاصل ہو جائے گی اور بالآخر اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر کفر و شرک کے راستے پر چل نکلا تو آگ کی قاتلوں والی جہنم میں جانا پڑے گا۔ بہر حال ان اختلافات کو سامنے رکھ کر تسلی دی گئی ہے کہ اہل ایمان ٹھیکین نہ ہوں۔

اہل علم کی
تعریف

فرمایا اللہ کی مختلف قسم کی تخلیق میں اختلاف تو موجود ہے لیکن اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اے شک اللہ کے بندوں میں سے

اہل علم ہی ڈرتے ہیں، جن لوگوں میں علم اور سمجھ کی کمی ہوتی ہے ان میں خوفِ خدا کا بھی فقہان ہوتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے وہی لوگ ہیں جو اللہ کی عظمت و جلال کو پیش نظر رکھتے ہیں، خدا کی توحید اور صفات کو سمجھتے ہیں اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتے ہیں، شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ اللہ سے ڈرنے والے سارے لوگ نہیں ہوتے بلکہ یہ تو سمجھ رکھنے والوں کی صفت ہے۔

اللہ کے عالم بندوں کی شناخت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عالم بالترحمین اللہ کا وہ بندہ ہے جو خدا نے رحمان کو جاننے والا ہے لَمْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا جس نے اللہ کے ساتھ شکر نہ کیا ہو۔ یعنی مشرک آدمی عالم کسلانے کا حقدار نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ عالم آدمی وہ ہے اَحَدًا حَلَالًا وَحَرَمًا حَرَامًا جس نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھا، وَحَفِظَ وَصِيَّتَهُ اور اس کی وصیت کی حفاظت کی وَآيَقَنَ أَنَّهُ مُلْقِيهِ وَهُوَ حَاسِبُهُ اور یقین رکھا کہ ایک دن اُس سے ملاقات ہونے والی ہے اور وہ ضرور حساب لے گا۔

امام حسن بصریؒ عالم کی تعریف میں فرماتے ہیں الْعَالِمُ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ عالم شخص وہ ہے جو بن دیکھے خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے ایسا شخص اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر ہی اپنے دل میں خوف رکھتا ہے جس چیز کی اللہ نے ترغیب دی ہے، وہ بھی اُس کی ترغیب دیتا ہے، اور جس چیز سے اللہ نے منع کیا ہے، وہ بھی اس سے منع کرتا ہے، اور جس چیز میں خدا کی ناراضگی ہے اُس سے خود بھی بچتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے علم کی تعریف اس طرح منقول ہے۔

لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الْحَدِيثِ
وَلَكِنَّ الْعِلْمَ عَن كَثْرَةِ الْخَشْيَةِ

زیادہ روایات یاد ہونا علم کی علامت نہیں بلکہ خوفِ خدا کی زیادتی علم کی نشانی ہے۔
 شیخ شہاب الدین سہروردی سے منقول ہے مَنْ لَأَخْشِيَةَ كَلَّمَ
 لَيْسَ بِعَالِمٍ حِينَ فِي خَشْيَتِهِ نِجْمٌ فِي عَالَمِهِ نِجْمٌ صَاعِبٌ رُوحَ الْمَعَانِي
 فرماتے ہیں کہ علما حقیقت میں وہ ہیں جو اللہ کی ذات اور اس کی صفاتِ جلیلہ
 کو جانتے ہیں، جو خدا کے افعالِ حمیدہ کا علم رکھتے ہیں اور اس کی تمام شیونِ مجیدہ
 کو بھی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح امام مالکؒ نے بھی فرمایا ہے کہ عالم وہ نہیں ہے
 جس کو زیادہ روایتیں یاد ہوں بلکہ عالم وہ ہے جس کا دل اللہ کی عطا کردہ روشنی
 سے روشن ہے، خدا کی معرفت حاصل ہے اور اس کی ذات و صفات کو جانتا
 اور پہچانتا ہے۔ مغز قرطبی نے حضرت علیؑ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں
 کہ فلاں آدمی فقیہ ہے حالانکہ فقیہ کامل تو وہ شخص ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت
 سے باہر نہیں کرتا اور کسی کو خدا کی محاسنی کی اجازت نہیں دیتا اور لوگوں کو
 عذابِ الہی سے بے فکر نہیں کرتا۔ عالم آدمی قرآن سے اعراض نہیں کرتا۔ نیز
 فرماتے ہیں لَأَخْيَرُ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ لَا عِلْمَ فِيهَا أَوْ عِبَادَتِهِمْ فِي كَوْنِهِمْ
 نہیں جس میں علم کا دخل نہیں۔ گویا عبادتِ علم کے ساتھ خوب سوچ سمجھ کر کی
 جائے تو مفید ہوگی، ورنہ نہیں۔

خواجہ علی بھیروی کا قول بھی ہے الْمَتَعِدُّ بِلَا عِلْمٍ كَالْحِمَارِ
 فِي طَأْحُونِهِمْ بغير علم کے عبادت کرنے والا خراس کے گدھے کی طرح ہے
 وہ جانتا ہی نہیں کہ کیوں چکر کاٹ رہا ہے، اسی طرح بے علم کی حالت ہے بغیر سمجھ
 کے علم درست نہیں اور سمجھ میں ضروری چیز ایمان ہے۔ جس کے بغیر کوئی عبادت
 قابل قبول نہیں۔ خدا کی توحید، اس کی صفات، عالم بزرگ اور آخرت کی منازل
 وغیرہ سب ضروری چیزیں ہیں جن کے متعلق عالم کو علم ہونا چاہیے۔ اسی طرح فقیہ

بھی وہی ہوگا۔ جو کچھ اور فقہاء ہمت رکھنے والا ہوگا، حضرت علیؑ کا مقولہ ہے لَا قِسْأَةَ
 لَا تَدَبْنَ فِيهَا قُرْآنَ كِي جس تلامذت میں تدبر نہیں ہے اُس کی کوئی خاص فوقیت
 نہیں کیونکہ قرآن کی آیات میں غور و فکر اور تدبر ضروری ہے۔ اللہ نے شکوہ کیا ہے
 أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَظِيَ قُلُوبُ أَفْأَلِهَآ (محمد-۲۳)
 لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر آٹے پڑے ہیں؟
 پر دین جیسے بعض گمراہ لوگوں نے اس آیت کا غلط معنی کیا ہے۔ اُس نے
 اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ عالم سے مراد سائنسدان ہیں۔ یہ تو صرف قرآن پاک کی تحریف
 ہے اس شخص نے اپنے آپ کو مفکر قرآن کے نام سے مشہور کر لیا۔ رسالہ طلوع اسلام
 جاری کیا مگر گمراہ ہو گیا۔ اس نے خود ساختہ لغت بھی جاری کیا۔ اس نے نہ صرف
 عالم کا معنی غلط کیا بلکہ سورۃ نحل میں جہاں وَفَقَدَّ الطَّيِّبِينَ (آیت-۲۰) کا ذکر
 آیا ہے۔ وہاں اس نے طیر کا معنی پرندہ نہیں بلکہ جنگلی آدمی کیا ہے۔ اللہ کا معنی
 قانون کیا ہے، اور حور عین سے پاکیزہ فکر مراد لی ہے۔ اُس نے اہل کاسنی اونٹ
 کی بجائے بادل بھی کیا ہے۔ اسی طرح اُس نے علماء سے مراد سائنسدان لیا ہے۔
 اگرچہ سائنس بھی ایک علم یا فن کا شعبہ ہے جس کے ذریعے تجربات حاصل کیے جاتے
 ہیں اور فزکس، کیمسٹری، بائیو، فلکیات، وغیرہ اس کی بہت سی شاخیں ہیں مگر
 عالم سے مراد محض سائنس دان لینا تو بالکل ہی غلط ہے۔ سائنس دان تو مومن، کافر،
 دہریے سبھی ہیں مگر وہ عالم نہیں کہلا سکتے۔ عالم بندہ سے قرآن کی مراد ایسا شخص
 ہے جسے اللہ کی توحید، اس کی صفات، ذات، احکام اور آخرت کا علم حاصل
 ہے اور اس علم کے مطابق وہ عامل بھی ہے۔ عالم کے لیے تو عقیدے کی درستگی
 ضروری ہے جو غیر مسلموں میں نہیں پائی جاتی۔ لہذا وہ عالم کہلانے کے حقدار نہیں
 ہو سکتے۔

فرمایا اللہ کے بندوں میں سے اہل علم ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔ اِنَّ
 اللہَ عَزَّوَجَلَّ عَاقِبُورٌ بِشَکِّ اللہِ تَعَالٰی زَبْرٌ دَسْتٌ ہے کہ جب وہ کسی

سرکش کو پکڑنا ہے تو پھر چھوڑنا نہیں۔ وہ غفور بھی ہے کہ توبہ کرنے پر گنہگاروں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔

نفع کوئی
تجارت

ارشاد ہوتا ہے إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وہ لوگ جو کتاب الہی کی تلاوت کرتے ہیں وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ اور نماز قائم کرتے ہیں۔ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے۔ اس میں سے مخفی اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔ کبھی پوشیدہ طور پر خرچ کرنا بہتر ہوتا ہے اور کبھی ظاہر کر کے خرچ کرنا ضروری ہوتا ہے فرمایا۔ ایسے لوگ يَنجُونَ بِحَبْرَةِ كَلَمٍ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں۔ جو کبھی برباد نہیں ہوئی، تو یا نفع بخش تجارت کے تاہم میں بِلسَوْفِيَّهِمْ؛ يَجُوزُ عَمَّ کہ وہ بدلے سے ان کو پورا پورا۔ اللہ تعالیٰ کسی کی حق مافی نہیں کرتا۔ وہ مذکور بندوں کو ان کے عقاید و اعمال کا پورا اجر دے گا۔ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بلکہ اپنی مہربانی سے ان کے استحقاق کی نسبت زیادہ انعام کرے گا بھی دے گا جس کی کوئی حد نہیں، کیونکہ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ اس خدا کی یہ شان ہے کہ وہ غلطیوں، کوتاہیوں کو معاف کرنے والا بھی ہے اور معمولی سے معمولی کار خیر کا قدر دان بھی ہے۔ وہ کسی کی محنت و کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔ امام بزدوی کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے ایک شاگرد نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ اور فرمایا کہ اے فلاں! کیا تمہیں پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں عورت کو بخش دیا ہے۔ شاگرد نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا، وہ عورت نماز نہیں پڑھتی تھی، البتہ جب اذان ہوتی تو اس کا جواب بڑے احترام سے دیتی تھی۔ خدا نے اس کا۔۔۔ یہی عمل قبول کر لیا ہے۔ حدیث کا مضمون بھی ہے کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی جنتیہ سمجھو، شاید اللہ کے نزدیک وہی قابل قبول ہو اور تمہارے لیے نجات کا باعث بن جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان فرائض سے غافل ہو کر محض چھوٹے چھوٹے کاموں کے پیچھے لگ جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کی

غضریت اور قدر والی کا یہ عالم ہے کہ وہ چھوٹے سے عمل کا بازن بنا کر بھی
بخش پینے پر قدرت رکھتا ہے۔

آگے قرآن پاک کی صحائیت کا ذکر کیلئے وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ
الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ اور ہم نے آپ کی طرف کتاب میں سے جو وحی کی ہے
وہ برحق ہے یعنی اللہ نے قرآن کی صحائیت و صداقت پر ہر تصدیق ثبت
کر دی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہ یہ کتاب مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
پینے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان میں پیدا کی گئی خرابیوں کی بھی
نشاندہی کرتی ہے۔ فَرِيقًا إِنَّا اللَّهُ بَعِثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھتا ہے اور ہر شخص کا عقیدہ اور عمل اُس
کی نگاہ میں ہے۔ وہ ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دے گا۔

قرآن کی
صحائیت

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا
 فِيهِمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ
 وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يُاذِنُ اللَّهُ ذَلِكَ
 هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾ جَنَّتٌ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا
 يُحَلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا
 وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ
 الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحُزْنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ
 شَكُورٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ
 فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نُصَبٌ وَلَا نَمَسٌ
 فِيهَا لُغُوبٌ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ
 لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فِيمَوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
 مِنْ عَذَابِهَا ذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَافِرٍ ﴿٣٦﴾
 وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا
 نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ
 نَعْمَرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ

النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے منتخب کیا اپنے بندوں میں سے، پس بعض ان میں زیادتی کرنے والے ہیں اپنی جان پر، اور ان میں سے بعض میاند رو ہیں، اور بعض ان میں سے سبقت کرنے والے ہیں مصلحتوں کے ساتھ اللہ کے حکم سے۔ یہ بڑی فضیلت کی بات ہے (۳۷) باغات سے کے داخل ہوں گے ان میں، پہنانے جائیں گے ان کو کنگن سونے کے اور بار موتیوں کے اور لباس ان کا ریشم کا جوہ (۳۸) اور وہ کہیں گے: سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے دور کر دیا ہم سے غم۔ بھیک ہمارا پروردگار بہت بخشش کرنے والا اور قدر دان ہے (۳۹) وہ جس نے اتارا ہے ہمیں ٹھہرنے کی جگہ میں اپنے فضل سے، نہیں پہنچتی اس میں ہم کو کوئی مشقت، اور نہیں پہنچتی اس میں ہم کو کوئی تھکاوٹ (۴۰) اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا، ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ فیصلہ کیا جائے گا ان پر کہ وہ مر جائیں اور نہ تخیف کی جائے گی ان سے اس (دوزخ) کے عذاب سے۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکر گزار کو (۴۱) اور وہ چلائیں گے اس کے اندر اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار! نکال دے ہم کو کہ ہم عمل کریں اچھا سوائے اس کے جو ہم پہلے عمل کیا کرتے تھے۔ واللہ فرمائے گا، کیا ہم نے تمہیں عمر نہیں دی تھی کہ نصیحت

پکڑے اس کے اندر جو نصیحت پکڑنا چاہتا ہے۔ اور آیا
تھکے پاس ڈسٹ سنانے والا۔ اب چکھو، پس نہیں ہے
ظالموں کے لیے کوئی مددگار ﴿۲۵﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی مختلف اقسام کو توجیہ کے دلائل
کے طور پر پیش کیا۔ پھر فرمایا کہ خشیت الہی علم اور سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں میں
پائی جاتی ہے، اس کے بعد اللہ نے اہل ایمان کی بعض صفات بیان فرمائیں کہ
وہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عطا
کردہ روزی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ
نفع بخش ستھارت کرتے ہیں۔ پھر قرآن کے بارے میں اللہ نے فرمایا
کہ یہ برحق ہے، پہلی کتابوں کی مصدق ہے اور انسانوں کی ہدایت کے لیے
اس کتاب میں بڑا سامان ہے، خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی
طرح باخبر ہے۔

کتابیں اور صحیفے پہلے نبیوں پر بھی نازل ہوئے اور پھر آخر میں اللہ نے
قرآن پاک جیسی عظیم المرتبت کتاب نازل فرمائی جس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔
ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا
پھر ہم نے اس کتاب یعنی قرآن کا وارث ان کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں
میں سے منتخب فرمایا۔ اللہ نے اس آخری امت کو تمام سابقہ امم پر فضیلت
بخشی اور اس کو آخری کتاب کا وارث بنایا۔ اس کتاب کی نشر و اشاعت، تعلیم
اور اس پر عمل کرنا اسی امت کی ذمہ داری ٹھہری۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اہل کتاب
کو تورات کا وارث بنایا مگر انہوں نے یہ امانت پورے طریقے سے ادا نہ کی۔
جس کی وجہ سے کتاب میں تغیر و تبدل پیدا ہوا اور اب یہ اس آخری امت کی
آزمائش ہے کہ وہ اس امانت کا بار احسن طریقے سے اٹھائیں۔
فرمایا جس طرح اللہ کی تخلیق مختلف ہے، انسان، جانور، کیڑے، مکوڑے،

پہل، مانج، پاٹوں وغیرہ میں بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں۔ اور کوئی ایک مخلوق بھی آپس میں یکساں نہیں ہے، اسی طرح درنائے کتاب یعنی آخری امت کے لوگ بھی ایک جیسے نہیں ہیں۔ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ۔ وہ ہیں جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی۔ اگرچہ بحیثیت مجرعی وہ منتخب بندوں میں سے ہیں مگر معاصی میں بھی ملوث ہیں حتیٰ کہ کبائرسے بھی پرہیز نہیں کرتے مطلب یہ کہ ایمان لانے کے باوجود گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی ہی جانوں پر زیادتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ مَّقْتَصِدٌ اور ان میں سے بعض میانہ رو ہیں کبھی گناہ کا ارتکاب بھی کر لیا اور کبھی چھوڑ بھی دیا اور اُس کی تلافی کر لی۔ ساتھ ساتھ نبی کے کام بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ زیادہ متقی تو نہیں لیکن گناہوں میں بھی زیادہ اہتمام نہیں رکھتے بلکہ درمیانی چال چلتے رہتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت حاصل کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی ترفیق سے نیکیوں کو سمیٹتے ہیں اور اس میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کی ادائیگی کی کوشش کرتے ہیں اور صغیرہ کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ یہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے لوگ ہیں۔ انہی کے متعلق فرمایا ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جو ان لوگوں پر پورا ہے۔ ایسے لوگوں کی جزا کے متعلق فرمایا جَدَّتْ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا پہننے کے بانگات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے۔ یعنی وہ لوگ بہشت میں داخل ہوں گے يُحْكُونَ فِيهَا مِنْ آسَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَلَوْكُورٍ اجال انہیں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔ دنیا میں تو اللہ نے مردوں کے لیے سونا اور ریشم حرام قرار دیا ہے مگر جب یہ جنت میں پہنیں گے تو وہاں

اہل جنت
کے لیے
انعامات

انہیں یہ چیزیں میسر آئیں گی۔ جنت میں اہل جنت جس قسم کے سنہری زیورات اور موتیوں کے ہار اور جس قسم کے ریشم کا لباس پسند کریں گی ان کی خواہش کے مطابق میاکیا جائے گا۔ مسخرین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں گروہ یعنی اپنی جان پر ظلم کرنے والے میاں زوی اختیار کرنے والے اور نیکیوں میں سبقت حاصل کرنے والے اہل ایمان ہی کے گروہ ہیں اور یہ سب کے سب اللہ کی رحمت کے مقام میں داخل ہوں گے۔ ہاں یہ بات ہے کہ ظالموں کو اپنی زیادتیوں کا بھگتان کرنا ہوگا اور سزا بھگت کر وہ بھی بالآخر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک کبھی ہے کہ اس امت کے گنہگار لوگوں کو معافی ضرور مل جائے گی، کسی کی سفارش ہوگی۔ اور کسی کے حق میں اللہ تعالیٰ خود مہربانی فرمادیں گے۔

جب یہ لوگ بشتوں میں داخل ہو جائیں گے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ تریوں کہیں گے، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آج ہم سے غم کو دور کر دیا۔ دنیا میں تو ہم طرح طرح کے غم و آلام میں مبتلا تھے، کئی قسم کی تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا تھا، مگر اب سارے غم دور ہو گئے اور تمام تکالیف مٹ چکی ہیں۔ اللہ نے ہماری معمولی سی اطاعت کی بڑی قدر کی ہے اور اپنی بخشش سے نوازا ہے۔ ایت

رَبَّنَا لَعَفْوٌ شَكُوْرٌ جِيْكَ هٰمَارُ پُرُوْدَا رِبْتَ بَخْشِشْ كَرِيْمًا اِنَّ قَدْرَانَ اَلَّذِيْ

اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ وَهِيَ جَسْنُ لِيْنِ فَضْلٍ
 ہمیں اقامت کے گھر یعنی عھرنے کی جگہ میں اتارا ہے۔ اقامت کے گھر سے مراد اللہ تعالیٰ کا بہشت ہے جو انسان کا دائمی مقام ہے۔ اس سے پہلے تو انسان مختلف مقامات پر عارضی طور پر قیام پذیر ہوتا ہے، کبھی عالم اربعہ میں کبھی باپ کی پشت میں، کبھی ماں کے شکم میں، کبھی اس دنیا میں، کبھی برزخ میں اور کبھی حشر کے میدان میں۔ انسان کا آخری اور دائمی مقام تو جنت ہی ہے

جس کے بعد کسی دوسرے جگہ نہیں جائے گا۔ تو جنتی لوگ اللہ کی تعریف بیان کریں گے جس نے انہیں اس آخری مقام میں ٹھکانا دیا۔ اور یہ ایسا عمدہ ٹھکانا ہے لَا يَمَسُّنَهَا فِيهَا نَصَبٌ جس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچی وَلَا يَسْتَأْذِنُ فِيهَا لغوب اور نہ کوئی مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔

جنتی لوگ ان سورتوں کا ذکر کریں گے جو انہیں جنت میں پہنچ کر حاصل ہوں گی۔ دراصل نصب اور لغوب دونوں ہم معنی الفاظ ہیں اور معنی تھکاوٹ ہی ہے۔ البتہ بعض فرماتے ہیں کہ نصب اس تھکاوٹ کو کہتے ہیں جو کسی کو کام کاج کے دوران ہو جاتی ہے اور لغوب وہ تھکاوٹ ہے جو کام کرنے کے بعد لاحق ہوتی ہے۔ بہشت میں پہنچ کر تو کوئی کام ہی نہیں کرنا پڑے گا، نہ مشقت اٹھانی پڑے گی لہذا کسی قسم کی تھکاوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ بعض حضرات نصب کا معنی جسمانی تھکاوٹ اور لغوب کا معنی نفسانی تھکاوٹ بھی کرتے ہیں مطلب یہی ہے کہ وہاں پہنچ کر کسی قسم کی تھکاوٹ نہیں ہوگی۔ جنتی لوگ نہایت آرام و سکون کی زندگی بسر کریں گے۔

آگے اللہ نے کفار کی تعذیبات کا ذکر بھی کیا ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ اور جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ ان کے لیے جہنم کی آگ ہوگی لَا يُقْفَضُ عَنْهَا عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا ان کے متعلق موت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جائے گا۔ قرآن پاک میں کسی مقامات پر جہنم کی اس حالت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہاں ان کو نہ موت آنے گی اور نہ زندگی ہوگی، وہ اس قدر کرناک حالت میں ہوں گے۔ سورة الاعلىٰ میں ہے کہ دوزخ میں پہنچ کر نہ لایموت فیہا ولا یحییٰ (آیت - ۱۳) اسی طرح سورة طہ میں ہے کہ مجرم کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا لا یموت فیہا ولا یحییٰ (آیت - ۴۴) نہ تو موت وارد ہوگی کہ جہنم کی منزاعے چھٹکارا حاصل ہو جائے

اہل جہنم کے لیے ننگ

اور نہ راحت حاصل ہوگی۔ جو کہ زندگی کی علاست ہے۔ فرمایا وَلَا يَخْفَعُ عَنْهُمْ
مِنْ عَذَابِهَا أَنْ كَيْسَ دوزخ کے عذاب میں کوئی تخفیف بھی نہیں ہوگی
بلکہ عذاب مسلسل ہوتا ہے گا۔ فرمایا كَذَلِكَ نَجْزِي كُفُورًا مِمَّ اسی
طرح ناشکر گزار کو بدلہ دیتے ہیں، اُن کی سزا جہنم کا داخل ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ جنسی لوگ عذاب کی تکلیف سے وَهُمْ قِصَطٌ مَخْرُوجِينَ
فِيهَا اس میں چلائیں گے اور بار بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کریں
گے۔ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا لَعْمَلٍ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ
اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال لے، اب ہم اچھا عمل کریں گے۔
اس کی بجائے جو پہلی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے
کہ کافر لوگ چلا چلا کر ہزار برس تک دوزخ سے نکلنے کی درخواست کریں گے
اس کے بعد جواب آئے گا۔ اِحْسَبُ اَرِيْهَآ وَلَا تُكَلِّمُوْنَ (المؤمنون ۱۰۸)
تم پر اسی جہنم میں پھینکا رہو۔ اب کلام نہ کرو، میں تمہیں جواب دینے کے لیے
بھی تیار نہیں۔ الغرض! جہنم والوں کی پیچ و پکار ہوتی ہے گی مگر اُن کے عذاب
میں کوئی تخفیف نہیں ہوگی۔

عمر کا
استعمال

بِاٰخِرِ اللّٰهِ تَعَالٰی جَوَاب دے گا اَوَّلَكُمْ نَعْمَ لَكُمْ كَمَا كَرِهْتُمْ
اتنی عمر نہیں دی تھی مَا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ کہ جو اس دوران
نصیحت پکڑنا چاہے، پکڑ لے تمہیں دنیا میں پورا پورا موقع دیا گیا تھا۔ اللہ
نے اپنے پیغمبر اور مبلغین بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں۔ مگر تم نے اس موقع کو ضائع
کر دیا اور کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ میری
امت کے لوگوں کی اکثر عمریں سامٹھ اور ستر سال کے درمیان ہیں۔ اس سے
آگے قلیل آدمی ہی جا میں گے، اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس شخص کو

اللہ تعالیٰ اتنی زندگی عطا کرے، اس کے بعد اُس کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا
اللہ فرمائے گا۔ میں نے تمہیں اتنی لمبی حیات دی مگر تم میری ایمان سے محروم
ہے، اور نیکی کے کام نہ کر پائے، لہذا اب اس کا بدلہ کچھو،

غرضیکہ اللہ فرمائے گا۔ میں نے تمہیں اتنی عمر دی وَجِبَّا لَكُمْ السُّؤْمَانَ
اور تمہارے پاس ڈر سنانے والے بھی آئے۔ اللہ کے تمام انبیاءِ نذیر ہوئے ہیں۔
خود حضور علیہ السلام کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَ
نَذِيرٌ (المائدہ-۱۹) تحقیق تمہارے پاس بشارت مینے والا اور ڈر سنانے والا آ
چکا ہے۔ اپنی فکر کر لو، قیامت آنے والی ہے اور محاسبہ اعمال لازمی ہوگا۔

اور پھر جنت یا دوزخ میں دائمی ٹھکانا ہوگا۔ امام ابو بکر جتنا س فرماتے ہیں کہ خود
حضور علیہ السلام کی داستانِ مبارکہ بھی نذیر ہے، اللہ کے قائم کردہ تمام دلائل توجیہ
بھی نذیر ہیں۔ انبیاء کے ہر دورے میں نذیر ہیں۔ انسان کو پیش آنے والے تمام
تغییرات، بچپن، جوانی، پڑھنا، صحت، بیماری، فقر، غنی اور دیگر حوادثِ زمانہ
سب انسانوں کے لیے بمنزلہ نذیر کے ہیں کہ ان میں غمزدگی کر کے اپنی عاقبت کے
لیے بہتر وسائل پیدا کرے۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب انسان کے جسم میں ایک بال سفید ہو
جا آئے تو وہ دو سکر بال سے کہتا ہے کہ تیار ہو باؤ، موت کا وقت قریب
آگیا ہے، گویا بالوں کی سفیدی بھی نذیر ہے۔ کسی شاعر نے بھی کہا ہے ۔

وَقَائِلَةٌ تَخْضَبُ يَا حَبِيبِي
وَسَوْذُ شَعْرٍ وَجْهِكَ يَا لَعِينِي

محبور نے اپنے محبوب سے کہا کہ لے پیارے! اپنے بالوں کو رنگ لو، یعنی اپنے چہرے
کے بالوں کو عیر جیسی اعلیٰ خوشبو کے ساتھ سیاہ کر لو۔ اس پر اُس شخص نے جواب دیا

سندین کی
آہ

قُلْتُ لَهَا الْمَشِيبُ نَذِيرٌ عَمْرِي
وَكَسْتُ مُسَوِّدًا وَجْهَ السَّنْدِ مِثْرِي

بڑھاپا میری زندگی کا نذیر ہے، لہذا میں اس نذیر کے چہرے کو سیاہ کرنے کیلئے
نیار نہیں ہوں۔

اسی طرح ابن حطان شاعر نے بھی کہا ہے۔

فَاعْمَلْ فَإِنَّكَ مَنَعَتِي بَوَاحِدَةٍ

حسب اللیب بہذا الشیب من نایمی

عمل کرتے چلے جاؤ کیونکہ ایک دن ہی آواز آنے کی کہ اس کا ختم ہو گیا عقل مند
آدمی کے لیے موت کی خبر دینے والی بالوں کی سفیدی ہی کافی ہے۔ اسی لیے
بعض روایات اور آثار میں آتا ہے کہ انسان کی بیماری اس کے لیے موت کی ڈاک
کی مانند ہے۔ اللہ فرمائے گا، میں تمہاری طرف موت کی ڈاک بھی بھیجا رہا۔ مگر تم
نے اس سے کوئی عبرت حاصل نہ کی۔ بعض روایات میں رائے کا لفظ آتا ہے۔
رائے قافلے کے اُس آگے چلنے والے دستے کو کہتے ہیں جو گھاس، پانی وغیرہ
کی تلاش پر مامور ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ تمام عوامل موت کی خبر دے رہے تھے،
مگر تم نے اس کے لیے تیاری نہ کی۔
شیخ سعدی کا قول ہے۔

خیرے گن لے فلاں و غنیمت شمار عمر

زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نہاند

اے شخص عمر کو غنیمت جان کر نیک عمل کر لے پیشتر اس کے کہ اُدھر سے
آواز آنے کہ آج فلاں شخص ختم ہو گیا یعنی اس کی موت واقع ہو گئی۔
فرمایا، اگر اتنے نذیر بھیجنے کے باوجود تم نے اپنی حالت کو درست نہیں کیا

فَذُوقُوا تَرَابَ اِیْنِیْ كَمَا تِیْ كَا سِرْهٖ حَیْجِہٖ لَہٗ۔ اللہ تعالیٰ سزا میں مبتلا کرنے کا حکم
 لِلظَّالِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْبِیْ سِیْ ظَلَمَ كَرْنِیْ وَ اَلُوْا كِیْ كُوْنِیْ مَدَّ كَا ر
 نہیں ہوگا، آج ان کا قبیلہ، بلواری، جمعہ، سفارتی غرضیکہ کوئی بھی عذاب الہی
 سے نہیں بچا سکے گا۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ
 عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ
 خَلْقًا فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ،
 وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا
 مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾
 قَدْ آرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَ كُمْ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ
 دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ
 أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ أَمْ آتَيْنَهُمْ
 كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْهُ بَلْ إِنْ يَعِدُ
 الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿۴۰﴾ إِنْ
 اللَّهُ يُمَسِّكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ
 زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ
 إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۴۱﴾

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے پرتیبہ
 چیزیں آسمانوں اور زمین کی ۔ بے شک وہ خوب جانتا ہے
 سینوں کے راز ﴿۳۸﴾ وہی ذات ہے جس نے بنایا تم کو

خلیفہ زمین میں۔ پس جس نے کفر اختیار کیا، پس اسی پر اس کے کفر کا وبال پڑا۔ اور نہیں زیادہ کرتا کافروں کے لیے اُن کا کفر اُن کے پروردگار کے پاس مگر ناراضی۔ اور نہیں زیادہ کرتا کفر کرنے والوں کے لیے اُن کا کفر مگر نقصان (۳۹) (لے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، بلاؤ تمہارا وہ شریک جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھلاؤ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں۔ یا اُن کے لیے کوئی شراکت ہے آسمانوں میں، یا ہم نے اُن کو کوئی کتاب دی ہے، اور وہ کھلی دلیل پر ہیں اس سے نہیں بلکہ نہیں وعدہ کرتے ظالم لوگ بعض بعض کے ساتھ مگر فریب کا (۴۰) بے شک اللہ تعالیٰ روکتا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اس بات سے کہ وہ ٹل جائیں۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو نہیں روک سکتا اُن دونوں کو کوئی بھی اس کے سوا۔ بے شک وہ بردبار اور بخشش کرنے والا ہے (۴۱)

گزشتہ درس میں انذار کا مضمون ذکر ہوا تھا۔ قرآن کے درناو تین قسم کے آدمی ہیں۔ بعض وہ ہیں جو ضعف اثر و کبارہ کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ تیسرا گروہ وہ ہے جو بعلائیوں میں سبقت کرتا ہے۔ یہ سارے گروہ اہل اسلام اور حاملین قرآن ہیں۔ پھر اللہ نے نیکی کرنے والوں کے افعال کا ذکر کیا، اور کفر کرنے والوں کے عذاب اور اُن کی سزا و پیکار کو بیان کیا۔ اللہ فرمایا کہ تمہیں دنیا میں کتنی عمر تک مہلت دی تھی۔ اس مہلت کے دوران تمہارے پاس اللہ کے نبی بھی آئے جو تمہیں ڈر ساتے رہے، اللہ کی وحدانیت کے دلائل بھی تمہیں آگاہ کرتے رہے۔ انسانی زندگی کے تغیرات خود نذیر ہیں۔ ان

ربطیات

کا بڑھا پالنے یا دلاتا ہے کہ زندگی کا باقی حصہ منظور رہ گیا ہے، اب بھی سمجھ جاؤ، مگر تم نے ان چیزوں سے نصیحت حاصل نہ کی، اب پیچھے چلنے کا کچھ فائدہ نہیں، اپنے عقیدے اور عمل کا مزہ چکھو۔ اب ظالموں کو کسی طرف سے مدد نہیں آئے گی۔

علم الغیب
ذات

اب سورۃ کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات اور جزائے عمل ہی کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ ساتھ توحید کے عقلی دلائل بھی بیان کیے ہیں۔ قرآن کی صداقت کو ماننے والے اور انکار کرنے والوں کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بے شک اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کی مخفی چیزوں کو جانتے والا ہے۔ رَأْسُهُ عَلَيْهِم بِذَاتِ الصُّدُورِ بے شک سینوں کے رازوں کو بھی وہ خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی نیت، ارادے، استعداد اور صلاحیت تک کو جانتا ہے۔ اسی بنا پر گذشتہ درس میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ (آیت - ۲۷) اب عذاب کا مزہ چکھو۔ آج کے دن ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ اس دن کافر لوگ کہیں گے رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذَا عَمَلِ صَالِحًا (آیت - ۲۷) پھر وہ کہیں ہوں اس عذاب سے نکال دے۔ ہم اچھے عمل کریں گے۔ مگر اللہ چونکہ ان کی نیت اور ارادے سے واقف ہے، وہ کہے گا وَلَوْ زُرْتُمُ الْمَعَادِ وَرَأَيْتُم مَّا لَكُمْ فِيهَا مِنْ شَيْءٍ (آیت - ۲۸) اگر بالفرض ہم ان کو دنیا میں واپس لوٹا بھی دیں تو یہ پلٹ کر وہی کام کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ علیم کل اور تمام مخفی باتوں کو جانتے والا ہے، لہذا وہ ہر انسان کے ساتھ ان کی نیت، ارادے اور عمل کے مطابق ہی سلوک کرتا ہے۔

خلافتِ انبی

ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ فِي الْأَرْضِ
خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ اللہ نے اپنا

یہ انعام یا دوا کر شکر گزار ہی کا مطالبہ کیا ہے۔ مگر اکثر لوگ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔
 خلافت عام بھی ہے اور خاص بھی۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق فرشتوں
 کو خطاب کر کے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْ الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرہ - ۳۰)
 میں زمین میں خلیفہ یعنی نائب یا قائم مقام بنانے والا ہوں۔ یہ خلافت خاص تھی۔
 اور خلافت عام یہ ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے
 خلیفہ، جانشین یا قائم مقام ہیں۔ پہلے بادشاہوں کی جگہ موجودہ حکمران خلیفہ ہیں۔
 پہلے زمینداروں اور کاشتکاروں کے جانشین موجودہ زمیندار یا کاشتکار ہیں۔
 مفسرین کی اہم یہ بھی فرماتے ہیں کہ جَعَلْنَاكُمْ كَخَلِیْفَةِ اٰمِنٍ مُحَمَّدٍ سے ہے
 کہ اللہ نے تمہیں سپہوں کا خلیفہ منتخب کیا ہے۔ اب خطہ ارضی تمہاری سپرداری
 میں ہے۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔
 اور اس کے احکام کو بھی زمین میں جاری کرو۔ اللہ کی مخلوق کو جہالت سے نکالو۔
 ان سے ظلم و زیادتی کو رفع کرو، ان کو عدل و انصاف کا درس دو، زمین کو
 شرف و فساد کی بجائے امن و سکون کا گوارا بناؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
 وَلَا تَفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِ اِصْلَاحِهَا (الاعراف - ۵۶)
 زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس خلافت کے
 ذریعے تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ فَمِنْظُرْ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (حدیث)
 وہ ظاہر کرنے گا کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ مگر عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ
 جب کسی فرد یا قوم یا جماعت کو اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو پھر شکر گزار ہی کی
 بجائے ناشکری ہی کے مرتکب ہوتے ہیں، اور اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے
 زمین کی اکثر آبادی تو کفر اور شرک میں مبتلا ہے۔ آج کے زمانہ میں بھی دنیا کی کل
 آبادی کے چار حصے کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں اور صرف پانچواں حصہ

دین و ایمان سے قدسے تعلق رکھتا ہے۔ بہر حال نیابت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اس کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے مگر اکثر لوگ ناشکر گزار ہی ہیں۔

ناشکر گزاری
کا انجام

ارشاد ہوتا ہے مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ جس نے کفرانِ نعمت کیا یعنی ناشکر گزاری کی تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا، اللہ کا کیا ہائے گا؟ چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ اللہ کی آیات، اس کی صفات اور دلائل قدرت میں غور و فکر کر کے اس کی توحید کو تسلیم کرتے، عدل و انصاف قائم کرتے، اللہ کی زمین میں اصلاح کرتے اور اس طرح اللہ کی نعمت کا شکر یہ ادا کرتے مگر اس کی بجائے انہوں نے کفر و شرک کا راستہ اختیار کر کے کفرانِ نعمت کا ثبوت دیا جو خود ان کے حق میں بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ - ۲۸۶) انسان نے جو نیکی کما لی ہے وہ اس کے لیے کار آمد ہے اور جو برائی کی ہے، اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اس میں کسی دوست کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ سورۃ المدثر میں ارشاد خداوندی ہے كُلُّ نَفْسٍ لِّمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (آیت - ۲۸) ہر انسان اپنی کما لی میں پھنسا ہوا ہے۔ قیامت والے دن اس کا قدم نہیں اٹھ سکے گا۔ جب تک ایک ایک عمل کا محاسبہ نہیں ہو جائے گا۔

فرمایا جس نے ناشکر گزاری کی تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا اور ناشکر گزاروں کی ناشکر گزاری ان کے پروردگار کے ہاں نہیں زیادتی کرتی مگر ناراضگی کو۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے کفرانِ نعمت سے ناراض ہی ہوتا ہے۔ جس مقدار میں ناشکر گزاری ہوتی ہے اسی قدر اللہ کی ناراضگی اور سزا بڑھتی جاتی ہے۔ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرَهُمْ إِلَّا خَسَارًا اور ناشکر گزاروں کی ناشکر گزاری ان کے لیے نقصان ہی کا باعث بنتی ہے، الیا کرنے سے کسی فائدہ کی امید نہیں کی جا سکتی۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا

آیت - ۸۲) ظلم کرنے والوں کو بھی نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ نقصان ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے اور اس کی وجہ سے نہ تو دنیا کی زندگی درست ہو سکتی ہے اور نہ دوزخ اور آخرت میں بہتر مقام حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ زندگی بھی خراب ہو جاتی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ناشکر گزاری خدا کی ناراضگی اور نقصان کا باعث ہے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

قُلْ لِي غَيْبٌ بِأَنْ لَكُمْ لُغُوبٌ أَمْ آدَاءٌ يَسْتُرُكُمْ شَرِكَاءُ كُفْرُ
الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ بَعْدَ بَلَاءٍ لَمْ تَحْكُمُوا لَهُمْ وَهُمْ شُرَكَاءُ
جَنِّ كَوْتَمِ الشِّرْكِ سَلْبًا يَكْفُرُ بِهِنَّ لِيُحْيِيَنَّ مِنْ حَرْبٍ مَمْلُوكَةٍ بِإِذْنِ اللَّهِ
تَمَّ الْبَيْتِ لِيُحْيِيَنَّ مِنْ حَرْبٍ مَمْلُوكَةٍ بِإِذْنِ اللَّهِ تَمَّ الْبَيْتِ لِيُحْيِيَنَّ مِنْ حَرْبٍ
مَمْلُوكَةٍ بِإِذْنِ اللَّهِ تَمَّ الْبَيْتِ لِيُحْيِيَنَّ مِنْ حَرْبٍ مَمْلُوكَةٍ بِإِذْنِ اللَّهِ

جو کچھ انہوں نے زمین میں پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں یہ جتنی دلیل پیش کی ہے کہ تم جن مجبوران باطلہ کو اپنی حاجت بڑی یا مشکل کٹائی یا سفارش کے لیے پکارتے ہو اور کہتے ہو کہ اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال رکھی ہے کیا انہوں نے آج تک زمین میں کوئی چیز تخلیق کی ہے اگر کی ہے تو مجھے دکھاؤ تاکہ تمہارے شرک کا جواز پیدا ہو سکے۔ اور اگر انہوں نے کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی تو تم ان سے کیا چاہتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ سارا اختیار اللہ کے پاس ہے، اس نے اپنا اختیار کسی مخلوق کو نہیں دیا، تمام معاملات کی تدبیر وہ خود کرتا ہے، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ يَدَّبُّونَ بِالْأَمْسِ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (السجدة - ۵) آسمان کی بندگیوں سے لے کر زمین کی پتھروں تک ہر چیز کی تدبیر وہ خود کرتا ہے اور اس معاملہ میں اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔

نجومی ستاروں کو اختیار مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت اسیلے کرتے ہیں کہ وہ ہماری حاجات پوری کرتے ہیں۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا نے ان کو اختیار دے رکھا ہے۔ قبر پرست لوگ قبروں پر چادریں چڑھاتے اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں تاکہ اصحابِ قبور

شرک کی تردید

اپنے اختیار سے ان کی جگہ بنادیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر سب کچھ مجبوث ہے۔ اللہ کے سوا نہ کوئی کسی کو کچھ دے سکتا ہے اور نہ کسی سے کچھ روک سکتا ہے۔ بلکہ سارے کے سارے اللہ کے عاجز بندے ہیں، کسی میں الوہیت یا اختیار والی کوئی بات نہیں۔ اللہ نے قرآن پاک میں اس عقیدے کی بجا بارہ دفعی کی ہے۔ ہر چیز کا خالق، مالک اور مدبر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ بلا شکر ت غیبرے ہر ایک کی مختار والی اور مشکل کشائی کرتا ہے۔ لہذا اللہ ہی وہی ہے۔

فرمایا مجھے دکھاؤ تمہارے خود ساختہ معبودوں نے زمین میں کون سی چیز تخلیق کی ہے، کوئی انسان درخت، پتھر، جانور، نباتات، امانج، پھل ان میں سے کچھ تو پیدا کیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے۔ اللہ نے سورۃ عبس میں فرمایا ہے کہ انسان ذرا اپنے کھانے میں غور کر کے دیکھے کہ ہواؤں کو کس نے چلایا، بادلوں کو اڑا کر کون لے گیا، بارش کس نے برساتی شَقَقْنَا الْأَرْضَ مَرَضًا شَقَقْنَا الْأَرْضَ مَرَضًا (آیت ۲۶) پھر زمین کو چھپا کر پھیل، پھول اور اناج کس نے اگایا جسے تم بھی کھاتے ہو اور تمہارے جانور بھی اپنی غذائی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ کے کسی نے زمین میں کوئی چیز پیدا کی ہے۔ اچھا اگر انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا أَمْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ تو کیا آسمانوں کی تخلیق میں ان کی کوئی شراکت ہے؟ آسمانوں کا کوئی حصہ آیا کوئی آسمانی کدہ ہی موجود ان باطل کا پیدا کردہ ہو، ان سورج، چاند، زہرہ، مریخ وغیرہ میں ان کا کوئی حصہ ہو؟ اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر تمہیں ان کی پرستش کا کیا حق پہنچا ہے؟

فرمایا اگر زمین و آسمان میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے تو یہ ہی بتلاؤ أَمْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ كِتَابٌ فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَاتٍ مِّنْهُ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کی ہے اور وہ اس کے کھلی دلیل پر ہیں۔ دوسری جگہ ہے فِيهِ تَدْرُسُونَ جس کو تم پڑھتے پڑھاتے ہو اور اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ

ان خود ساختہ معبودوں کو کوئی اختیار ہے اور انہیں پکار کر ان سے حاجت براری کی جاسکتی ہے۔ اس چیز کا بھی کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے

بَلْ اِنْ يَّعِدُّ الظَّالِمُونَ لِعَعْضِهِمْ بَعْضًا اِلَّا عَذَابًا مُّؤْتًا
ایک دوسرے کے ساتھ محض فریب کاری کا وعدہ ہی کرتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ کتاب کی صورت میں کوئی نقلی دلیل بلکہ محض جھوٹی باتوں کے ذریعے پراپیگنڈہ ہے جو کہ فریب کاری کے سوا کچھ نہیں۔

شفاعت کا
غلط تصور

بعض مشرک کہتے ہیں کہ ہمارے یہ معبود خود تو کوئی کام نہیں کرتے البتہ سفارش

کمر کے اللہ کے ہاں سے کام بنواتیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا بیان اللہ نے قرآن

میں نقل کیا ہے جو کہتے ہیں اَلْهُوْلَاءُ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس - ۱۸) یہ

تو اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ ان کی سفارش اللہ تعالیٰ رد نہیں کرتا لہذا ہماری

بگڑی بنواتیتے ہیں۔ چنانچہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی

(الزمر - ۳) ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلا

دیتے ہیں۔ یہ سب دعوے اور فریب کی باتیں ہیں۔ اللہ کے حکم کے بغیر سفارش

بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ لہذا کافروں اور مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کی

اجازت نہیں ہوگی۔ سارا تصرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے سوا کوئی قدرت

کا مالک نہیں، مخلوق ہونے میں سب برابر ہیں اور سب کے سب اللہ کو راضی

کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہذا انسانوں، جنوں اور ملائکہ میں الوہیت کی

کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔ ان سے قیامت والے دن پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے

میرے بندوں کو شرک پر آمادہ کیا تھا۔ تو وہ صاف جواب دیں گے سُبْحٰنَكَ

مولا کریم! تیری ذات پاک ہے، بھلا ہم کسی کو شرک کی دعوت کیسے دے

سکتے تھے؟ عیسیٰ علیہ السلام بھی کہیں گے کہ مولا کریم! میں نے تو اپنی قوم کو

یہی تعلیم دی تھی اِنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ (المائدہ - ۱۱۷)

کہ اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے الغرض

فرمایا ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ دھوکے اور فریب کی بات کرتے ہیں۔
کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی کار ساز ہے۔

نظام کائنات
کا احکام

انگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ تامہ کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے۔ ارشاد
ہوتا ہے إِنَّ اللَّهَ مُخْتَلِفٌ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مَنْ أَنْ تَرَوْا بَعْثًا
اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامتا ہے کہ وہ ٹل جائیں۔ وَلَكِنْ زَاكَا
إِنْ أَمْسَكَكَهْمَا مِنْ أَحَدٍ مِمَّنْ كَبَعْدِهِ اور اگر یہ آسمان و زمین اپنی
جگہ سے ٹل جائیں تو ان کو کوئی تھامنے والا نہیں ہے، سورج، چاند، زمین اور
دیگر گزریں فضا میں معلق ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کا مدار مقرر کر رکھا ہے سورۃ یونس
میں ہے كَلِّ فِي هَلَكٍ يَكْسِبُ حُونَ (آیت - ۳۰) سب کے سب اپنے
اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔ اللہ نے ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے
سے ٹکراتے نہیں۔ کسی گزریں کا مدار چھوٹا ہے اور وہ جلدی اپنا چکر پورا کر لیتا ہے
اور کسی کا مدار لمبا ہے اور وہ اس کے مطابق زیادہ وقت لیتا ہے۔ کوئی گزریں
گھنٹے میں اپنے مدار کے گرد چکر لگاتا ہے، کوئی ایک ماہ میں، کوئی بیس سال
میں اور کوئی ہزاروں سال میں۔ سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اور
کائنات کا یہ نظام چل رہا ہے۔ فلکیات والے بتاتے ہیں کہ سورج زمین کی
نسبت تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے مگر بہت دور ہونے کی وجہ سے اس قدر چھوٹا نظر آتا ہے
یہ زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ اسی طرح زمین سے نزدیک
ترین گزریں چاند اڑھائی لاکھ میل کی مسافت پر ہے۔ شعری سیارہ جس کے متعلق
قرآن پاک میں آتا ہے وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشُّعْرَى (النجم - ۳۹) یعنی شعری
سیارے کا رب بھی وہی ہے۔ یہ سیارہ سورج سے بیس گنا بڑا ہے۔ ہر گزریں
کا وزن ہے اور یہ حکمتِ خداوندی کے مطابق جب تک اُس کو منظور ہے چلتے
رہیں گے۔ پھر جب مقررہ وقت آجائے گا تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا
اور نیا نظام قائم ہوگا۔ اللہ نے وقوعِ قیامت کی مختلف نشانیاں بیان فرمائی ہیں

کہیں فرمایا اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (التکویر - ۱) جب سورج گھٹ جائے گا۔ سورۃ زلززال میں فرمایا اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا (آیت - ۱) جب زمین کو خوب ہلا دیا جائے گا۔ اس کے ذرات بھج جائیں گے اور پہاڑ دھنسی ہوئی اُون کی طرح اڑنے لگیں گے، سارے بے ڈر ہو جائیں گے اور سارا نظام درہم برہم کمر دیا جائے گا۔ تو پھر عالم بالا کا نظام قائم ہو گا۔

فرمایا اِنَّهُ كَانَ حَلِيْمًا عَفُوًّا رَّحِيْمًا (اللہ تعالیٰ بڑا ہی بردبار اور بخشش کرنے والا ہے۔ وہ انسان کی کوتاہیوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ ہمت دینا رہتا ہے۔ پھر جب مقررہ وقت آجاتا ہے تو مجرم کو پکڑ لیتا ہے اور جب کوئی مجرم اس کے دروازے پر آکر تائب ہو جاتا ہے تو پھر اس کی رحمت و بخشش بھی بڑی وسیع ہے اور وہ معاف کر دیتا ہے۔ اگر اس کی بخشش اور معافی نہ ہوتی تو لوگوں کے کفر، شرک اور معاصی کی وجہ سے دنیا یکدم زیران ہو جاتی۔ یہ خدا تعالیٰ کی رحمت و بخشش کی وجہ سے ہی کائنات کا نظام قائم ہے وہ اپنے وقت پر عمل و انصاف کے بارے میں تقاضے پورے کر کے دکھا دیتا ہے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ
 نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ
 فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُم إِلَّا نُفُورًا ﴿٣٦﴾
 اسْتَكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرُ السِّيَئِ وَلَا يَحِيقُ
 الْمَكْرُ السِّيَئِ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ
 إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ
 اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿٣٧﴾
 أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ
 كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا
 أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ
 مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ
 إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ
 النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا
 مِنْ دَابَّةٍ وَلكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ
 مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
 بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٣٩﴾

تو جب وہ اور قسمیں اٹھائیں ان لوگوں نے اللہ کے نام کی پختہ قسمیں کہ اگر آئے گا ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا تو البتہ ہوں گے وہ کسی بھی دوسری امت سے زیادہ راہ پانے والے۔ پس جب آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا تو نہ زیادہ کیا ان کے لیے مگر بدکنا (۴۲) مگر کرتے ہوئے زمین میں اور بری تدبیر اور نہیں گھیرتی بری تدبیر مگر انہی لوگوں کو جو تدبیر کفندہ ہوتے ہیں۔ پس نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر پہلے لوگوں کے دستور کا پس ہرگز نہ پائے گا تو اللہ کے دستور میں تبدیلی اور ہرگز نہ پائے گا اللہ کے دستور میں مل جانا (۴۳) کیا نہیں چلے یہ لوگ زمین میں پس دیکھ لیں کیا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں اور تھے وہ ان سے زیادہ قوت والے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ اس کو کوئی چیز عاجز کرے آسمانوں میں اور زمین میں، بیشک وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت رکھتا ہے (۴۴) اور اگر مواخذہ کرے اللہ تعالیٰ لوگوں سے اس کے بدلے جو انہوں نے کیا تو نہ چھوڑے زمین کی پشت پر کوئی چلتے پھرنے والا جاندار۔ لیکن وہ ہدایت دیتا ہے ان کو ایک مقررہ وقت تک، پس جب آجائے گا ان کے پاس ان کا مقررہ وقت، پس بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ خوب دیکھنے والا ہے (۴۵)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کچھ عقلی دلائل پیش کیے تھے اور شرک کی تردید فرمائی تھی۔ فرمایا وہ اللہ کی ذات ہی ہے جس نے

ربط آیات

آسمان وزمین کو اپنی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کے ساتھ تمام رکھا ہے اور اگر وہ ان دونوں کو اپنی جگہ سے ہٹانا چاہے تو کوئی دوسرا ان کو تھامنے والا نہیں اللہ تعالیٰ حلیم و غفور ہے اور انسانوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے مگر لوگ اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے مزید سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت مقررہ پر اللہ کی گرفت آجاتی ہے اور نافرمانوں کو پھینک کر رکھ دیتی ہے۔

مشرکین کو
کاغذ لکھو

اب آج کی پہلی آیت میں مشرکین مکہ کے باطل زعم کا خصوصی رد کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ يهْدِيَهُمْ اللہ کے نام کی پختہ قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مِّنْ لَّدُنَّا أَهْدِيهِمْ من اِحْدَى الْاُمَمِ کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آگیا۔ تو وہ کسی بھی دوسری امت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ مشرکین مکہ یہود و نصاریٰ کے متعلق سنتے تھے کہ اللہ نے ان پر پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں، مگر انہوں نے نبیوں کی مخالفت ہی کی اور ہدایت قبول نہ کی، تو یہ لوگ وعدہ کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی نبی آگیا تو ہم اس کی کماحقہ اطاعت کریں گے۔ اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی لائی ہوئی ہدایت کو مستبول کریں گے، مگر اللہ نے فرمایا فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ جب ان کے پاس ڈرانے والا اللہ کا آخری نبی آگیا تو اس پر ایمان لانے کی بجائے مَا رَادَهُمْ إِلَّا نِقُورًا ان کی نفرت میں ہی اضافہ ہوا۔ وہ نبی کی اطاعت ترک کیا کرتے، لہذا اس کے دشمن ہو گئے اور اللہ کے رسول کے متعلق ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء سے جس قدر نفرت کی، انہوں نے ان سے بھی زیادہ خباثت کا اظہار کیا۔ اس کے خلاف طرح طرح کے منصوبے بنائے حتیٰ کہ قتل تک کے درپے ہوئے اور یہ اس وجہ سے اسْتَكْبَرُوا فِي الْاَرْضِ کہ وہ زمین میں غرور و تکبر کرنے لگے تھے۔ ان لوگوں کو اپنی سیادت و قیادت

پر گھنٹہ تھا اور وہ کسی دوسرے کو اس چوہدریہٹ میں شریک کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کر لیا تو پھر ہماری سیادت ختم ہو جائے گی۔

مکبر ایک رو جانی بیماری ہے جو اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگ حق کو تسلیم نہیں کرتے اور جیلے۔ ماننے سے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ لوگ دنیاوی حیثیت کو نبوت پر ترجیح دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے جس کے پاس نہ مال و دولت، نہ زمین و باغات، نہ کوئی اور نہ لوگوں کا کر، بھلا اس نامور آدمی کو ہم کیسے نبی تسلیم کر لیں۔ وَقَالُوا لَوْلَا نُنزِلَ هَذَا الْقُرْآنَ عَلٰی زَجَلٍ مِّنَ الْقُرْآنِ عَظِيمٍ (التخروف - ۳۱) یہ قرآن مکے اور طائف کی عظیم بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل ہوا۔ کیا نبوت و رسالت کے لیے اہل طالب کا تہم بھینچا ہی رہ گیا تھا؟

اللہ کے نبی کے خلاف مشرکین کی لعنت ایک تو ضرور و تکبر کی بنا پر تھی اور دوسرا وہ کفر الستی و بری تدبیر کی وجہ سے تھی۔ ان کی بری تدبیر یہی تھی کہ نبی علیہ السلام کو معاذ اللہ ختم کر دیا جائے تاکہ ان کا لایا ہوا دین سب سے دم توڑ جائے اور آگے نہ بڑھ سکے، مگر اللہ نے فرمایا وَلَا يَحِثُّ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا يَأْتِيهِمْ بَرِيءٌ تَدْبِيرٌ نَّهْيٌ لِّمَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ لَئِن لَّمْ يَظْهَرِ لَهُمْ بَرِيءٌ يَدْعُوا إِلَيْهِمْ يُجَادِلُوا فِي دِينِهِمْ وَيَقْتُلُوهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشَاءُ اللَّهُ أَن يَجْعَلَ لَهُمْ خَرَجًا وَسَعَةً إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (التخروف - ۳۱) یہ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کے نبیوں کے دشمن کو ناکام بنا دیں، تو اللہ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی کے خلاف بری تدبیر سوچتا ہے اس کا وبال خود اسی پر پڑتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ برائی کرنے والا خود ہی اس میں پھنس جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے مَنْ حَقَّرَ بَيْتًا لِأَخِيهِ وَقَعَ فِيهِ جَوَائِزُ بَهَائِكُمْ كَمَا فِي

مشرکین کی
بری تدبیر

گڑھا کھودا آگہ خود اس میں گرتا ہے۔ بعض روایات میں مُنْکِبًا کا لفظ بھی آتا ہے یعنی اونٹ سے منہ گرتا ہے۔ فارسی کا مقولہ بھی ہے ”چاہ کن راجاہ در پیش“ جو کسی کے لیے بُرائی سوچتا ہے، وہ خود ہی اس کا شکار ہو جاتا ہے۔

تین لائیں
و قرعات

غزوہ خندق کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے اہل ایمان نے حضور علیہ السلام کی قیادت میں بنو قریظہ پر چڑھائی کی کہ ان کو مغلوب کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرنے کے باوجود شہر کی تھیں لہذا ان کی سرکوبی ضروری تھی۔ جب وہ مغلوب ہو گئے تو انہوں نے حضرت سعد بن معاذ کو اپنا فیصلہ مقرر کیا جنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کی سزا یہ ہے کہ ان کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو لڑائی غلام بنا لیا جائے۔ یہ فیصلہ حضور علیہ السلام نے بھی پسند فرمایا اور کہا کہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے۔ الغرض اس فیصلے پر عملد رآمد کرتے ہوئے بنو قریظہ کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ اُس وقت کعبہ ایک بچے تھے جو قتل ہونے سے بچ گئے اور بعد میں اسلام قبول کر لیا اور بڑا علم حاصل کیا اور مفسر قرآن شمار ہونے لگے۔ ان کے بیٹے محمد ابن کعبہ بھی عظیم مفسر قرآن ہوئے ہیں ان کا قول ہے کہ تین چیزوں کا انجام ضرور واقع ہو کر رہتا ہے فرماتے ہیں کہ پہلی چیز وہی ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کے لیے بری تدبیر سوچتا ہے وہ خود اس کا شکار بنتا ہے اور دوسری چیز وہ ہے جو قرآن کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بُعِثْتُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ (یونس - ۲۳) اے لوگو! تمہاری سرکشی خود تمہارے ہی نفسوں کے خلاف پڑے گی۔ قوانین الہی اور حدود شرعی کو توڑنا ہی سرکشی ہے اور دنیا میں اکثر و بیشتر ایسے لوگوں کو سزا مل کر رہتی ہے۔ اور فرمایا تیسری چیز وہ ہے کہ اُس کا کا نتیجہ بھی ضرور ظاہر ہوتا ہے فَمَنْ تَكَاثَفَا تَمَاتَا يَتَكَاثَفُ عَلٰی

تَفْسِيْهِ (الفتح - ۱۰) جو کوئی عمد کو توڑتا ہے تو اس کا وبال بھی اسی پر پڑتا ہے اور وہ بھی ذلیل و خوار ہو کر رہتا ہے جیسا کہ بقرہ نبطہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔

فرمایا، پہلے تو یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم سے پاس کوئی نذیر آتا تو ہم قوموں سے بڑھ کر اس کی اطاعت کرتے مگر جب اللہ کا نبی بطور نذیر آ گیا تو اس کے خلاف تدبیریں سوچنے لگے۔ فرمایا قَهْلٌ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ

سابقہ لوگوں کے نقش قدم پر

کیا یہ لوگ پہلے خونوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں۔ پہلے لوگوں نے بھی انبیاء کے خلاف بغاوت کی، مصلحین اور مبلغین کے خلاف سازشیں کیں اور خدا کی گرفت میں آئے۔

اگر یہ بھی انہی لوگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں تو جان لیں فَكُنْ مِمَّنْ تَحْدِثُ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا کہ تم نہیں پاؤ گے اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی۔ وَلَنْ تَحْدِثُ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا اور تم اللہ کے دستور کو ٹٹتے ہوئے بھی نہیں

پاؤ گے، مطلب یہ کہ اللہ کا دستور تو یہ ہے کہ جب کوئی قوم بغاوت پر اتر آتی ہے تو پھر وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتی۔ تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے۔ اسی طرح اگر تم بھی سرکشی سے باز نہ آئے تو اللہ کا دستور محض تمہاری خاطر

تو تبدیل نہیں ہوگا۔ اگر تم بھی الیا کرو گے تو عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔ دنیا کی عدالتوں میں بعض اوقات رشوت یا سفارش کی بنا پر مجرم کی سزا کو ٹال دیا جاتا ہے یا اس میں تخفیف کر دی جاتی ہے مگر خدا تعالیٰ کے قانون میں ایسی کوئی گنجائش

نہیں ہے۔ وہ مجرم کو مہلت تو دے دیتا ہے مگر سزا دیے بغیر چھوڑتا نہیں۔

آخر میں اللہ نے بطور نصیحت اور تنبیہ فرمایا ہے اَوَلَمْ يَكُنْ فِيْ رِضٍ اَلْمَرَضِ فَيَتَنَظَّرُوْنَ وَاكَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ صِفَتْ

قَبْلَهُمْ كَا كَا اِنْمَا هُوَا - وَكَا لَوْ اَسْتَدْرَمْتُمْ قُوَّةَ وَه تَوَطَّقْتُمْ مِّنْ اِنْ سَه

بھی زیادہ تھے۔ پرانی قوموں کے حالات پڑھیں اور ان کے آثار دیکھیں تو پیشہ چل جانے گا۔ کہ ان کی سرکشی کا کیا انجام ہوا۔ مصر کے فرعون، ابل کے آشوری اور

کلذائی، عاد اور ثمود بڑے بڑے طاقتور اور ملک و خزانوں کے مالک تھے
یونان میں سکندر جیسے فاتح عالم بھی ہوئے ہیں پھیلی سورقہ میں گور چکا ہے کہ
عرب والوں کو تو سابقہ اقوام کا عشر عشیر بھی نہیں ملا، ایک بات پر اقرار ہے میں اور
کس غرور میں مبتلا ہیں، اگر وہ اتنے طاقتور اور جاہ و شہمت کے مالک اپنی سرکشی کی
کی وجہ سے نابود ہو گئے، تو یہ کس باغ کی مولیٰ ہیں کہ ہمیشہ قائم رہیں گے، جب
اللہ کی گرفت آئیگی تو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیے جائیں گے۔

فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اس کے راستے میں
کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں ہو سکتی وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ
فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ آسمان زمین
کی کوئی چیز اسے عاجز کر دے اور وہ اپنے ارادے اور شہادت کو پانچ بجیل تک
نہ ہنچا سکے۔ قَالَ اللَّهُ يَكْفُرُ شَيْءٌ عَلِيٌّ عَلِيٌّ رَابِعًا (۲۸۲) اللہ تعالیٰ ہر شے
کا علم رکھتا ہے، وہ ذرہ ذرہ کر جانتا ہے قَالَ اللَّهُ عَلِيٌّ كَلِّ شَيْءٍ وَقَدِيرٌ رَابِعًا
اور وہ ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے، لہذا اس کے ارادے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔
چنانچہ جب وہ کسی قوم کو پکڑنے پر آتا ہے تو پھر کوئی بھی چیر خراہ وہ آسمان کے
کناروں یا زمین کے کسی گوشے میں ہو، اللہ کی شہادت کے راستے میں رکاوٹ
نہیں بن سکتی، بلکہ کام ہو کر رہتا ہے۔ فَرِيَاۤتَهُ كَانَ عَلِيًّا مَا قَدَرْنَا بِحَاكٍ
اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اور ہر چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ
جب چاہے گا سرکشوں کو پکڑ لے گا۔

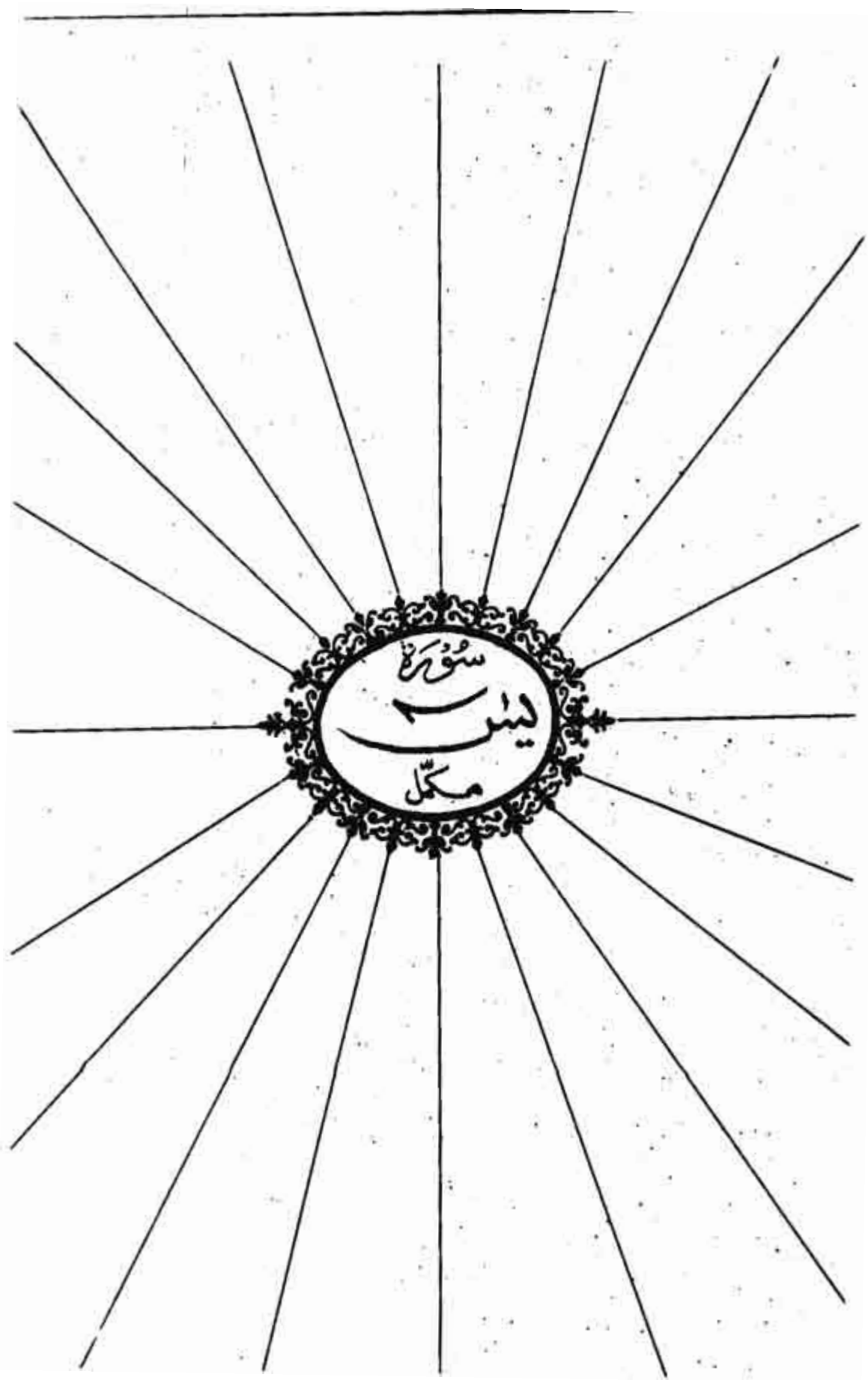
اللہ تعالیٰ
کی طرف
سے مہلت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا ہے وَلَوْ كُيُوۡٓاۡخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ
بِمَا كَسَبُوۡۤا لَآرَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَوُكُوۡنَ سَے اُن کی کارکردگی کے متعلق ملاحظہ کر دے
مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرٍ هَا مِنْ دَابَّةٍ تَوَزَّيۡنَ پرنے پھرنے والے
کسی جاندار کو نہ چھوڑے۔ ہر جاندار سے کوئی نہ کوئی غلطی تو ضرور ہو جاتی ہے۔
جب کہ انسان تو بے تماشاً مغرور اور مفتون ہیں، معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اور اُن کی اکثریت کفر اور شرک کا ارتکاب کرتی ہے۔ تو فرمایا اگر ان کی کرتوتوں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اُن سے مواخذہ کرنا چاہے تو کوئی بھی جاندار بچ نہ سکے اور سب پکڑے جائیں۔ وَلٰكِنْ كُوْنَتُمْ نَفْسًا وَّاجِلًا فَسَمِعْتُمُوهُنَّ مگر اللہ تعالیٰ انہیں مقررہ وقت تک مہلت دیتا رہتا ہے۔ یہ اُس کا دستور ہے اُس نے ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس سے آگے دیکھے نہیں ہوتا۔ جس طرح انسان کی زندگی کے ایام مقرر ہیں، اسی طرح بحیثیت مجموعی پورے جہان کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ مہلت پوری ہو جائے گی تو سارا نظام ختم ہو جائے گا اور پھر نیا نظام قائم ہوگا۔ اور انسانی زندگی کا محاسبہ شروع ہو جائے گا۔ دنیا میں جب انسانوں کی سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک خاص وقت تک ٹھہرا دیتا رہتا ہے۔ پھر جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے۔ تو اللہ کی گرفت سیلاب کی طرح یکدم وارد ہو جاتی ہے اور پھر کوئی تدارک نہیں سنا جاتا۔ یہ تو دنیا کا ادنیٰ عذاب ہوتا ہے۔ آخرت کا بڑا عذاب تو آگے ہے۔ اللہ نے اعلان فرمایا ہے وَلَنذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْاُولٰٓئِیْ دُونَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (السجدة-۲۱) بڑے عذاب سے پہلے ہم انہیں دنیا کا کم تر عذاب بھی چکھاتے ہیں تاکہ وہ حقیقت کی طرف لوٹ آئیں۔ اس کے باوجود بعض لوگ دنیا کی زندگی میں بچے بھی سمجھتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سزا اُن سے مل جاتی ہے، بلکہ وَأْمُرُوا لَهُمْ طَرِیْقًا کی مدد سے مَتِّیْنًا (تعلیم) انہیں مہلت دی جاتی ہے اور میری تدبیر بڑی مضبوط ہے جو خطا نہیں جاتی۔

فَرِیْضًا فَاِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ جب اُن کا مقررہ وقت آجائے گا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ یَعْبَادِهٖ بِصَبْرٍ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کو دیکھ رہا ہے اسے ہر چیز کا علم ہے اور ہر شخص کے عقائد و اعمال کے مطابق ہی اُس کے ساتھ سلوک کرے گا۔ انسان اُس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔



سُوْرَةُ یَسٍ مِّمَّا تَرَوٰهُی تَلَاثٌ وَّمِائَتُوْنَ اٰیَةً وَّحَمْسٌ وَّرُكُوْعًا
سورہ یس کی ہے۔ اس کی تراسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرنا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان بڑا مہربان ہے اور مہربان کرنے والا ہے

یَس ۱ وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ ۲ اِنَّكَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِیْنَ ۳ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۴
تَنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۵ لِتُنذِرَ قَوْمًا
مَّا اُنْذِرَ اٰبَاؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۶ لَقَدْ
حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا
یُؤْمِنُوْنَ ۷

ترجمہ :- یس ۱ قسم ہے حکمت والے قرآن کی ۲
بیشک آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں ۳ سیدھے راستے
پر ہیں ۴ (قرآن) اتارا ہوا ہے کمال قدرت رکھنے والے
اور نہایت مہربان خدا کی طرف سے ۵ تاکہ آپ ڈرائیں
اس قوم کو کہ نہیں ڈرائے گئے ان کے اباؤ اجداد، پس
وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ۶ البتہ تحقیق ثابت
ہو گئی ہے یہ بات ان کی اکثریت پر، پس وہ نہیں

ایمان لائیں گے ﴿۷﴾

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ یٰسّ ہے جو کہ اس کے ابتدائی لفظ سے ماخوذ ہے، اس کا ہجو ستر امام سورۃ الممتعۃ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ سورۃ دنیا و آخرت کی بستری پر مشتمل ہے۔ مفسرین اس کا تیسرا نام واقفہ بیان کرتے ہیں کہ یہ برائی کو دور کرنے والی سورۃ ہے۔ اس کا ایک نام قاضیہ بھی ہے کیونکہ اس کی تلاوت ان فی حاجات کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ یہ سارے نام امام بیضاوی نے اپنی تفسیر میں بیان کیے ہیں۔

یہ سورۃ مکی دور کے وسطی زمانہ میں سورۃ جن کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی تراویح آیات اور پانچ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ سات سو انتیس کلمات اور تین ہزار حروف پر مشتمل ہے دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی چار بنیادی عقائد نہایت شمرح و بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ ابتدا میں قرآن پاک کی حیثیت اور صداقت کا ذکر ہے اور ساتھ رسالت کا بیان ہے۔ اس ضمن میں بہت سے تاریخی واقعات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ توحید خداوندی کا ذکر بڑے کمال طریقے سے کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ پورے طریقے سے مشرکین کا رد ہے۔ اس سورۃ میں پورے دلائل کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود اور کارساز نہیں۔ مخلوق میں سے انسان ہوں یا جن یا ملائکہ، اولیاء ہوں یا اصفیاء، شمس و قمر ہوں یا دریا اور پہاڑ سب کے سب اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ عالم الغیب اور علیم کل ہے۔ اس بات کو بڑے اچھے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر بھی انسانوں کے ضمیر کو بھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔ یہ چاروں مضامین آگے چل کر سورۃ الاقعة میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ وہاں پر چھوٹی چھوٹی آیتوں میں مجازات (جزائے عمل) کا پہلو غالب ہے مگر یہاں پر تمام مضامین یکساں طور پر دو سے عنوانات کے تحت بیان کیے گئے ہیں۔

نام اور
کوائف

مضامین سورۃ

۱۔ اوسمہ ص ۲۴۶ و قرطبی ص ۱۵۱ ۲۔ السراج المنیر ص ۳۲۵
۳۔ السراج المنیر ص ۳۲۵ ۴۔ بیضاوی ص ۲۵۶ (فیاض)

احادیث میں اس سورۃ مبارکہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے اِنَّ لِّبَعْلِ كَلِمَتِي فِي قَلْبِكَ وَقَلْبُ الْقُرْآنِ لَيْسَ بِرِجْلِيْزٍ کا ایک دل ہوتا ہے۔ اور قرآن پاک کا دل سورۃ یس ہے۔ انسانی قلب کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ یہ جسم کا ایک ایسا عضو ہے کہ اگر یہ درست ہے تو سارا جسم درست ہے اور اگر یہی عضو بگڑا ہوا ہے تو سارا جسم فاسد ہوتا ہے گویا جسم کی درستگی کا مدار قلب کی درستگی پر ہے۔

سورۃ بقرہ کو اونٹ کی کوبان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوبان اونٹ کا بلند ترین حصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۃ بقرہ بھی قرآن کا بلند ترین حصہ ہے اور یہاں سورۃ یس کو قرآن کا دل اس لیے کہا گیا ہے کہ ایمان دل میں ہوتا ہے عقیدے سے تعلق رکھنے والے جذبات اور محبت، نفرت، خوش اسخلاق، بد اخلاق، ایمان، کفر، شرک، انفاق وغیرہ کا تعلق دل سے ہے۔ گویا نجات اور فلاح کا مدار صحیح ایمان پر ہے۔ اگر قلب میں ایمان صحیح ہوگا۔ ترانہ ان کے حالات اس دنیا میں بھی درست ہوں گے اور آخرت میں بھی فوز و فلاح نصیب ہوگی۔ اور اگر ایمان میں ہی خرابی ہے تو کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔ بغرضیکہ اللہ کی وحدانیت اور رسالت پر یقین، اللہ کی کتاب پر ایمان، محشر نشر کے واقعات پر یقین، سب اس سورۃ میں مذکور ہیں، اس لیے اس سورۃ کو قرآن کا قلب کہا گیا ہے، گویا کہ اس سورۃ میں کامیابی کے تمام اصول بیان کر دیے گئے ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کی فضیلت میں حضرت عیسیٰ کرامؑ نے البعلیٰ کے حوالہ سے یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مَنْ قَرَأَهَا فِي كَيْسَلِيَّةٍ أَصْبَحَ مَغْفُورًا لَهُ جو شخص رات کے وقت سورۃ یس کی تلاوت

۱۵۰ قرطبی ج ۱، وحسانی ج ۱۱۹، وعل ج ۱۰۱، وغازن ج ۲

۱۵۰ قرطبی ج ۱، وحسانی ج ۱۱۹، وعل ج ۱۰۱، (قیاض)

کرے گا، اس کو صبح کے وقت خدا تعالیٰ کی جانب سے بخشش و مغفرت کا پوراہ
 ملے گا۔ مسند احمد میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آتا ہے جسے امام نسائی نے عمل الیوم
 واللیل میں نقل کیا ہے کہ سورۃ یس قرآن کا دل ہے لا یقرء ہا رجلاً حیرید
 اللہ والذکر الایحیة إلا غفرکے جو شخص اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت
 کے گھر کی تلاش کے لیے پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بخش دے گا۔ **وَسَلَّمَ مَا
 اقْرَأَ مِنْهَا عَلَىٰ مَوْتَاكُمْ تَمَّ اَسْ اِسْنِ قَرِیْبِ الْمَرْگ لوگوں کے پاس پڑھا
 کرو تاکہ انہیں صحیح ایمان نصیب ہو۔ اس سورۃ میں ایمان کے تمام اصول بیان
 کر دیے گئے ہیں۔**

مند بزار کے حوالے سے مفسرین کرام یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لَعُوْدُوْا اَنْهَا فِیْ كُلِّ
 قَلْبِ اِنْسَانٍ مِّنْ اُمَّتِیْ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ یہ سورۃ میری امت
 کے ہر شخص کے دل میں ہو، یعنی ہر شخص کو اسے حفظ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے
 صاحب تفسیر حقیقی لکھتے ہیں۔ کہ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ سورۃ یس پڑھنے سے
 اللہ تعالیٰ آدمہ منجی کو دور کر دیتے ہیں، اور موت کے وقت یہ سورۃ پڑھنے سے
 روح آسانی سے نکلتی ہے اور ایمان بھی نصیب ہوتا ہے۔ مفسر حقیقی نے یہ بھی لکھتے
 ہیں کہ زندگی کی مہمات یعنی عام اہم مواقع پر اس سورۃ کی تلاوت اکیس کا حکم رکھتی ہے
 لیکن حروف مقطعات میں سے ہے۔ مفسرین کرام نے ان حروف
 کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ بعض لیس کہ اللہ تعالیٰ کے اسما و ہما کہ یہ شمار
 کرتے ہیں۔ اگر یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو پھر کسی شخص کا نام ایس نہیں

حروف
 یس

۱۔ مند احمد و عمل الیوم واللیل ص ۲۰ قریب ص ۱۵۱ و خازن ص ۶۲ و جبل ص ۵۱

۲۔ درمنثور ص ۲۵۶ و ابن کثیر ص ۵۶۳ ۳۔ حقیقی ص ۱۱۹

۴۔ حقیقی ص ۱۱۹ ۵۔ طبری ص ۱۴۵ و ابن کثیر ص ۵۶۳ و زاد المیر ص ۳ (فیاض)

رکھنا چاہیے کیونکہ رب اللہ تعالیٰ کے اسماءِ مختصہ میں سے ہے اور ایسے اسماء کا اطلاق مخلوق پر نہیں ہو سکتا۔ یہی دیگر اسماء زمان، خالق اور اللہ وغیرہ ہیں جو کسی انسان کے نام نہیں ہو سکتے۔ البتہ بعض اسمائے ربانی ایسے بھی ہیں جو کسی حد تک مخلوق کے لیے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں مثلاً رحیم، کریم، مالک، عالم، رؤف وغیرہ۔ اور اگر ایسے کو اللہ کے اسمائے مختصہ میں شمار نہ کیا جائے تو پھر اس کا اطلاق کسی آدمی پر بھی ہو سکتا ہے مگر اس کے معنی کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ جب اس نام کو خدا تعالیٰ کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کا اطلاق اس طرح ہوگا۔ جس طرح اسکا شان کے لائق ہے۔ اور اگر اس کا اطلاق کسی انسان پر کیا جائے تو اس کی مناسبت انسان کی حالت کے ساتھ ہوگی۔ مثلاً رؤف کا نام اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر دونوں جگہ مفہوم مختلف ہوگا۔ جب صفتِ رأفت کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے گا، تو معنی یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ مہربانی اور فیضان فرماتا ہے۔ اور جب یہ لفظ کسی انسان کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ تو وہاں پر رأفت سے مراد درویدل اور شفقت ہوگی جو کسی کی خستہ حالت دیکھ کر انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور پھر ایسا شخص ضرورت مند کی حاجت براری بھی کرتا ہے۔ دل میں درد پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا تعلق مادیت سے ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات تمام مادی تصورات سے پاک ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ایسے سورۃ کا نام ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حضور علیہ السلام کا نام مبارک ہے، بالکل اسی طرح جس طرح طہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ یا اور سین دو حروف کا مرکب ہے

۱۔ روح البیان ص ۲۶۴ و کتاب ص ۳۱۰ و زاد المیر ص ۳۱۰ و صفوة التفسیر ص ۳۱۰
۲۔ زاد المیر ص ۳۱۰ و فتح القدر ص ۲۵۵ و مدارک ص ۲۰۰ و الاتقان ص ۳۰۰ و البحر المحیط ص ۲۲۳
۳۔ نازن ص ۲۱۰ و تفسیر المراغی ص ۱۴۵ و البحر المحیط ص ۲۲۳ و معالم التنزیل ص ۲۱۰ (فیاض)

اور اس کا معنی ہے "اے انسان" عرب کے مشہور قبیلہ بنی طی کے ہاں اس لفظ کا یہی معنی لیا جاتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ معنی جلیشہ کی زبان میں لیا جاتا ہے، مگر یہاں یہ انسان سے خطاب کیا گیا ہے۔ بعض نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہاں اشارہ یہی ہے کہ یعنی اُس دن کی طرف ہے جب اللہ نے نبی آدم کی تمام ارواح سے عہد لیا تھا فرماتے ہیں کہ اس کا اشارہ راز کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا راز۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں ایسے حضور علیہ السلام کی طرف خطاب ہے، اور معنی یہ ہے یا سید البشر یعنی اے بنی نوح انسان کے سردار۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے خود فرمایا، اَنَا سَيِّدُ الْبَشَرِ - اَنَا سَيِّدُ قَوْلِ اَدَمَ یعنی میں تمام نسل انسانی کا سردار ہوں، فرمایا یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا بلکہ یہ تو میرے اللہ کی مہربانی ہے کہ اُس نے مجھے اس منصب پر فائز فرمایا ہے۔ قیمت والے دن جب تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے تو حضور علیہ السلام کی قیادت عامہ کا ظہور اس وقت ہوگا اور ساری مخلوق جانے گی کہ آپ واقعی سید البشر، سید الشاکین اور سید ولد آدم ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ لیس کے تینوں حروف ہی اسی اورن میں شرط ہوتی ہیں اور اس سے مراد ایک خاص قسم کا نور ہے، جو کائنات میں سرایت کمرتا ہے۔ اس نور کا نزول قرآن پاک اور اس سورۃ مبارکہ کے ذریعے ہو رہا ہے اور اسی نور سے کائنات کی ہدایت اور رہنمائی کا پروگرام سننا آرہا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ کا آغاز حروف مقطعات سے کیا ہے

۱۔ تفسیر الثعالبی ۳/۳۰۰ و درمنثور ۲۵۸ ج ۵ ۲

۳۔ خازن ۴/۴۰۰ و نظری ۳/۱۰۰ والاتقان ۳/۳۰۰ و فتح القدر ۳/۳۰۰

(فیاض)

۵

۶

یٰسٰ اور اس کے معانی کی طرف میں نے اشارہ کر دیا ہے۔ ویسے جلالین نے بزرگ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے بائیں میں زیادہ سلاحتی والا سپرہی ہے کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِمْ بِذٰلِكَ اٰمَنَّا وَصَدَقْنَا اللّٰهُ تَعَالٰی ہٰی بہتر جانتا ہے کہ ان حروف سے کیا مراد ہے۔ اس سے جو بھی مراد ہے ہمارا اس پر ایمان ہے لہذا ان حروف کے معانی میں زیادہ کر یہ نہیں کرنی چاہیے۔

سورۃ نبا کا مضمون قرآن پاک کی خفایت اور صداقت سے شروع کیا گیا ہے آگے رسالت کے بیان میں تاریخ رسالت کے کئی واقعات آئیں گے اور ساتھ ساتھ محاسبہ اعمال کا ذکر ہوگا۔ تو ارشاد ہوتا ہے وَالْقُرْآنُ الْحَکِیْمُ قسم ہے حکمت والے قرآن کی، یعنی قرآن پاک کا پروگرام قطعی اور یقینی ہے اور اس میں شک و تردد والی کوئی بات نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی خلاف واقعات ہے۔ یہ حکم ہے کہ اس کی ہر بات سببی بر حکمت ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو وحی الہی کے ذریعے نازل ہوا اور یہ کلام انسانی ذرائع علم سے بلند تر ہے حکم سے مراد مستحکم بھی ہو سکتا ہے یعنی قسم ہے مستحکم اور پکے قرآن پاک کی۔ اس کی ہر بات پختہ ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں فرمایا کہ یہ ایسی کتاب ہے لَا تَنۢبِیۡ فِیۡہِۭا جِسۡمٌ مِّنۡ شَیۡءٍ کہ جس میں کسی قسم کا شک و تردد نہیں کیا جاسکتا۔

اگلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور رسول کی رسالت کی تصدیق کی ہے اور اس کے بعد پھر قرآن پاک کے نزول اور مقصد نزول کا ذکر ہوگا ارشاد ہوتا ہے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیۡنَ بے شک آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ گزشتہ سورۃ میں گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ حضور علیہ السلام کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس معاملہ میں طرح طرح کے شکوک و شبہات کا

اظهار کرتے تھے۔ چونکہ مشرک لوگ انکار رسالت میں شدید تھے تو اللہ نے
 یہاں پر تصدیق رسالت بھی اسی قدر سخت طریقے سے قسم اٹھا کر کی یعنی قسم ہے
 حکمت والے یا مستحکم قرآن کی کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ اور
 سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہیں۔ آپ خاتم النبیین ہیں، سید ولد آدم ہیں، انکے
 کامل ہیں اور تمام انبیاء کے بھی نبی ہیں۔ ساتھ یہ بھی فرمایا عَلَّٰمُ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
 آپ اللہ کے قائم کردہ بالکل سیدھے راستے پر ہیں۔ آپ اسی شاہراہ پر چل رہے
 ہیں جو حنیفۃ القدس اور اللہ کی رحمت کے مقام تک جاتی ہے۔ آپ کا قول فعل
 عمل اور عقیدہ سب کچھ صحیح ہے۔ آپ بالکل صراط مستقیم پر ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا
 کہ آپ تو بلاشبہ صراط مستقیم پر ہیں۔

— اور ساتھ ساتھ قَدْ اَنْتَ لَتَهْدِيْ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (التحرى)
 اور دوسروں کی بھی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں تاکہ وہ بھی منزل مقصود
 تک پہنچ جائیں۔

مقصود نزول قرآن

اللہ نے ابتدائی آیت میں جس قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر حضور علیہ السلام کی رسالت
 کی گواہی دی تھی، اُس قرآن کے متعلق فرمایا تَسْنِيْلُ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ، یہ
 غالب اور از حد مہربان خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اگر اُس کی مہربانی شامل
 حال نہ ہوتی تو انسان ہدایت الہی سے محروم ہوتے۔ اللہ نے یہ قرآن نازل فرما کر بڑا
 احسان فرمایا۔ سورۃ ابراہیم کی ابتدا میں نزول قرآن کی غایت یہ بیان کی گئی ہے
 لِيُعْزِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ (آیت-۱) تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں
 سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔ لوگ اخلاقی، روحانی، مادی غرضیکہ ہر قسم کے
 اندھیروں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہیں گمراہی کے اندھیرے ہیں تو کہیں لہو و لعب
 کے اندھیرے چھانے ہوئے ہیں لوگوں نے اس وقت ماریت کا کلور و فارم سو بگلا
 رکھا ہے۔ مرنے کے بعد یہ نشہ اتر جانے کا تو بہتہ چلے گا کہ ہم دنیا میں کیا کرتے رہے ہیں۔
 اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کے نزول کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے لِيُنذِرَ

قَوْمًا مَّا أَنْذَرْنَا أَوْ هُمْ فَهَمْ عَفِئُونَ تَاكِرَ اٰپ اِن لٰوگول كو
 ڈرا ديل جن كے اباؤ اجداد كو نسيں ڈرايا كيا، اور وه عفتلت ميں پڑے ہوئے ميں حضرت
 امام شاه ولي اللہ فرماتے هيں كه اِن لوگوں سے بني اسماعيل مراد هيں كه اس قوم ميں قريبا
 دو هزار سال تك كوئي نبي مبعوث نهيں هوا تھا۔ بني اسرائيل ميں تو پيے در پيے نبي
 آتے رہے مگر بني اسماعيل ميں آپكے بعد كوئي نبي پيدا نهيں هوا۔ بني اسماعيل كے
 هزاروں خاندان اور آگے هزاروں شاخين تھيں۔ يه وسيع سلسلہ نسب ہے، جر
 عرب ميں اور عرب سے باہر خراسان كے پرلے كناروں تك پھيلا هوا تھا، مگر قريبا
 زمانے ميں اِن كے پاس كوئي ڈر نلنے والا نهيں آيا تھا۔ اسي يه فرمايا كه اے اللہ
 كے آخري نبي! آپ اِن لوگوں كو ڈرا ديل جن كے پاس زمانہ قريبا ميں كوئي ڈرانے
 والا نهيں آيا، ساتھ يه بھی فرمايا لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰى اَكْثَرِهِمْ اِنَّ
 ميں سے اكثر يه يه بات ثابت ہو چكي ہے فَهَمْ لَا يُؤْمِنُونَ كه آپ كي تمام
 تر ماسعي كے باوجود يه لوگ ايمان نهيں لائين گے۔ اِن كي اكثر تيت كفر و شر ك ميں هي
 بتلار هيكي۔ چنانچہ اِن كے خلاف بڑي جنگين لڑي گئين، يه سرتلقتے سے مچلنے كي
 كوشش كي گئي مگر يه لوگ نابود توں ہو گئے، مگر ايمان نهيں لائے۔ اب اگلي آيات
 ميں اللہ نے ہر ايت اور گمراهي كي حكمت اور فلسفہ بيان فرمايا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ
 فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ
 سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ
 لَا يُبْصِرُونَ ﴿۹﴾ وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَاذُنُ رَجُلٍ
 اَمْرًا تَنْذِرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنذِرُ
 مَنْ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ الْغَيْبِ
 فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ
 الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ
 شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾

ترجمہ :- بے شک ہم نے کریمے ہیں ان کی گردنوں
 میں طوق، پس وہ محسوس ہوں ایک (اٹھے ہوئے ہیں)
 پس ان کے سر اوپر کہ اٹھ ہے ہیں ﴿۸﴾ اور بنائی
 ہے سم نے ان کے سامنے رکاوٹ اور ان کے پیچھے
 بھی رکاوٹ۔ پس ہم نے ان کو ڈھانپ دیا ہے،
 اوپر سے، پس وہ نہیں دیکھتے ﴿۹﴾ اور برابر ہے ان پر
 کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان قبول
 نہیں کریں گے ﴿۱۰﴾ بے شک آپ اس کو مٹا سکتے
 ہیں جو پڑی کرتا ہے نصیحت کی اور ڈرتا ہے رحمان

سے بغیر دیکھے۔ پس آپ خود بخوبی دے دیں اس کو بخشش اور عزت والے اجر کی (۱۱) بیشک ہم زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور جکتے ہیں وہ جو آگے بھیجا اور ان کے نشانات بھی۔ اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے ایک گھلی کتاب میں (۱۲)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر کیا اور پھر ساتھ نبوت و رسالت کی تصدیق کی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔ پھر اللہ نے قرآن حکیم کے نزول کی غایت یہ بیان کی تاکہ آپ اپنے اولین مخالفین مشرکین مکہ کو ڈرا دیں جن کے آباؤ اجداد کے پاس قریبی زمانہ میں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ مگر ساتھ یہ بھی بتلادیا کہ آپ کی تمام تر مسماعی کے باوجود ان لوگوں کی اکثریت ایمان سے محروم ہے گی۔

ربط آیات

اب آج کی آیات میں ایمان نہ لانے والوں کی حالت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور خوفِ خدا رکھنے والوں کے بعض اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے جزائے عمل کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّا جَعَلْنَا فِيكَ آعْنَاقِيْمٍ أَعْلَلًا ہم نے نہ ماننے والوں کے گلے میں طوق ڈال دیے ہیں۔ فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ اور یہ ان کی ٹھوڑیوں تک اٹھے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے فَهُمْ مَقْمَعُونَ ان کے سر اُپر کراٹھ ہے ہیں۔

گلے کے طوق

مقموں میں ہتھ کڑی، پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق ہونا سزا کی علامت ہے یعنی یہ شخص مجرم ہے جس کو سزا دی جا رہی ہے اور یہاں جس طوق کا ذکر کیا گیا ہے وہ اتنا بڑا اور بھاری ہے کہ جب گلے میں پہنایا گیا ہے تو ٹھوڑی تک بھر گیا ہے جس کی وجہ سے اس کا سر اگلی طرف سے اُپر کراٹھ گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ خواب میں ہتھ کڑی یا بیڑی سینہ اچھائی کی علامت ہے اور اس

کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دین میں پختہ ہے۔ البتہ اگر خواب میں کوئی دیکھے کہ اس نے گلے میں طوق پہن رکھا ہے تو یہ نعمتِ ذلت کی نشانی ہے۔

آگے دیکھے
دیواریں

ایمان سے محروم ہونے والے لوگوں کی دوسری بھتیجی اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَجَعَلْنَا مِنْ أَكْبَرِهِمْ سِدًّا ہم نے ان کے آگے بھی دیوار کی رکاوٹ کھڑی کر دی ہے وَمِنْ خَلْفِهِمْ سِدًّا اور ان کے پیچھے بھی ایسی ہی رکاوٹ ہے فَأَعْسَيْنَاهُمْ ہم نے ان کو اوپر سے ڈھانپ دیا ہے۔ فَهُمْ لَا يَبْصُرُونَ لہذا وہ نہیں دیکھ سکتے۔ ظاہر ہے کہ جس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں رکاوٹ کھڑی کر دی جائے اور اوپر سے بھی کوئی غیرہ وغیرہ ڈال کر ڈھانپ دیا جائے تو اسے کسی طرف سے کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ اللہ نے نافرمانوں اور گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کی یہ مثال بیان کی ہے کہ وہ اندھیرے میں ٹانک ٹوٹیاں مارتے پھر رہے ہیں اور انہیں کہیں سے بھی راستہ نظر نہیں آتا جس پر چل کر وہ منزل مقصود تک پہنچ سکیں اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ سرگرداں پھرتے رہتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا وَسَوَاءٌ جِلْدُهُمْ أَمْ لَمْ يَكُنْ أَمْرُكُمْ فَتَنْذِرُ لَهُمْ لا یؤمنون آپ کی طرف سے ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ایسے لوگوں کے گلے میں غلط نظریات اور باطل رسوم کے طوق پڑے ہوئے ہیں، انسانی خواہشات نے ان کو اگلی طرف سے روک رکھا ہے اور پیچھے سے مادی عیش و عشرت کی رکاوٹ ہے، لہذا انہیں اصل منزل کی طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

شاہ ولی اللہ
کا فلسفہ

امام شاہ ولی محدثِ دہلوی کی اصطلاح میں یہ لوگ حجابِ طبع اور حجابِ کم میں مبتلا ہیں۔ حجابِ طبع سے مراد مادی ضروریات کا حجاب ہے، اگر یا یہ لوگ اچھا کھانے، اچھا پہننے، اچھی رہائش، اچھی سواری کی فکر میں ہی مبتلا رہتے ہیں، شاہ حجاب کے بقول یہ لوگ مادیت کے گارے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ سائنس خواہشات کی دیوار ہے اور پیچھے مادیت کا گارا ہے۔ جب انسان مادیت کے غول سے باہر نکلتا ہے

توسوم کی دلدل میں پھنس جاتا ہے جسے حجابِ رسم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر وہ اپنے خاندان، برادری، علاقائی اور ملکی رسم و رواج کی طرف دیکھتا ہے کہ دوسرے لوگ کیا کر رہے ہیں تاکہ وہ بھی بلا سوچے سمجھے انہی کے پیچھے چلنا شروع کر دے چنانچہ جس طرح دوسرے لوگ شان و شوکت کے اظہار والے مکان بنتے ہیں۔ وہ بھی بنا لگتا ہے۔ جس طرح کی دھوم دھام سے وہ شادیاں کرتے ہیں۔ یہ بھی ان کی نقالی کرتا ہے۔ جس طرح وہ عرس مناتے، قوالی کراتے، قبروں کو پختہ بناتے، اوپر غلاف چڑھاتے اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی کرنے لگتا ہے۔ موت کی رسوم میں بھی شخص اپنی قوم اور برادری کے نقش قدم پر چلتا ہوا حیثیت سے بڑھ کر کام کر جاتا ہے، امیر لوگ تو اپنی دولت کے بل بوتے پر پیدائش، شادی اور اموات کو دھوم دھام سے مناتے ہیں مگر ایک غریب آدمی بھی ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔ یہ حجابِ طبع اور حجابِ رسم کا طوق ہے جو اس کے گلے میں پڑا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے اس کا سر اُپر کو اٹھا ہوا ہے، آگے اور پیچھے نفسانی خواہشات اور مادی عیش و عشرت کی دیواریں کھڑی ہیں جو اسے حقیقت ایمان سے واقف نہیں ہونے دیتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی پوری زندگی انہی چکروں میں ختم ہو جاتی ہے مگر اسے توجیہِ خالص سے شناسائی نہیں ہوتی۔

ان آیات سے بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی کسی انسان کے گلے میں طوق ڈال دیا ہے، اس کے آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر کے اُپر سے بھی ڈھانپ دیا ہے تو پھر اس سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی امید کس طرح کی جاسکتی ہے۔ اور اُسے مکلف کیوں کہ ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتداء ہی میں کسی شخص کے راستے میں مذکورہ رکاوٹیں کھڑی نہیں کر دیتا بلکہ پہلے ہدایت کے جملہ اسباب مہیا کر کے اور ہدایت اور گمراہی کے اصول واضح کر کے اُسے اختیار دیتا ہے۔ کہ وہ ہدایت اور گمراہی میں سے جو ناراہت چاہے اختیار کر لے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ اللہ نے انسان کی ہدایت کے تمام

اسباب مہیا کر دیے ہیں جن میں سے اولین سبب عقل جبکہ اجوہر کامل ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو بلا کر فرمایا کہ میں تیری وجہ سے ہی مواخذہ کروں گا اور تیری وجہ سے ہی گرفت کروں گا، عقل بہت بڑی نعمت ہے جس کے ذریعے انسان غور و فکر کر کے اچھائی اور برائی میں امتیاز کرتا ہے، نیکی اور بدی کی پہچان کرتا ہے۔ سن بلوغت کو پہنچنے پر انسان کی عقل بھی کامل ہو جاتی ہے لہذا اس وقت تکلف بن جاتا ہے اور اپنے عقیدے اور عمل کا جواب دہ ہو جاتا ہے۔ اس پر قانون کی پابندی لازم ہو جاتی ہے اور خلاف ورزی پر ماخوذ ہوتا ہے۔

عقل کے بعد ہدایت کے دو سکر اسباب میں عقل کے خدام سماعت، بصرہ، سوجھنا، ٹون اور ذائقہ وغیرہ حواس ہیں جو جملہ معلومات جمع کر کے عقل کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر عقل ان کے درمیان فیصلہ کرتی ہے کہ کس چیز کو اختیار کرنا ہے اور کس کو چھوڑ دینا ہے۔ اسی طرح حواس باطنہ بھی اسباب ہدایت میں سے ہیں۔ اللہ نے انسانوں کو قوت و ہمید، خیال، احس مشترک، قوت منکرہ وغیرہ عطا کی ہیں جن کو برے کار لا کر انسان اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکتا ہے۔ ان اسباب کے علاوہ اللہ نے انسان کو جسم اور صحت عطا فرمائی ہے۔ اپنے پیغمبر بھیجے اور کتابیں نازل کی ہیں۔ گویا ہدایت کے سامان مہیا کرنے کے بعد فرمایا۔

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (الکھف - ۲۹)

جس کا بھی چاہے ایمان قبول کرے اور جس کا بھی چاہے کفر کا راستہ اختیار کر لے اللہ تعالیٰ اختیار سلب نہیں کرتا بلکہ فرماتا ہے مَا تَوَلَّوْا وَفُصِّلَ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النار - ۱۱۵) جہنم کوئی جا یا چاہتا ہے اور صریحاً کی توفیق دے دیتا ہے پھر جب کوئی غلط راستہ اختیار کرتا ہے، کفر، شرک اور معاصی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اسے جہنم تک پہنچاتا ہے جو کہ بہت بڑا ٹھکانا ہے۔ اسی

یہ ایمان کو اپنے ارادے اور اختیار سے قبول کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص نے نافرمانی
حالت میں ایمان کی تصدیق کر دی تو وہ معتبر نہیں ہوگی، بلکہ ایمان کی تصدیق وہ قابل
قبول ہوگی جو ارادے اور اختیار سے کی جائے گی۔ ان تمام تر اسباب ہدایت کے
باوجود جب کوئی شخص اپنے اختیار سے ہدایت کا راستہ قبول نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ
اس کے گلے میں طوق ڈال دیتا ہے، آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر دیتا ہے، اور
اوپر سے بھی ڈھانپ دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر بھٹکتا پھرتا ہے
اور اُسے راستہ نہیں ملتا۔

سیدھا راستہ تو ان لوگوں کو نظر آئے گا جن میں طلب ہوگی اور وہ اس کے لیے
کوشش بھی کریں گے۔ اللہ کا فرمان ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِيْنَا
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنكبوت - ۶۹) جو ہمارے راستے کی تلاش
میں محنت کرتے ہیں ہم ان کے لیے ہدایت کا راستہ ضرور واضح کر دیتے ہیں۔ اور
یہ راستہ اسی صورت میں ملے گا کہ سابقہ شرک اور معاصی کو ترک کر دے۔ اپنی
سابقہ کوتاہیوں پر تائب ہو جائے۔ جب ایسا ہوگا تو پھر عقل، حواس، کتاہیں
اور ہنڈر سب کارگر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی توفیق عطا کر دے گا۔ ایسے
ہی لوگوں کے متعلق فرمایا اِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ آتَاكَ ثَرَاتًا
لُّوْغُوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے جو نصیحت کی پیروی کرتے ہیں۔ جو شخص نصیحت
کو اچھا ہی نہیں سمجھتا اس کے لیے نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی اور پھر نصیحت
اُس شخص کے لیے بھی کارآمد ہوگی وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ بَرَحًا
رحمان سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی نے نہیں دیکھا، نہ جنت و نوزخ
کو دیکھا ہے، نہ فرشتوں کو دیکھا ہے اور نہ بعد میں آنے والوں نے اپنے انبیاء
کو دیکھا ہے۔ یہ ایمان بالغیب ہی تر ہے۔ ہمارا اس پر بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ
ہمارا خالق و مالک ہے اور وہ ہمارا محاسب بھی کرے گا ایسے ہی شخص کے لیے
آپ کی نصیحت مفید ہوگی فرمایا فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَاَجْرٍ كَرِيمٍ

صراطِ مستقیم

یہ شخص کے لیے بخشش اور عزت والے اجر کی خوشخبری سنا دیں۔ اللہ تعالیٰ
چھوٹی موٹی کتابیں معاف فرمائے گا۔ اور ساتھ عزت والا بدلہ بھی عطا فرمائے گا۔
اور وہ بندہ کامیاب ہو جائے گا۔

حضرت نے عمل
کی منزل

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور جزائے عمل کا ذکر فرمایا ہے
إِنَّا كُنَّا نَعْلَمُ عَمَّا تَعْمَلُونَ لِيَبْلُوَكُمْ هَلْ أَنْتُمْ عَلَىٰ سَبِيلِ اللَّهِ أَوَّلًا حَلِيمُونَ
کتاب لے کر جزائے عمل کا فیصلہ کر سکیں۔ اور اس کام کے لیے وَ نَكْتُبُ مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ہر جو کچھ انہوں نے اس زندگی کے دوران اگلی زندگی کے
لیے آگے بھجا۔ وَأَنْتُمْ لَا تَرَوْنَہم اور ان کے نشانات بھی لکھتے ہیں تاکہ حساب
کتاب کے وقت ہم ان کو ان کا سارا اعمال نامہ دکھا سکیں۔ اگرچہ کچھ لکھنے کی
ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو عظیم علم ہے اور وہ ازل سے لے کر اب تک
کی چیزوں کو بغیر لکھے بھی جانتا ہے مگر اس نے لکھنے کا ایک ضابطہ مقرر کر
دیا ہے جن کو دیکھ کر انسان اپنے کردہ اعمال کو پہچان لیں گے۔ اس مقصد کے
لیے اللہ نے نگران اور محافظ فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں جو ہر انسان کے ہر
عمل کو محفوظ کر رہے ہیں اور اپنے رجسٹروں میں درج کر رہے ہیں۔

آثار کی
توضیح

آگے بھیجے جانے والے تڑوہ نیک یا بد اعمال ہیں جو انسان دنیا میں کھاتے
ہیں اور آثار سے ملادوہ نشانات ہیں جو انسان اپنے پیچھے اس دنیا میں چھوڑ جاتے
ہیں پیچھے رہ جانے والوں میں آثار اطاعت بھی ہیں اور آثار معصیت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ ہر شخص دنیا میں کوئی اچھی چیز چھوڑ جاتا ہے اس کا اجر
اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے اور جو کوئی بُری رسم چھوڑ جاتا ہے تو اس پر عمل
کرنے والوں کا ایک ایک گناہ اس شخص کو بھی ملتا رہتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد
ہے کہ جب کوئی شخص اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس کا اعمال نامہ بند کر دیا جاتا

ہے۔ البتہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی برابر ملتا رہتا ہے۔ فرمایا ایک صدقہ جاریہ ہے کہ آدمی رفاہ عامہ کا کوئی کام کر گیا ہے کوئی مسجد یا مدرسہ یا سرائے بنا گیا ہے یا کنواں گھرا گیا ہے تو اس کا ثواب اُسے پہنچتا ہے گا۔ دوسری چیز نافع علم ہے۔ تقریر و تحریر کی صورت میں علم چھوڑ گیا ہے، قرآن و سنت کی توضیح ہے یا احکام دین کی تشریحات ہیں، تو جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کا ثواب جاری و کزیرہ کر بھی ملتا ہے گا۔ مندرجہ بالا تیسری چیز نیک اولاد ہے۔ جو مرنے والے کے لیے بخشش کی دعائیں کرتی ہے، یہ چیزیں آثار میں داخل ہیں جن کے متعلق یہاں فرمایا ہے کہ ہم ان کو بھی لکھتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بنی سلمہ کے لوگ مسجد نبوی سے کچھ فاصلے پر رہتے تھے، مسجد کے قریب کچھ مکانات خالی ہوئے تو ان لوگوں نے وہاں منتقل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا، تاکہ مسجد سے قریب ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر وہیں بٹھریے رہو کیونکہ تم جتنے قدم چل کر مسجد میں آتے ہو وہ لکھے جائے ہیں۔ جب تک دور سے آتے رہو گے تو زیادہ قدم لکھے جاتے رہیں گے، لہذا تمہارا فائدہ دور رہنے میں ہی ہے۔ حدیث کے الفاظ میں دِيَارَكُمْ قُكِّتَبْ اَثَارُكُمْ تم اپنے محلے میں لکھے رہو کہ تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں غرضیکہ قدموں کے نشانات کو بھی حضور علیہ السلام نے آٹھیں شمار کیا ہے، کسی بھی نیک کام کے لیے انسان چل کر جب لٹے تو اس کے نقوش لٹنے قدم کا حساب رکھا جاتا ہے اور اُسے اجر ملتا ہے۔

فَرَمَا يَا وَكَلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْتَهُ فِي اِمَامٍ مَّبِينٍ هَمَّ نَ

انسان کی ہر چیز کو کھلی کتاب میں شمار کر دیا گیا ہے جو کہ اللہ کے علم کا نمونہ لوح محفوظ ہے۔ یہ سارا اعمال نامہ قیامت والے دن پیش کیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا اصْحَابَ الْقَرْيَةِ مِاذْجَاءَهَا
 الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۳﴾ اِذْ ارْسَلْنَا اِلَيْهِمْ اٰثِنِيْنَ
 فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْا اِنَّا اِلَيْكُمْ
 مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا
 وَمَا اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِذْ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
 تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا عَلِّمْنَا لِيْكُمْ
 لِمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ
 الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَمْ
 تَنْتَهُوْا لَنَرْجِمَنَّكُمْ وَنَحْمِسَنَّكُمْ مِّنْ اَعْدَابِ
 اِلٰهِكُمْ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَاطِرٌ مَّعَكُمْ اِنْ ذُكِّرْتُمْ
 بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ۔ اور بیان کریں آپ ان کے سامنے مثال بتی
 والوں کی جب کہ آئے ان کے پاس بھیجے ہوئے ﴿۱۳﴾
 جب کہ ہم نے بھیجا ان کی طرف دو کو، پھر ان
 دونوں کو انہوں نے جھٹلایا۔ پھر ہم نے قوت دی
 ایک تیسرے کے ساتھ تو انہوں نے کہا بیشک
 ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں ﴿۱۴﴾ کہا ان لوگوں

نے نہیں ہو تم مگر انان ہمارے جیسے ، اور نہیں اتارا
 خدائے رحمان نے کسی چیز کو ، نہیں ہو تم مگر جھوٹ
 بولتے (۱۵) کہا انہوں نے کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے
 کہ بیشک ہم تمہاری طرف البتہ بھیجے ہونے ہیں (۱۶)
 اور نہیں ہے ہمارے ذمے مگر کھول کر پیغام
 پہنچا دینا (۱۷) وہ کہنے لگے ، بیشک ہم تمہاری
 وجہ سے شگون لیتے ہیں ۔ اگر تم باز نہیں آؤ گے
 تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے ، اور
 پہنچے گا تم کو ہماری طرف سے دردناک عذاب (۱۸)
 کہا انہوں نے تمہارا شگون تمہارے ساتھ ہی ہے
 اس وجہ سے کہ تم کو نصیحت کی گئی ہے ، نہیں
 بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو (۱۹)

سورۃ کی ابتدا میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا بیان ہوا ، پھر
 رسالت کا ذکر ہوا۔ اللہ نے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اکثر لوگ
 حجاب طبع یا حجاب رسم میں مبتلا رہ کر ہی زندگی ختم کر لیتے ہیں اور عمر بھر نہ تو وہ ایمان
 کے معاملے میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے
 فرمایا کہ مردوں کو زندہ کرنا ہمارا کام ہے ، ہم مقررہ وقت پر انہیں دوبارہ زندہ
 کریں گے ، ان کے تمام اعمال اور ان کی ہر ہر نقل و حرکت ہمارے پاس رکھی ہوئی
 ہے جو انہیں نئی زندگی ہٹے پر پیش کر دی جائے گی اور پھر اس اعمال کے
 بنیاد پر ان سے حساب کتاب لیا جائے گا۔ اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔
 سورۃ فہ کی آیت - ۳ میں رسالت کا بیان گنہ چکا ہے اِنَّكَ لَمِّنَ
 الْمُرْسَلِينَ اب اللہ کے سچے رسولوں میں سے ہیں۔ اب اسی رسالت
 ہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

بستی میں
 مرسلین کی آمد

اور آپ کے صحابہ کو تسلی دی ہے کہ اگر کفار مکہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کو ایذا میں پہنچاتے ہیں تو یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ اللہ کے ہر نبی کے ساتھ لگروں نے ایسا ہی سلوک کیا۔ اللہ نے ایک بستی کا ذکر کیا وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ اسے بغیر! آپ ان لوگوں کے سامنے ایک بستی والوں کی مثال بیان کر دیں إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ جب کہ اس بستی میں اللہ کے پیغمبر ہوئے گئے۔

مفسرین کی حیثیت کے بارے میں مفسرین کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ تین شخص اللہ کے پیغمبر ہوئے نبی تھے۔ پہلے اللہ نے ان میں سے دو کو اس بستی میں بھیجا اور پھر ان دو کی تائید کے لیے تیسرے کو بھی بھیجا۔ مفسرین ان کے نام صادق، صدوق اور شلوم بیان کرتے ہیں۔ تاہم اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ تین اشخاص اللہ کے براہ راست نبی نہیں تھے بلکہ بالواسطہ طور پر ہیٹی علیہ السلام کے پیغمبر ہوئے ان کے حواری تھے، جو تبلیغ دین کے لیے اس بستی میں بھیجے گئے تھے۔ مفسرین کا پہلا گروہ کہتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل کا ہے جب کہ دوسرا گروہ اسے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ بتاتا ہے۔

یہاں پر قریہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا اطلاق چھوٹی بستیوں پر بھی ہوتا ہے اور کچھ اور مبالغہ جیسے بڑے شہروں پر بھی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس بستی کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ اس سے الطاکیر کی بستی مراد ہے جو شام میں واقع ہے اور مشہور

۱۔ تفسیر طبری ص ۱۵۶ و البحر المحیط ص ۳۲۶ ج ۷

۲۔ قرطبی ص ۱۴۱ و معالم التنزیل ص ۲۱۱ و منطری ص ۱۵۶ ج ۲۲

۳۔ معالم التنزیل ص ۲۱۱ و البرسود ص ۲۴۹ و مدارک ص ۱۵۳ ج ۲۲

۴۔ بیضاوی ص ۲۴۴ و قرطبی ص ۱۴۱ و البرسود ص ۲۴۹ و کبیر ص ۲۶۷ و مدارک ص ۱۵۳ و طبری ص ۱۵۵ و خازن ص ۲۲۷ (دلیاض)

معروف بستی ہے۔ یہ بستی ابتداً اسکندر اعظم کے زمانے میں آباد ہوئی تھی۔ اس زمانے میں شام اور مصر وغیرہ سلطنتِ روم میں شامل تھے اور یہاں پر اُن کے گورنر بستے تھے۔ سکندر رومی کے بعد جب یہ بستی ویران ہو گئی تو پھر انٹوکس نامی گورنر یا بادشاہ نے اسے دوبارہ تعمیر کیا، بہر حال اس بستی میں عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تین مبلغین آئے۔ ان کی تبلیغ سے کچھ لوگ ایمان بھی لے آئے چنانچہ ایسے ہی ایک مومن شخص کا ذکر آگے آرہا ہے **وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَكْتُمُ** (آیت ۲۰) اس شخص نے مسلمانوں کی تائید کی تھی جس کی پاداش میں اُسے قتل کر دیا گیا اور اللہ نے اُسے بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

اہل بستی کی طرف سے تکذیب

بہر حال اسی واقعہ کے متعلق فرمایا **إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا** جب کہ ہم نے بھیجا اس بستی میں دو مسلمانوں کو تو اس بستی والوں نے دونوں کو جھٹلا دیا۔ **فَعَزَّزْنَا بِتِلْكَ لَيْلٍ** پھر ہم نے تیسرے مرسل کو پہلے دو کی تائید کے لیے بھیجا۔ کسی کام کی تکمیل کے لیے تائید کا ہونا بھی ضروری ہے، اسی غرض کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے بھی بارگاہِ رب العزت میں عرض کی تھی کہ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا نائب بنا دے **وَاشْرِكْهُ فِي أَمْرِي** (طہ - ۳۲) اور اے میرے کام میں شریک کر دے۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت و رسالت عطا کی اور موسیٰ علیہ السلام کا معاون بنا دیا۔ بہر حال اللہ کے مسلمان یا عیسیٰ کے فرستادہ انطاکیہ کی بستی میں پہنچے **فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ** تو کہنے لگے کہ تم ہماری طرف بھیجے ہوئے ہیں اور تمہیں اللہ کا پیغام سنانے کے لیے آئے ہیں۔ اس کے جواب میں اہل بستی نے کہا **قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا** کہ نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے انسان، تمہیں کرن سے بہرنا ب کے پر لگے ہوئے ہیں جو نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ انبیاء کی بشریت قبول حق میں ہمیشہ سے مانع رہی ہے۔ سورۃ نبی اسمائیل میں فرمایا **وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا بَشَرٌ لِّرَسُولٍ**۔

آیت ۹۴ جب بھی لوگوں کے پاس اللہ کے نبی ہدایت لے کر آئے تو انہوں نے یہی کہہ کر انکار کر دیا کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ وہ یہ بھی کہتے تھے
 مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان - ۳۶)
 کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ نبی تو کوئی بڑے مخلوق
 میں سے ہونا چاہیے تھا جو نہ کھاتا نہ پیتا اور نہ بازار میں سودا سلف خریدتا۔

منکرین رسالت کا ایک اعتراض تو یہ تھا کہ نبی انسان نہیں ہونا چاہیے، اور
 دوسرا یہ کہ اگر انسانوں میں سے اللہ نے رسول مقرر کرنا ہے تو پھر کسی بڑے آدمی کو
 بنایا ہوتا۔ مشرکین مکہ بھی یہی کہتے تھے کہ ہم اس نادار آدمی کو نبی کیسے مان لیں جس
 کے پاس نہ مال و دولت، نہ کوٹھی اور بنگلہ، نہ نوکر نہ چاکر اور نہ فوج اور لوہے لیس، نہ
 زمین نہ باغات۔ کہتے تھے كَوْلًا نُنَزَّلُ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى رَجُلٍ
 مِنَ الْقَدَرِيِّتَيْنِ عَظِيمٍ (الزخرف - ۳۱) یہ قرآن مکے اور طائف،
 کی بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ منصب نبوت و رسالت
 کے لیے کیا ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ اور لوٹ علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا
 تھا کہ ہم پاگل ہیں جو ایک انسان کا اتباع کریں؟ یہ شخص ہمارا جانا پہچانا ہے اور
 ہمارا داماد ہے، بھلا اس میں نبوت والی کون سی خصوصیت ہے جو اسے نبی تسلیم کر لیں؟
 امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مشرکین کے لیے نبوت کو تسلیم
 کرنے میں ہمیشہ حجاب بشریت مانع رہا ہے۔ اللہ نے اپنے نبیوں میں جو
 صلاحیت، استعداد، کمال اور نیکی و دلچسپی کی تھی، مشرک لوگ اس کو نہ پہچان سکے
 لہذا انکار کر دیا۔ شرف نبوت در رسالت اللہ تعالیٰ کو وڑوں انسانوں میں سے کسی کو عطا
 کرتا ہے۔ اُس پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور وہ بلند ترین ہستی ہوتی ہے۔ نبوت سے
 بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہے۔

بہر حال بستی والوں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا اور کہنے لگے وَمَا
 أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مِنْ شَيْءٍ خِلاَفَ مَا نَزَّلْنَا مِنْ قَبْلِهِ لِيَكْفُرُوا
 غلط ہے کہ خدا نے تم پر وحی نازل کی ہے اور اس نے اپنی وحدانیت کو تسلیم کرنے کا
 حکم دیا ہے۔ اِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْفُرُونَ نہیں ہو تم مگر جھوٹ بولتے۔

مسلمین کا
 کام

اس کے جواب میں علیؑ علیہ السلام کے حواریوں یا اللہ کے نبیوں نے کہا قَالُوا
 رَبَّنَا يَعْلَمُ إِنْآ إِلَيْكُمْ كَلِمَاتُكُمْ فَارْتَدُّوا عَلَيْنَا لِيُنظَرُ أَمْ جَاءَ الْوَحْيَ
 تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس معاملہ میں اللہ کی گواہی پیش کی کہ
 ہم فرستادہ ہیں اور ہم جھوٹ نہیں بولتے، جس قدر شدت سے وہ لوگ انکارِ نبوت
 کرتے تھے اتنی ہی شدت سے مسلمین نے جواب بھی دیا کہ ہم ضرور تمہاری طرف
 بھیجے ہوئے ہیں وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ اور ہماری ذمہ داری صرف
 اتنی ہے کہ ہم اللہ کا پیغام کھول کر پہنچا دیں۔ اس کے بعد یہ تمہاری ذمہ داری ہے
 کہ تم اس دعوت کو قبول کرتے ہو یا نہیں۔ کسی کو سچا کہہ کر زبردستی ایمان میں داخل کرنا
 ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم تو صرف پیغامِ الہی پہنچاتے ہیں لِيَقُولُوا عَدُوٌّ
 اللَّهُ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرُهُ (اعراف - ۸۵) اے میری قوم کے لوگو! اللہ
 اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، قیامت برحق ہے
 نبوت و رسالت درست ہے۔ ایمان لانا مدارِ نجات ہے۔ نیکی کرنے پر انسان کو
 درجات ملتے ہیں اور تکذیب پر سزا ملتی ہے۔ غرضیکہ ہمارا کام تو خدا کا پیغام
 کھول کر سنا دینا ہے، آگے ماننا یا نہ ماننا یہ تمہاری مرضی ہے۔

اہل بستی کا
 بڑا لشکر

آگے سے لوگوں نے جواب دیا۔ قَالُوا إِنْآ قَطُّ يُنْزَلُ عَلَيْكُمْ
 کہنے لگے ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اور تمہاری وجہ سے بڑا لشکر جیتے ہیں۔ تم
 جبٹ سے ہماری بستی میں آئے ہو، بارش رک گئی ہے اور قحط پیدا ہو گیا ہے۔ نیز
 گھر گھر میں تم نے اختلافات ڈال دیے ہیں۔ اور لڑائی بھڑائی شروع ہو گئی ہے۔ اناج
 اور پانی کی قلت پیدا ہو گئی ہے، تم ایسے منحوس آئے ہو۔

اہل بستی
کی دیکھی

مخوس آئے ہو کہ ہم طرح طرح کے مصائب میں پھنس گئے ہیں۔
پھر انہوں نے یہ دیکھی بھی رہی کہ لَمَّا تَنَزَّلْنَا الذُّجُنَّ عَلَکُمْ
اگر تم اپنی اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں پھنسا دیا کرتے ہلاک کر دیں گے۔
وَلَمَّا سَنَّکُمْ فِیْنَا عَذَابَ الْیُسْرِ اور اپنی طرف سے تمہیں سخت دردناک سزا
دیں گے۔ رجیم واقعی سخت ترین اور عبرتناک سزا ہے، جو اللہ نے محض ذاتی اور زانیہ
کے لیے مقرر کی ہے، حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بعض واقعات میں مجرموں کو
یہ سزا دی گئی اور انہیں سرعام سنگسار کیا گیا۔ بعض سابقہ نافرمان قوموں کو بھی سنگساری
کی سزا دی گئی، چنانچہ لوط علیہ السلام کی بستی کو الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش
بھی کی گئی۔ اللہ نے فرمایا ہے مُسَوِّمَةً عِنْدَ رِبِّکَ (ہود-۸۳) ہر پتھر
پر اللہ نے نام لکھ دیا تھا کہ یہ فلاں کے سر پر لگے گا اور یہ فلاں نابھار کا بیڑا غرق
کرے گا۔ بہر حال اہل بستی نے کہا کہ ہم تمہاری آمد سے بڑا شگون لیے ہیں اور
اگر تم اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا۔

مسلمین کا
جواب

اس پر مسلمین نے یہ جواب دیا قَالُوا طَآئِرٌ مِّمَّا کُفِّرْکُمْ مَعَکُمْ کہنے لگے تمہارا شگون
اور خواست تمہارے ہی سر پر ہے، تمہارے اعمال بد کی وجہ سے ہی تم پر
سخت چھائی ہوئی ہے اور تم فحط اور لڑائی جھگڑے میں مبتلا ہو۔ یہ نحوست
ہماری پیغام رسانی کی وجہ سے نہیں بلکہ تمہارے کفر و شرک کا نتیجہ ہے۔ لَیْسَ
ذَرِکُمْ شَیْءٌ کیا یہ باتیں تم اس لیے کہتے ہو کہ ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں، کیا
ہم اپنا فرض منصبی ترک کر دیں؟ نہیں بلکہ نحوست تو تمہاری شامت اعمال کا
نتیجہ ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِخُونَ حد سے بڑھے والے تم ہی لوگ ہو
تمہارا قول فعل، اخلاق، عقیدہ سب کچھ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

اس کے بعد لوگوں نے اللہ کے نبیوں یا عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغین کے
ساتھ بڑی سختی کی۔ آگے اس مرد مومن کا ذکر بھی آ رہا ہے جو مسلمین کی حمایت میں آیا
تھا۔ لوگوں نے اس کی جان تو لے لی مگر اللہ نے اسے بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

يسر ٣٦
آيت ٢٠ ٣٢

وما لي ٢٣
سر چهارم ٢

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى قَالَ
يَقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ① اتَّبِعُوا مَنْ لَا
يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ② وَمَالِي
لَا عَبْدٌ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ③
مَا أَخَذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْ يُرِدِنَ الرَّحْمَنُ
بُضْرًا لَا تَغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا
يُنْقِذُونِ ④ إِنْ لَفِيَ ضَلِيلٌ مُبِينٌ ⑤ إِنْ
أَمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمِعُونِ ⑥ قِيلَ ادْخُلِ
الْجَنَّةَ قَالَ يَلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ⑦
بِمَا غَفَرْتُ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ⑧
وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ
مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ⑨ إِنْ
كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ
خَامِدُونَ ⑩ يُحْسِرَةٌ عَلَى الْعِبَادَةِ مَا يَأْتِيهِمْ
مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ⑪

الْمَرِيدُوا كَمَّ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ
 أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾ وَإِنْ كُلٌّ لَّمَّا
 جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾

۲۳۱

توجہ بہ اور آیا شرک کے پرے کنارے سے ایک
 شخص دوڑتا ہوا، کہنے لگا اے میری قوم کے لوگ !
 پیروی کرو مجھے ہوؤں کی ﴿۳۰﴾ تابعداری کرو ان کی جنہیں
 مانگتے تم سے بلکہ اور وہ ہدایت کے راستے پر
 ہیں ﴿۳۱﴾ اور کیا ہے مجھے کہ میں نہ عبادت کروں اُس
 ذات کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف
 تم پھیرے جاؤ گے ﴿۳۲﴾ کیا بناؤں میں اللہ کے سوا
 دوسروں کو معبود؟ اگر فداؤں رحمان چاہے نقصان پہنچانا
 تو ان کی سفارش مجھے کچھ کام نہیں آسکتی، اور نہ وہ چھڑا
 سکتے ہیں ﴿۳۳﴾ اس وقت تو ایں البتہ گمراہی میں ہو
 جاؤں گا ﴿۳۴﴾ تحقیق میں ایمان لایا ہوں تمہارے پروردگار
 پر، پس سنو ﴿۳۵﴾ کہا گیا اس شخص سے کہ داخل ہو جاؤ
 جنت میں۔ اس نے کہا، کاش میری قوم کے لوگ
 جانتے ﴿۳۶﴾ اس چیز کو کہ بخنا ہے مجھے میرے پروردگار
 نے، اور بنایا ہے مجھے عزت والوں میں سے ﴿۳۷﴾
 اور نہیں اتار ہم نے اس کی قوم پر اُس کے بعد کوئی
 لشکر آسمان سے اور نہ ہی تھے ہم اتارنے والے ﴿۳۸﴾
 اور نہیں تھی مگر ایک بیعت، پس اچانک وہ سب
 بچھنے والے ہو گئے ﴿۳۹﴾ افسوس ہے بندوں پر۔ نہیں

آآ اُن کے پاس کوئی رسول مگر وہ اُس کے ساتھ بٹھا کرتے ہیں (۳۲) کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم نے اُن سے پہلے کتنی جماعتیں ہلاک کر دی تھیں۔ بے شک وہ اُن کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے (۳۱) اور نہیں ہے کوئی مگر تمام کے تمام ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے (۳۲)

مکی سورتوں کے چار بنیادی عقائد میں سے اس رکوع میں رسالت کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔ گذشتہ درس میں انطاکیہ کی بستی کا ذکر ہوا کہ اُس میں اللہ کے پیغمبر ہوئے نبی یا علیٰ علیہ السلام کے فرستادہ مبلغین دین اسلام کی تبلیغ کے لیے آئے تو اہل بستی۔ ان کی تکذیب کی۔ بدسلوکی کرنے اور ایذا پہنچانے کے علاوہ اُن کو طعن بھی کیا کہ تمہاری آمد کی وجہ سے ہم پر سخت چھا گئی ہے، ہمارے علاقے میں خشک سالی پیدا ہو گئی ہے اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا ہے۔ رسولوں نے جواب دیا کہ یہ ناسبار کی ہماری وجہ سے نہیں ہے بلکہ تم خود ہی حد سے بڑھنے والے ہو۔ جس کی سزا تمہیں مل رہی ہے

مرسلین نے اپنی تبلیغ جاری رکھی جس کی وجہ سے اہل بستی مشتعل ہو گئے اور وہ ان کے قتل کے منصوبے بنانے لگے۔ شہر کی دوسری طرف ایک اہل ایمان آدمی رہتا ہے جس کا نام حبیب بن جابر تھا۔ تفسیری اور تاریخی روایات میں آتا ہے کہ پہلے تو یہ شخص بہت تراش تھا۔ پھر اُس نے مرسلین کی کرامت دیکھی تو اللہ نے اسے ایمان لانے کی توفیق دے دی اور وہ ایمان لے آیا۔ جب اہل بستی مرسلین کو ایذا پہنچاتے تو اس شخص کو بڑی کوفت ہوتی۔ جیسے اُسے پتہ چلا کہ یہ لوگ اُن مبلغین یا رسولوں کو قتل کرنے کے درپے ہیں تو اس سے رہانہ گیا اور اس نفس معاملہ میں اپنا فرض ادا

ایک مؤمن
کی غیر خواہی

کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی بات کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا وَجَاءَ مِنْ
أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَكْفِيْ شَرِّكَ پرے کنارے سے ایک شخص دوڑتا
 ہوا آیا اور اُس نے اپنی قوم کو سمجھانے کی کوشش کی کہنے لگا قَالَ يٰ قَوْمِ اتَّبِعُوا
الْمُرْسَلِينَ اے میری قوم کے لوگو! ان فرستادہ شخصیات کی پیروی کرو۔
 یہ تمہیں غلط راستے سے ہٹا کر صحیح راستے پر لانا چاہتے ہیں، کفر و شرک کے
 اندھیروں سے نکال کر توحید کی روشنی میں لانا چاہتے ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ خیر خواہی
 کا سلوک کر رہے ہیں تاکہ تم آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جاؤ۔ اس شخص نے
 یہ بھی کہا اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا تم ان کا اتباع کرو جو تم سے
 کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے۔ وہ تمہاری خیر خواہی میں مخلص ہیں۔ وہ تمہاری
 بے لوث خدمت کر رہے ہیں، لہذا ان کی بات مان لو کیونکہ وَهُمْ
مُّهْتَدُونَ خود بھی ہدایت یافتہ ہیں اور تمہیں بھی ہدایت کی راہ پر چلانا
 چاہتے ہیں۔

توجیہ پر
 استقامت

پھر اس شخص نے توجیہ پر اپنی استقامت کا اس طرح اظہار کیا -
وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِيْ اور کیا ہے مجھے کہ میں اُس ذات کی
 عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ یہاں اُس مومن آدمی نے اللہ کی
 صفت فَطَر کا ذکر کیا ہے یعنی وہ اللہ جس نے مجھے متقی بنائی ہے۔ میں ضرور
 اُسی کی عبادت کروں گا کیونکہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پھر
 ساتھ ساتھ اپنے مخاطبین کو تبتیہ بھی کی وَإِلَيْهِ تُنْجَعُونَ تم سب نے اُسی
 خدائے وحدہ لا شریک کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ مرنے کے بعد تم کو اُسی کے
 سامنے حاضر ہو کر اپنے عمامہ و اعمال کی جوابدہی کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح
 میں خالص اُسی کی عبادت کرتا ہوں۔ اسی طرح تم بھی کفر اور شرک کو چھوڑ
 صرف خدائے وحدہ لا شریک کے بندے بن جاؤ۔

اس کے بعد اُس شخص نے شرک کی تردید اسس انداز میں کی عَاتِبْهُمْ

مِنْ دُونِهِ الْهَيْكَةُ كَمَا فِي أَسْوَاقِ الْمَدِينِ كَمَا فِي مَجْمُوعِ بَنِي إِسْرَائِيلَ
 اِنْ مَجْبُودِيْنَ بَاطِلَهٗ كِي حَالَت تَرِي هِي هِي اِنْ كُنَّ دِنَ الرَّحْمٰنِ بَصِيْرًا كَرَا كَرْدَلِيْ رَحْمٰنِ
 كِسِي تَكْلِيفِ مِي مَبْلَا كَر نَا چَا هِي لَا قُضِيَ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا قَرَا اِنْ
 مَجْبُودِيْ كِي سَفَارَشِ مَجْهِي كَجْهِي فَا مَدَه نِيْسِي لِي سَكِي۔ يِه تَوْبِي اِفْتِيَار اِدِه عَاجِز
 هَسْتِيَا هِي وَلَا يَنْقِذُوْنَ اَوْر نِهِي يِه مَجْهِي كِسِي مَصِيْبَتِ سِي نَجَاتِ دَلَا سَكْتِي
 هِي۔ كِسِي مِي اَتِنِي طَاقَتِ نِيْسِي كِه خَدَا تَعَالِي كِي مَجْهِي هُوْنِي تَكْلِيفِ كُو دَوْر كَر سَكِي۔ اَكْر
 مِي اِيْسِي هَسْتِيُوْنِ كِي عِبَادَتِ كَرُوْنِي كَا تَرِي تَر حَقَا قَتِ دَالِي بَاتِ هُوْنِي۔ اِيْسِي صَوْرَتِ
 مِي اِحْتِ اِذَا لَفِي ضَلَلٍ مُّبِينٍ بِلَا شَبِيْهِ مِي كَهْلِي كَمَر اِيْسِي مِي جَا پَرُوْنِ كَا
 اِسِي سِي زِيَادِه كُوْنِ سِي كَمَر اِيْسِي هُوْنِي كِه اِنْسَانِ خَدَا تَعَالِي كُو چھوڑ كَر دوسروں سے
 حَاجَتِ رُوَانِي اَوْر مَشْكَلِ كَثَا نِي كَرَا تَا پَهْرِي اِنْ كِي نِزْوِي نِيَا زِيْسِي اَوْ اِنْ كِي اِيْسِي
 تَعْلِيْمِ كَرِي جُو اَللّٰهُ وَوَعْدَةُ لَاشْرِكِيْ كِي لِي مَخْتَصِ هِي۔ غَرَضِيْ كِه اِسِي مَرْدِ مَوْمِنِ
 نِي عَقْلِي اَنْزَامِي لُوگوں كُو تَوْحِيْدِ كِي اَثْبَاتِ اَوْر شُرْكَ كِي رَدِ كِي بَاتِ بَتَلَا نِي۔

پھر کہنے لگا اَلْحَقُّ اَمَّنْتُ بِرَبِّكُمْ مِي تُو مَحْضِي پَر دَر دِگَارِ پَر اِيْمَانِ
 لايَا هُوں۔ پيلے اللہ کی صفتِ فطوريہ کا ذکر کیا تھا۔ اب ربوبیت کی بات کی۔ گویا
 پيدا کر نے والا بھی وہی ہے اور ہر چیز کو بند بنج حد کمال تک پہنچانے والی ذات بھی وہی
 ہے۔ مِي اِھْسِي خَدَا نَبِيْدِ قُدُوسِ پَر اِيْمَانِ لايَا هُوں جُو اِنْ صِفَاتِ كَا حَامِلِ هِي۔

فَا سَمِعُوْنِ تَمَّ بِھِي اِسِي بَاتِ كُو اَجْھِي طَرَحِ مِّنْ لَّدُنِّي۔ مِي يِه بَاتِ چھو پ كَر نِيْسِي كَر
 رُكُوْا ہوں بلكہ علی الاعلان کہتا ہوں كِه مِي خُوْدِ خَدَا نِي رَحْمَانِ پَر اِيْمَانِ لَا چُكَا ہوں اَوْر
 تَمَّ بِيْسِي مَجْھِي دَعْوَتِ دِيَا ہوں كِه اِنْ خُوْدِ سَاخَرَتِ مَجْبُودِيْ كُو چھوڑ كَر اِنْ مَرْسَلِيْنَ
 كِي رُبِ پَر اِيْمَانِ لِي اَوْ۔ اِسِي مِي تَمَّ بِي نَجَاتِ هِي۔

وہ ناہنجار قوم اس مرد مومن کی نصیحت پر تو کیا عمل کرتی، وہ اس
 شخص کے بھی اسی طرح مخالف ہو گئے۔ جس طرح وہ مسلمان کے مخالف تھے
 بلکہ اس شخص کے ساتھ ان سے بھی زیادہ ضد اور عناد کا مظاہرہ کرنے لگے

مومن آدمی
 کا قتل

چنانچہ انہوں نے اُس ایماندار شخص کو قتل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ آتا ہے کہ قوم نے اُس شخص کو پاؤں کے نیچے اس قدر روندنا کہ اُس بچارے کی آستیں پیٹ سے باہر نکل آئیں اور وہ شیر ہو گیا۔ مفسر وہب کا بیان ہے کہ جب وہ ظالم اس اہل ایمان کو ایذا میں سے ہے تھے تو وہ ان کے حق میں ہدایت کی دعائیں کر رہا تھا۔ یہ شخص بڑا ہی نیک اور عبادت گزار تھا۔ کہتے ہیں کہ دن بھر جو کچھ کھا کر لانا شام کو اُسے دو حصوں میں تقسیم کر دیتا۔ ایک حصہ بال بچوں کے حوالہ کرتا اور دوسرا حصہ محتاجوں میں تقسیم کر دیتا۔

امت محمدیہ
میں مثالیں

مسیح علیہ السلام کی امت کے اس شخص کی استقامتِ ایمان کی مثالیں امتِ محمدیہ میں بھی ملتی ہیں۔ مسیلہ کذاب نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور پھر اس کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ بھی پیش آیا۔ اس داعی نبوت کی گرفت میں کسی طرح دو ایماندار آدمی آگئے، جن میں ایک کا نام حبیب ابن زید تھا۔ مسیلہ کذاب نے اس سے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اس نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ مسیلہ کذاب بھی اللہ کا رسول ہے تو وہ شخص کہنے لگا کہ تمہاری یہ بات مجھے سنائی ہی نہیں دیتی۔ مسیلہ نے اُس سے اپنے حق میں گواہی لینے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا مگر وہ یہی کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی تو دیتا ہوں مگر دوسری بات میری سماعت میں ہی نہیں آتی۔ اس پر مسیلہ سخت طیش آ گیا۔ اور اُس نے اس مرد مومن کا ایک ایک عضو کاٹ کر اُس کو ہلاک کر دیا مگر وہ شخص اپنے ایمان پر پکارا۔

اسی طرح طائف میں قبیلہ ثقیف کے سردار حضرت عمرو بن مسعودؓ تقفی

۱۔ تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۸ ج ۳

۲۔ ابن کثیر ص ۵۶۸ ج ۳ معالم التنزیل ص ۲۰۳

(فیاض)

۳۔ طبری ص ۱۵۹ ج ۲۲۲ و ابن کثیر ص ۵۶۹ ج ۳

حضور علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ آپ نے ان کے متعلق فرمایا کہ ان کی شکل و شبہا بہت حضرت یحییٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ جب یہ حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے تو عرض کیا، حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں واپس اپنے قبیلے میں جا کر ان کو تبلیغ اسلام کروں۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ تمہاری مخالفت کریں گے، تو وہ کہنے لگا کہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں وہ میرا بڑا احترام کرتے ہیں۔ جتنی کہ جب میں سو رہا ہوتا ہوں تو کوئی آدمی مجھے جگانے کی جرأت نہیں کرتا۔ بہر حال وہ صحابی آپ سے اجازت سے کہ قوم کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ لات و منات اور عززی کو چھوڑ کر حضور علیہ السلام کی رسالت کو تسلیم کر لو اور اللہ وعدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ۔ اتنی بات تھی کہ قوم دشمن ہو گئی تھی کہ جب آپ نماز کے لیے اذان دیتے وقت شہادت کے کلمات ادا کرتے تھے تو ایک بد بخت نے تیرا کہہ ہلاک کر دیا۔ یہ بھی حبیبِ نبیؐ کے ساتھ عطا جلتا واقعہ ہے۔

ان آیات میں اس سرزمین کی ہلاکت کا ذکر تو نہیں کیا گیا بلکہ ان کی طرف سے قوم کو وعظ کرنے کے ذکر کے بعد فرمایا قِيلَ اَدْخِلِ الْجَنَّةَ اِسْمٰحَہٗ سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ظاہر ہے کہ جنت کا داخلہ تو موت کے بعد ہی ممکن ہے جنت میں داخلے کی دو صورتیں ہیں۔ قیامت کے بعد حشر و نشر اور حساب کتاب ہونے کے بعد تو جنت کا داخلہ بالکل قابل فہم ہے۔ البتہ مرنے کے فوراً بعد جنت میں داخلہ بھی اس کا نظریہ سے قابل فہم ہے کہ انسان عالم برزخ میں تو پہنچ ہی جاتا ہے اور وہاں بھی ابتدائی سوال و جواب کے بعد اس کے لیے یا تو جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور اسے راحت محسوس ہونے لگتی ہے یا اگر وہ کفر، شرک یا معاصی کا مرتکب ہے تو اسے دوزخ کی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے تو بہر حال جنت سے مراد برزخ میں جنت کا احساس بھی ہو سکتا ہے۔

مومن آدمی
کی حسرت

اس شخص کی سرنے کے بعد بھی یہی حسرت تھی قَالَ يَلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ
 کاش کہ میری قوم کو علم ہو جاتا یہ سب عیناً عیناً کہ میرے پروردگار نے مجھے
 بخش دیا ہے وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل
 کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے نزدیک عزت ملے وہی لوگ ہیں جن کو اللہ
 نے جنت کا ٹکٹ دیدیا ہے اور وہ کامیاب ہو گئے ہیں، کہنے لگا، کاش
 میری قوم کے لوگوں کو میری کامیابی کا پتہ چلتا تو وہ ایسی ظالمانہ حرکتیں نہ کرتے اور کفر
 اور شرک کی بجائے توحید کو اختیار کر لیتے۔ الغرض! اس اللہ کے بندے نے عالم برزخ
 میں بھی قوم کے ساتھ خیر خواہی کا اظہار ہی کیا۔

ظالم قوم
 کی ہلاکت

آگے اللہ تعالیٰ نے اس ظالم قوم کی ہلاکت کا حال بیان کیا ہے۔ ارشاد
 ہوتا ہے وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ
 السَّمَاءِ هُمْ تَمَّ ظَالِمٌ قَوْمٌ بِرِءَاسَانِ سَعَىٰ لِكُرْبِهِمْ جَاءَهُمْ
 كُنُوزٌ مِّنَ السَّمَاءِ وَرِءَاسَانِ سَعَىٰ لِكُرْبِهِمْ جَاءَهُمْ
 نَافِرَانِ قَوْمٌ كِى فَرَجٍ كِى مَرُورَةٍ نَهَىٰ. بلکہ اس کام کے لیے اِن
 كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً اَكْبَرُ مِغْزٰى كَافِي تَمَّ جَوْهَرٌ نَهَىٰ دِى فَاذَاهُمْ
 خَاصِدٌ وَنَ اِجَابَتٌ وَنَهَىٰ كِى مَرُورَةٍ نَهَىٰ. بلکہ اس کام کے لیے اِن
 طِيَايِطٌ هُوَ كِى مَرُورَةٍ نَهَىٰ كِى مَرُورَةٍ نَهَىٰ. بلکہ اس کام کے لیے اِن
 ہوں۔ مفسرین کو رام فرماتے ہیں کہ اللہ نے ایک فرشتے کو بھیجا۔ جس نے شہر کے دروازے
 پر لاٹھر رکھ کر ایسی چیخ ماری کہ سب اہل بستی کے دل پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے
 آگے فرمایا يُحْسِرَةٌ عَلَى الْعِبَادِ نَذِيرٌ كِى مَرُورَةٍ نَهَىٰ دِى فَاذَاهُمْ
 مِّن رَّسُولٍ اِلَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ کہ جب بھی ان کے پاس اللہ
 کا کوئی رسول آیا۔ انہوں نے اس کے ساتھ ٹھٹھا ہی کیا۔ انہوں نے اللہ کے نبیوں

کی دعوت پر نہ ترغور کیا اور نہ انہیں تسلیم کیا۔

اگلی آیت میں مدعی سخن نزولِ قرآن کے زمانے کے مشرکین کی طرف ہوتا ہے اور سچی بات ہر زمانے کے لوگوں کے لیے بھی باعثِ عبرت ہے۔ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ
 اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ كَمَا ان لَوَّكُوْنَ نِيْنَ دِيْكَهَا كَرَان سَ پِلَہ م لَہ
 كتنی جماعتوں کو ہلاک کیا انہم انہم لَآ يَنْجُوْنَ بَ شَاك وَہ اِن
 كى طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے، وہ تباہ و برباد ہو گئے، اس دن سے ختم ہو گئے۔
 اب وہ کہاں واپس آئیں گے؟ فَرَايَا وَاِنْ كَلَّمَا جَمِيْعًا كَدِيْنَا مَحْضُرُوْنَ
 اور نہیں کوئی مگر سب کے غیب ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے، ہر شخص
 کو ہمارے سامنے پیش ہوا ہے۔ وہاں سب کے متعلق جزا اور سزا کے
 فیصلے ہوں گے اور مجرم نجات نہیں سکیں گے۔ یہ ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ کفر و شرک
 کو چھوڑ کر ایمان قبول کر لو، ورنہ تمہارا حشر بھی سلی قوموں سے مختلف نہیں ہو گا۔

وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيِّتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا
 مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا
 فِيهَا جَدَّتٍ مِّنَ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجْرْنَا
 فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿۳۴﴾ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ
 وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۵﴾
 سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا
 تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنَ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا
 يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾ وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ
 النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ
 تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ
 الْعَلِيمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ
 عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ
 يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ
 سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ان لوگوں کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے

جسے ہم نے زندہ کر دیا اور نکالا اُس سے ناز ،

پس اس سے وہ کھاتے ہیں (۳۳) اور بنائے ہم نے اس میں باغات کھجوروں اور انگوروں کے ، اور چلائے ہم نے اس میں چٹھے (۳۴) تاکہ یہ کھائیں اُس کے پھل سے ۔ اور نہیں بنایا اُسے ان کے ہاتھوں نے ۔ کیا یہ لوگ شک ادا نہیں کرتے ؟ (۳۵) پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا کیے جوڑے سب کے سب جن کو زمین آگاتی ہے ، اور خود ان میں سے اور اُن چیزوں میں سے جن کو یہ نہیں جانتے (۳۶) احوال رات بھی ان کے لیے نشانی ہے ، ہم کھینچ لیتے ہیں اس کو دن سے ۔ پس اچانک یہ اندھیرے میں ہو جاتے ہیں (۳۷) اور سورج چلتا ہے اپنے مستقر کے لیے ۔ یہ ہے اندازہ ٹھہرایا ہوا زبردست اور علم والے پروردگار کا (۳۸) اور چاند کہ ہم نے مقدر کیا ہے اُس کو مختلف منزلوں پر ۔ یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ہنسی کی طرح ہو جاتا ہے (۳۹) نہ تو سورج چاند کو پاسکتا ہے ورنہ رات سبقت کرنے والی ہے دن سے ۔ اور یہ سب اپنے اپنے مدار کے اندر تیر رہے ہیں (۴۰)

ساتھ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کا حال بیان کیا کہ اُن کے پاس تین رسول آئے ، تاکہ اُن کو توحید کی دعوت دیں مگر اُن اہل بستی نے اُن رسولوں یا سفیروں کے ۔ تہمتیں ۔ پس لوگوں کی حسی کہ اُن کے قتل کے درپے ہوئے ان سرسین کی آئیے ہر شے کے ۔ لے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا ، اور قوم کو سمجھایا کہ ان رسولوں کی سلامتی نہرتے ہوئے شرک سے تائب ہو جاؤ ، اور توحید خداوندی کو اختیار کرو ، جو بستی والے اس مرد مومن کے بھی خلاف ہو گئے ۔ اور اُسے قتل کر ڈالا ۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خوفناک جہنم کی صورت

میں غضاب آیا جس سے مارے بسجی وائے ہلاک ہو گئے۔ فمن اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی اور توحید کا اثبات پیش کیا۔ جزائے عمل کا بیان بھی ہوا۔ اللہ نے فرمایا کہ جب بھی کسی قوم کے پاس اللہ کا نبی آیا تو قوم نے اُس کے ساتھ ٹھٹھا ہی کیا اور اس کی دُور کو ٹسکا دیا۔ مشرک لوگ نبی آخر الزمان کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بہت سی قوموں کو اسی جرم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ ان سب کو ایک دن ہمارے روبرو حاضر ہونا ہے جب ان کے عقائد و اعمال کے متعلق حتمی فیصلے ہوں گے۔

زمین کی
روئیدگی

اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض دلائل بیان فرمائے ہیں جن سے وقوع قیامت اور توحید کا اثبات سمجھ میں آسکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَأَيُّكُمْ لَٰهُمُ الْأَرْضُ الْمِيْنَةُ ان لوگوں کے لیے مردہ زمین بھی بطور ایک نشانی کے ہے أَحْيَيْتُهَا جس کو ہم نے زندہ کیا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا پھر اس سے اناج نکالا یعنی دانے پیدا کیے فَمَنْهُمْ يَأْكُلُونَ پس یہ لوگ اسی اناج کو اپنی خوراک بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی روئیدگی کا بہت سے مقامات پر ذکر کیا ہے کہ آسمان کی طرف سے پانی برسا کہ ہم نے زمین کو روئیدگی بخچی اور پھر اس سے پھل پھول، اناج، سبزہ اور چارہ پیدا کیا۔

یہ آیت توحید خداوندی کی دلیل ہے کہ آسمان کی طرف سے جہاں اور جس قدر چاہے پانی برسا کہ مردہ زمین کو زندہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس میں کسی دوسری ذات کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اور یہی آیت وقوع قیامت کی دلیل اس طرح بلیتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ قیامت والے دن تمام مردوں کو بھی زندہ کر کے اپنے سامنے لا کر اکرے گا۔ بزرگانِ دین یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ خشک زمین کو نرونازہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ اپنی مہربانی کے ساتھ مردہ دلوں یعنی مکروہ

دلوں کو تیرہ ہدایت، ایمان اور توحید کی توفیق بخش کر ان میں روحانی زندگی پیدا کرتا ہے جب اُس میں اطاعت کا بیج پڑ جاتا ہے تو اسے روحانی غذا بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

فرمایا ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر کے اُس میں سے اناج اُگایا۔ اس کے علاوہ
وَجَعَلْنَا فِيهَا جَبَلًا مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ ہم نے اس زمین میں
 کھجوریں اور انگوروں کے باغات لگائے۔ وَجَعَلْنَا فِيهَا مِصْرَ الْعِيُونَ اور آبی ضروریات
 کے لیے زمین میں چشمتے بھی جاری کر دیے۔ دریاؤں، نہروں اور چشموں کے پانی سے
 جانداروں کی پینے اور دھونے کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور یہی پانی کھیتی باڑی
 کے کام آتا ہے جس سے تمام جانداروں کی غذائی ضروریات پوری ہوتی ہیں جس
 طرح زمین میں پانی بھنے سے خوبصورت باغات پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح
 ذوق و شوق کے ساتھ ذکر الہی کرنے والوں کے دلوں میں حکمت و دانائی کے چشمتے
 جاری ہوتے ہیں اور انسانوں کے دلوں میں باخ و مبار پیدا ہوتے ہیں۔

فرمایا اناج اور باغات پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے لِيَأْكُلُوا مِن
شَمْرِهِ تاکہ انسان اور جانور ان کا پھل کھائیں جو کہ ان کی زندگی کی بقا کے لیے
 ضروری ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامرہ اور حکمتِ بالغہ کا فیضان ہے
وَكُرْهُ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ان لوگوں کے ہاتھوں نے کچھ بھی نہیں بنایا
 یہ خود سوچیں کہ کیا بارش برسا کہ دریا، نہریں اور چشمتے انہوں نے جاری کیے ہیں؟ کیا
 پھل، پھول، اناج اور سبزہ انہوں نے پیدا کیا ہے، کیا کھجوروں اور انگوروں کی پیداوار
 ان کا کارنامہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ جب
 یہ بات ہے تو أَفَلَا يَشْكُرُونَ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر کیوں نہیں ادا
 کرتے؟ انسانوں کا فرض تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتوں کو استعمال کرنے کے
 بعد اس کا شکر بھی ادا کرتے مگر اللہ نے فرمایا کہ اس کے شکر گزار بندے بہت
 کم ہیں، اور اکثر لوگ ان نعمتوں کا کفران ہی کرتے ہیں۔

اگلی آیت میں اللہ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی ہے۔

جزروں کی
 پیداوار

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا پاك و وہ ذات جس نے پیدا کیے جوڑے سب کے سب۔ ان میں سے بعض جوڑے وہ ہیں مِمَّا تَنْتَبِهَاتُ الْأَرْضِ جنہیں زمین اُگاتی ہے زمین سے لگتے والی چیزوں میں اناج، پھل، پھول، درخت پودے اور دیگر نباتات ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کے جوڑے بنائے ہیں جن سے ان کی نسل آگے چلتی ہے۔ ہر درخت، پودے اور مہرے کے نرو مادہ ہوتے ہیں جو کہ بار بار ہو کر جانداروں کے لیے غذا کا دیا کرتے ہیں۔ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ أَوْخُوا ان کی جانوں میں بھی جوڑے پیدا کیے ہیں۔ اللہ کی مخلوق انسانوں، جنوں، چرندوں، پرندوں وغیرہ سب کو اللہ نے جوڑے جوڑے پیدا کیا ہے اور پھر نرو مادہ کے ملاپ سے ان کی نسل آگے چلائی ہے۔ اگر جوڑوں کی بجائے صرف نرو یا صرف مادہ ہوتے تو بقائے نسل ممکن نہ ہوتی۔ اور فرمایا ہم نے ان چیزوں کے بھی جوڑے بنائے۔ وَهَلْ تَرَى الْيَعْلَمُونَ سَجُنَ كَرِيهٍ اِنسان جانتے ہی نہیں۔ اللہ کی کتنی ہی مخلوق ہے جو زمین کی پشت پر ہمارے سامنے چلتی پھرتی ہے اور لاتعداد مخلوق ایسی بھی ہے جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور ہم اُسے جانتے تک نہیں زمین کی تلوں اور مندروں کی گہرائیوں میں بسنے والے کتے کیڑے مکوڑے میں جن کے نام تک سے ہم واقف نہیں۔ اللہ نے ان کو بھی جوڑوں کی شکل میں پیدا کرنے کے بقائے نسل کا انتظام کر دیا ہے تو فرمایا ہم نے زمین میں ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے۔

ان معروف جوڑوں کے علاوہ بعض غیر سرٹی جوڑے بھی اللہ نے بنائے ہیں نیچے اور بدی، معروف اور منکر، اذمیر اور اجالا سب جوڑے ہی تو ہیں۔ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ چاکھیر کی کی پہچان بدی سے اور روشنی کی پہچان اذمیر سے کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جس طرح اللہ نے ان سب چیزوں کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ بھی زندہ کرے گا۔ وہ ذات خداوندی ہر عجیب، نقص اور شرک سے پاک ہے سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (الطہور - ۲۳) اللہ تعالیٰ ہر کمزوری

سے منزہ ہے، وہ ذات ان تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے۔

آگے اللہ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی ہے وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ نَازِلَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ بِمُضَجِّقٍ رَّجِيَّةٍ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے رات اور دن کا ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ جب انسان دن بھر کی مشقت سے تھکا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ رات کو لے آتے ہیں تاکہ وہ اس دوران میں آرام کر کے اپنی تحلیل شدہ قومی بحال کر سکیں۔ چنانچہ جب لوگ آرام کرنا چاہتے ہیں تو فرمایا فَسَلِّحْ مِنْهُ النَّهَارَ تو ہم اس رات کو دن سے کھینچ لیتے ہیں۔ جب دن کے بعد رات چھا جاتی ہے فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ تو چاک لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کا نظام خاص تناسب کے ساتھ قائم کر رکھا ہے۔ سورة الفرقان میں ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً (آیت - ۶۲) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے۔ اللہ کے شکر گزار بندے دونوں اوقات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر کوئی دن کے وقت غلطی ہو جاتی ہے۔ تو رات کو معافی مانگ لیتے ہیں، اور اگر رات میں کوئی کوتاہی ہوئی تو اس کی تلافی دن کے وقت کر لیتے ہیں۔ الغرض! رات اور دن اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جن میں غور و فکر کر کے انسان اللہ کی وحدانیت کو پہچان سکتے ہیں۔

جس طرح رات اور دن کا نہایت سوزوں نظام قائم ہے، اسی طرح فرمایا، وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا اور سورج بھی اپنے مستقر یعنی ٹھہرائے ہوئے راستے پر چل رہا ہے۔ اگر مستقر سے مراد مستقر زمانی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ سورج اپنے مقررہ وقت تک محو سفر ہے اور قیامت کو اپنے مستقر پہنچ کر ختم ہو جائے گا۔ اللہ کا فرمان ہے إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (التکویر - ۱) جب سورج بے نور کر دیا جائے گا، یہ اس وقت تک اپنی رفتار سے چلتا ہے گا۔ اور اگر مستقر سے مراد مستقر مکانی ہو تو معنی یہ ہوگا کہ سورج اپنے مدار میں مقررہ رفتار سے سفر کرتا ہے

حضرت علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سورج اپنی منزل کی طرف چلتا رہتا ہے اور ہر رات عرشِ عظیم کے نیچے بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز ہوتا ہے، اور اپنی رفتار کو جاری رکھنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملتی ہے اور وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے، پھر ایک دن آئے گا کہ حسب معمول سورج اللہ تعالیٰ سے اپنے سفر کے تسلسل کی اجازت طلب کرے گا تو حکم ہوگا کہ اپنی حرکت کو معکوس کر دو، چنانچہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ اور دوپہر تک کا وقت ہواٹے گا۔ لوگوں میں دہشت پیدا ہو جائے گی، وہ خوف کے طے ایمان کا استقرار کہیں گے۔ مگر اس وقت کا ایمان لازماً قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی کوئی نیکی قبول ہوگی۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جب سورج اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی رفتار روک کر ہی آیا کرتا ہوگا۔ جس کی وجہ سے اس کے معمول میں فرق آنا لازمی ہے مگر ایسا نہیں ہوتا اور آج تک سورج کی رفتار میں سیکنڈ کے ہزاروں حصے کے برابر بھی فرق نہیں آیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب میں مفسرین کہتے ہیں کہ سورج کی سجدہ ریزی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص خواب میں کئی ایک امور انجام دیتا ہے مگر جسم میں اس کے دل کی حرکت اور اس کے ساتھ زندگی کا تعلق برابر قائم رہتا ہے اور اس میں سرمو فرق نہیں آتا۔ اسی طرح سورج بھی اپنے کام میں خلل ڈالے بغیر اللہ تعالیٰ کو ہر رات سجدہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور بعض دیگر صاحب علم و حکمت حضرات فرماتے ہیں کہ سورج اپنے سفر کے دوران ہر لمحہ سفر کے تسلسل کی اجازت طلب کرتا ہے اور بغیر اجازت ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھتا۔ فرماتے ہیں کہ اسی اجازت طلبی کا نام ہی سجدہ ہے جس کا ذکر

۱۔ ابن کثیر ص ۵۱۱ و معالم التنزیل ص ۲۰۳۔ ۲۔ قرطبی ص ۱۵۶۔
۳۔ روح المعانی ص ۱۳۶۔

مذکورہ حدیث میں آیا ہے۔

علمی نظام

پہلے یونانی ماہرین فلکیات سات سیارے سورج، چاند، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل اور عطارد دریافت کئے تھے، مگر موجودہ زمانے کے سائنسدانوں نے دو مزید سیارے پتھروں اور انوس بھی دریافت کر لیے ہیں جس سے ان کی تعداد بڑھ کر نو ہو گئی ہے ان سب کا تعلق نظام شمسی سے ہے اور یہ سارا نظام کہکشاں کا ایک حصہ ہے۔ باریک باریک ستاروں سے مل کر بننے والی سڑکیں کہکشاں کہلاتی ہیں۔ ہر کہکشاں میں کئی ڈیڑوں بلکہ لاکھوں ستارے ہوتے ہیں اور پورا نظام شمسی کسی ایک کہکشاں کا جزو ہے۔ اس نظام میں سب سے بڑا سیارہ سورج ہے اور باقی سارے سیارے اس کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ ہماری زمین سے تو اس نظام کا صرف ایک ہی چاند نظر آتا ہے مگر حقیقت میں سورج کے گرد اکتیس چاند گھومتے ہیں۔ زمین سے قریب ترین سیارہ چاند ہے جو یہاں سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے۔ اگر ان دونوں کا درمیانی فاصلہ اس سے زیادہ ہوتا تو وہ فوائد حاصل نہ ہو سکتے جو اس وقت ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر چاند اور زمین کا درمیانی فاصلہ صرف پچاس ہزار میل ہوتا تو سمندر سے پانی کی اتنی لہریں اٹھتیں کہ پوری زمین کا کاروبار درہم برہم ہو جاتا کیونکہ اس وقت سمندروں میں جو بڑے چیز پیدا ہو رہے ہیں۔ وہ چاند کی دو لاکھ چالیس ہزار میل کی دوری کے اثرات سے پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر یہ فاصلہ کم ہو جائے تو چاند کے سمندر پر اثرات کی مقدار بڑھ جائے گی اور پانی پورے کرہ ارض پر پھیل جائے گا۔

ہماری یہ زمین ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کر رہی ہے۔ جس کی وجہ سے رات دن اور مختلف موسم پیدا ہوتے ہیں۔ یہ یوں تو تین رفتار سے ہے کہ زمین پہلے سے لے کر چاندوں کے مناسب حال ہے۔ اگر یہی رفتار دس ہزار میل فی گھنٹہ ہو جائے تو دن اور رات صرف سو سو گھنٹے کے رہ جائیں۔ اور ان حالات میں زمین کے باشندوں کا استقرار ختم ہو کر رہ جائے اور وہ کوئی کام نہ کر سکیں۔ اس کے برخلاف اگر زمین کی رفتار صرف ایک سو میل فی گھنٹہ تک کم

ہو جائے تو ایک سو بیس گھنٹے کا دن اور اتنی لمبی ہی رات ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اتنا لمبا عرصہ سورج کی تپش سے زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا۔ اور رات اتنی لمبی ہوتی کہ جانداروں کو بچھڑ کر کے رکھ دیتی اور زندگی کا سارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے زمین اور دیگر سیاروں کی رفتار اس طریقے پر مقرر کی ہے۔ جو جانداروں کی زندگی کے لیے موزوں ترین ہے۔

فضائیں نظر آنے والے ستاروں کی تعداد اربوں اور کھربوں تک ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مدار میں مقررہ رفتار سے چل رہے ہیں۔ اس زمین پر تو ٹریفک میں ذرا سی بے قاعدگی ہو جائے تو بے شمار گاڑیاں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں۔ مگر ستاروں اور سیاروں کا اتنا بہترین نظام اللہ نے قائم کیا ہے کہ ہر ستارہ اور سیارہ چل رہا ہے مگر آج تک کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ جب تک اللہ کو منظور ہے۔ یہ نظام چلتا ہے گا اور جب وہ چاہے گا اس کو ختم کر کے عالم بالا کا نظام لے آئے گا۔

فَرَمَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ یہ غالب اور علم والے خدا کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے جس کے مطابق یہ سارا نظام کام کر رہا ہے۔
 فَرَمَا وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ
 سورج کی طرح ہم نے چاند کی بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں حتیٰ کہ وہ چلتے چلتے پرانی ٹہنی کی طرح دبلا پتلا ہو جاتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے پورا چاند ہو جاتا ہے اور اس کے بعد پھر گھٹتے گھٹتے باریک سی شاخ کے مانند ہو جاتا ہے۔ فرمایا سورج اور چاند کا یہ نظام اس طریقے سے مقرر کیا گیا ہے لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ کہ سورج چاند کو نہیں پہنچ سکتا وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے بلکہ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں چل رہا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں، کہ

بطریقہ سائنس کا یہ نظریہ غلط ہے کہ چاند دو ککر آسمان پر ہے، اور سورج چوتھے آسمان پر، بلکہ یہ سارے ککر آسمانوں سے نیچے فضا میں تیر رہے ہیں۔ یہاں پر فلک سے مراد آسمان نہیں بلکہ مدار مراد ہے جس میں یہ سارے ککر گردش کر رہے ہیں۔

وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِّ
 الْمَشْحُونِ ④١ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا
 يَرْكَبُونَ ④٢ وَإِنْ نَشَاءُ نُغْرِقُهُمْ فَلَا صَرِيخَ
 لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ④٣ إِلَّا رَحْمَةً
 مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ④٤ وَإِذَا قِيلَ
 لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا
 خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ④٥ وَمَا تَأْتِيهِمْ
 مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا
 مُعْرِضِينَ ④٦ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ انْفِقُوا مِمَّا
 رَزَقَكُمْ اللَّهُ ۗ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ
 آمَنُوا أَنْطِعِم مِّنْ لَّوِيشَاءِ اللَّهِ أَطَعَمَهُ ۗ
 إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ④٧ وَيَقُولُونَ
 مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ④٨
 مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ
 وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ④٩ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ

تَوْصِيَةٌ وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾

۶۵۴

ترجمہ :- اور ایک نثانی ان کے لیے یہ ہے کہ بیشک ہم نے اٹھایا ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں ﴿۴۱﴾ اور ہم نے پیدا کیں ان کے لیے اس جیسی چیزیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں، پس کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہ ہو، اور نہ ہی یہ چھڑنے جائیں ﴿۴۳﴾ مگر مہربانی ہے ہماری طرف سے، اور فائدہ اٹھانے کا سامان ایک وقت تک ﴿۴۴﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بچو اس چیز سے جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۴۵﴾ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نثانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر اس سے اعراض کر لے والے ہوتے ہیں ﴿۴۶﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فریق کرو اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی ہے تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے، کیا ہم کھلائیں اس کو کہ اگر اللہ چاہتا تو اسے خود کھلاتا۔ نہیں ہو تم مگر کھلی گمراہی میں ﴿۴۷﴾ اور کہتے ہیں کب ہو گا، یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ﴿۴۸﴾ نہیں انتظار کرتے یہ مگر ایک ہی چیز کا جو پکڑ لے گی ان کو اور یہ آپس میں جھگڑا ہے ہوں گے ﴿۴۹﴾ پس نہ طاقت رکھیں گے یہ وصیت کرنے کی، اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے ﴿۵۰﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذکر کیا۔ انہی نشانیوں سے وقوع قیامت پر بھی دلیل قائم ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ اللہ کی وحدانیت بھی سمجھ میں آتی ہے۔ تمام نشانیوں کو پیدا کرنے والا صرف اللہ وحدہ لا شریک ہی ہے۔ اللہ نے سورج اور چاند کا ذکر کیا۔ ہر چیز کے جوڑے جوڑے بنانے کا تذکرہ کیا۔ جن میں انسان، جانور اور نباتات وغیرہ سب شامل ہیں اور یہ ساری نشانیاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔

کشتی بطلو
نشان قدرت

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ نے کشتی کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر متعارف کرایا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَآيَةٌ لَهُمْ اَنْ اَنزَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اس کشتی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے جو آپ نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں بنائی وَاصْنَعِ الْفُلَّ بِاَعْيُنِنَا و وَعَجِبْنَا (ہود - ۲۷) ہمارے حکم اور ہماری وحی کے کشتی بناؤ۔ چنانچہ اللہ کے حکم کے مطابق نوح علیہ السلام نے بہت بڑی تین منزلیں کشتی تیار کی جس میں انسان اور جانور سوار چڑھے اور اس طرح یہ کشتی بھر گئی جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ ذریت کا لفظ عربی زبان میں اولاد یا نسل کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لفظ ذریت اصدا میں ہے اور اس کا معنی اولاد بھی ہے اور آباؤ اجداد بھی۔ اگر دوسرا معنی لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کے آباؤ اجداد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ یہ معنی بھی درست ہے کہ اس وقت زمین پر آباد تمام لوگ انہی کشتی والوں کی اولاد ہیں، اور موجودہ نسل انسانی کے آباؤ اجداد وہی کشتی والے لوگ ہیں۔ کشتی نوح اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ اسی کے ذریعے اُس نے نسل انسانی کا انتظام کیا۔

فرمایا ایک توہم کے کشتی بنائی وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ اور ہم نے ان کے لیے اس جیسی دیگر چیزیں بھی تخلیق کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ کشتی اور دیگر سواری کی چیزوں کی تخلیق کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اگرچہ یہ بظاہر ہر مصنوع انسانی ہاتھوں کی تیار کردہ ہے، مگر فی الحقیقت یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے جس نے انسان کو عقل، فہم اور غور و فکر کی صلاحیت بخشی اور پھر ہر مصنوع کی صنعت کے لیے وسائل مہیا کیے ہیں۔ اس کی مثال سورۃ النحل میں بھی ملتی ہے۔

جہاں اللہ نے گھوڑے، گدھے اور خچر جیسی سواریوں کا ذکر کر کے فرمایا يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (آیت - ۸) اللہ تعالیٰ ایسی سواریاں پیدا کرتا ہے۔ یا آئندہ زمانے میں کرے گا جنہیں تم نہیں جانتے۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ ذریعہ نقل و حمل کی ابتدا جس کشتی سے ہوئی، وہ کشتی ترقی کر چکی ہے۔ پہلے عام کشتیاں سمندروں اور دریاؤں میں چلتی تھیں، پھر بادبانی کشتیاں معرض وجود میں آئیں۔ پھر بھاپ سے چلنے والے سٹیمر بنے اور آج تیل سے چلنے والے لاکھوں ٹن ورنی جہاز سمندر کی سطح پر رواں دواں ہیں۔ انہی جہازوں کی بدولت ہزاروں مسافر اور لاکھوں ٹن وزنی سامان ایک ملک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جنگی نقطہ نظر سے طیارہ بردار جہاز تک معرض وجود میں آچکے ہیں جن پر سیکڑوں طیارے اتر سکتے اور پرواز کر سکتے ہیں۔ سمندر کی تہ میں چلنے والی آبدوزیں بھی بنائی جا چکی ہیں بلکہ اب تو یہ ایسی طاقت سے چلنے لگی ہیں۔ یہ سب کچھ کشتی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔

سمندروں کے علاوہ خشکی پر چلنے والی لاتعداد سواریاں بھی ایجاد ہو چکی ہیں۔ ان میں گاڑوں سے کھینچی جانے والی سواریوں کے علاوہ خود کار سائیکل، موٹر سائیکل، اریل کار، ٹرک، ٹریک اور سب سے تیز رفتار گاڑیاں ہیں جو اس وقت انسانی استعمال میں ہیں۔ ہوا میں اڑنے والے ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر ہیں، جو ہم فضا میں بندہ ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ یہ نقل و حمل کے ذرائع میں سے تیز ترین ذریعہ ہیں اور ان کی وجہ سے پوری دنیا سمٹ کر رہ گئی ہے۔

علاوہ ازیں اب تو زمین کی فضائی حدود سے پار دو سکر میاروں تک کے نیلے پروازیں ہو رہی ہیں، بڑے بڑے راکٹوں اور فضائی گاڑیوں کی مدد سے انسان چاند تک پہنچ چکے ہیں اور آگے مزید تک پہنچنے کے پروگرام بن رہے ہیں۔ غرضیکہ گزشتہ ایک صدی میں دیگر ضروریات زندگی کی طرح ذرائع نقل و حمل میں بھی بے تحاشا ترقی ہوئی ہے۔ یہ سب کچھ نوح علیہ السلام کی اولین کشتی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں۔

زمین پر بڑھتی ہوئی ٹریفک اور اس سے خارج ہونے والے دھوئیں اور اسی طرح کارخانوں کی چیمنیوں سے نکلنے والے زہریلے مادہ نے ماحول کی آلودگی کا نیا مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ ابھی دو سال کی بات ہے کہ بھوپال کی ایک فیکٹری میں گیس کا سنڈر پھٹنے سے ہزاروں آدمی مٹا کر ہوئے اور سینکڑوں کی تعداد میں موت کی آغوش میں چلے گئے، روس میں ایٹمی تابکاری کے احساراج سے سینکڑوں آدمی ہلاک ہو گئے۔ اسی وجہ سے اب سائنس دان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ماحول میں آلودگی پیدا کرنے والی صنعت کو زمین سے اٹھا کر فضا میں قائم کر دیا جائے۔ تاکہ لوگ کیمیائی مادوں کے نقصان سے بچ سکیں۔ بہر حال یہ ساری سواریاں اللہ کی قدرت کے نمونے ہیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

حفاظتِ برپہ
رحمتِ خداوندی

فَرَمَّا يُؤْتِي النَّارَ لَهْرًا تُهْرَمًا ۝ اگر ہم چاہیں تو کشتیوں اور جہازوں کے سواروں کو بانی میں غرق کر دیں۔ دنیا میں آئے دن عرقابی کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ چھوٹی کشتیوں کے علاوہ بعض بڑے بڑے جہاز بھی کسی حادثہ کا شکار ہو کر ڈوب جاتے ہیں۔ کبھی کسی چٹان سے کوئی جہاز ٹکرائے تو کبھی دو جہاز آپس میں ٹکرا گئے۔ بعض اوقات آگ لگ جاتی ہے اور کشتی یا جہاز ڈوب جاتا ہے۔ فرمایا اگر ہم کسی کو غرق کرنا چاہیں فَلَا صَرِيحَ لَهْرًا ۝ تو ان کی فریاد کو پہنچنے والا کوئی نہ ہو۔ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ۝ اور نہ ہی وہ چھڑائے جاسکیں، بحسب اللہ کی مشیت کے بغیر کون کسی کی مدد کر سکتا ہے اور مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے؟ اس سے توجیہ کا مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے۔ تم مصیبت کے وقت لاکھ کسی دیوبی دیتا،

کسی بن فرشتے، زندہ یا مردہ انسان کو پکارو، کوئی بھی تمہیں موت کے منہ سے نہیں بچا سکتا۔ إِلَّا دَخَلْتُمْ مَاتًا ہماری مہربانی کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ جب ہم کسی کو بچانا چاہتے ہیں تو پھر اُس کے لیے مافوق الاسباب سامان بھی مہیا کر دیتے ہیں۔ فَرَأَى وَمَتَاعًا اللہ حسین پھر ہم ایک مقررہ وقت تک فائدہ اٹھانے کی ہمت دے دیتے ہیں۔ اللہ نے ہر مخلوق کو ایک مقررہ وقت تک زندگی عطا کی ہے جس کے دوران وہ اس دنیا کی نعمتوں سے مستفید ہوتی رہتی ہے۔ پھر جب وہ وقت آجاتا ہے تو تمام اسباب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور انسان ختم ہو جاتا ہے۔ بہر حال ہر جاندار کی زندگی اللہ کی رحمت کی محتاج ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو اُس چیز سے مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ جو تمہارے آگے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ اگر تم پر رحم کیا جائے آگے سے سزا دی ہے کہ تمہاری موت آنے والی ہے۔ پھر قیامت برپا ہوگی، اور حشر کا میدان قائم ہوگا۔ پھر وہاں حساب کتاب کی منزل آئے گی اور ہر ایک کے متعلق فیصلے ہوں گے، اس سائے عمل سے ڈر جاؤ اور آنے والے وقت کے لیے تیاری کر لو۔ نتیجے رہ جانے والی دنیا ہے، یہاں پر جو اعمال چھوڑے ہیں ان کو بھی دھیان میں لاؤ کہ اس دنیا میں رہ کر کیا کرتے رہے اور پھر سوچو کہ ان عبادت و اعمال کا کیا نتیجہ نکلے والا ہے۔ اگر نتیجے بُرے اعمال چھوڑے ہیں تو ظاہر ہے کہ آخرت میں ان کا وبال بھی پڑے گا، لہذا اب دقت ہے، کہ آنے والے وقت سے ڈر جاؤ۔

لوگوں کی اکثریت پر افسوس ہے کہ وہ نہ تو نشاناتِ قدرت میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی نجات کے لیے کوئی حیلہ کرتے ہیں۔ بلکہ فرمایا وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ اور نہیں آئی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے پندردگار کی نشانیوں میں سے مگر وہ اس

سے
جز عمل
کا منزل

کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ جو بھی کوئی دلیل، معجزہ یا حکم اللہ کی طرف سے آتا ہے یہ اس میں غلو و فخر کرنے کی بجائے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے ان نذیروں میں توحید و رسالت کی بات ہوتی ہے یا قرع قیامت اور محاسبہ اعمال کی نذیر ہی ہوتی ہے مگر یہی چیزیں ان کے مزاج کے خلاف پڑتی ہیں، لہذا یہ ان سے کئی کتراجاتے ہیں۔ اللہ نے ان کی غفلت کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

الغافق فی
سبیل اللہ

اللہ نے ان ناہنجاروں کی ایک ریختت بھی بیان فرمائی ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ أَوْ رَجِبْ ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے خرچ کرو۔ یعنی غریبوں، محتاجوں، یتیموں اور بیولوں کا حق ادا کرو وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نِعْمَةُ اللَّهِ عَلَيْنَا لَكُنَّا مِنَ الْخاسِرِينَ ان سے کہتے ہیں أَطْعِمُوا مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ کیا ہم ایسے شخص کو کھلائیں جس کو اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو محتاج رکھنا ہی پسند کیا ہے۔ تو ہم ان پر حشری کر کے اللہ کی منشا کے خلاف کام کیوں کریں؟ مشرکین مکہ بھی یہی فلسفہ بیان کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب محتاجوں کی اعانت کرتے تو بڑے بڑھے کافر اور مشرک کہتے کہ تم ان محتاجوں پر کیوں خرچ کرتے ہو؟ آپ جواب دیتے کہ میرے مال میں اللہ نے ان کا حق بھی رکھا ہے، لہذا میں خرچ کرتا رہوں گا۔ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْسُورِ (المعارج - ۲۴-۲۵) اللہ نے نیک لوگوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ انہیں اپنے مالوں میں سائلین اور محتاجوں کے حقوق معلوم ہیں لہذا وہ ان پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ کہتے تھے إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ تم تو صریح گمراہی میں ہو۔ جو اپنا مال ان ناداروں پر خرچ کرتے ہو جنہیں اللہ بھوکا رکھنا چاہتا ہے۔

تقیر رزق
کی حکمت

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں رزق کی تقیر ایک خاص حکمت کے تحت کرتا ہے، کسی کو کم دیتا ہے، کسی کو مناسب مال اور کسی کو ضرورت سے زیادہ البستہ

وہ کسی کو بلا واسطہ عطا کرنا ہے اور کسی کو بلا واسطہ۔ اغنیاء کو بلا واسطہ سے کر حکم دینا ہے کہ اس میں سے محتاجوں کی خدمت بھی کرو۔ اب امیر آدمی کے مال میں سے زکوٰۃ صدقات کی صورت میں جو غریب آدمی کو پہنچے وہ بلا واسطہ ہو گیا، اور ہے یہ بھی اللہ ہی کی عطا۔ البتہ مال میں کمی بیشی میں اللہ کی حکمت یہ ہے کہ وہ مال سے کر بھی آزما ہے اور اس سے محروم کر کے بھی آزمائش میں ڈالتا ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ہے۔ قَبَلُكُمْ كُفْرُكُمْ بِاللَّهِ وَرِئَاسَةُ الْاٰنْبِيَاءِ میں ہے۔ ہم تمہیں برائی اور بھلائی ہر دو طریقوں سے آزما رہے ہیں۔ وہ اغنیاء کو مال سے کر آزما رہا ہے کہ وہ اس کے حقوق کس حد تک پورے کرتے ہیں۔ اور غریب کو محروم کر کے آزما رہا ہے کہ وہ کس حد تک صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کیا وہ رزقِ حلال کی تلاش میں نکلتے ہیں یا چوری، ڈاکہ اور دھوکہ دہی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں بعض لوگوں کو امیر اور بعض لوگوں کو غریب رکھنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مخلوق کی معیشت کا دار و مدار اسی قسم کی تقسیم پر ہے اگر سب کے سب امیر ہی ہوتے تو پھر مزدوری کون کرے گا، کاشتکاری کون کرے گا اور کارخانے کیسے چلتے اسی طرح اگر ایسے کے سارے محتاج ہی ہوتے تو وہ اپنی احتیاج کس سے پوری کرتے؟ اس طرح بھی تمدن کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اللہ نے کسی کو کارخانے دار اور کسی کو مزدور بنا دیا، کسی کو زمین کا مالک اور کسی کو کھان بنادیا، اور اس طرح دنیا کے تمدن کی گاڑی چل رہی ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اِنَّ اَنْتُمْ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کے الفاظ لفظ و شرکین کا نظریہ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے بندوں پر واضح کرنا چاہتا ہے کہ تم کیسی گمراہی کی باتیں کر رہے ہو، حقیقت میں رازق تو ہر مخلوق کا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس نے روزی رسانی کے مختلف ذرائع مقرر کر رکھے ہیں جن کے واسطے سے وہ ہر ایک کو اُس کے حصے کا رزق پہنچا رہا ہے۔ تم اس کی حکمت کو نہیں جانتے۔

بعض لوگ ازراہ تعصب اور عناد کہتے تھے وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ وَإِن كُنتُمْ صَادِقِينَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بلاؤ کہ وقوع قیامت کا وعدہ اور محاسبہ اعمال کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی حماقت کی وجہ سے اس قسم کے سوال کرتے ہیں۔ جب ہمارا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا، تو ان کو گھڑی بھر بھی مہلت نہیں ملے گی۔ سَمَّا مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَأَحَدَةً یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر ایک ہی چیخ کا قائل ہیں کہ جو ان کو پکڑے گی وَهُمْ يَخِيفَتُهُمْ أَنَّ اس حالت میں کہ یہ آپس میں جھگڑا کر رہے ہونگے فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دلائل میں غرور و تکبر کرنے کی بجائے تعصب اور عناد کی بنا پر غرور و تکبر والی بات کر رہے ہیں اور لامبانی سوال کرتے ہیں۔ جب ہماری گرفت آئے گی، تو پھر کسی بیسے چوڑے لٹکر کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ ان کے لیے ایک چیخ ہی کافی ہے جو ان کا کام تمام کر دے گی۔ گزشتہ آیات میں صَبِيبٌ نَجَّاحٌ کا واقعہ بھی بیان ہو چکا ہے إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَأَحَدَةً فَإِذَا هُمْ خَجْدُونَ (آیت - ۲۹) فرشتے نے ایک ہی چیخ ماری تو وہ نافرمان اس طرح میا میٹ ہو گئے جس طرح جلتے ہوئے کوٹلے پانی ڈالنے سے سمجھ جاتے ہیں۔

فرمایا جب خدا تعالیٰ کی گرفت آتی ہے تو پھر کسی کو نچیلنے کا موقع نہیں ملتا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً پھر نہ تو وہ کوئی وصیت ہی کر سکتے ہیں کہ میرے بعد فلاں کام اس طرح کر لیں یا میرے مال کو اس طرح صرف کرنا بلکہ اتنا تو موقع نہیں ملتا وَلَا إِلَّا أَهْلِيهِمْ يَنْجِعُونَ اور نہ ہی وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آ سکتے ہیں کہ ان سے کوئی بات ہی کر لیں کوئی شخص بازار میں ہو یا مکان میں، کھیرت میں ہو یا کارخانے میں دفتر میں ہو یا سفر کر رہا ہو، جہاں کہیں بھی ہوتا ہے، اللہ کی گرفت وہیں آجاتی ہے۔ اور انہیں ذرہ بھر بھی مہلت نہیں ملتی۔ فرمایا قیامت کے متعلق پوچھ کر کیا یہ لوگ ایسے اچانک وقت کا انتظار کر رہے ہیں؟

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ
 إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا
 مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا إِنَّ هَذَا مَا وَعَدَ
 الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِنْ كَانَتْ
 إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا
 مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا
 وَلَا يُجْزَوْنَ الْأَمَّاكُنْمُ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾
 إِنْ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ
 فَاكِهِونَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي
 ظِلِّ عَلَى الْأَرْآبِكِ مُتَكِونَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيهَا
 فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ ﴿٥٧﴾ سَلَامٌ قَوْلًا
 مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَّازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا
 الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ :- اور پھونکا جائے گا صور میں ، پس اچانک وہ
 لوگ قبروں سے اٹھ کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑیں
 گے ﴿۵۱﴾ کہیں گے ، افسوس ہمارا ، کس نے اٹھایا ہمیں

ہماری خواب گاہوں سے . یہ وہ چیز ہے جو وعدہ کیا ہے
 خدائے رحمان نے اور سچ کہا ہے اس کے رسولوں نے (۵۲)
 نہیں ہے مگر ایک ہی پیچ اچانک وہ سب کے سب
 ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے (۵۳) پس آج نہیں
 ظلم کیا جائے گا کسی نفس پر کچھ بھی . اور نہیں بدلہ
 دیا جائے گا تم کو مگر وہ جو تم عمل کرتے تھے (۵۴) بیشک
 جنت والے لوگ آج کے دن مشغول ہیں ہوں گے ، اور آپس
 میں باتیں کر رہے ہونگے (۵۵) وہ اور ان کی بیویاں سایوں
 میں تختوں پر تکیے لگانے والے ہوں گے (۵۶) ان کے
 لیے ان میں پھل ہوں گے اور ان کے لیے ہر وہ چیز
 ہوگی جو وہ طلب کریں گے (۵۷) اور سلام ہوگا ، ایک
 بات رب رحیم کی طرف سے (۵۸) اور رحیم ہوگا انکے
 ہو جاؤ آج کے دن اے گنہگارو! (۵۹)

ربط آیات

اپنی آیات قدرت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی
 خدمت بیان فرمائی اور یہ بھی کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آگے پیش آنے والے حالات
 کے لیے کچھ تیاری کر لو ، اور جو اعمال پیچھے چھوڑ آئے ہو ان کے متعلق بھی غور و فکر کرو
 تاکہ تم پر رحم کیا جائے تو یہ لوگ نشانات قدرت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے بلکہ
 الٹا اعتراض کرنے لگتے ہیں . پھر اللہ نے ان میں سے مالداروں کی حالت کا ذکر
 بھی کیا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے غزبار اور مساکین
 پر بھی خرچ کرو تو کہتے ہیں کہ جن کو خود خدا تعالیٰ بھوکا رکھنا چاہتا ہے یعنی ان کو نادر
 بنایا ہے ، بھلا ہم ان کی اعانت کریں . اللہ نے ذرا بایا کہ یہ تو نہایت ہی گمراہی
 کی بات ہے ، بلاشبہ ہر جاندار کا روزی رسال اللہ تعالیٰ ہی ہے . مگر یہ اس
 کا طریق کار ہے کہ کسی کو بالواسطہ روزی پہنچاتا ہے اور کسی کو بلاواسطہ وہ ان محتاجوں

کو مالداروں کے واسطے سے روزی پہنچانا چاہتا ہے مگر یہ جیلے بانے سے ان کا حق ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ نیز اللہ نے یہ فرمایا کہ وہ ہر ایک کی آزمائش کرے ہے کسی کو مال و دولت سے کہ آزمائش ہے اور کسی کو محروم رکھ کر آزمائش میں ڈالتا ہے۔ پھر اللہ نے قیامت کا ذکر بھی کیا کہ کافر لوگ اس کا مسخر اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر واقعی قیامت آنے والی ہے اور محاسب اعمال ہونے والا ہے تو وہ قیامت آئیوں نہیں جاتی۔ اللہ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ قیامت بھی اپنے مقررہ وقت پر ہی آئیگی۔ جب وہ وارد ہو جائیگی تو پھر کسی کو ایک گھڑی بھی مہلت نہیں ملے گی۔ کسی کوئی شخص نہ تو کوئی وصیت کر سکے گا اور نہ ہی اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ سکے گا کہ ان کے ساتھ کوئی بات چیت ہی کر لے۔ بلکہ جس مقام پر بھی ہوگا وہیں اس کو ختم کر دیا جائے گا۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور لوگوں کی بعثت کے متعلق بعض حالات ذکر کیے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّورِ اور صور میں پھونکا جائے گا۔ وقوع قیامت کا عمل صور پھونکنے سے ہوگا۔ اللہ کا ایک فرشتہ منہ میں سینک کی شکل کا ایک جگ تھامے کھڑا ہے اور منتظر ہے کہ کب اللہ کا حکم ہو تو وہ اس صور میں پھونکے گا۔ جب یہ صور پھونکا جائے گا تو اس سے سارے جاندار ہلاک ہو جائیں گے۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا، اور دونوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائیگا تو ہر چیز فنا ہو جائیگی، پھر پالیس سال کے بعد جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور میدانِ حشر میں اپنے رب کے حضور پیش ہو جائیں گے۔ اس مقام پر اسی دو کھڑے صور پھونکنے کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ

وقوع قیامت
اور بعثت

إِلَّا كَرِيهًا يَنْفِلُونَ تَرَابًا سَبَّ لَوْ قُبُورٍ مِنْ أَعْدَائِهِمْ
 رب کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے، جس طرف سے آواز آرہی ہوگی۔ اُس
 طرف دوڑتے چلے جائیں گے۔ سورۃ المعارج میں ہے کہ اس تیزی کے ساتھ
 دوڑیں گے کَاثِمًا إِلَىٰ نَصَبٍ يُؤْفَضُونَ وَآيَةٌ ۱۴۳ جیسے شکاری
 تھکار کے جال کی طرف یا تیرپننے نشانے کی طرف تیزی سے جاتا ہے۔ اُس وقت
 ساری مخلوق سخت پریشانی میں مبتلا ہوگی۔ قرآن میں اس کی تفصیلات موجود ہیں کہ سخت
 دھوپ، اُس کی تپش، لوگوں کا عظیم اجتماع اور بھوک پیاس کی شدت ہوگی اور لوگ سخت
 گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے۔

اور اُس وقت قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن كُنَّا مِنْ مَّرْقَدِنَا
 کہیں تھے! اے افسوس! ہماری خواب گاہوں سے ہمیں کس نے اٹھا دیا۔ مرقد
 لیٹنے یا آرام کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ صور پھونکے جانے کے بعد جب لوگ اچانک
 اٹھ کھڑے ہوں گے تو وہ اُسے اپنے آرام میں خلل تصور کریں گے۔ یہاں پر یہ اشکال
 وارد ہوتا ہے کہ قبر کی زندگی تو بزخنی زندگی ہے جس میں ہر نیک و بد کو جزا اور سزا کا احساس
 بھی ہوتا رہتا ہے مگر آیت زبور دروس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگ مکمل آرام کی حالت
 میں ہوں گے اور وہ صور میں پھونکنے سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ سرنے کے بعد بزخ
 کی جزا یا سزا آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ چیز اہل سنت و اہل
 کے عقیدے میں داخل ہے۔ یہ جزا یا سزا معمولی نوعیت کی اور عارضی ہوگی جب کہ حقیقی
 جزا یا سزا میدانِ حشر میں جزائے عمل کا فیصلہ ہونے کے بعد شروع ہوگی، مغربین کو آرام
 اس اشکال کو دو طریقے سے رفع کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ فرماتے ہیں کہ پہلے صور
 پھونکے جانے کے بعد دو سے صورت تک چالیس سال کے عرصہ میں کوئی نواب
 یا عذاب نہیں ہوگا۔ گویا اس دوران سزا موقوف ہے گی۔ پھر جب لوگ دوبارہ نہیں

اور تمہیں صرف تمہارے کردہ اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

اگے نیکو کاروں کی جزا کے متعلق فرمایا إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ
فِي سُغُلٍ فِيكُمُؤْنٍ پھر جن خوش قسمتوں کے حق میں جنت کا فیصلہ ہوگا۔
 وہ شغلے میں ہوں گے اور آپس میں خوشی خوشی باتیں کریں گے، انہیں ہر قسم کا عینِ حلاوت
 حاصل ہوگا، اور تمام ناگوار اور ناپسندیدہ چیزیں ان سے ہٹالی جائیں گی۔ پھر ان
 کو نہ کوئی جسمانی لذت پہنچے گی اور نہ روحانی گرفت ہوگی۔ هَهُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ
فِي ظِلِّ عِلَاقٍ الْأَشْجَارِ وہ اور ان کی بیویاں تختوں پر
 ٹیک لگنے والوں میں بیٹھے ہوں گے۔ اریکہ کا سنی، تخت، پلنگ، بیچ یا آج
 کی اصطلاح میں صوفیہ سیدھی کرسی بھی کہہ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جنتی لوگ جنت میں نہایت
 آرام و سکون کے ساتھ اپنی پسند کی اعلیٰ جگہوں پر بیٹھیں گے۔ بڑا خوشگوار ماحول ہوگا اور
 وہ آپس میں خوشی خوشی باتیں کریں گے۔ انہیں ہر قسم کی تفریح میسر ہوگی۔ اور کوئی
 پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

كُلُّهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وہاں ان کے لیے مختلف الانواع پھل
 ہوں گے، جن کو وہ استعمال کریں گے۔ وَكُلُّهُمْ مَتَاعُونَ اور اس
 کے علاوہ انہیں ہر وہ چیز حاصل ہوگی جس کا مطالبہ کریں گے۔ ان کی خواہشات اور
 مطالبات بھی نہایت پاکیزہ قسم کے ہوں گے۔ اور کوئی کمزور اور ردی خواہش پیدا
 ہی نہیں ہوگی۔ بہر حال انہیں منہ مانگی مراد ملے گی ان کو ظاہری اور جسمانی لذتوں
 کے علاوہ ہر قسم کی نفسانی اور روحانی آسائش بھی حاصل ہوگی۔ سورۃ حم سجدہ میں
 ہے۔ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُنَّ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ
فِيهَا مَا تَدْعُونَ (آیت - ۳۱) وہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کو دل چاہے
 گا اور ہر وہ چیز جس کا مطالبہ کیا جائے گا۔

پہرہ و دگر
 کا سلام

ان مادی نعمتوں کے علاوہ فرمایا سَلَامٌ سلامتی ہوگی قَوْلًا مِّنْ
رَّبِّ الرَّحْمٰنِ یہ پہرہ و دگر کی طرف سے قول ہوگا جو کہ نہایت ہی مہربان ہے

اللہ فرمائے گا کہ اے جنت والو! میری طرف سے تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سلامتی نصیب ہو۔ سورۃ العمل میں فرشتوں کے سلام کا ذکر بھی آتا ہے۔ جب فرشتے نیک لوگوں کی روح قبض کرتے ہیں یَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (آیت ۳۲) تو کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو۔ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ان اعمال کے بدلے میں جو تم انجام دیا کرتے تھے۔ پھر جنتی آپس میں بھی ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی دعائیں کریں گے، سورۃ یونس میں ہے دَعُوا بِهٖمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ (آیت ۱۰) جب جنتی جمعہ کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے سبحان اللہ اور وہاں ان کی آپس میں دعا السلام علیکم ہوگی۔ لیکن جنت والوں کو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہوگی کہ اللہ فرمائے گا۔ میرے بندو! میری طرف سے تم پر ہمیشہ کے لیے سلامتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیو! اِحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا اسْحَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ اَبَدًا میں اپنی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں۔ اس کے بعد تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا ہمیشہ خوش ہی رہوں گا۔ یہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

پھر حکم ہوگا وَاَمْتَا زُوا الْيَوْمَ اَيْتُكَ الْمَجِيْمُونَ اے گنہگارو! شرک، کفر، بدعات، اور معاصی کا ارتکاب کرنے والو اپنی صفحہ علیحدہ بنا لو۔ دنیا میں تو نیک و بد سب ملے جلتے تھے مگر آج تم علیحدہ ہو جاؤ کہ تمہارا راستہ نیکی کا روں سے الگ ہے اور تمہارا ٹھکانا بھی مختلف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے محاسبہ کرے گا۔ یہ نہایت مشکل گھڑی اور پریشانی کا عالم ہوگا۔ اور مجرموں کے لیے بڑی کٹھن منزل ہوگی۔

مجرموں کی
علیحدگی

وَمَالِ ٢٣

سُورَتِ ٨

سُورَةِ ٣٦

آيَاتِ ٢٠ ٦٨٢

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَبْنَئِي أَدَمَ إِلَّا تَعْبُدُوا
 الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ٦٠ وَأَنْ
 اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ٦١ وَقَدْ
 أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا
 تَعْقِلُونَ ٦٢ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ
 تُوعَدُونَ ٦٣ إِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ
 تَكْفُرُونَ ٦٤ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ
 وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَنَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ
 بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ٦٥ وَلَوْ نَشَاءُ
 لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ
 فَأَلَىٰ يَبْصُرُونَ ٦٦ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ
 عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا
 وَلَا يَرْجِعُونَ ٦٧ وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي
 الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ٦٨

توجہ :- کیا میں نے تم کو نہیں کہہ رکھا تھا اے بنی آدم ! کہ نہ عبادت کرنا شیطان کی ، بیشک وہ تمہارا کُلا دشمن ہے (۶۰) اور یہ کہ تم صرف میری عبادت کرنا ، یہی سیدھی راہ ہے (۶۱) اور البتہ تحقیق گمراہ کیا تم میں سے بہت سی مخلوق کو، کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے (۶۲) یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (۶۳) داخل ہو جاؤ اس میں آج کے دن اس کے بدلے میں جو تم کفر کیا کرتے تھے (۶۴) آج ہم سرنگا دیں گے اُن کے مونوں پر اور کلام کریں گے ہمارے سامنے ان کے ہاتھ ، اور گراہی دیں گے اُن کے پاؤں جو کچھ وہ کھاتے تھے (۶۵) اور اگر ہم چاہیں تو مٹا دیں اُن کی آنکھوں کو ، پس وہ دوڑیں گے راستے کی طرف ، پھر کہاں دیکھ سکیں گے ؟ (۶۶) اور اگر ہم چاہیں تو مسخ کر دیں ان کی شکلوں کو ان کے ٹھکانے پر ہی ، پس نہ طاقت رکھیں وہ چلنے کی اور نہ واپس لوٹ سکیں (۶۷) اور جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اس کو اُٹا کر دیتے ہیں پیدائش میں ، کیا یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ؟ (۶۸)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا رد اور روز محشر کا کچھ حال بیان فرمایا تھا۔ جب صور نانی پھونکا جائے گا تو لوگ اپنی قبروں سے جا بجا کتاب کے لیے نکلیں گے۔ پھر ہر ایک کا محاسبہ ہوگا۔ ہر شخص کیلئے اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ ہوگا اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ پھر جن لوگوں کے لیے جنت کا فیصلہ ہوگا، وہ نہایت ہی آرام و راحت میں ہوں گے اور انہیں ان کی ہر مطلوب چیز

ربط آیات

میا کی جائے گی۔ اس کے علاوہ اُن پر اُن کے پروردگار کی طرف سے سلام ہوگا۔ برخلاف
اس کے اس روز مجرموں اور گنہگاروں کو حکم ہوگا کہ تم آگ ہو جاؤ اور اپنی علیحدہ صفت
بنالو۔ پھر اُن کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

شیطان کی
اطاعت

مجرموں کی علیحدہ صفت بندی کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اُن سے مخاطب ہو کر فرمائیے
گا اَلَمْ اَعٰهَدُ اَلَيْكُمْ يٰٓبَنِي اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلٰهًا سِوٰىيَّ ۗ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ
مَعِيَ شِطٰنًا كٰفِرًا ۗ اِنَّكُمْ لَعٰدُوْنَ مُّبِيْنٌ
وہ تمہارا اگلا دشمن ہے۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد پوری اولاد آدم
سے یہ کہہ دیا تھا کہ شیطان سے خبردار رہنا اور اس کے جھانے میں نہ آنا۔ یہ تمہیں
درغلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے
اللہ نے خصوصی طور پر فرمایا تھا فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اَنْ هٰذَا عٰدُوْكَ وَ اِنَّكَ لَوٰلِيْہٖٓ
فَلَا يُخْرِجُجَنَّكَ مِّنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی (طہ - ۱۱۷) ہم نے کہا

آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ یہ کہیں تمہیں جنت سے نہ نکلائے ،
پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ پھر ساری اولاد آدم کو اللہ نے اپنے انبیاء کے ذریعے
خبردار کر دیا کہ شیطان سے بچتے رہنا، اِنَّكُمْ لَعٰدُوْنَ لَہٗ ۗ اِنَّہٗ لَوٰلِيْہٖٓ
مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنٰہُمْ (الاعراف - ۲۷) وہ اور اس کا قبیضہ تمہیں
ایسی جگہ سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ غیر مرئی مخلوق
ہے وہ چھپ کر رہتا ہے، لہٰذا اس کے بہکاوے میں نہ آنا۔ پھر شیطان نے
بھی روز اول سے قسم کھا رکھی ہے کہ میں تیرے صراطِ مستقیم پر بیٹھوں گا۔ ثُمَّ
لَا تَتَّبِعْتُمْہُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَيْدِیْہُمْ وَمِنْ خَلْفِہُمْ
وَعَنْ اَيْمٰنِہُمْ وَعَنْ شَمٰلِہُمْ (الاعراف - ۱۷) میں
تیرے بندوں کے آگے سے بھی آؤں گا اور پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی آؤں گا،
اور بائیں طرف سے بھی اور پھر ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر دنیا کی

طرف سے اگر بھی ان کو گمراہ کروں گا، دین کی طرف سے بھی اور خواہشات کے راستے سے بھی۔ اسی لیے اللہ نے ہزار ہا ایک شہ جہان کو تھلا رکھا، دشمن ہے، لہذا اس سے بچ کر رہنا۔

اللہ نے فرمایا ایک تو میں نے تمہیں شیطان کے اغوا سے خبردار کیا تھا اور دوسری بات یہ کہ تمہی وَإِنْ أَعْبَدُ فَلِي صرف میری ہی عبادت کرنا، اور شیطان کی عبادت نہ کرنے لگنا ورنہ وہ تمہیں جہنم میں پہنچائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ إِنَّمَا يَذْعُوكَ حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِينَ (فاطر: ۶) وہ اپنے گروہ کو بلارہا ہے تاکہ سب کو ساتھ لے کر جہنم میں جائے، وہ اپنی جماعت کو بڑھانا چاہتا ہے تاکہ جہنم میں اس کے — ساتھی زیادہ سے زیادہ ہوں۔ جہاں اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا تھا کہ شیطان کی دشمنی سے بچتے رہنا، اور عبادت صرف میری کرنا هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ یہی سیدھا راستہ ہے اسی پر چل کر تم دائمی نجات پا سکتے ہو۔ اگر اس راستے سے ہٹا گئے تو پھر تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

صراطِ مستقیم

آگے اللہ نے شیطان کے اغوا سے مزید خبردار کیا ہے وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا اچھا تحقیق اس شیطان نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو بہکا رکھا ہے۔ جِبِلًّا کا معنی مخلوق ہے اس کا تلفظ جِبِلًّا اور جِبِلًّا بھی آتا ہے فرمایا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے کہ اس کو اپنا دشمن سمجھتے ہوئے اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ یہ کافر اور مشرک سب شیطان کے راستے پر چل رہے ہیں۔ آج بھی دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے چار ارب لوگ شیطان کے پجاری ہیں جب کہ مشکل پانچواں حصہ توحید کو مانتا ہے جب جبرائیل نے اس کی منزل آئے گی تو شیطان کے ان پجاریوں سے کہا جائے گا۔ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ یہی ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اللہ کے راستے کو چھوڑ کر شیطان کے

شیطان کا اغوا

راستے پر چلو گے، تو پھر تمہارا یہی ٹھکانا ہوگا۔ لہذا اصْلُوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ آج اس میں داخل ہو جاؤ اس کفر کے بدلے میں جس کا ارتکاب تم کرتے رہے، تم نے دنیا میں نصیحت کی بات نہ مانی، اور شیطان کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ دنیا کے امور میں تو بہت ہوشیار اور سمجھدار تھے، لیکن ایمان کے بارے میں اتنے کمزور تھے کہ شیطان کے پیچھے لگے رہے۔ اب اس کفر کا خمیازہ جہنم کی صورت میں بھگتو۔

انسانی اعضا کی شہادت

بعض لوگ محاسب اعمال کے وقت کفر، شرک اور معاصی سے انکار کر دیں گے جیسے مشرکوں کے تعلق اللہ نے فرمایا کہ وہ کہیں گے وَاللّٰهُ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الانعام - ۲۳) اللہ کی قسم! ہم نے تو دنیا میں رہ کر مشرک نہیں کیا۔ مگر ہر انسان کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اللوح محفوظ میں بھی درج ہے اور انسان کے نامہ اعمال میں بھی لکھا ہوا ہے۔ گویا انسان کا ہر عمل محفوظ رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے لیے فرشتوں یا دیگر چیزوں کو بطور گواہ پیش کریں گے، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ بعض لوگ کہیں گے کہ ہم اپنے وحید کے سوا کسی دوسرے گواہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اُس وقت اللہ فرمائے گا۔ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰٓ اَفْوَاهِهِمْ اس دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے۔ وَتُكَلِّمُنَا اٰيٰدِيْهِمْ تو ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ کلام کریں گے وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ جو کچھ وہ کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ مجبوروں کی زبان تو بند ہو جائے گی اور ان کے جسم کے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ کسی اچھے بڑے کام کے کرنے میں سب سے زیادہ دخل ہاتھوں کا ہوتا ہے چنانچہ آدمی کے ہاتھ کہیں گے، کہ اس شخص نے ہمارے ذریعہ فلاح بُرا کام کیا تھا اور پاؤں گواہی دیں گے کہ ہمارے سچے شخص

فلاں غلط مقام پر گیا تھا۔ اُس وقت گنہگار آدمی حیرت میں مبتلا ہو جائے گا کہ خود اُس کے اعضاء و جوارح ہی اُس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ پھر وہ جسم کے اعضاء سے مخاطب ہو کر کہے گا۔ کہ میں نے تمہیں ہی سزا سے بچانے کے لیے جرم ۱۵۰ کیسے تھا مگر اب مجھے خود ہی یہ سزا بخش کر دیا ہے۔ اب تمہارے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسانوں کے اعمال کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے سہل طور پر کر رکھی ہے، اور اس کا ہر قول اور فعل اُس کے اعمال میں درج ہو رہا ہے۔ یہ اعمال نامہ موت کے وقت انسان کے گھٹے میں لٹکا دیا جاتا ہے اور قیامت والے دن متعلقہ شخص کے سامنے پیش کر کے اللہ تعالیٰ فرمائے گا **اقْرَأْ كِتَابَكَ** کفھی **بِنَفْسِكَ** **الْيَوْمَ** **صَلِّتَ** **حَسْبًا** **رَبِّنَا** **اسْرَائِيلَ** (۱۳) یہ تیرا اعمال نامہ ہے جسے خود ہی پڑھ لو۔ جب کتاب کے لیے آج کے دن یہی دستور کافی ہے۔ چنانچہ خواہ دنیا میں کوئی شخص پڑھا لکھا تھا یا ان پڑھا، اپنا اعمال نامہ خود پڑھ سکے گا۔ اُس وقت انسان خیال کرے گا کہ میرے اعمال تو میرے اعضاء کے ساتھ چھپے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہاتھ اور پاؤں بھی گواہی دیں گے جیسا کہ میں نے بیان کر دیا۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس خطہ زمین پر انسان نے کوئی اچھا یا بُرا کام کیا ہوگا، زمین کا وہ ٹکڑا بھی اس کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے گا۔ وہاں کے ارد گرد کی چیزیں بھی شہادت دیں گی۔ چنانچہ اذان والی حدیث میں آتا ہے کہ اذان کہنے والے شخص کے حق میں اُس کے دائیں بائیں کے تمام شجر و حجر گواہی دیں گے، اسی طرح حج کا تلمیذ پکارنے والے کے حق میں زمین کے آخری حصے تک کی تمام چیزیں گواہی دیں گی کہ مولا کریم! اس شخص نے تیرا نام احترام کے ساتھ

دیگر اشیاء
کی گواہی

بلند کیا تھا۔

سورة حم السجدة میں آتا ہے حَتَّىٰ اِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَاَحْبُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۰﴾
 جب مجرم لوگ اس مقام پر آجائیں گے تو ان کے کان آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی۔
 اس کام کے متعلق جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم
 ہمارے خلاف کیسے گواہی دیتی ہو، اور آج یہ قوت گواہی تمہیں کہاں سے حاصل ہو
 گئی تو وہ جواب دیں گی فَالْتُوا اَنْطَقْنَا اللّٰهُ الَّذِي اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ
 خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَاَلَيْسَ لِيُجْجَعُونَ ﴿۲۱﴾ کہ ہمیں اس اللہ نے قوت
 گواہی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو یہ قوت بخشی ہے۔ یہ وہی ذات ہے جس
 نے تمہیں بھی پیدا کیا اور پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔ بہر حال فرمایا
 کہ قیامت والے دن انکار کرنے والوں کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے
 اعضا و جوارح بول کر ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

خدا کی ہر قوت
 ممکنہ سزا

فرمایا اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے
 سزا دے۔ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَعْنَہُمْ اور اگر ہم چاہیں، تو
 نافرمانوں کی آنکھیں ہی ضائع کر دیں فَاسْتَبِقُوا الصِّرَاطَ فَانِي يَبْصُرُونَ
 پھر وہ راستے کی طرف دوڑنا چاہیں گے مگر انہیں کچھ نظر نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے
 پر بھی قادر ہے۔ جب لوط علیہ السلام کی قوم پر سزا کا وقت آیا تو فرشتے کو حکم ہوا کہ
 اپنا پر ہلاؤ۔ جب ایسا کیا فَطَمَسْنَا عَعْنَہُمْ (القمر - ۳۷) تو ہم نے انکی
 کی آنکھیں ہی ضائع کر دیں، وہ سب اندھے ہو گئے، یہاں بھی فرمایا کہ اگر ہم چاہیں
 تو مجرموں کو اندھا کر دیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ
 مَكَانَتِهِمْ اور اگر ہم چاہیں تو ان کے ٹھکانوں پر ہی ان کی شکلیں مسخ کر دیں
 ایسے واقعات پہلے بھی پیش آتے رہے ہیں۔ اللہ نے کئی نافرمان قوموں اور جہنم
 کی شکلیں بگاڑ کر بندر اور خنجر بنا دیے۔ سورة المائدہ میں اہل کتاب کے متعلق فرمایا

وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ (آیت - ۶۰) کہ ان کو بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

فرمایا ہم اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ یہ لرگ جہاں بھی کھڑے یا بیٹھے ہوں وہیں ان کی شکلیں مسخ کر دیں۔ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ پھر نہ وہ آگے چلنے کی طاقت رکھیں اور نہ واپس گھر جا سکیں۔ انہیں اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ اگلی منزل تک پہنچ جائیں یا گھر والوں کو ہی بتا سکیں کہ ہم بتلانے عذاب ہو چکے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق بائبل کا بیان ہے کہ اللہ نے اُسے پتھر کی شکل میں مسخ کر دیا تھا۔ اسی طرح اساف اور نامر مردوزن نے خانہ کعبہ میں زنا کا ارتکاب کیا تو اللہ نے ان کو پتھر بنا دیا اور وہ کافی عرصہ تک صفا اور اور مردہ پر عبرت کے لیے پڑے رہے۔ بعد میں شیطان نے لوگوں کے دلوں میں دوسرے اندازی کر کے ان کی پرستش شروع کرادی۔ بہر حال فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کی شکلیں مسخ کر دیں۔ کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ خدا قادر مطلق ہے۔

فرمایا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ جس کو ہم زیادہ عمر دے دیتے ہیں ان کو یہ الٹش میں الٹا کر دیتے ہیں۔ أَفَلَا يَعْقِلُونَ کیا یہ لوگ اس بات میں غور و فکر نہیں کرتے؟ ابتداء میں انسان بچہ ہوتا ہے۔ پھر جوان ہوتا ہے، طاقت آتی ہے، مگر جب بڑھاپے کا دور شروع ہوتا ہے تو تمام اعضاء آہستہ آہستہ مضمحل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی بات کے متعلق فرمایا ہے کہ جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں۔ اُسے پھر پیدائش کی حالت میں الٹ دیتے ہیں۔ سورۃ روم میں اللہ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ كَبْدٍ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ كَبْدٍ قُوَّةً ضَعْفًا وَشَيْبَةً (آیت - ۵۴)

اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد قوت عطا کی۔ پھر قوت کے بعد دوبارہ کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا۔ یہ حالات

بڑھاپے کی
حالت

لوگوں کے لیے نشانِ عبرت ہیں اگر انسان انہی چیزوں میں غور کرے تو کفر، شرک اور معاصی
 کا ارتکاب نہ کرے۔ جگر مراد آبادیؒ نے بھی کہا ہے ۔۔
 رخصت ہوئی شباب کے مہراہ زندگی
 کہنے کی بات ہے کہ جٹے جارہے ہوں میں
 بہر حال اللہ نے زندگی کے مختلف مراحل کو اپنی قدرت کی نشانی بیان فرمایا ہے ۔
 اگر لوگ پھر بھی اُس کی توحید کو تسلیم نہ کریں تو وہ سزا دینے پر بھی قادر ہے ۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ لَئِنْ
 هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿٦٩﴾ لِيُنذِرَ مَنِ
 كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧٠﴾
 أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ
 أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿٧١﴾
 وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا
 يَأْكُلُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبٌ
 أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ
 آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ
 نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُونَ ﴿٧٥﴾
 فَلَا يَحْزِنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا
 يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾

ترجمہ: اور نہیں سکھایا ہم نے اس (پیغمبر) کو شعر
 کہنا، اور نہ ہی لائق ہے اس کے لیے۔ نہیں ہے یہ
 مگر نصیحت اور قرآن کھول کہہ بیان کرنے والا ﴿۶۹﴾ تاکہ
 ڈر جائے اس کو جو جان رکھتا ہے، اور ثابت ہو جائے

بات کفر کرنے والوں پر ﴿۷۰﴾ کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک ہم نے پیدا کیا ہے اُن کے لیے جو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے موسیٰ کیوں کر۔ اور وہ ان کے مالک ہیں ﴿۷۱﴾ اور ہم نے آج کر دیا ہے اُن کو اُن کے لیے۔ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر اُن کی سواری ہے، اور بعض وہ ہیں جن سے وہ کھاتے ہیں ﴿۷۲﴾ اور اُن کے لیے ان موسیٰ کیوں میں بہت سے فائدے ہیں، اور پینے کے گھاٹ ہیں۔ کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے؟ ﴿۷۳﴾ اور بنا لیے ہیں انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود تاکہ وہ ان کی مدد کریں ﴿۷۴﴾ وہ طاقت نہیں رکھتے اُن کی مدد کی، اور یہ اُن کے لیے لشکر ہو گا جو رپکڑ کر حاضر کیے جائیں گے ﴿۷۵﴾ پس نہ غم میں ڈالے آپ کو اُن کی بات۔ بیشک ہم جانتے ہیں جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں ﴿۷۶﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ نے میدانِ حشر کے کچھ واقعات بیان فرمائے قیامت والے دن گمراہ لوگ اپنے بڑے اعمال و افعال اور بڑے عقائد سے انکار کریں گے تو اُن کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور اُن کے ہاتھ اور پاؤں بول کر اُن کے خلاف گواہی دیں گے اور اُن کے کبر و تورات ثابت ہو جائیں گے۔ اب آخر سورۃ میں اللہ نے توحید و قرآن کی حقانیت اور جزائے عمل کا مسئلہ بیان فرمایا، اور ضمناً رسالت کا ذکر بھی آگیا ہے۔ الغرض سورۃ کے اس آخری حصے میں چاروں بنیادی مسائل کو اختصار کے ساتھ دہرایا جا رہا ہے۔

شعر گوی
کی نعتی

کافر اور مشرک لوگ قرآن پاک کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اُسے شاعری، کمانت یا سحر سے تعبیر کرتے تھے کبھی کہتے کہ بیل افتراء کہ کبروت

کے دعویٰ کرنے سے افسوس کیا ہے یعنی خود بنا کر لے آیا ہے اور پھر اُسے خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے، تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے کلام شاعر ہونے کی

مؤثرہ انداز میں تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ اور ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر گوئی سکھائی ہی نہیں۔ بھلا جس کو کسی کام کی تربیت ہی نہ ہو وہ کیسے اُس کام کو انجام دے گا۔ حقیقت یہ ہے وَمَا يُنبِغِي لَهُ کہ شعر و شاعری تو ہمارے نبی کے شایانِ شان ہی نہیں ہے، بھلا وہ اپنی طرف سے کس طرح شعر بنا کر پیش کر دے گا۔ فرمایا یہ قرآن کریم اشعار کا مجموعہ نہیں۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ بَلِيْغٌ لِّمَا تُوَسَّوْا نَفْسًا نَّصِيْحَةٌ لِّبَنِي اٰدَمَ وَقرآن مبین اور کھول کر بیان کرنے والا قرآن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شاعری کی بنیاد تو وسوسہ اور تخیل پر ہوتی ہے۔ اللہ نے سورۃ الشعراء میں فرمایا ہے وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ (آیت ۲۲۲) کہ شعراء کے پیچھے گننے والے اکثر گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُوْبٍ وَّادٍ يَّهْمُوْنَ (آیت - ۲۲۵) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ شاعر کس طرح ہر وادی میں خیالی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ کسی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں اور اگر کسی کی مذمت کی ہے تو فحش گوئی تک پہنچ گئے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کسی شعر میں جس قدر جھوٹ ہوگا اور خیالی پلاؤ پکایا گیا ہوگا، اسی قدر وہ پسندیدہ ہوگا اور اُس پر واہ واہ کے ڈونگرے برسائے جائیں گے۔

بیچ در شعر و در فن او

چو اکذب دست احسن او

شعر جتنا جھوٹا ہوگا، اتنا ہی مزیدار ہوگا لہذا اس فن میں زیادہ دلچسپی نہ لو۔ یہی وجہ ہے شعر و شاعری نبوت و رسالت کے منافی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ہر زبان میں شعر و شاعری ہوتی رہی ہے۔ مگر اکثر و بیشتر لوگ غلط کار، جھوٹے اور خیالی ہوتے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تاہم استثنائیاں بھی ہیں۔ خود سورۃ الشعراء میں موجود ہے کہ الغر شعراء کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے **إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** (آیت ۲۲۷) مگر بعض ایسا نادر شاعر اچھا کلام بھی کہتے ہیں جس سے لوگوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ شاعری بذاتِ خود تو بڑی چیز نہیں مگر اس کا چھوٹا اور مبالغہ آرائی اس کو بڑا بنا دیتی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شعر و شاعری بھی ایک کلام ہے اس کا اچھا حصہ اچھا ہے اور بُرا حصہ بُرا ہے۔ تاہم اس میں برائی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے، جس کی سب سے بڑی وجہ شعراء کی دروغ گوئی اور قول و فعل کا تضاد ہوتا ہے **أَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ** (الشعراء ۲۲۶) شاعر لوگ زبان سے بڑی باتیں کرتے ہیں مگر عمل میں صفر ہوتے ہیں۔

تاہم دنیا میں اچھے شاعر بھی ہوئے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے اپنے زمانہ مبارک کے مشہور شاعر حسان بن ثابتؓ اپنے اشعار کے ذریعے اسلام کا دفاع کیا کرتے تھے۔ جب کفار اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف شعر گوئی کرتے تھے تو حضور علیہ السلام حضرت حسانؓ کو جواب دینے کے لیے کہتے۔ آیت موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت حسانؓ سے فرمایا کہ ان کا فزوں کو جواب دو جبریل امین تمھارے نمونہ ہوں گے، اسی طرح مولانا رومؒ کی مثنوی میں بڑی کام کی باتیں ہیں۔ ہمارے قومی شاعر ڈاکٹر محمد اقبالؒ کا کلام بھی بہت اچھا ہے۔ انہوں نے قوم و ملت کے ہمنام کو قہقہہ بھرا ہے۔ اسی طرح شیخ سعدیؒ کی گلستان اور بوستان کے تراجم دنیا بھر کی زبانوں میں

ہو چکے ہیں۔ ان میں بڑے تجربے اور نصیحت کی باتیں ہیں۔ یہ کتابیں دینی مدرسوں میں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

کسی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا، کیا حضور علیہ السلام کبھی بطور مثال کسی شعر کا ذکر بھی فرماتے تھے؟ فرمایا ہاں! بعض اوقات ایک آدھ شعر یا مصرعہ اپنی زبان سے ادا فرماتے تھے۔ مثلاً آپ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار پڑھ لیا کرتے تھے۔

لَوْلَا اللَّهُ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت سے نہ نوازتا تو نہ صدقہ کر سکتے نہ نماز ادا کر پاتے۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت کے ایک شاعر کا شعر بھی آپ بعض دفعہ زبان پر لے آتے تھے۔

وَيَاتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تَزِدْ
سَبْدِي لَكَ إِلَّا يَوْمَ مَا كُنْتَ جَاهِلًا

زمانہ تیرے سامنے وہ باتیں ظاہر کر دے گا جس سے تو ناواقف ہے، اور تیرے پاس خبریں وہ لوگ لائیں گے جنہیں تو نے کوئی توشہ نہیں دیا ہوگا۔) زمانہ جاہلیت میں کوئی خبر معلوم کرنے کے لیے بڑا اہتمام کرنا پڑتا تھا۔ اس کام کے لیے کوئی آدمی بھیجا پڑتا، اس کے لیے سواری کا انتظام کرنا ہوتا اور اسے زادراہ کے علاوہ کچھ دیگر معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔ مگر آج مادی ترقی کے زمانہ میں دنیا بھر کی خبریں گھڑی بیٹھے بلا معاوضہ حاصل ہو جاتی ہیں۔ یہی مطلب ہے کہ بغیر توشے کے خبریں معلوم ہو جایا کرے گی۔ اس شعر میں خود پیغمبر علیہ السلام کی ذات مبارکہ کی

طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کا نبی دنیا اور آخرت کی ساری خبریں بلا معاوضہ تم کو پہنچائے گا۔ بہر حال حضور علیہ السلام کسی شاعر کا اچھا شعر تو زبان پر لے آتے تھے مگر خود شعر نہیں کہتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے شعر کوئی کا علم اپنے نبی کو سکھایا ہی نہیں اور نہ ہی یہ منصب نبوت کے شایانِ شان ہے۔ اس کے برخلاف آپ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ سراسر نصیحت پر مشتمل ہے۔ آپ حقیقت کے ترجمان ہیں اور آپ کی بعثت کا ایک مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے روشناس کرنا بھی ہے۔

قرآن متبادل
اشعار

چنانچہ شعر و شاعری کے برخلاف پیغمبر اسلام نے اللہ کا کلام قرآن پاک پیش کیا اور اس کو پڑھ کر جو لوگ تباہ ہوئے انہوں نے دنیا میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ شعر و شاعری تو نذر دل قرآن کے زمانہ میں باہم عروج پر تھی مگر اس کا ماحصل کیا تھا کسی کی تعریف کے بل باندھ دیے تو کسی کی جو تسمہ دی۔ الفاظ کے تانے بانے میں حقائق کو مسخ کیا اور جھوٹ کو بچا بنانے کی کوشش کی۔ اس سے دنیا میں کوئی انقلاب تو نہیں آگیا تھا بلکہ لوگ مزید لہو و لعب میں پڑ گئے۔ قرآن نے آگہ زندگی کا مکمل پروگرام پیش کیا، فلاح کے اصول، اجتماعیت کا ماحول، نظم حکومت، تجارت کے اصول، سفر و حضر اور صلح و جنگ کے قوانین بتائے، بد اخلاقی کی بجائے اخلاقِ حسنہ دیے، بُرائی کی بجائے نیکی کو رائج کیا، دنیا کی بجائے آخرت کی طرف رُخ پھیرا، غریبہ زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی فرمائی۔ تو ایسے اعلیٰ اقدار کے حامل قرآن پاک کو شعر و شاعری جیسے جھوٹے اور مبالغہ آمیز کلام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ یہ قرآن شعر و شاعری نہیں بلکہ سراسر نصیحت اور کھول کر بیان کرنے والا کلام ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے

لِيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا نَاكِهًا يَوْمَ يَدْعَىٰ اِسْمُ مَنْ كَانُوا يَسْمَعُونَ

تو مومن، کافر، مشرک، منافق سب ہیں مگر شاہ عبد القادر فرماتے ہیں کہ زندہ

لے موضع القرآن ص ۵۲۲ (فیاض)

کا مطلب یہ ہے کہ جس میں جان ہے یعنی وہ اپنے فائدے کے لیے نیکی کا اثر قبول کر سکتا ہے جو شخص نصیحت کا اثر ہی قبول نہیں کرتا اُس کو ڈرانا کچھ مفید نہیں ہو سکتا جیسے سورۃ البقرہ کی ابتدا میں کافروں کے متعلق فرمایا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (آیت - ۶) ایسے لوگوں کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بہر حال زندہ سے مراد وہ قوم، جماعت یا فرد ہے جس میں نیکی کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے فرمایا وَيُحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اور تاکہ یہ بات کافروں پر ثابت ہو جائے۔ اللہ نے کفار پر اتمام حجت کے لیے اس کتاب قرآن پاک کو نازل فرمایا ہے تاکہ کوئی شخص کل کو یہ نہ کہہ سکے کہ میرے پاس تو کوئی کتاب نہیں آئی، نہ کسی سمجھانے والے نے سمجھایا اور کسی نبی، رسول یا اُس کے نائب نے ڈرایا ان دو آیات میں قرآن پاک کی حقانیت و صداقت اور حضور نبی کریم علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی گواہی بھی آگئی۔

موتیوں
کی پیدائش

آگے اللہ نے اپنی قدرت کے کچھ دلائل بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لیے پیدا کیے ہیں مِمَّا عَمِلَتْ آیدینا جن کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی تخلیق کا ذکر ہو رہا ہے اس میں انسانی ہاتھوں کا دخل نہیں بلکہ اللہ کی قدرت کا کام ہے اگر اس کو دستِ قدرت بھی مانیں تو اس سے مراد ایسے ہاتھ نہیں جیسے ہمارے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے وہ ہاتھ مراد ہیں جو اُس کی شان کے لائق ہیں۔ اللہ کے ہاتھوں کا ذکر بعض دو سر مقامات پر بھی آیا ہے۔ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَيْنِ (المائدہ - ۶۴) اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ حدیبیہ کے واقعہ میں جب صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو اللہ نے فرمایا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح - ۱۰) ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ تھا۔ غرضیکہ اللہ نے ہاتھوں کی نسبت اپنی طرف

کی ہے مگر یہ انسانی لہجہ کی طرح دائیں بائیں نہیں بلکہ جیسا اس کی شان کے لائق ہیں تو فرمایا
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جن کو ہمارے اہل عقول نے بنایا، اور وہ کیا چیز ہے انعاماً
وہ مولیٰ ہیں جن کے ساتھ تمہیں شب و روز واسطہ پڑتا ہے اور وہ تمہاری خدمت
پر مامور ہیں۔

فرمایا یہ مولیٰ پیدا تو ہمارے دستِ قدرت نے کیے فَهَمْ لَهَا
مَلِكُونَ مگر ان کے مالک یہ لوگ ہیں۔ ہم نے حق ملکیت ان کو دے دیا ہے
حقیقت یہ ہے کہ پیدا کرنے والا بھی خدا تعالیٰ اور حقیقی مالک بھی وہی ہے کیونکہ
مالک وہی ہو سکتا ہے جو کسی چیز کا خالق ہو، مگر اُس نے اپنی مہربانی سے ان کا
عارضی مالک انسانوں کو بنا دیا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں ان سے خدمت لیں اور گزرا،
و حقیقت مالک ہر شے خداست

ایں امانت چند روزے نزد ما است

اس حقیقت کو قرآن پاک میں مجبکہ واضح کیا گیا ہے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ (البقرہ ۲۸۴) ارض و سما کی ہر چیز اللہ ہی کے لیے ہے
یعنی ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

آج کل سرمایہ داروں اور محنت کشوں کے درمیان یہ بحث چل رہی ہے کہ
اصل چیز سرمایہ ہے یا محنت۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے لوگ بظنہ میں کہ اصل
چیز سرمایہ ہے۔ سرمایہ ہوگا تو محنت کے مواقع پیدا ہوں گے لہذا سرمایہ مقدم ہے
دوسری طرف سوشلزم اور کمیونزم والے کہتے ہیں کہ سرمایہ محنت سے پیدا ہوتا ہے
اگر محنت ہی نہیں ہے تو سرمایہ کہاں سے آئے گا، لہذا وہ مزدوروں کے حقوق
کو مقدم سمجھتے ہیں۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ کسی چیز کا مالک نہ سرمایہ دار ہے اور
نہ محنت کش، بلکہ مالک حقیقی خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔
انسانی ملکیت عارضی ہے اور اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ نے آزمائش کے لیے
ملکیت ان کو عطا کی ہے۔ ان سے پہلے بھی وہی مالک تھا اور ان کے بعد

بھی وہی مانگ ہوگا۔ لہذا اس کے مقرر کردہ ضابطے کے مطابق عمل کرنا چاہیے
 تاکہ دنیا میں امن قائم ہے۔

فرمایا ہم نے مویشی پیدا کر کے انسانوں کی ملکیت میں دے دیئے وَذَلَّلْنَاهَا
 کھٹھ اور پھر ان مویشیوں کو انسانوں کے تابع کر دیا۔ اہتھی، اونٹ، گھوڑا، گائے
 بھینس کتے بڑے بڑے جانور ہیں۔ جو انسانوں سے مسیروں گنا زیادہ طاقتور ہیں۔
 مگر اللہ نے ان کے طابع میں یہ بات ڈال دی ہے کہ تمہیں انسان کی خدمت
 کرنا ہے۔ چنانچہ وہ اتنے طاقتور ہونے کے باوجود انسان کے اشارے پر چلتے
 ہیں اور ہر وہ کام کرتے ہیں جو انسان کو مطلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا فِيمَنَّا
رُكُوعًا بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اِنْ مِنْ سِوَاهِ اِنْسَانٍ کے لیے سواری کا کام دیتے
 ہیں۔ وَهُنَّ كَالْبِئْرِ يُسْفَرْنَ بِهِنَّ اور ان میں سے بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔ دیکھ
 لیں گدھا، مچھر، گھوڑا، اونٹ وغیرہ سواری کا کام دیتے ہیں اور گائے، بھینس،
 بھینس، بکری کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

روشی علیہ
 خدام

فرمایا وَكَلَّمْنَاهُمْ فِيهَا مَنَافِعَ اِنْ مِنْ اِنْسَانٍ کے لیے
 دیگر فوائد بھی ہیں۔ ان کے مال، کھال، ہڈیاں، چربی، گھی، سینک اور چمڑا ایک
 انسانی ضروریات کا حصہ ہیں۔ جانوروں کا گوگرد بھی ضائع نہیں جاتا۔ اس کو سکھا
 کر ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی کھال استعمال میں لائی جاتی ہے
 اب تو کوئی پیدا کرنے کے لیے گوبر کے پلانٹ بھی لگ رہے ہیں وَمَشَارِبُ
 اور جانور انسانوں کے لیے پینے کے گھاٹ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے
 مقصود میں وَاذَرْنَا دُوْرَهُمْ پیدا کر دیا ہے جو انسانی خوراک کا ایک اہم حصہ ہے فرمایا
اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ اتنے فوائد حاصل کرنے کے! وجود بھی کیا یہ لوگ شکر ادا
 نہیں کرتے؟ امام بیہقی اور امام ترمذی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان

قَوْلُهُمْ اِنَّ كِي اْتَمِيں آپ کو غم میں نہ ڈالیں اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
 وَمَا يُعْلِنُوْنَ ہم خوب جانتے ہیں جس چیز کو یہ چھپاتے ہیں اور جس کو ظاہر
 کرتے ہیں۔ ہمارے علم سے ان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، ہم ان کی نیت اور
 ارادے سے بھی واقف ہیں اور ظاہری حرکات کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ ان کی خفیہ منصوبہ
 بندیاں بھی ہمارے سامنے ہیں اور ان کے نفاق کو ہم جانتے ہیں۔ نافرمانوں نے پہلے
 انبیاء کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا، آپ غم نہ کریں جبکہ اپنا کام جاری رکھیں، ہم خود ان
 سے پٹ لیں گے۔

لَوْلَمْ يَرِ الْإِنْسَانَ أَنَا خَلَقْتَهُ مِنْ نُطْفَةٍ
 فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ﴿۸۰﴾ وَضَرَبَ لَنَا
 مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي
 الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۸۱﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي
 أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ
 عَلِيمٌ ﴿۸۲﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ
 الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ ﴿۸۰﴾
 أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
 بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ
 وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿۸۱﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا
 أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۸۲﴾
 فَسُبْحَانَ الَّذِي فِي يَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ
 شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾

۸۳

ترجمہ :- کیا نہیں دیکھتا انسان کہ بیٹک ہم نے پیدا
 کیا ہے اُس کو ایک قطرہ آب سے ۔ پس اپنا
 وہ بڑا جھگڑنے والا ہے ﴿۸۰﴾ اور وہ بیان کرتا ہے

ہمارے بیلے مثالیں ، اور بھول جاتا ہے اپنی پیدائش کو۔ کتا ہے
 کون زندہ کرے گا ٹہریوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی
 ہوں گی (۷۸) آپ کہہ دیجئے ، زندہ کرے گا ان کو وہ
 جس نے پیدا کیا ہے ان کو پہلی مرتبہ۔ اور وہ ہر پیدائش
 کو خوب جاننے والا ہے (۷۹) وہ جس نے بنائی ہے
 تمہارے لیے بنزدخت سے آگ۔ پس اچانک تم اس
 سے سلگاتے ہو (۸۰) کیا نہیں ہے وہ ذات جس نے
 پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو ، قادر اس پر کہ پیدا کرے
 مے ان جیسے۔ کیوں نہیں۔ وہ تو بہت بڑا پیدا کرنے
 والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (۸۱) بیشک اُس
 کا حکم جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کے بارے میں
 ٹرکتا ہے اس کو ہو جا ، پس وہ چیز ہو جاتی
 ہے (۸۲) پس پاک ہے وہ ذات جس کے دست
 قدرت میں ہے حکومت ہر چیز کی اور اسی کی طرف
 تم لوٹنے جاؤ گے (۸۳)

گذشتہ درس میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر
 ہوا۔ پھر اللہ نے ترمیم کے عقلی دلائل دیے جن میں غنڈہ منکر کہہ کے انسان اللہ
 کی وحدانیت اور اس کی قدرت کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہی دلائل وقوع قیامت کے
 لیے بھی کافی ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کو تسلی دی کہ آپ کفار و مشرکین کی بیودہ باتوں سے غلگین نہ ہوں ، ہم ان کے
 ظاہر و باطن کو جانتے ہیں اور ان کے عقاید و اعمال کا ضرور بدلہ دیں گے۔ اب
 آج کے درس میں بھی اللہ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت پر دلائل پیش
 کیے ہیں اور ساتھ ساتھ مشرکین کا رد فرمایا ہے۔

رابط آیت

انسان کی
پیدائش

ارشاد ہوتا ہے اَوَلَمْ يَنْزِلْ عَلَيْنَا نَارٌ مِّنَ السَّمَاءِ مِثْلُ حَمِئٍ مُّسْتَقِيمٍ
کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اُسے ایک قطرہ آب سے پیدا کیا۔ نطفہ شفاف پانی
کر سکتے ہیں اور اس سے مراد انسان کا مادہ تولید ہے جو انسان کی پیدائش کا ذریعہ
بتا ہے۔ سورۃ سمۃ میں فرمایا ہے ثُمَّ جَعَلْنَا مِنْ مِّنْ مَّاءٍ
مَّهِينٍ (آیت ۸۰) ہم نے انسان کی تخلیق مٹی سے کی اور پھر اُس کی نسل کو معتبر
پانی سے چلایا جو پیشاب کی طرح ناپاک ہے اور اگر کسی کپڑے یا جسم لوگ جلے تو دھوئے
بغیر مپارہ نہیں ہوتا۔ سورۃ الطارق میں ہے فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ
انسان غور کرے کہ اُسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ خَلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ
اُسے اچھلنے والے پانی سے تخلیق کیا گیا ہے یَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ
وَالثَّرَائِبِ جو سینے اور پل کی ہڈیوں کے درمیان سے خارج ہوتا ہے مطلب
یہ کہ اگر انسان اپنی پیدائش میں ہی غور کرے تو اُس کا تمام غرور و تکبر ختم ہو جائے
اور وہ اللہ کے معاملات میں محبت بازی نہ کرے۔

دوبارہ زندگی
پر سمجھنا

فرمایا کہ ہم نے تو انسان کو ایک حقیر قطرہ آب سے پیدا کیا فَاِذَا هُوَ
خَوْسِرٌ مُّبِينٌ مگر اپنا تک وہ بڑا جھگڑا کرنا ہوا ہے۔ اسے تو اپنی پیدائش کو دیکھ
کہ ہی و مدانیت کا قائل ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ وقوع قیامت اور دلائل قدرت
کے انکار میں طرح طرح کی جھت بازی کرتا ہے وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا
اور پہلے سے سامنے طرح طرح کی مثالیں بیان کرتا ہے وَكَيْفَى خَلَقَهُ اور
اپنی تخلیق کو معمول جاتا ہے کہ وہ کس نے کین ذرائع سے کی۔ فرمایا انسان ایسا ناقص
اندیش ہے کہ وہ دوبارہ زندگی کے متعلق یہ دلیل پیش کرتا ہے قَالَ مَنْ
مُحْيِي الْعِظَامِ وَهِيَ رَمِيمٌ اور کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو کون دوبارہ زندہ کرے گا
جب کہ یہ بھر بھری ہو جائیں گی۔ بعض مشرکین بوسیدہ ہڈیوں کو ہاتھ سے
مٹل کر کہتے تھے کہ کیا یہ ہڈیاں دوبارہ زندگی سے آشنا ہوں گی جو چہرہ چہرہ
ہو کر خاک میں مل جاتی ہیں؟ سورۃ سجدہ میں اللہ نے مشرکین کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

وَقَالُوا إِذْ أَصَلْنَا فِي الْأَرْضِ عَمَّا نَلْفِي خَلَقَ جَدِيدًا
 (آیت - ۱۰) کیا جب ہم گل سٹرکبر مٹی میں لال جائیں گے تو پھر دوبارہ پیدائش میں
 ظاہر ہوں گے؟ سورۃ النزعۃ میں بھی ہے عَمَّا إِذْ أَكُنَّا عِظَامًا
 نَحْنُ (آیت - ۱۱) جیب ہماری ٹہریاں بھر بھری ہو جائیں گی تو کیا ہمیں دوبارہ
 حیات نصیب ہوگی؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اللہ نے انسان کو قوت گریانی
 بخشی ہے مگر وہ اسی قوت کو برائے کار لا کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے اور اُس
 کی توحید کا اقرار کرنے کی بجائے اُس کے معاملات میں جھگڑا کرتا ہے۔

اللہ نے فرمایا اے پیغمبر! قُلْ أَفَبِإِنْ سَمِعْتُمْ دَعْوَةَ الْبُيُوتِ
 میں حیات کے عود کرنے کو بعید خیال کرتے ہو، مگر یاد رکھو! يُحْيِيهَا
 الَّذِي أَنشأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ إِنَّ كُودِي زنده کرے گا جس نے انہیں پہلی دفعہ
 پیدا کیا تھا جب کہ ان کا کوئی مادہ بھی موجود نہ تھا اب جب کہ ایک چیز وجود میں آچکی ہے اور
 تم تلمیح کرتے ہو کہ اللہ نے قطرہ آب کو خون میں تبدیل کیا پھر اس کا گوشت بنایا، اس میں ٹہریاں پیدا کیں اور
 ان کے اوپر گوشت چڑھایا اور پھر پورے جسم کی حفاظت کے لیے اُس کے اوپر
 کھال پیدا کی۔ اس کا ہر عضو نہایت موزوں طریقے سے اپنی اپنی جگہ پر فرٹ گیا
 اور فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (الستین: ۴)
 ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں تخلیق کیا۔ تو فرمایا کہ جس خدا نے سب
 کچھ پہلی مرتبہ کیا، کیا وہ اس کا اعادہ کرنے پر قادر نہیں؟ حقیقت یہ ہے وَكَلَّمَا
 بِحُلِّ خَلْقٍ عَلَيْهِمْ كَرِهَ هَرِّ پیدائش کو خوب جانتا ہے، اس کے علم سے
 کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

اللہ نے یہی بات ایک مثال کے ذریعے بھی سمجھائی ہے اَلَّذِي
 جَعَلَ لِكُلِّ شَيْءٍ مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَادًا اللہ کی ذات وہ ہے
 جس نے تمھارے لیے سبز درختوں سے آگ پیدا فرمادی۔ مطلب یہ ہے کہ ہرے
 بھرے درخت ہوتے ہیں جن کے تنے، شاخوں اور پتوں میں کافی مقدار میں

درختوں سے
 آگ کی
 مثال

رطوبت ہوتی ہے مگر یہ درخت خشک ہو کر جلانے کے کام آتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ سبز درخت سے سرد متضاد چیزیں ہیں۔ عرب میں دو قسم کے درخت ہوتے تھے، ایک کا نام مرغ اور دوسرے کا عصارہ تھا۔ ان دونوں درختوں کی ٹکڑیوں کو آپس میں رگڑنے سے بالکل اسی طرح آگ نکلتی تھی جس طرح چغاق کے دو پتھر رگڑنے سے آگ نکلتی ہے یا گھوڑے کے ستم پتھروں سے ٹکرانے سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سبز درختوں سے آگ پیدا کرتا ہے وہ بوسیدہ ٹکڑیوں میں حیات بھی پیدا کر سکتا ہے۔ جب سبز درختوں سے آگ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے **فَإِذَا أَنْتُمْ مِتُّمْ تَوَقَّدُونَ** تو چاہے تم اس سے سلگاتے ہو اور یہی آگ کھانا پکانے کے لیے استعمال میں لاتے ہو۔

مصر کے جدید علوم کے ماہر مفسر قرآن طنطاویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ نے درخت کے سبزیوں کو عجیب حکمت کے تحت تخلیق کیا ہے۔ سورج کی روشنی کے دوران درختوں کے پتے — آکسیجن جینی زندگی بخش گیس اپنے اندر جذب کرتے رہتے ہیں۔ ہر سانس کے ذریعے انسانی جسم میں یہی آکسیجن جاتی ہے جس سے اس کا خون صاف ہوتا رہتا ہے اور اس کی زندگی قائم رہتی ہے۔ اگر یہی سانس تھوڑی دیر کے لیے رُک جائے تو انسانی زندگی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی مریض سخت لاسر ہو جاتا ہے اور وہ معمول کے مطابق سانس لینے کی قوت بھی نہیں رکھتا تو پھر اس کے جسم میں مصمتو سی طریقے سے سلنڈر کے ذریعے آکسیجن سپھائی جاتی ہے۔ بہر حال درخت دن کے وقت آکسیجن اپنے پتوں کے ذریعے اندر کیے پھرتے ہیں اور رات کو کاربن ڈائی آکسائیڈ جیسی زہریلی گیس باہر نکالتے ہیں، اسی لیے تجربہ کار لوگ رات کو درختوں کے نیچے سونے سے منع کرتے ہیں۔

آکسیجن ایک تیز گیس ہے جس میں آتشیں مادہ بھی پایا جاتا ہے اور آکسیجن کے بغیر آگ بھی نہیں جل سکتی، تو گویا اللہ نے درختوں میں آکسیجن کا ذخیرہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ آگ پکڑ لیتے ہیں۔ اسی طرح پانی میں بھی دو گیسوں پائی جاتی ہیں یعنی آکسیجن اور ہائیڈروجن۔ گویا قدرت نے پانی میں بھی آگ کا مادہ رکھا ہے۔ تو اللہ نے درخت کی مثال بیان فرمائی ہے اور اپنی قدرت کا شاہکار ذکر کیا ہے کہ وہ بس درختوں سے آگ پیدا کر سکتا ہے تو کیا بوسیدہ ٹہلیوں میں دوبارہ زندگی نہیں لاسکتا؟۔ ضرور لاسکتا ہے اور وہ ایسا کر کے ہے گا۔

آسمان و
زمین کی
مثال

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا بیان اس انداز میں کیا ہے۔
أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ کیا آسمان و زمین کو پیدا کرنے والی ذات ان جیسے اور پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ خدا نے تو آسمان، زمین اور پہاڑوں جیسی بڑی بڑی چیزیں پیدا کر دی ہیں تو وہ ان لوگوں جیسی شکل و صورت والے دو سکر لوگ کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔ کسی چیز کو پہلی دفعہ پیدا کرنا تو ذرا مشکل ہوتا ہے جب کہ پہلے سے اُس کا نمونہ بھی موجود نہ ہو، مگر جب ایک انسان کو پیدا کر دیا اور پھر اس نے پچاس سال عمر بھی گزاری ہو تو اس کا دوبارہ پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ تم ہر روز مشاہدہ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مختلف رنگ و نسل کے لوگ پیدا کر رہا ہے، نباتات، حیوانات اور جمادات کو پیدا کرتا ہے، لہذا وہ انہی لوگوں کو انہی اقسام اور انہی شکل و صورت کے ساتھ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی یقیناً قادر ہے فرمایا بَلَىٰ كَيْفَ يَكُونُ الَّذِينَ هُمُ الْمُخَلَّقُونَ وہ تو سب سے بڑا پیدا کرنے والا اور علیم ہے، اس کے لیے یہ کام کون سا مشکل ہے۔ علیم سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ انسانی جسم میں پائے جانے والے تمام عناصر کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، لہذا وہ ان سب کو دوبارہ جمع کر کے انسان کو اپنے سامنے لاکھڑا کرے گا۔ قیامت کا انکار تو بیوقوفی کی بات ہے، البتہ کوئی یہ کہے کہ

اللہ تعالیٰ ابھی قیامت برپا کیوں نہیں کر دیتا اور پھر لوگوں کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر دیتا، تو یہ اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے۔ اُس نے ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ہر فرد کی زندگی کا ایک وقت مقرر ہے اور اسی طرح ساری کائنات کے لیے یقینیت مجموعی بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ آئے گا۔ تو یہ سارا نظام تبدیل کر کے نیا نظام قائم کیا جائے گا۔ پھر حساب کتاب ہوگا اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ اُس وقت تمام انسان دوبارہ اپنی اجسام کے ساتھ اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

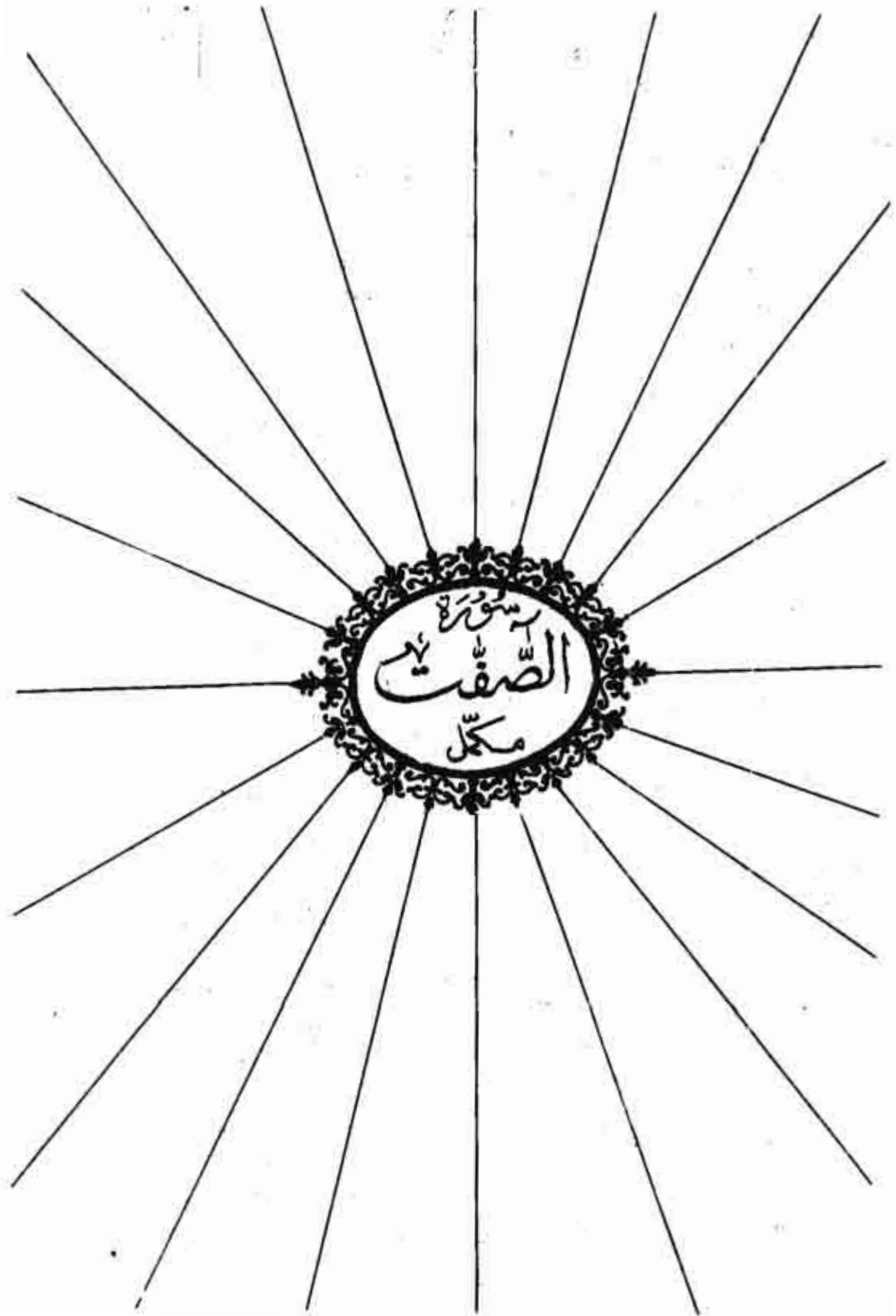
اللہ تعالیٰ
کی قدرت
کاملہ

فرمایا، اللہ تعالیٰ قدرت تامہ کا مالک ہے اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُنْ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے یعنی کسی کام کو انجام دینے کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہر جافیکون پس وہ چیز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس وقت جس شکل و صورت میں وصف اور جس مرتبے کی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے، پھر تاخیر نہیں ہوتی۔

پھر آخریں فرمایا قَسْبَحْنِ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جس کے ماتھے میں ہر چیز کا اقتدار ہے۔ ملک کا سہا لہ ہے اور مطلب ہے مکمل اقتدار، اختیار یا بادشاہی۔ تو ہر چیز کا اقتدار اسی ذات کے پاس ہے، جو ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ اور ہر اس شرک سے منزہ ہے جس کو مشرک لوگ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وَالَّذِي تَرْتَجِعُونَ اور تم سب اسی کی طرف لوٹنے جاؤ گے۔ گویا تمام امور کی انتہا بھی اللہ ہی کی طرف ہے پہلے سورۃ فاطر کی ابتدا میں بھی گنہ چکلہ ہے وَاللّٰهُ تَرْجِعُ الْاُمُورَ (آیت - ۴) تمام کام لوٹ کر اسی اللہ کی طرف ہی جاتے ہیں۔ انسانوں کو بھی اسی عدالت میں سنبھانا ہے۔ جہاں محاسبہ ہوگا۔ اور اگر ایمان اور توحید کو اختیار نہ کیا تو سخت گرفت آئے گی کیونکہ کوئی چیز اللہ کے دست قدرت سے باہر نہیں ہے، وہ ہر عیب

اور نقص سے پاک ہے۔

سورۃ کے آخری حصہ میں اس کا خلاصہ دوبارہ آگیا ہے۔ قرآن پاک کی
 تصانیت و صداقت، توحید اور وقوع قیامت کے دلائل اور رسالت کا کچھ حصہ
 بھی ضمناً آگیا ہے۔



الصَّفَاتِ ۳۰

آیت ۱۰۶۱

سُورَةُ الصَّفَاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَاثْنَتَانِ وَعِشْرُونَ آيَةً وَمِنْ كُتُبِ الْكُتُبِ

سُورَةُ صَفَاتِ مَكِّيٌّ هِيَ . اس کی ایک سو بیاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

وَالصَّفَاتِ صَفًا ① فَالزُّجُرَاتِ زَجْرًا ②
 فَالتَّلِيَّتِ ذِكْرًا ③ إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ ④
 رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
 وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ⑤ إِنَّا زَيْنَا السَّمَاءِ النَّبِيَّ
 بَزِينَةَ الْكَوَاكِبِ ⑥ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ
 شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ⑦ لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ
 الْأَعْلَى وَيُقَذِفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ⑧
 دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ⑨ الْآمَنُ
 خَطِيفَ الْخُطْفَةِ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ
 ثَاقِبٌ ⑩

ترجمہ :- قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار

بنا کر ① اور ڈانٹ پلانے والوں کی جھڑک کر ②

اور تلاوت کرنے والوں کی ذکر ③ بیشک تمہارا معبود

ایک ہی مجہد ہے (۳) جو پورے عالموں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اور پورے عالموں اور زمین کا (۵) بے شک، ہم نے مزین کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کی رونق سے (۶) اور ان کے ذریعے حفاظت کی جاتی ہے ہر مکرش شیطان سے (۷) نہیں سن سکتے یہ ملا اعلیٰ کی بات کو، اور پھیلے جاتے ہیں وہ ہر جانب سے (۸) دھکیلے ہوئے، اور ان کے لیے عذاب ہے ہمیشہ کے لیے (۹) ہاں! مگر جس نے ایک یا کسی بات کو اپنا، پس اُس کے پیچھے لگتا ہے چلتا ہوا شہاب (۱۰)

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الضمّت ہے جو کہ اس کے پہلے لفظ سے ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ مکی دور میں سورۃ انعام کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی زندگی کا درمیانی عرصہ ہے۔ اس سورۃ کی ایک سو بیاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں اور یہ سورۃ آٹھ سو ساٹھ الفاظ اور تین ہزار آٹھ سو انتیس حروف پر مشتمل ہے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد توحید و رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت و حقانیت کا ہی ذکر ہے، تاہم توحید کا بیان سب سے زیادہ ہے۔ اس سورۃ میں بعض ایسے دلائل قدرت بیان کیے گئے ہیں، جو دلائل توحید اور دلائل قیامت بھی ہیں۔ رسالت کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، ایسے علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ مذکورہ مضامین کے علاوہ بعض ضمنی مضامین بھی آگئے ہیں۔ فرشتوں کا خاص طور پر تذکرہ ہے۔ عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے اور بعض انہیں جود سمجھتے تھے، ہر زمانے میں مشرک لوگ فرشتوں

۱۰م اور
کرافت

مضامین سورۃ

پورہ دُعا کے ہاں صفت بندی کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا، حضور! فرشتے کس طرح صفت بندی کرتے ہیں؟ فرمایا یُتَمَوَّنَ الصُّفُوفَ الْأُولَىٰ وَبِئْرَاصُونَ فِي الصَّفِّ کہ وہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صفت میں بل کر کھڑے ہوتے ہیں، یعنی درمیان میں خلا نہیں چھوڑتے۔ بعض روایات کے الفاظ ہیں وَلَا يَنْدُونَ فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ کہ وہ شیطان کے لیے رخنے نہیں چھوڑتے نمازیوں کے درمیان جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا۔ اسی قدر شیطان کی آمد و رفت بھی زیادہ ہوگی، اور وہ نماز میں مغل ہوگا۔ نماز کے لیے صفوں کا آئیدی حکم ایسے پہلی صف میں بالغ اور عمر رسیدہ لوگ کھڑے ہوں، اس کے بعد بچوں کی صف ہو اور پھر آخر میں عمر نہیں صفت بنائیں۔ حضور علیہ السلام نماز کے لیے خود صفوں کی دستگی فرمایا کرتے تھے۔ صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا فرمایا کرتے تھے كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِيْهَا الْفِدَاحَ رَ مُسْلِمًا اگر یا کہ صف سے تیر سیدھا کیا جائے گا۔ اس طرح جب حضور علیہ السلام جہاد کے لیے صف بندی کرتے تو اس میں بھی کوئی رخنہ نہیں چھوڑتے تھے۔

صف کے لفظ سے نظم و ضبط اور باقاعدگی کی تعلیم ملتی ہے ہر کام پر اس طریقے کے ساتھ انجام دینا چاہیے۔ بدلتی اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں۔ چنانچہ بظنی دنیا کے نظام میں بھی خرابی کا باعث بنتی ہے۔ بہر حال صفت بندی ہماری امت کی خصوصیت ہے۔ دیگر خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ اللہ نے ساری زمین کو امت محمدیہ کے لیے مسجد قرار دیا ہے اور طہارت کے لیے مٹی کو پاک قرار دیا ہے جس سے تیمم روا ہے۔

پہلے فرشتوں یا انانوں کی صفت بندی کی قسم اٹھائی پھر فرمایا۔

زجر کی
مذرت

فَالَّذِي جَلَّدَ زَجْرًا قَسَمَ هُوَ زَجْرٌ كَمَا نَعَى وَالَّذِي جَلَّدَ زَجْرًا قَسَمَ هُوَ زَجْرٌ كَمَا نَعَى وَالَّذِي جَلَّدَ زَجْرًا قَسَمَ هُوَ زَجْرٌ كَمَا نَعَى
 کی جو جھڑک کر ڈانٹ پلاتے ہیں۔ اس زجر کے دو مصداق ہو سکتے ہیں۔ فرشتے
 یا تو شیاطین کو ڈانٹ پلاتے ہیں اور ان کو جھگلاتے ہیں۔ تاکہ وہ اُپر جا کر عالم بالا
 کی بات نہ سن سکیں۔ اور یا بادلوں کو زجر کرتے ہیں۔ ترمذی شریفین کی روایت
 میں آتا ہے کہ فرشتے بادلوں کو کوڑے مارتے ہیں۔ اور ہر بارش پر مانا مقصود
 ہوتی ہے، اُدھر لہک کر لے جاتے ہیں۔ زجر سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ مجرموں
 کو گناہ سے باز رکھنے کے لیے ان کو ڈانٹ پلائی جائے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں
 کہ برائی سے منع کرنے کے لیے ڈانٹ اور سزا ہے۔ نیک انسان ہمیشہ اپنے نفس
 کو برائی سے ڈانٹ پلاتے ہیں تاکہ وہ کسی معصیت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس
 طرح میدانِ حما میں کافروں کو ڈانٹ ڈھس کی جاتی ہے۔ یہ تمام مواقع زجر میں داخل
 ہیں اور اس آیت کا مصداق بنتے ہیں۔

آگے فرمایا فَالَّذِي جَلَّدَ زَجْرًا قَسَمَ هُوَ زَجْرٌ كَمَا نَعَى وَالَّذِي جَلَّدَ زَجْرًا قَسَمَ هُوَ زَجْرٌ كَمَا نَعَى
 کی۔ اس سے مراد یا تو اللہ کے فرشتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کی تلاوت کرتے
 ہیں یعنی اُس طرف ہمت نہ کر سکتے ہیں، اور یا اس سے انسان بھی مراد ہو سکتے ہیں
 جو ذکرِ الہی میں مصروف رہتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں ذکر کی بڑی فضیلت آئی
 ہے۔ مثلاً سورۃ الجہم میں وَاذْكُرْ وَاللَّهُ كَثِيرٌ لَّكَ لَمَّا تَقُولُ لَقَدْ لَعُنُوا (آیت - ۱۰)
 اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔ تاکہ تمہیں کامیابی نصیب ہو۔ سورۃ العنکبوت
 میں ہے وَلَذِكْرِ اللَّهِ الْكِبْرُ (آیت ۷۵) یقین جانو کہ اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر
 ہے ہماری شریفین کی روایت میں حدیث قدسی کے الفاظ ہیں اَنَا مَعَ عَبْدِي
 إِذَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِنِي شَفَعْتَهُ جَبَّ مِرَابِدُهُ مِيرَاذُكَ كَمَا هُوَ اور اس

ذکرِ الہی

۱۔ ترمذی شریفین ص

۲۔ منظر ہی ص ۸۸ و روح المعانی ص ۶۵ ۳۔ بخاری ص (فیاض)

کے لیے اپنے ہونٹوں کو حرکت دینا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ صحیحین کی حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ میرا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے یقین کے مطابق ہے جب وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرے تو میں بھی اُس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر دوسروں کے سامنے کرے، تو میں ان سے بہتر بندوں کی جماعت یعنی فرشتوں کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں۔

بہر حال ذکر دو طرح سے ہوتا ہے۔ اگر زبان سے کلام پاک پڑھا جائے، درود شریف پڑھا جائے یا دیگر وظائف کئے جائیں تو یہ انسان کے اپنے فائدے کے لیے ہوتا ہے جس سے اُسے اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرشتے بھی اپنے پیروں کا ذکر اُس کی رضا اور خوشنودی کے لیے کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دوسروں کو تعلیم دینے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے تاکہ یہ سلسلہ آگے چلتا رہے۔ اس سے پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

دھرتی
کی گواہی

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تین قسمیں اٹھا کر یعنی تاکیڈاً فرمایا اِنَّ اللہَ کَرِیْمٌ لَّوَّاحِدٌ؟ بیشک تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ ہر نیک انسان، جن اور فرشتے صرف خدائے وحدہ لا شریک ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر انسانوں، جنوں یا فرشتوں کو معبود بنانا تو بڑی بے وقوفی کی بات ہے۔ وہ تو خود اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی طریقے سے اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور ہم سے کوئی نافرمانی کی بات سرزد نہ ہو جائے۔ اُن کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اللہ کے ہر حکم کی تعمیل اُس کے منشاء کے مطابق ٹھیک طریقے سے ہو۔ فرشتے بھی اللہ کی اطاعت میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ پھر انہی کو معبود بنانا کہاں کی عقل مندی ہے؟ لہذا مشرکین کو کسی طرح بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خدائے علامہ کسی دوسری ہستی کو معبود مان کر اُس کی عبادت کریں یا اُس کی دعا مانگیں یا اُس کے سامنے نذر و نیاز پیش کریں، حالانکہ معبود برحق تو ایک ہی ہے جو سب جانوں کا خالق، مالک

متصرف اور مربی ہے۔ بہر حال فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں یا انسان سب
سکوی بیٹے ہیں کہ معبود حقیقی صرف ایک ہی ہے۔

رب المشرق

اور وہ کون ہے رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے رب
کا سخی پرورش کرنے والا یعنی ہر چیز کی اس طرح نشوونما کرنا کہ وہ بتدریج مدد کمال
تک پہنچ جائے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ، انسانوں، جانوروں نباتات اور جمادات
سب کا پروردگار ہے اور اس کام میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ہر چیز کی
پرورش، نگرانی اور حفاظت اسی کے ذمہ ہے۔

وَرَبُّ الْمَشْرِقِ الْمَغْرِبِ اور مشرقوں کا رب بھی وہی ہے۔ سورۃ الرحمن
میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (آیت ۱۷۰) بھی آیا ہے
یعنی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب بھی وہی ہے۔ اس کے علاوہ رَبُّ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (المعارج۔ ۴۰) بھی آیا ہے کہ تمام مشرقوں اور مغربوں کا
وہی پروردگار ہے۔ غرضیکہ مشرق اور مغرب، واحد تثنیہ اور جمع تینوں صیغوں میں
استعمال ہوئے ہیں۔ جہاں واحد کا صیغہ ہے وہاں پر عام فہم معنی ہے کہ مشرق
اور مغرب کا پروردگار اللہ ہے۔ جہاں تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے وہاں مطلب
یہ ہے کہ سردی اور گرمی ہر دو موسموں کے مشرق اور مغرب کا رب اللہ ہے۔
ظاہر ہے کہ گرمی کے موسم میں سورج اور جگہ سے طلوع اور دوسری جگہ غروب
ہوتا ہے، جب کہ موسم سرما میں اس کا مشرق و مغرب قدرے مختلف ہوتے ہیں
اسی طرح جمع کا صیغہ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر حقیقت ہر دن
سورج کا مشرق و مغرب مختلف ہوتا ہے۔ چونکہ ہر روز کچھ نہ کچھ فرق پڑتا رہتا
ہے لہذا ان تمام مشرق و مغرب کو جمع کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ البتہ اس
مقام میں صرف مشرق کا لفظ آیا ہے اور مغرب نہیں لایا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ
مشرق ذکر کرنے سے مغرب خود بخود ذہن میں آجاتا ہے کہ جس سورج نے طلوع ہونا

ہے، وہ مغرب بھی ہوگا۔ لہذا یہاں پر مغرب کا ذکر نہیں کیا گیا۔ تو فرمایا مشرق و مغرب
کا رب بھی اللہ و وحدہ لا شریک ہی ہے۔

آسمان دنیا
کی زینت

آگے ارشاد ہوتا ہے اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوْكَبِ
بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کے ساتھ زینت بخشی ہے۔ اللہ اور
اپنے رسول کے حکم کے مطابق آسمان تو سات ہی مگر ہمیں صرف ایک ہی نظر
آتا ہے جسے آسمان دنیا کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اس آسمان پر تارے
بکھیر کر اس کو خوشنما بنا دیا ہے، رات کے وقت چاند اور تارے نظر آتے ہیں۔ ان
کو ٹرڈوں ستاروں کے مختلف سائز اور مختلف رنگ ہیں۔ کوئی سفیدی مائل
اور کوئی سرخی مائل، کوئی نیلگوں اور کوئی زردی مائل ہیں۔ اللہ نے ان میں ایسی چمک
پیدا کر دی ہے جیسے قندیلیں روشن ہوں۔ فرمایا ستارے ایک تو آسمان دنیا کی
زینت ہیں اور ان کا دوسرا کام یہ ہے وَحِفْظًا مِّنْ حَوْلِ شَيْطَانٍ
مَّارِدٍ کہ یہ ہر سرکش شیطان سے حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ یہ شیطان اُپر جا کر
فرشتوں کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے کان میں کوئی اکاؤنٹ کا
بات پر لگی تو وہ اگر اپنے کانوں کو بتاتے جو اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے سائلوں کو
بتاتے اور اس طرح اُن کا کام چلتا رہتا۔ جب قرآن پاک کا نزول شروع ہوا تو شیطان
کا آسمان پر داخلہ بند ہو گیا۔ چنانچہ اللہ کے فرشتے ان کو اُپر جانے سے روکتے ہیں۔
اسی بات کے متعلق فرمایا لَا يَسْمَعُونَ الْكَلِمَ الْمَلَأَ الْأَعْيُنَ سَمِعَتْ
وہ اُپر والے فرشتوں کی جماعت کی باتیں و يَقْدِفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُخْرًا
مگر یہ کہ پھینکے جاتے ہیں وہ ہر جانب سے ادا کیلے ہوئے۔ جدھر بھی کوئی شیطان جانے
کی کوشش کرتا ہے، فرشتے اُسے دھکیل کر پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ اور ان کا طریقہ یہ ہے
جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے کہ اُن پر شہاب پھینکے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کوئی
مر جااتا ہے اور کوئی زخمی ہو جاتا ہے، اور اس طرح وَكَلِمَةً عَذَابٍ تَوَاصِبٌ
ان کے لیے دائمی عذاب ہوتا ہے۔ شباطین خود خدا کے نافرمان ہیں اور دوسروں

کو بھی نافرمانی پر آمادہ کرتے ہیں۔ انسانوں کے دلوں میں بڑے دوسے ڈالتے ہیں۔
لہذا انہیں ہمیشہ مار پڑتی رہتی ہے۔

فَرَأَى الْأَمْرَ خَطِيئَةً الْحَطْفَةَ مِمْشِرَ شَيْطَانٍ مِّنْ سَمِيٍّ أَوْ بَرِيٍّ
کہہ رہے تھے کہ باوجود فرشتوں سے کوئی بات اچک لی، اُس نے کوئی بات سُن
لِي فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ جَلَّتْ بِرَأْسِهِ

اور وہ پیچھے جاتا ہے۔ شیطانین لی یہ کوشش جاری ہے اور آئندہ بھی جاری ہے
گی تاکہ وہ انسانوں کو حتی الامکان گمراہ کر سکیں۔ تاہم شبابِ ناقب بھی ان کا پھینکا کر کے
ان کو بھگاتے رہیں گے۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کسی سپاڑ کو سر کرنے کے لیے
کتنی محنت اور کوشش کرتے ہیں۔ اکثر ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب بھی ہو
جاتے ہیں۔ دنیا کی بلند ترین چوٹی مونٹ ایورسٹ کو سر کرنے میں ڈیڑھ سو سال صرف
ہوئے تھے اور تب جا کہ اس میں کامیابی ہوئی تھی۔ اس طرح شیطانین بھی اُپر جا کہ
معلومات حاصل کرتے رہتے تھے اور اس کوشش میں وہ مرتے بھی رہتے ہیں۔
مگر ان کے جانشین بھی جاری رکھتے ہیں اور پٹتے رہتے ہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهْمَ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنِ خَلَقْنَا
 أَبَا خَلْقِنَهُمْ مِنْ طِينٍ لَأَرْبِ ① بَدِ عَجِدَتِ
 وَيَسْخَرُونَ ② وَإِذَا ذُكِرُوا لَا يَذْكُرُونَ ③
 وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ④ وَقَالُوا إِنْ هَذَا
 إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ⑤ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَ
 عِظَامًا إِنْ أَلْمَبَعُوثُونَ ⑥ أَوْ أَبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ⑦
 قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ⑧ فَإِنَّمَا هِيَ
 زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ⑨
 وَقَالُوا يُوَيْلَنَا هَذَا يَوْمَ الدِّينِ ⑩ هَذَا
 يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ⑪
 أَحْسَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا
 يَعْبُدُونَ ⑫ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى
 صِرَاطِ الْجَحِيمِ ⑬ وَقَفَّوهُمْ إِنْهُمْ
 مَسْئُولُونَ ⑭ مَا لَكُمْ لَا تَنْصَرُونَ ⑮ بَلْ
 هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ⑯ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
 عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ⑰ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ

تَاتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۚ (۲۸) قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا
 مُؤْمِنِينَ ۚ (۲۹) وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ
 سُلْطٰنٍۭۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۚ (۳۰) فَحَقَّ
 عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا اِنَّآ لَذٰلِقُوْنَ ۚ (۳۱) فَاغْوَيْنٰكُمْ
 اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۚ (۳۲) فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍۭ فِي
 الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۚ (۳۳) اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ
 بِالْمُجْرِمِيْنَ ۚ (۳۴) اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ
 لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۚ (۳۵)

ترجمہ ۱۔ پس آپ ان سے پوچھیں کہ کیا یہ زیادہ
 سخت ہیں بنانے میں یا وہ جن کو ہم نے پیدا کیا ہے
 بے شک ہم نے ان کو پیدا کیا ہے چکنے والی مٹی
 سے (۱۱) بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں اور یہ ٹھٹھا کہتے
 ہیں (۱۲) اور جب ان کو یاد دلایا جائے تو نصیحت
 نہیں پکڑتے (۱۳) اور جب یہ دیکھتے ہیں کوئی نشانی
 تو ہنسی اڑاتے ہیں (۱۴) اور کہتے ہیں، نہیں ہے یہ
 مگر کھلا جادو (۱۵) کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہوجائیں
 گے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۱۶)
 کیا ہمارے آباؤ اجداد بھی جو پہلے گزر چکے ہیں (۱۷)
 آپ کہہ دیجئے ہاں، اور تم ذلیل ہو گے (۱۸) اور بیشک
 وہ ایک ہی ڈانٹ ہوگی، پس اچانک وہ دیکھ رہے

ہوں گے (۱۹) اور کہیں گے وہ ہائے ہماری خزاں
یہ تر جزا کا دین ہے (۲۰) میں یہ فیصلے کا دین ہے
جس کو تم جھٹلاتے تھے (۲۱) (حکم ہوگا) اکٹھا کر دو
ان کو جنہوں نے ظلم کیا، اور ان کے جوڑوں کو، اور
جن کی وہ پوجا کرتے تھے (۲۲) اللہ کے سوا، پس
چلاؤ ان کو جہنم کے راستے کی طرف (۲۳) اور کھڑا
کرد ان کو، بیشک ان سے پوچھا جائے گا (۲۴) کیا ہوا
ہے، تم کو، ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (۲۵)
بلکہ وہ آج کے دین (ایک دوسرے کو) پھرانے والے
ہوں گے (۲۶) اور متوجہ ہوں گے بعض ان میں سے
بعض پر اور پوچھیں گے (۲۷) کہیں گے، تحقیق تم آئے
تھے ہمارے پاس داہنی طرف سے (۲۸) وہ کہیں گے
بلکہ نہیں تھے تم ایمان لانے والے (۲۹) اور نہیں تھا
ہمارے لیے تم پر کوئی غلبہ، بلکہ تم خود سرکشا کہنے
والے تھے (۳۰) پس ثابت ہو گئی ہے ہم پر بات
ہمارے پروردگار کی۔ بیشک ہم چکھنے والے ہیں عذاب
کا نرا (۳۱) پھر ہم نے گمراہ کیا تمہیں کیونکہ بیشک
ہم بھی گمراہ تھے (۳۲) پس یہ لوگ اس دن عذاب
میں شریک ہوں گے (۳۳) ہم اسی طرح کرتے ہیں
مجرموں کے ساتھ (۳۴) بیشک یہ لوگ کہ جب ان
کے سامنے کہا جاتا تھا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَرْتَكِبُونَ
کرتے تھے (۳۵)

ربطاً

اس سورۃ کی ابتدا میں صف بندی کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا گیا اور

منکرین کی
حجت باری

فرمایا حقیقت یہ ہے وَإِذَا ذُكِرُوا بِاللَّهِ يَتَذَكَّرُونَ جب
ان کو نصیحت کی جاتی ہے اور سمجھایا جاتا ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے، اس
زندگی کا حایب کتاب آگے چل کر دینا پڑے گا۔ تمام مردے دوبارہ زندہ
ہوں گے اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے تو یہ لوگ قطعاً نصیحت نہیں
پکڑتے۔ وَإِذَا رُكِبَتْ أَيْتَةُ اور جب یہ لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں پیغمبر علیہ السلام
کے ہاتھ پر معجزہ دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شوق القمر اور دوسرے معجزات
ظاہر فرمائے۔ تو ایسی چیزیں دیکھ کر يَسْتَسْخِرُونَ ہنسی مذاق کرنے لگتے ہیں
ایمان نہیں لاتے۔ وَقَالُوا لَنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ اور کہتے ہیں
نہیں ہے مگر گھلا جاؤ۔ دوسری جگہ فرمایا کہ معجزہ دیکھ کر یہ لوگ کہتے ہیں إِنْ هَذَا
لَسِحْرٌ مُّبِينٌ (رینس-۲) یہ تو گھلا جاؤ گے۔ یہ نبوت کا دعویدار شخص کہتا
ہے کہ یہ نشانی اللہ نے ظاہر کی ہے حالانکہ اس قسم کی چیزیں عام جاؤ گے پیش کرتے
کہتے ہیں، یہ کرنسی انوکھی بات ہے۔

فرمایا یہ اتنے بد مذاق لوگ ہیں جو کہتے ہیں إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا
کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے، گوشت گل سڑ جائے گا اور مٹی میں دل
بل جائے گا اور صرف بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں گی إِنَّا كَمَبْعُوثُونَ تو کیا
دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ أَوْ أَبَاؤُنَا أَلْوَالِدُونَ اور کیا پہلے گئے ہوئے
ہمارے آباؤ اجداد بھی دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے؟ کہتے تھے یہ بات
ہماری عقل میں نہیں آتی کہ جب ہمارے ذرات مٹی میں منتشر ہو جائیں گے، تو وہ
پھر جمع ہو کر ہماری زندگی کا باعث بن جائیں گے۔

اللہ نے جواباً فرمایا قُلْ لِّمَنْ يَنْزِعُ الْحَيَاةَ بِمَنْ يَشَاءُ آپ ان سے کہہ دیں قُلْ لِّمَنْ يَنْزِعُ الْحَيَاةَ
بِمَنْ يَشَاءُ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ تم بھی اور تمہارے آباؤ اجداد سب اولین اور
آخرین دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور تم اس انکار کی وجہ سے ذلیل ہو کر رہو گے
فرمایا جب قیامت کا دن آنے کا فَأَيُّكُمْ رَجْعَةٌ وَاحِدَةٌ؟
تو ایک ہی ڈانٹ آنے کی یعنی ایک ہی دفعہ بھلنے کے کا فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ

اور وہ سب دیکھ رہے ہوں گے۔ وقوعِ قیامت کے جمل کے ساتھ ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ذلیل و خوار ہو کر سزا کی طرف جائیں گے، اُس وقت اُن کا سارا غرور و تکبر ہوا ہو جائے گا۔ بڑے بڑے چوہدری اور رئیس کا رخا زلزلہ، وڈیوں اور جاگیردار ذلت کی حالت میں فرشتوں کے آگے آگے چل رہے ہوں گے۔ اُس وقت اُن کو حقیقت کا پتہ چلے گا۔ اور پھر کہتے ہیں افسوس مٹے ہوئے کہیں گے وَقَالُوا لَیْسَ لَنَا حَقٌّ اَنَّ نُرَدَّ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الدِّیْنِ لَمَّا افسوس ہمارے یہ تو بے کار دن آ گیا ہے۔ الْمَرْءُ بِمَا کَانَ نبی اسی دن سے ہمیں ڈرایا کرتے تھے۔ مگر ہم اس سے انکار کرتے اور نبیوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اللّٰهُ تَعَالٰی فرمائے گا هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہِ تَسْتَكْبِرُوْنَ یہی وہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور کہتے تھے، کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی، نہ کوئی دوبارہ زندہ ہوگا، نہ حساب کتاب ہوگا اور نہ جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ فرمایا دیکھ لو یہ فیصلے کا دن آپ کا ہے۔ آج تمہیں پوری زندگی کے اعتقاد و اعمال کا بھگن کرنا ہوگا اور تمہیں اس کا بدلہ مل کر رہے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا اَحْسِرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوا وَاُولٰٓئِکُم مِّنْ ان ظالموں اور ان کے جوڑوں کو اکٹھا کرو۔ جو زندگی بھر کفر، شرک، تجاوز، قتل، زنا، چوری، ڈاکہ، حق تلفی اور دیگر جرائم میں ملوث ہے اُن کو اکٹھا کر لو اور اُن کی بیویاں بھی اگر شرکیہ جرم نہیں تو اُن کو بھی ساتھ لالو۔ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ جوڑوں کا مطلب یہ بھی ہو سکتا کہ ہر مجرم کو اُس کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ٹولوں میں جمع کر لو جیسا فارسی لٹلے کہتے ہیں۔

”کنہ ہم جنس باہم جنس پہرہ از“

سب کی علیحدہ علیحدہ قطاریں بنا دو اور ساتھ ساتھ اَتُوا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْ یَّجُودَ اِنْ بَاطِلٌ کُھِی اَکْھَا کُھِی کی یہ اللہ کے سوا پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ مجرمین جن بہتوں کو حاجت روا اور مشکل کشا بھتے تھے اور جن

دوسری کی
طرف لڑائی

کے سامنے نذر دنیا نوپیش کرتے تھے، ان کو بھی ان کے ساتھ ہی جمع کر لو۔
فَاَهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ پھر انہیں ایک کر جہنم کے
 کے راستے کی طرف لے جاؤ۔

پھر فرمایا وَقِفُوهُمْ ان کو زرا کھڑا کرو، روکو کیونکہ انہیں
مَسْئُورُونَ ان سے پوچھا جائے گا۔ ان کو زرا روکو کہ ان سے ان کی کارکردگی
 کے متعلق باز پرس ہوگی۔ سورۃ النحل میں ہے کہ اس دن ہر شخص سے اُس کے ہر عمل
 کے متعلق پوچھا جائے گا اور يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ بِحَادِلٍ عَنِ نَفْسِهَا
 (آیت ۱۱۱) اُس دن ہر شخص کو اپنی جوابدہی خود کرنا ہوگی۔ وہاں کسی کو وکیل مقرر نہیں کیا
 جاسکے گا اور نہ کسی کو ممتاز نامہ دینے کی اجازت ہوگی۔ ہر ایک کو بلا ترجمان اللہ کے
 حضور ہر عمل کا جواب اصالتاً دینا پڑے گا۔ اور جب تک کوئی شخص جواب نہیں
 دے گا۔ اُسے قدم تک نہیں اٹھانے دیا جائے گا۔ پھر اللہ فرمائے گا دنیا میں تو
 ایک دو سکر کے بڑے حمایتی بنے پھرتے تھے، بڑے نعرے مارا کرتے تھے۔
 اور اکٹھے جینے اور مرنے کی قسمیں کھاتے تھے مَا لَكُمْ لَا تَنصَرُونَ
 تمہیں کیا ہے کہ آج ایک دو سکر کی مدد نہیں کرتے۔ مگر ان کی حالت یہ ہو
 گی بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ اُس دن تو سب ایک دو سکر کو پکڑنے
 کی کوشش کریں گے تاکہ وہ خود کسی طرح بچ جائیں اس وقت تو کہتے تھے نَحْنُ
بِجَمِيعٍ مُّنتَصِرُونَ (القلم ۲۲) کہ ہم ایک دو سکر کی مدد کریں گے، اب
 کیوں مدد نہیں کرتے بلکہ بھناتے ہو۔ اُس دن سب بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔
 اور تابع اور متوجع ایک دو سکر کو حلاوت کریں گے کہ تم نے ہمیں مرادیا۔

تابع اور متوجع
 کا مکالمہ

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ان میں سے
 بعض بعض پر متوجع ہوں گے اور پوچھیں گے قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا
عَنِ الْيَمِينِ کہیں گے کہ تم تو ہماری دائیں طرف سے آتے تھے مطلب
 یہ کہ تم بڑی قوت کے ساتھ اپنے پراپیگنڈا کا شکار نہیں بناتے

تھے، ہمیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے تھے، کبھی لالچ دیتے اور کبھی خوفزدہ کرتے تھے، مگر آج کرہ جا رہے ہو اور ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟

قَالُوا هِ حَرَابِ دِيں گے بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ بلکہ تم خود ہی ایمان سے خالی تھے۔ اگر تم ایماندار ہوتے تو ہمارے بسکادے میں نہ آتے، دیکھو! وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ ہمارا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا کہ ہم نے تمہیں زبردستی غلط راستے پر ڈال دیا ہو۔ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ بلکہ تم خود ہی حد سے بڑھنے والے سرکش لوگ تھے جبکہ آج تمہیں یہ درن دکھنا نصیب ہوا۔ یہ تو باع اور متبوع انسانوں کا مکالمہ ہو رہا ہے، قیامت ملے دن شیطان بھی اپنی کرتوتوں کا انکار کرے گا اور اس کے پیچھے چلنے والے نامزد ہو کر رہ جائیں گے یہ لوگ شیطان سے کہیں گے کہ تم دنیا میں ہمیں بڑے سبزاغ دکھاتے تھے، ہماری نظروں میں دنیا کی زیب و زینت اور رسم و رواج کو ہی مزین کر کے دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ آگے کچھ نہیں ہے، اب آج ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟ تو اُس وقت شیطان بھی یہی جواب دے گا وَمَا كَانَ لِحٰبِ عَلٰیكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ (ابراہیم ۲۲) مجھے تم پر کوئی غلبہ تو حاصل نہیں تھا کہ میں نے تمہیں زبردستی اپنے پیچھے لگایا ہو بلکہ میں نے تمہیں ایک دعوت دی تھی جسے تم نے از خود قبول کر لیا، لہذا آج فَكَلَّا تَكُوْمُوْنَ وَاَنْتُمْ اَنْفُكُمْ دَابِیْمٌ آج مجھے ہلاکت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت کرو جو غلط راستے پر چل نکلے۔ تمہیں اللہ کے نبیوں اور مبلغین کی بات پر تو یقین نہ آیا مگر میرے جھوٹے وعدے کو سچا مان لیا، لہذا اس ساری خبرانی کے ذمہ دار تم خود ہو۔ تو یہ متبوعین بھی اپنے تابعین سے کہیں گے کہ تم نے ناصحین کی نصیحت پر عمل نہ کیا بلکہ انکی خیر خواہی کو ہنسی مذاق میں اڑاتے ہے۔ فَحَقَّ عَلٰی سَنَا قَوْلٌ رَّبِّنَا آج ہم پر ہمارے رب کی بات سچی ہو گئی۔ اس کا اعلان تھا کہ جو کوئی میرا راستہ چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کرے گا، کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کرے گا

وَيَقُولُونَ آيَاتِنَا كِتَابًا تَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ ③٦
 بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ③٧ إِنَّكُمْ
 لَذَائِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ③٨ وَمَا تَجْزُونَ إِلَّا
 مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ③٩ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ④٠
 أُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ④١ فَوَالِ كَيْفَ وَهَمَّ
 مُكْرِمُونَ ④٢ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ④٣ عَلَى
 سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ④٤ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ
 مِنْ مَّعِينٍ ④٥ بَيُّضَاءَ لَذَّةٍ لِلشَّرِيبِينَ ④٦ لَا
 فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ④٧
 وَعِنْدَهُمْ قَصْرِاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ④٨
 كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَكْنُودٌ ④٩ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
 عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ⑤٠ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ
 إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ⑤١ يَقُولُ آيَاتُكَ لِمَنِ
 الْمُصَدِّقِينَ ⑤٢ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ
 عِطَافًا إِنَّا لَمَدِينُونَ ⑤٣ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ
 مُطِيعُونَ ⑤٤ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ⑤٥

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كَدَّتْ لَتُرْدِيْنَ ۝۵۶ وَاُولٰٓئِكَ نِعْمَةٌ
 لِّبَّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝۵۷ اَفَمَا حُنَّ
 بِبَيْتِيْنَ ۝۵۸ اِلَّا مَوْتَنَا الْاُولٰٓئِكَ وَمَا حُنَّ
 بِمُعْذِبِيْنَ ۝۵۹ اِنْ نَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ
 الْعَظِيْمُ ۝۶۰ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ
 الْعٰمِلُوْنَ ۝۶۱

ترجمہ ۱۔ اور وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم چھوڑنے والے ہو
 جائیں اپنے مجبوروں کو ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے ۳۶
 نہیں بلکہ وہ لایا ہے حق کو اور اس نے تصدیق کی ہے
 اللہ کے رسولوں کی ۳۷ بیشک تم چکھنے والے ہو دردناک
 مذاق ۳۸ اور تم کو نہیں بدل دیا جائے گا مگر وہ جو
 تم کیا کرتے تھے ۳۹ لیکن اللہ کے مخلص بندے ۴۰
 وہ ہیں جن کے لیے روزی ہے مقرر ۴۱ پھل ہوں گے
 اور ان کی عزت کی جائے گی ۴۲ نعمتوں سے باغوں
 میں ۴۳ تختوں میں آنے سامنے بیٹھنے والے ہونگے ۴۴
 پھرے جائیں گے ان پر پیالے صاف شراب کے ۴۵
 سفید رنگ اور لذت آموز ہوگی پینے والوں کیلئے ۴۶
 نہ اُس کے اندر سرگردانی ہوگی اور نہ اُس کی وجہ سے وہ
 پرست ہوں گے ۴۷ اور اُن کے پاس نیچی نگاہوں اور
 خوبصورت آنکھوں والی عورتیں ہوں گی ۴۸ جیسا کہ وہ
 اڈے ہیں پوشیدہ، محفوظ رکھے ہوئے ۴۹ پس متوجہ

ہوں گے بعض ان میں سے بعض کی طرف اور ایک
 دوسرے سے پڑھیں گے (۵۰) ایک نینے والا اُن سے
 کہے گا، بیشک تھا میرے نینے ایک ساتھی (۵۱) جو کہ
 تھا، کیا تو تصدیق کرنے والوں میں ہے (۵۲) کہ جب
 ہم مرجائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور ٹھریاں، تو
 کیا ہم بدلہ دیے جائیں گے (۵۳) کہے گا کیا تم جھانک
 کر دیکھتے والے ہو (۵۴) پس وہ جھانکے گا اور دیکھے
 گا اُس کو دوزخ کے درمیان (۵۵) اور کہے گا اللہ کی قسم
 قریب تھا کہ تو مجھ کو بھی ہلاک کر دیا (۵۶) اور اگر نہ
 ہوتی میرے پروردگار کی نعمت تو ہوتا میں بھی پکڑ کر
 حاضر کیے ہوئے مجرموں میں (۵۷) پس کیا ہم نہیں ہیں
 مرنے والے (۵۸) مگر وہی پہلی سوت، اور نہیں ہم کہ
 سزا دی جائیگی (۵۹) بیشک یہ البتہ بڑی کامیابی ہے (۶۰)
 اس جیسی کامیابی کے لیے پس چاہیے کہ عمل کریں عمل
 کرنے والے (۶۱)

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے گذشتہ آیات میں اللہ نے توحید کے
 دلائل پیش کیے اور مشرکوں کا رد کیا۔ اُن کے تجرور و غرور اور قیامت کو ہونے
 والے انجام کو بیان کیا۔ اللہ نے حشر میں پیش آنے والے واقعات کا بھی کچھ نقشہ کھینچا
 اور آخر میں مجرموں کی سزا کا ذکر کیا کہ تابع اور متبوع سب جہنم داخل ہوں گے۔ فرمایا
 ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جب ان سے توحید خداوندی کا
 اقرار کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُلٹا تبرکرتے ہیں۔
 تمام تر عقلی اور نقلی دلائل پیش کرنے کے باوجود مشرکین اپنے شرک
 پر اصرار کرتے تھے۔ وَيَقُولُونَ اَرِئْنَا لَكَ كَوْنًا الْهَتَا

بطر آیات

شکر پر
 اصرار

لشائیں بجنون کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں ؟
 (العیاذ باللہ) شرک لوگ نبی علیہ السلام کی دعوت کو مستبول کرنے کی بجائے آپ کو
 شاعر اور مجنون کہہ کر انکار کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔
 (العیاذ باللہ) اور یہ سچی سچی باتیں کہہ رہے۔ سورۃ ص میں ہے کہ کفار و مشرکین دنوت
 توحید کے جواب میں کہتے اَجْعَلُ الْاِلٰهَةَ الْهٰٓءَا وَاحِدًا مِّمَّا يَلٰٓئِهٖ اَنْ هٰذَا
 لَشَيْءٌ مُّجْتَابٌ (آیت - ۵) کیا ہم سب معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک ہی
 معبود پر اتکا کریں، یہ تو بڑی عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ کائنات کا سارا نظام صرف
 ایک ہی خدا جل جلالہ کے حکم و شرک لوگ یہ بھی کہتے مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمَلٰٓئِکَةِ
 الْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هٰذَا اِلَّا اِخْتِلَافٌ (ص - ۷) ہم نے یہ بات
 پچھلے لوگوں سے تو نہیں سنی، یہ تو خود ساختہ بات ہے۔ لہذا ہم اس شخص کی بات
 ماننے کے لیے تیار نہیں اور اپنے معبودوں کو کسی بھی صورت میں نہیں چھوڑ سکتے۔
 اللہ نے فرمایا کہ اُس کا نبی نہ تو شاعر ہے، نہ مجنون اور نہ کاہن بل جَاءَ
 بِالْحَقِّ بَلٰکُمْ وَهٗ تَرْجٰی بَاتِلَے کہ آیا ہے کہ اللہ وعدہ لا شرک ہے۔ وَصَدَقَ
 الْمُرْسَلِیْنَ اور اس نے اللہ کے تمام رسولوں کی تصدیق کی ہے۔ اللہ کے
 ہر نبی اور رسول نے ہمیشہ یہی تعلیم دی ہے یُقَوِّمُ اَعْبَادَ وَاللّٰہِ مَا لَکُمْ
 مِنْ اِلٰہٍ غَیْرِہٖ (الاعراف - ۷۳) اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی
 عبادت کرو کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ غرضیکہ اللہ کا رسول نہ تو شاعر
 ہے اور نہ دیوانہ بلکہ سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہے اور اس سارے سلسلے کی تصدیق
 کرنے والا ہے۔

شرک کا وبال

فرمایا اگر پھر بھی کفر اور شرک سے باز نہیں آؤ گے اِنکُمْ لَذٰلِکُمْ
 الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ تو پھر تمہیں لازماً دردناک عذاب کا نرا چکنا ہے
 اور یہ بھی یاد رکھو کہ قیامت کے دن کسی شخص کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی کہ اُسے
 کسی ناکردہ گناہ کی سزا دے دی جائے بلکہ وَمَا تَجْحَدُوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

تھیں صرف اسی بات کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے رہے۔ یہ دردناک عذاب تمہاری گستاخی، بے ادبی، انکارِ قرآن، تکذیبِ رسول اور انکارِ معاد کا نتیجہ ہے۔ انسان کا ہر عمل اُس کے نفس سے پھوٹتا ہے۔ خدا نے ہر نفس میں اس کا بیج اور استعداد رکھی ہے۔ یہ عمل انسان کے نفس میں ہی پھلتا پھولتا ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی چھٹ کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ جو کہ قیامت کو ظاہر ہو جائے گا اور پھر اسی کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ ہوگا۔

فَرِيًّا إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمَخْلُصِينَ الْبَتَّةَ اللَّهُ كَمَا مَخْلُصٌ بَدْرٌ اس عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ اور یہ وہی خوش قسمت لوگ ہیں جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں، صرف اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔ وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں۔ فرمایا: **أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ** ایسے لوگوں کے لیے مقررہ روزی ہوگی اور یہ وہی انعامات ہیں جن کا ذکر اللہ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ **لَا مَقْطُوعَةَ وَلَا مَمْنُوعَةَ (الواقعه - ۳۳)** یہ روزی نہ تو کم ہوگی۔ اور نہ ہی اہل جنت سے روکی جائے گی۔ بلکہ اُن کو اُن کی ہر پسندیدہ چیز یا افراد میسر ہوگی۔ اور ہر چیز حسبِ ضرورت **بِكْرَةٍ وَوَعَشِيًّا (مردیم - ۶۲)** صبح شام ملے گی دہاں پر ہر چیز قرینے کے ساتھ رکھی ہوگی اور مقررہ پروگرام کے مطابق ہر چیز باعزت طریقے سے میا کی جائے گی۔

اللہ نے فرمایا **فَوَاكِهَ دَلَّالٍ** پر طرح طرح کے پھل ہوں۔ جنت میں بھوک پیاس تو نہیں ہوگی، البتہ یہ پھل لطفِ اندوزی کے لیے میا کیے جائیں گے۔ دہاں پر کھانا پینا بھی بھوک اور پیاس کے لیے نہیں بلکہ محض لطفِ حاصل کرنے کے لیے ہوگا۔ **وَهُمْ مَكْرُمُونَ** اور وہ باعزت ہوں گے یعنی ہر چیز مکمل باعزت طریقے سے پیش کی جائے گی اور کسی جنتی کے عزتِ نفس کی خلاف کوئی چیز نہیں ہوگی۔ **فِي جَنَّاتٍ النَّعِيمِينَ** یہ سب چیزیں نعمتوں کے

مخلصین
کے لیے
انعامات

باغوں میں ملیں گی۔ عَلَى سُرِّ مُتَقَبِّلِينَ وہ وہاں پر تختوں پر آکنے سامنے بیٹھنے والے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی طرف پشت نہیں ہوگی بلکہ آنا سامنا ہوگا۔ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مُّوَعَّيْنٍ ان پر صاف ستھری شراب کے پیالے بھیرے جائیں گے۔ مُعَيِّنٍ دراصل اپنے والے چشمے کو کہتے ہیں۔ جو بالکل صاف شفاف ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق جنت کی پاکیزہ شراب پر کیا جاتا ہے جس کی نسر چل رہی ہوں گی۔ جو کہ بَيْضَاءٌ كَذَّةٍ لَّيْسَ فِيهَا مِنْ أَنْ رُكَّتْ فِيهَا بَعْدُ اور یہ پینے والوں کے لیے نہایت لذت آور ہوں گی۔ سورۃ محمد میں بھی جنت کی نہروں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہاں پر بغیر ٹوکے پانی کی نسر ہوں گی۔ دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ تبدیل نہیں ہوگا شراب کی نسر ہوں گی جو سرسبز لذت کا باعث ہوں گی اور شہدہ مصفا کی نسر جاری ہوں گی۔

فرمایا، ایسے مشروب ہوں گے لَا فِيهَا عِوَجٌ مگر اس میں کوئی سرگرائی نہیں ہوگی یعنی پی کر سر بھل نہیں ہوگا وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْهَوْنَ اور نہ ہی وہ ان سے بدست ہوں گے۔ اس دنیا کی شرابیں تو نشہ آور ہیں جو انسانوں کو بدحواس کر دیتی ہیں اور پھر بعض لوگ گالیاں بکھنے لگتے ہیں اور شور شرابا کرتے ہیں مگر جنت کی شراب کے متعلق فرمایا وَسَقَّوهُمْ رَبُّهُمْ شکر آبا طہوؤرا (اللہ تعالیٰ جنہوں کو پاکیزہ شراب پلانے کا جس سے لذت دوسرے تو حاصل ہوگا مگر پینے والا بدست نہیں ہوگا۔ یہاں پر يُنْفُونَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل نوز کونوں سے پانی کھینچنے کو کہتے ہیں۔ جس طرح پانی کنوئیں سے کھینچا جاتا ہے اسی طرح دنیا کی شراب شرابی کی عقل کو کھینچ باہر کرتی ہے اور آدمی بدست ہو جاتا ہے۔ بہر حال جنت میں ایسی کوئی تباہی نہیں ہوگی۔ بلکہ پاکیزہ شراب کے جام چلیں گے جو کہ نہایت ہی پر کیفیت ہوں گے۔ لطف دوسرے کے لیے عورت کا ہونا بھی ضروری ہے اور جنتی اس سے

خوبصورت
خوبصورت
خوبصورت

بھی محروم نہیں رہیں گے۔ فرمایا وَعَنْهُمْ قَصْرَاتُ الصَّرَفِ عَيْنٍ
ان کے پاس کوئی آئینہ اور نگاہیں نیچی رکھنے والی عورتیں ہوں گی۔ وہ صرف
اپنے خاندانوں کو نگاہ اٹھا کر بچیں گی اور ان کی نظروں میں حسین و جمیل دکھائی دیں گے
نگاہیں نیچی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جڑ۔۔۔ کی حوریں نہایت ہی حیا دار ہوں گی، کہ
حیا عورت کا زیور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں آتے ہیں کہ اپنے مہین کے
کنوئیں پر دو لڑکیوں کے جالوں کو پانی پلایا۔ پھر گھر جا کر انہوں نے اس بات کا ذکر
اپنے باپ شعیب علیہ السلام سے کیا۔ پھر جب باپ کی اجازت سے ایک لڑکی
موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے آئی تو قرآن کا بیان ہے فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا
تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ (القصص - ۲۵) ان دو میں سے ایک لڑکی
نہایت حیا داری کے ساتھ چلتی ہوئی آئی۔ حیا صرف عورتوں ہی کا حصہ نہیں بلکہ مردوں
کے لیے بھی ضروری ہے۔ سورۃ نور میں اللہ نے مردوں اور عورتوں دونوں صنفوں
کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغْضُؤُوا
مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ (آیت - ۳۰)
وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ
فُرُوجَهُنَّ (آیت - ۳۱) مرد بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی
حفاظت کریں اور عورتیں بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت
کریں اور اپنے محرموں کے علاوہ کسی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔ یعنی
غیر محرموں سے پردہ کریں۔ اسلام نے قدرتی زندگی کے سارے اصول بیان کیے
ہیں جنہیں اپنا کہ دنیا میں امن قائم کیا جاسکتا ہے۔ مگر آج جدید دور میں پورے
معاشرے کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ انگریزی تہذیب میں عورتوں کی عزت اس
بات میں ہے کہ وہ غیر مردوں کے ساتھ اختلاط رکھیں، بے پردہ نکلیں، مصافحہ
کریں اور گپیں ہانکیں، حقیقت میں یہ تو عورت کی تذلیل ہے جسے شمع محض
بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔

جنت میں پہنچائے، اس کے لیے اس سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی ہے۔
 پھر فرمایا لِعَمَلٍ هَذَا اس جیسی کامیابی حاصل کرنے کے لیے فَلْيَعْمَلِ
 الْعَامِلُونَ پس چاہیے کہ عمل کریں عمل کرنے والے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص مذکورہ
 شخص کی طرح عظیم کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ
 کے احکام کے مطابق اعمال انجام دے، کفر، شرک اور معصیت سے باز رہے۔
 بندوں کے حقوق ادا کرے، اور پھر دُعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اُسے بھی ایسی ہی
 کامیابی عطا فرمائے۔

اس مقام پر یہ نقطہ سمجھ لینا چاہیے کہ جنت کی ہر نعمت خواہ وہ پانی ہو، پھل
 ہوں یا عورت، ہر قابلِ قدر ہے اور گئی بھی نعمت کو حقیر سمجھ کر ٹھکانا نہیں چاہیے
 بعض لوگ ان مادی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں کہ صرف روحانی نعمتوں کی خواہش کرتے
 ہیں مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جنت کی ہر نعمت مقصود ہے
 کیونکہ اللہ نے اہلِ پیروں کو فوزِ العظیم سے تعبیر کیا ہے، لہذا یہ کنا کہہیں ان
 چیزوں کی ضرورت نہیں۔ کفرانِ نعمت کے زمرہ میں آتا ہے۔ ہر انسان کو ان چیزوں
 کی خواہش ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں پہنچانے اور تمام مادی اور
 روحانی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، تو فرمایا ان نعمتوں کے حصول کے لیے لوگوں کو
 سمعتِ مشقت کرنی چاہیے اور عبادت اور ریاضت کے ذریعے اپنے مولا کو
 راضی کرنا چاہیے تاکہ انہیں یہ بہت بڑی کامیابی حاصل ہو جائے:-

لے بیان القرآن — (فیاض)

شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں (۶۵) پس بیشک یہ لوگ البتہ کھانے والے ہیں اُس سے۔ پس بھرنے والے ہیں اُس سے اپنے پیٹ (۶۶) پھر بیشک ان کے لیے اُس بڑے حادثے ہوگی کھرتے ہوئے پانی سے (۶۷) پھر بے شک ان کا بلے جانا جہنم کی طرف ہوگا (۶۸) بیشک انہوں نے پایا اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ (۶۹) پس وہ ان کے لعش قدم پر دوڑ رہے ہیں (۷۰) اور البتہ تحقیق گمراہ ہوئے ان سے پہلے بہت سے لوگ (۷۱) اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجے ان میں ڈر سننے والے (۷۲) پس دیکھو کیا ہوا انجام ڈر سننے ہوئے لوگوں کا (۷۳) لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے (۷۴)

رابط آیات

توحید کے بیان کے بعد جزائے عمل کے سلسلے میں اللہ نے اپنے مخلص بندوں کا ذکر فرمایا، اور ان کو جنت میں ملنے والے انعامات کی ایک جھلک پیش کی۔ اللہ نے ان کے سکون و راحت، ان کی بیویوں اور ان کے عزت کے مقام کا ذکر کیا۔ اس عیش و آرام کی زندگی میں انہیں دنیا کے اپنے بعض ساتھیوں کی یاد بھی آئے گی اور وہ انہیں جہنم میں پاکر ان سے بات چیت کریں گے۔ انعامات اللیہ کا شکریہ ادا کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو آج ہم بھی تمہارے ساتھ جہنم میں ہوتے۔ اللہ کی رحمت سے ہم نے ایمان قبول کیا اور ہدایت کے راستے پر گامزن ہونے تو اللہ نے ہمیں راحت کے اس مقام تک پہنچایا، جہاں ہم ہمیشہ کی زندگی گزاریں گے۔ موت جو آتی تھی وہ دنیا میں آچکی۔ اب ہم پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی۔ اور نہ کوئی تکلیف پہنچے گی۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے جس کے لیے ہر شخص کو کوشش اور محنت کرنی چاہیے۔

اَذَلِكْ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا
 جَعَلْنَهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ
 تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ طَلَعُهَا كَاَنَّهُ
 رُءُوسُ الشَّيْطٰنِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاصِلُوْنَ مِنْهَا
 فَمَا لُوْنٌ مِنْهَا الْبُطُوْنُ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنْ لَّهُمْ
 عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّا
 مَرَّجَعَهُمْ لَا اِلٰى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ
 الْفٰوِ اَبَاءُ هُمْ ضٰلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهَمَّ عَلٰى
 اَثَرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ
 اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ
 مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
 الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِيْنَ ﴿۷۴﴾

تو جسہ کہ کیا یہ بات بہتر ہے باعتبار سہانی کے یا تھویر
 کا درخت ﴿۶۲﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے اُس کو آزمائش
 ظلم کرنے والوں کے لیے ﴿۶۳﴾ تحقیق وہ ایک درخت
 ہے جو نکلتا ہے جہنم کی جڑ سے ﴿۶۴﴾ اس کے خوشے

برخلاف اہل ایمان مانتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے تو وہ آگ میں بھی درخت پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ معراج کا غیر معمولی واقعہ پیش آیا، حالانکہ کافر لوگ اس واقعہ کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے، مگر یہ حقیقت ہے۔ بہر حال تصور کہ دو وجہ سے آزمائش کا باعث بنایا گیا ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کو کھلنے میں بڑی تکلیف ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ دنیا میں اس کا انکار کر کے فتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اس درخت کی مزید تفصیل کے طور پر فرمایا: إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ یہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے یعنی جہنم کے اندر ہی پیدا ہوتا ہے طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رَعْدٌ وَسُورَةُ الشَّيْطَانِ اس کے خوشے یا کوئٹھیں ایسے بد نما ہیں۔ جیسا کہ شیطانوں کے سر ہوتے ہیں۔ یہ تشبیہ دو وجہ کی بنا پر ہو سکتی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شیطان کے ساتھ مناسبت اس کی بد شکلی کی وجہ سے ہے۔ اگر کوئی شخص پرگندہ صورت ہو، بال بکھرے ہوئے ہوں تو اُسے جن بھوت کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے موطا امام مالک میں یہ روایت آئی ہے کہ ایک شخص پرگندہ بال اور خستہ حالت میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے اُسے تشبیہ فرمائی کہ شیطان جیسی دشتناک شکل نہ بنایا کرو بلکہ اپنے بالوں کو درست کرو اور صفائی کا خیال رکھا کرو۔ بہر حال چونکہ شیطان بھی بد شکل ہے اور تصور کا درخت بھی، لہذا ان کو آپس میں مناسبت ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر شیاطین سے مراد سانپ ہیں۔ تصور اور سانپ کا سر تقریباً یکساں بناوٹ کا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو سانپ

لے موطا امام مالک ص

۷ روح المعانی ص ۹۶ و خازن ص ۲۱ و مدارک ص ۲۲ ج ۳ (فیاض)

تعبیر کا
درخت

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے انعامات اور دوزخیوں کی تعزیرات کا مقابلہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **أَذَلَّكَ خَيْرٌ نَزَّلًا** کیا یہ مہمانی بہتر ہے؟ مطلب یہ کہ کیا اللہ کی طرف سے عتے والا آرام و راحت باعتبار مہمانی بہتر ہے **أَمْ شَجَرَةٌ تَنْقُومُ بِهَا عَصَاكَ** یا عتھوہر کا درخت بہتر ہے اللہ نے کئی مقامات پر اپنے انعامات کو اہل جنت کے حق میں مہمان نوازی قرار دیا ہے مثلاً سورۃ آل عمران کے آخر میں متقین کے لیے باغات اور ان کے سامنے بہنے والی نہروں کا ذکر کر کے فرمایا **نَزَّلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ** (آیت ۱۶۸-۱۶۹) یہ اللہ کے ہاں ان کی مہمانی ہوگی۔ دوسرے مقام پر ایسے ہی تذکرہ کے بعد فرمایا **نَزَّلًا مِّنْ عَفْوَ رَبِّ رَجِيْبٍ** (حجر سجدہ-۳۲) یہ بخشش کرنے والے اور مہربان خدا تعالیٰ کی طرف سے مہمانی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے استغما میر اندازہ میں فرمایا ہے کہ کیا یہ مہمانی بہتر ہے یا عتھوہر کا درخت؟ تم ان میں سے کس چیز کو پسند کرتے ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اُدھر عتھوہر کا درخت ہے جو جنہیوں کی خوراک ہے اور جس کے متعلق سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا **وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ** (آیت ۶۰) کہ یہ ملعون درخت ہے۔ عتھوہر کے درخت کا ذکر سورۃ واقف اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے۔ عتھوہر اس قدر کٹوا اور بڑھ رہے کہ جنہیوں کے گلے میں ایک کر رہ جانے لگا۔

فرمایا **إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ** ہم نے اس درخت کو ظلم کرنے والوں یعنی کفر، شرک اور تعدی کرنے والوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ دنیا میں یہ لوگ اس درخت کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ دوزخ یعنی آگ میں کوئی درخت کیسے ہو سکتا ہے؟ کچے ذہن کے لوگ شک کرتے تھے کہ ہمیں ڈرانے و ہکانے کے لیے اس خوفناک درخت کا ذکر کیا جاتا ہے اس طرح گویا سحرین کے لیے یہی درخت آزمائش کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اس کے

ہیں بھی گمراہ کیا۔ اللہ فرمائے گا کہ صرف ان کو ہی ڈبل سزا نہیں ملنی چاہئے بلکہ تمہیں بھی دوہری سزا ملے گی۔ جس طرح تمہارے آباؤ اجداد گمراہ ہوئے اور دوسروں کو کیا، اسی طرح تم بھی گمراہ ہوئے اور تم نے بھی آگے بہت سوں کو گمراہی کے راستے پر چلایا۔ لہذا آج اس دوہری گمراہی کی دوہری سزا بھگتو۔

منذریں کی
آہ

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُّنْذِرِينَ اور البتہ تحقیق ہم نے ان میں ڈر سنانے والے بھیجے جو ان کو بُرے انجام سے خبردار کرتے ہے وہ انہیں کفر، شرک اور معاصی سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہے مگر انہوں نے ان کی ایک نہ مانی۔ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ پھر دیکھو کیا انجام ہوا ڈرانے ہوئے لوگوں کا۔ ان نافرمانوں میں سے کوئی گرفت الہی سے نہ بچ سکا۔ قرآن پاک میں مختلف اقوام کے جستہ جستہ حالات بیان ہوئے ہیں۔ بعض کو اللہ نے پانی میں غرق کیا، کسی کو تندہوا کی بھینٹ چڑھایا، کسی پر سخت چیخ آئی، کسی پر زلزلہ آیا اور کسی قوم پر پتھروں کی بارشیں ہوئی، بعض نافرمان ایسے بھی تھے جن کو اہل ایمان کے ہاتھوں سے سزا دی گئی۔ اس طرح کوئی نافرمان بھی بُرے انجام سے نہ بچ سکا۔ الَّذِينَ عَابَدُوا اللَّهَ الْمَخْلِصِينَ سوائے اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندوں کے یہ لوگ بچ گئے اور آئندہ بھی نہ بچتے رہیں گے۔ تاریخ انبیاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاکر ان کا اتباع کیا، اللہ نے ان کو ہر آفت سے محفوظ رکھا۔ ایسے لوگ کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں والی زد میں نہیں آئیں گے، باقی سب ہلاک ہوں گے جیسے کہ پہلے بھی ہوتے رہے ہیں۔

تَنْجِتُونَ ﴿٩٥﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾
 قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْحَجِيمِ ﴿٩٧﴾
 فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَدِينَ ﴿٩٨﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق پکارا ہم کو لوح علیہ السلام نے
 پس ہم بہت اچھی طرح اس کی نفا کر قبول کر لیا
 ہیں ﴿٩٥﴾ اور ہم نے نجات دی اُس کو اور اُس کے
 گھر والوں کو بڑی گھبرائش سے ﴿٩٦﴾ اور کہ دیا ہم نے
 اُس کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے ﴿٩٧﴾ اور چھوڑا
 ہم نے اُس کے اُوپر پھلوں میں ﴿٩٨﴾ سلام ہے
 لوح علیہ السلام پر جان والوں میں ﴿٩٩﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے
 ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿١٠٠﴾ بیشک وہ ہمارے نیک
 بندوں میں سے ہے ﴿١٠١﴾ پھر ہم نے غرق کیا درختوں
 کو ﴿١٠٢﴾ اور بیشک اُنہی کے گروہ میں سے البتہ
 ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں ﴿١٠٣﴾ جب کہ وہ آئے اپنے
 پروردگار کے پاس سالم دل سے ﴿١٠٤﴾ جب کہا اس
 نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ تم کن چیزوں کی
 عبادت کرتے ہو ﴿١٠٥﴾ کیا اچھوٹے اللہ بناتے ہوئے اللہ کے
 سوا دوسروں کو تم چاہتے ہو ﴿١٠٦﴾ پس کیا گمان ہے
 تمہارا رب العالمین کے بارے میں ﴿١٠٧﴾ پھر نگاہ کی انہوں
 نے ایک نگاہ ستاروں میں ﴿١٠٨﴾ پس کہا انہوں نے
 کہ میں بیمار ہوں ﴿١٠٩﴾ پس پھر گئے وہ لوگ اُن
 سے پشت پھیر کر ﴿١١٠﴾ پس (موقع پا کر) جاگے وہ

وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿٤٥﴾
 وَجَعَلْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ
 الْعَظِيمِ ﴿٤٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿٤٧﴾
 وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٤٨﴾ سَلَامٌ
 عَلَى نُوْحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿٤٩﴾ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي
 الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾
 ثُمَّ آغْرَقْنَا الْآخِرِينَ ﴿٥٢﴾ وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ
 لَإِبْرَاهِيمَ ﴿٥٣﴾ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٥٤﴾
 إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٥٥﴾
 آيِفْكَمُ إِلَهَةُ دُونِ اللَّهِ تُمْرِدُونَ ﴿٥٦﴾ فَمَا
 ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً
 فِي النُّجُومِ ﴿٥٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٥٩﴾ فَتَوَلَّوْا
 عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٦٠﴾ فَرَاغَ إِلَى إِلَهِهِمْ
 فَقَالَ آلَاتُكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿٦١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿٦٢﴾
 فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿٦٣﴾ فَأَقْبَلُوا
 إِلَيْهِ يَزْفُونَ ﴿٦٤﴾ قَالَ أَعْبُدُوا مَا

کی دعا کی تفصیل نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قبولیت کے نتیجے کا ذکر ہے۔ سورہ نوح میں موجود ہے رَبِّ لَا تَذَرْنَا عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (آیت - ۲۶) پھر دیکھا! روئے زمین پر کسی ایک کافر کو بھی زندہ نہ چھوڑ۔ اگر تو ان کو چھوڑ دیکھا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور آگے ان کی اولاد بھی بدکار اور ناشکو گزار ہی ہوگی۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور اُس کے ساتھ کشتی میں سوار لوگوں کو بچا لیا تم آعْرَفْنَا بَعْدَ الْبَاقِينَ (الشعراء - ۱۲۰) اور اس کے بعد باقی لوگوں کو پانی میں ڈلو دیا۔ اس مقام پر بھی فرمایا ہے وَجَعَلْنَاهُ وَأَهْلَكَ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ هَمَّ نَ أَنْ كُرَّ وَأَنَّ كَ الْكُفْرِ وَاللَّوْنِ كَرِهَتْ بَطْرِي كُفْرًا هَمَّ وَأَرْبَعًا مَبْنِي سَمَاتٍ دِي۔ اُس کی صمدت یہی تھی کہ باقی ساری نافرمان قوم کو طوفان میں غرق کر دیا۔ یہ دراصل حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بیان کیا جا رہا ہے۔ نوح علیہ السلام کی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے بھی آپ کو اور اہل ایمان کو سخت تکالیف پہنچائیں جس کی وجہ سے آپ سخت پریشان رہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کی ایذا رسانیوں کا ذکر کر کے آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ دل برداشتہ نہ ہوں، ہر نبی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا مگر بالآخر اللہ نے ان کی مدد فرمائی اور نافرمان قوم پر غالب فرمایا

ساری قوم کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی بقا کے ضمن میں فرمایا وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ہم نے نوح علیہ السلام کی اولاد کو ہی باقی رہنے والی بنایا۔ پوری روئے زمین کے لوگ طوفان نوح میں غرق ہو گئے اور صرف وہی محدود تعداد میں لوگ زندہ بچے تھے جو کشتی پر سوار ہو گئے تھے، چنانچہ نسل انسانی کا سلسلہ اپنی کشتی والوں میں سے ہی آگے چلا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے کہ کشتی والوں میں سے بھی صرف نوح علیہ السلام

نسل انسانی کی
بقا کا ذریعہ

بے شک اپنی (روح علیہ السلام) کے گروہ میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی
 ہیں۔ آپ بھی اپنی کے خاندان سے اور اپنی کی راہ پر چلنے والے ہیں۔ اِذْ جَاءَكَ
 رَبُّكَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ۔ جب آئے آپ اپنے پروردگار
 کے پاس سلیم دل لے کر۔ سلیم دل سے مراد ایسا سلامتی والا دل ہے جو ہر قسم کی
 برعقیدگی، فاسد نیت اور غیر اخلاقی اشیاء سے پاک ہو۔ بعض کہتے ہیں قلب
 سلیم وہ ہے جو شرک، کفر، نفاق، حسد، کینہ، جھوٹ اور حپ مال و جاہ سے
 پاک ہو۔ مگر توحید اور ایمان کے ساتھ لبریز ہو۔ اور تمام اخلاق حسنا اس میں پائے جائیں
 بعض فرماتے ہیں کہ قلب سلیم کا شرک سے پاک ہونا ضروری ہے کیونکہ اس میں
 توحید کے علاوہ شرک کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح بدعت سے
 پاک ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ بدعت سنت کے خلاف چیز ہے شہوت
 سے لبریز دل بھی قانون الہی کے خلاف ہوتے ہیں لہذا قلب کو شہوت سے
 بھی منزہ ہونا چاہیے۔ جو دل قانون الہی یعنی شریعت کے خلاف ہوگا۔ وہ
 قلب سلیم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قلب سلیم کا غفلت سے پاک ہونا بھی ضروری
 ہے کیونکہ غفلت یاد الہی کے خلاف عنصر ہے۔ اسی طرح خواہشات کا
 غلام ہونے کا بھی قلب سلیم کھلانے کا حقہ دار نہیں ہو سکتا کیونکہ خواہشات سے
 لبریز دل حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ غرضیکہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
 قلب سلیم لے کر اپنے پروردگار کے پاس آئے۔ قلب سلیم کا ذکر سورۃ التکوین
 میں بھی موجود ہے۔ وہاں ابراہیم کی دعا کے الفاظ ہیں کہ مولا کریم! قیامت
 والے دن مجھے روانہ کرنا، وہ دن کہ جب مال کچھ فائدہ دے گا اور نہ بیٹے الا

لہ روح المعانی ج ۱/ ۲۳۳ و مدارک ج ۲/ ۲۳۳ و قرطبی ج ۹/ ۱۵۶ و طبری ج ۶/ ۲۲۳ و کبیر ج ۱۴۶/ ۲۲۳

(نیاض)

کے تین بیٹوں عام، سام اور یافث کی اولاد ہی آگے چل سکی۔ اس لحاظ سے نوح علیہ السلام کو آدمؑ، نوح علیہ السلام، ترمذی شریف اور سند احمد کی روایت میں آتا ہے، کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا عرب نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں۔ جنتی عام کی اولاد اور رومی یافث کی اولاد ہیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق عرب، فارس اور روم وائے سام کی اولاد ہیں، یا جوج ماجوج ترک اور منجول یافث کی، اور قبلی اور سوڈانی عام کی اولاد ہیں۔ بہر حال موجودہ پوری نسل انسانی نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔

فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں نوح علیہ السلام کا ذکر چھوڑ دیا۔ آپ کی نسل کے لوگ آپ کے بعد یہی کہیں گے سَلَّمَ عَلَىٰ نَوْحٍ فِي الْعَالَمِينَ سارے جہان والوں میں نوح علیہ السلام پر سلامتی ہو۔ مختلف نسلوں کے لوگ آپ پر سلام بھیجتے ہیں کہ آپ اللہ کے نہایت ہی برگزیدہ بندے تھے جنہوں نے مجھے عرصے تک خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور اس سلسلے میں بڑی تکالیف اٹھائیں۔ فرمایا اَنَا كَذَلِكُ بَجَزِي الْمُحْسِنِينَ ہم اسی طرح بدل دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ اِنَّهُنَّ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ نوح علیہ السلام ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔ آپ اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ فرمایا ہم نے آپ کو اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کو تو بچا لیا ثُمَّ اغْرَمْنَا الْآخِرِينَ پھر دوسروں کو ہم نے پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی تسلی کے لیے اختصار کے ساتھ یہ مضمون بیان کر دیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام
اور قلیب سلیم

نوح علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ وَرَأَىٰ مِنْ شَيْعَتِهِ لِبِئْرِهِمْ

لہ ابن کثیر ص ۱۲۱ و نظری ص ۱۲۸ و خازن ص ۲۴ و روح المعانی ص ۹۸ (فیاض)

جھوٹی چیزوں کو محمود بنا رکھا ہے، یہ کہن سی عقل مندی کی بات ہے؟
 اگلی آیات میں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا واقعہ نہایت مختصر
 کے ساتھ بیان کیا۔ اس کی تفصیلات سورۃ الانبیاء میں بھی مذکور ہیں۔ آپ نے
 اپنے باپ اور قوم سے فرمایا کہ یہ کیسی عورتیاں ہیں جن پر تم مجھ کے پڑتے ہو یعنی ان کی
 عبادت کرتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان کی عبادت
 کرتے ہوئے پایا ہے۔ کچھ سوال و جواب کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں
 تمہارے بتوں کی ضرورت نہیں کروں گا جب کہ تم پشت پھیر کر جاؤ گے۔ چنانچہ ایک
 دن ایسا آیا کہ ساری قوم شہر سے باہر کوئی تنوار منانے کے لیے جا رہی تھی انہوں
 نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی شریک ہونے کی دعوت دی۔ آپ ان کے ساتھ جانا
 نہیں چاہتے تھے، چنانچہ اللہ نے اس مقام پر اس جگہ کا ذکر کیا ہے جو آپ نے
 اس ضمن میں اختیار کیا۔ فَنظَرَ نَظْرَةً فِي الْمَجْمُوعِ انہوں نے ستاروں
کی طرف نظر ڈالی فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ میں کما کہ میں بیمار ہوں فَتَوَلَّوْا
عَنْهُ مُدْبِرِينَ پھر وہ لوگ آپ سے پشت پھیر کر چلے گئے یعنی آپ کو
 تنوار میں ساتھ لے جانے پر اصرار نہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا دور صابی دور کہلاتا ہے اس دور میں
 ستاروں کے ساتھ لوگوں کا خصوصی تعلق ہوتا تھا۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہ فرماتے
ہے کہ اس دور میں متعین ہونے والی شائع میں کسی حد تک ستاروں کا بھی دخل
رہتا تھا۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام کا حنیفی دور آیا تو ستاروں کے ساتھ تعلق
کمزورتی کے ساتھ منقطع کر دیا گیا۔ قوم ابراہیم بھی ستاروں میں کمر شہ مانتی تھی،
 لہذا انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ستاروں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے یہ
 مطلب اخذ کیا کہ آپ بھی ستاروں کی کمر شہ سازی کے قائل ہیں، لہذا وہ آپ

مگر وہ خود جانتے تھے کہ ان بتوں میں ترس و حرکت ہی نہیں ہے۔ بھلا یہ کام بہت کیسے کر سکتا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کو یہی سمجھنا مقصود تھا کہ جو بت نہ تو خود توڑ پھور کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے دفاع پر قادر ہیں، وہ موجود کیسے ہو سکتے ہیں؟

یہی تیسری بات کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کو کہا تو یہ بھی حضورؑ بالقدم کے طور پر آپ نے تو یہ کیا تھا۔ آپ نے اپنی بیوی کو سمجھا دیا تھا کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو دنیاں بیوی ظاہر کیا تو یہ ظالم بادشاہ مجھے قتل کرانے گا۔ اور تم پر تسلط قائم کرے گا۔ لہذا خیریت اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو بہن بھائی ظاہر کیا جائے۔ ویسے بھی اس سرزمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے اور انہما المؤمنون اخوة والمہجرت (مومن آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ الغرض! جان بچانے کے لیے آپ نے یہ جیل اختیار کیا۔ اس قسم کے بعض واقعات خود حضورؑ علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آئے تھے۔

حضورؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت صدیق اکبرؓ سفر ہجرت پر جا رہے تھے راستے میں ایک شخص نے حضورؑ علیہ السلام سے حضرت ابوبکرؓ کے متعلق دریافت کیا میںین الرجل یعنی یہ شخص کن لوگوں میں سے ہے تو آپ نے جواب دیا من النساء پانی سے۔ وہ شخص سمجھا کہ پھیلی پانی والی آبادی کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ وہاں سے ہے اسی طرح راستے میں ایک دروگر شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سچا یا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے بھی تو یہ کہ انداز میں جواب دیا ہو رجل یمہدینی السبیل وہ ایک شخص ہے جو راستے میں میری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ آدمی سمجھا کہ سفر میں راستہ معلوم کرنے کے لیے گائیڈ (واقعہ کٹر) کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں، حالانکہ حضرت صدیقؓ کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص مجھے ہدایت کا راستہ بتانے والا ہے۔

بہر حال جب سب لوگ تہوار منانے کے لیے شہر سے باہر چلے گئے۔ تو

بت شکنی

کو چھوڑ کر توار منانے کے لیے چلے گئے اور ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کی سزا
کرنے کا موقع میسر آگیا۔

کذب ثلاثہ

بخاری اور ترمذی شریفین کی روایت میں آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے
کذب بیانی نہیں کی مگر تین مواقع پر۔ پہلا موقع تو یہی ہے جب آپ نے کہا
کہ میں بیمار ہوں حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے۔ دوسرا موقع وہ ہے۔ جب
آپ نے بتوں کو پاش پاش کر دیا تو کافروں کے دریافت کرنے پر آپ
نے فرمایا بَلْ فَعَلَهُمْ كَيْدُكُمْ هَذَا (الانبیاء - ۶۳) یعنی
یہ کام اس بڑے بت نے کیا ہے جس کے کندھے پر کلہاڑا رکھا تھا۔ حالانکہ
یہ کام خود ابراہیم علیہ السلام نے انجام دیا تھا۔ اور تیسرا موقع وہ جب آپ
بابل سے ہجرت کر کے اپنی بیوی سارہ کے ہمراہ مصر پہنچے۔ وہاں پر بادشاہ
مصر کی بدینتی کا علم ہوا تو آپ نے اپنی بیوی کو اُحْتِجِ (میری بہن) کہہ دیا۔
اس قسم کا ذومعنی کلام دراصل جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ عربی زبان میں اسے
تورہ کہتے ہیں۔ یعنی بوقت ضرورت ایسا کلام کیا جائے جس سے حکم کی مراد
کچھ اور ہو اور مخاطب اس سے کچھ اور معنی لے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اِنِّیْ
سَقِیْمٌ یعنی میں بیمار ہوں حالانکہ جسمانی طور پر آپ تندرست تھے۔
دراصل ان الفاظ سے آپ کی مراد یہ تھی کہ تمہارا کفر اور شرک دیکھ کر میں
ذہنی طور پر بیمار ہوں کہ مجھے کفر و شرک سے سخت تکلیف پہنچتی ہے، مگر
لوگ سمجھے کہ آپ کو کوئی جسمانی عارضہ ہے جس کی وجہ سے آپ ان کے
ساتھ جانے سے معذور ہیں۔ جاں تک بت شکنی کو بڑے بت کی طرف منسوب
کرنے کا تعلق ہے تو اس سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد کفار کو غمزہ فیکر کرنے
توحید کی دعوت دینا تھا، آپ نے کہا تھا کہ ان کو ان کے بڑے بت نے توڑا ہے

ہیں۔ افسوس ہے تم پر بھی اور تمہارے ان معبودوں پر بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ جب اُن کافروں سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلائیے کا فیصلہ کر لیا۔

اس مقام پر صرف اس قدر بیان کیا گیا ہے کہ بتوں کی حالت دیکھ کر وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ آپ کے ساتھ گفت و شنید ہوئی تو آپ نے فرمایا قَالَ اتَّعْبُدُونَ مَا تَخْتَعِنُونَ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جن کو خود تراشتے ہو؟ انسان کی اس قدر گڑبٹ، انتہائی افسوسناک ہے کہ ایک چیز کو خود ہی گھڑے اور پھر اسی کے سلنے سے سربسجود ہو جانے۔ یہ صورتیاں خواہ جنوں کی ہوں، یا فرشتوں یا انسانوں کی ہوں یا ستاروں کی، کسی کو اختیار نہیں ہے جو کسی کی مشکل کٹائی اور حاجت روائی کر سکے، معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو علیم کل، قادر مطلق، خالق اور واجب الوجود ہو۔ جب یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں، تو پھر کوئی دوسری ہستی معبود کیسے ہو سکتی ہے؟ برصغیر میں ہندو بھی بت پرست ہیں۔ جن کے لاکھوں اور کروڑوں معبود ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے خود اپنے مذہب کے متعلق لکھا ہے کہ یہ انسان، بودیاں، انشائات اور تقریبات بے معنی چیزیں ہیں۔ بس قدر افسوسناک بات ہے کہ ہمارے معبود جاپان اور انگلستان کی فیکٹریوں میں تیار ہو جاتے ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں۔

غرضیکہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو باور کرایا کہ تم جنوں کو خود تراش کر ان کی عبادت کرتے ہو وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مَا لَمْ يَخْلُقْ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی جن کو تم بتاتے ہو۔ انسان کوئی بھی کام کرے ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انسان اللہ کے عطا کردہ اختیار اور صلاحیت کے ساتھ ہی ہر کام کرتا ہے، وگرنہ تخلیق کی صفت تو کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی۔

دلائل کے لحاظ سے تو کافر لوگ لاجواب ہو چکے ہیں۔ کہنے لگے یہ تو معبودوں کی توہین کا مرتکب ہوا ہے جو کہتا ہے کہ ان کو کوئی اختیار نہیں اور یہ ہاتھوں کی

ابراہیم علیہ السلام
کو جلائیے کی
پریشانی

ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کی مرمت کرنے کا وہ موقع میسر آگیا جس کی تلاش میں آپ تھے۔ فَوَاعِ الْمَلَائِكَةَ إِحْسَانًا پھر آپ موقع پا کر بتوں کے پاس گئے۔ ان کے سامنے نذر و نیاز کی سمٹھائی، کھانا اور شربت وغیرہ رکھا ہوا تھا۔ فَقَالَ اَلَا تَأْكُلُوْنَ آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا، تم کھاتے کیوں نہیں؟ بھلا پتھر کے وہ بے جان بت کھاتے کیا، اور جواب کیا دیتے۔ آپ نے پھر پوچھا مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ کیسے تمہیں کہ تم بولتے نہیں؟ جب کوئی جواب نہ بلا تو آپ نے اپنے منسوبہ کی تمغیل کے لیے فَوَاعِ عَلَيْهِمْ صُورًا يَّالِيَمِ يَمِيْنَ آپ دائیں ہاتھ سے مارتے ہوئے ان پر پل پڑے۔ آپ کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا جسے پوری قوت سے چلا کر بتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ صرف بڑے بت کو چھوڑا اور اس کے گلے میں کلہارا لٹکا دیا۔ پھر آپ دہاں سے چلے آئے۔

کفار کا رد عمل

جب وہ لوگ توراہنا کر واپس آئے تو بتوں کی یہ حالت دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ اس مقام پر تفصیلات نہیں ہیں صرف اس قدر ہے فَاَقْبَلُوا الْاٰیٰتِیْنَ بَیِّنٰتٍ وَهَؤُلَاءِ لَشِقُوْنَ وہ لوگ آپ کے پاس گجراہٹ کے عالم میں دوڑتے ہوئے آئے۔ سورۃ الانبیاء میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب کفار نے اپنے بتوں کو شکستہ حالت میں دیکھا تو ایک دوسرے سے پوچھا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ ان میں سے بعض نے کہا کہ ابراہیم نامی نوجوان ان کا ذکر کیا کرتا تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ اسی کا کام ہو، پھر ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر پوچھا گیا کہ کیا یہ کارروائی تم نے کی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو اس بڑے بت کا کام معلوم ہوتا ہے جس کے کاندھے پر کلہارا بھی لٹک رہا ہے، تاہم آپ ان شکستہ بتوں سے پوچھ لیں اگر یہ بول کر بتا سکیں۔ پھر انہوں نے آپس میں میٹنگ کی اور کہنے لگے سچی بات تو یہ ہے کہ یہ بت تو بولتے ہی نہیں، یہ ہمیں کیا بتائیں گے؟ اسی موقع پر ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور پوچھا، کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے کسی نفع نقصان کے مالک نہیں

والصافات ٣٤

آيت ٩٩ ١١٣

ومال ٢٣

در ششم ٦

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينُ ﴿٩٩﴾ رَبِّ
 هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠٠﴾ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ
 حَلِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَئُ
 إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا
 تَرَىٰ وَقَالَ يَا بَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي
 إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّا أَسْلَمَا
 وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿١٠٤﴾
 قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي
 الْمُحْسِنِينَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾
 وَفَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ
 فِي الْآخِرِينَ ﴿١٠٨﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿١٠٩﴾ كَذَلِكَ
 نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا
 الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا
 مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٢﴾ وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ
 إِسْحَاقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ
 لِنَفْسِهِ مُبِينٌ ﴿١١٣﴾

تراشیدہ مورتیاں ہیں۔ لہذا ابراہیم علیہ السلام کو سخت سزا ملنی چاہیے۔ قَالُوا سُبْحٰنَکَ
 بَنِيٰنَا کُنْ لَکَ اِسْمٌ مِّمَّنْ لَکَ اس کے لیے ایک بہت بڑی عمارت تیار کرو، اس میں آگ جلاؤ
 اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا ایک بہت بڑے
 حصہ زمین پر دنیا کی سب سے بڑی آگ جلائی گئی پھر کہنے لگے فَالْقُوَّةُ فِي الْجَحِيْمِ
 اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ اس مقام پر تو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے
 تاہم سورۃ الانبیاء میں ہے قَالُوا حَرِّقُوْهُ وَاذْصُرُوْا اِلَیْہِ تَکْفُرًا کُفْرًا
 فَجِیْلًا (آیت- ۶۸) اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلا دو اور اس طرح
 اپنے مجبوروں کی مدد کرو۔ جن کی یہ ذمت بیان کرتا ہے۔

بالآخر انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو تحقیق کے ذریعے بھڑکتی ہوئی آگ میں
 پھینک دیا مگر اللہ نے فرمایا قُلْنَا اِنَّا کُوْنُوْا یٰۤرٰدًا وَّسَلْمًا عَلٰی
 اِبْرٰہِیْمَ رَاۤلِیْبِیۡدَ الْاَنْبِیَآءِ (۶۹) اے آگ! ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی
 والی ہر جا۔ سورۃ العنکبوت میں ہے فَاَنْجَلُوْهُ اللّٰهُ مِنْ النَّارِ (آیت- ۲۴)
 اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُس آگ سے بچا لیا۔ اور کافر اپنی اس تدبیر میں بھی ناکام و
 نامراد ہوئے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آگ نے ابراہیم علیہ السلام کا ایک بال
 تک نہ جلایا۔ البتہ جس رسی سے باندھ کر آپ کو آگ میں پھینکا گیا تھا، وہ رسی
 جل کر خاک ہو گئی۔ اللہ نے فرمایا فَاَزَادُوْا اِبْرٰہِیْمَ کُفْرًا انہوں نے ایک تدبیر
 کا ارادہ کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنا چاہے مگر ہم نے انہیں ہر استمان میں
 کامیاب کر کے فَجَعَلْنٰہُمْ اِلٰسْفٰلِیْنَ انہی کو ذلیل و خوار اور لیت
 کر دیا۔ وہ اپنے ارادے میں بُری طرح ناکام ہے۔

ظلم کرنے والے ہیں اپنے نفس پر صریح طور پر ﴿۱۳﴾

پہلے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم ۱۱۰۰۰ ذکر ہوا۔ آپ اپنے عرصے میں قوم کو زندہ تعالیٰ کا پیغام سناتے رہے اور ان کو گمراہی و شرک کی باتوں سے منع کرتے رہے مگر قوم نہ مانی بلکہ اللہ کے نبی کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں جسے اللہ نے کربِ عظیم سے تعبیر کیا ہے آخر جنگ آ کر نوح علیہ السلام نے قوم کے حق میں بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے پانی میں ڈبو کر صفحہ ہستی سے ناپسند کر دیا۔ صرف وہی لوگ بچے جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے اور پھر انہی میں سے اللہ نے نسلِ انسانی کو آگے چلایا اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم کے حالات بیان کرنے آپ نے قوم کو خطاب کب کے فرمایا کہ کتنی بیوقوفی اور حماقت کی بات ہے کہ تم خود ہی اپنے ہاتھوں سے بت تراشتے ہو اور خود ہی ان کی پوجا کرنے لگتے ہو جان نیکو خالق اللہ رب العالمین ہے جو تمہیں بھی پیدا کر تمہارا رب اور تمہارے اعمال و اکساب کو بھی وہی تخلیق کرتا ہے۔ اس کے جواب میں قوم نے فیصلہ کیا کہ ابراہیم کے لیے ایک بہت بڑا آگ کا آلاؤ تیار کرو۔ جس میں انہیں زندہ جلا دو کیونکہ یہ ہمیں بہارے آباؤ اجداد کے مسلک سے ہٹانا چاہتا ہے۔ چنانچہ دنیا کی عظیم ترین آگ جلا کر ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھ کر ان کی ساری تدبیر کو ناکام بنا دیا، اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔

اس سے قبل ابراہیم علیہ السلام کو بابل میں سات برس تک قید میں رکھا گیا۔ آگ سے بچ نکلنے کے بعد آپ کو اللہ کا پیغام سننے سے منع کر کوئی بھی ایمان نہ لایا، جیسا کہ سورۃ عنکبوت میں گزر چکا ہے۔ صرف آپ کی بیوی سارہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے، باقی ساری قوم، کافر اور شرک میں پھنسی رہی۔

بالآخر جب قوم کی طرف سے ایذا و رسائیاں حد سے بڑھ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے

ربط آیات

ابراہیم علیہ السلام
کی سبقت

توجہ۔ اور کہا (ابراہیم نے) تحقیق میں جاتا ہوں اپنے
 پروردگار کی طرف، وہ مجھے راہ دکھائے گا (۹۹) لے پڑگا!
 بخش دے مجھے نیکوں میں سے (کوئی بیٹا) (۱۰۰) پس ہم نے
 بشارت دی اس کو ایک لڑکے کی جو نہایت بردبار
 تھا (۱۰۱) پس جب پہنچا اُس کے ساتھ لگ و دو کی عمر
 کو تو اُس نے کہا، اے بیٹے! بے شک میں دیکھتا ہوں خواب
 کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ دیکھو! تم کیا خیال رکھتے ہو۔
 کہا (بیٹے نے) اے باپ! آپ کو ڈالیں جس چیز کا آپ
 حکم دیا جاتا ہے۔ آپ پائیں گے مجھے، اگر اللہ نے چاہا،
 صبر کرنے والوں میں سے (۱۰۲) پھر جب وہ دونوں صلح
 ہو گئے (اللہ کے حکم کے) اور گرا دیا اُس کو پشانی کے
 بل (۱۰۳) اور ہم نے اُس کو آواز دی۔ اے ابراہیم! (۱۰۴)
 تحقیق کرنے سے کچھ دکھایا خواب۔ بیشک ہم اسی طرح
 بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو (۱۰۵) بیشک یہ بات
 البتہ صریح آزمائش ہے (۱۰۶) اور ہم نے فدیہ دیا اس
 کو ذبح کرنے کے ایک غلیظ جانور کا (۱۰۷) اور ہم نے
 چھوڑا اُس پر پھیلوں میں (۱۰۸) (اس بات کو) کہ سلامتی
 ہو ابراہیم پر (۱۰۹) اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے
 والوں کو (۱۱۰) بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے
 ہے (۱۱۱) اور ہم نے بشارت دی اُس کو اسماعیل
 (بیٹے) کی جو کہ اللہ کا نبی اور نیکوں میں سے تھا (۱۱۲)
 اور برکت نازل کی ہم نے اس پر اور اسماعیل پر۔ اور
 اُن دونوں کی اولاد میں سے نیک کرنے والے ہیں اور کچھ

کا معنی دوڑنا ہوتا ہے۔ جسے صفا و سرورہ کی سچی ہوتی ہے کہ وہاں کچھ فاصلہ دوڑ کر چلنا پڑتا ہے۔ تو مطلب یہ کہ جب حضرت اسماعیلؑ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچ گئے۔ آپ کی عمر بارہ، تیرہ سال کی ہو گئی اور آپ اپنے باپ کے ساتھ فضل و کمال کے کام کرنے کے قابل ہو گئے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا جس کا تذکرہ بیٹے کے سامنے اس طرح کیا قَالَ يَا بُنَيَّ اِنِّي اَرَى فِي الْمَنَامِ اَنِّي اَذْبَحُكَ بِئِنَّا بِبَيْتِكَ لَشَاكِرُونَ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ فَاَنْظُرْ مَا اِذَا تَرَىٰ دیکھو! تمہارا اس معاملہ میں کیا خیال ہے؟ ذرا سوچ کر بتاؤ کہ تم اس خواب کو کیا پاتے ہو۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو یہ خواب بار بار آ رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور اس حکم کی تعمیل کا تقاضا کیا جا رہا تھا۔

نبی کے خواب اور عام لوگوں کے خواب میں فرق ہوتا ہے۔ عام لوگوں کے خواب تین اقسام کے ہوتے ہیں۔ یعنی رحمانی، شیطانی اور نفسانی رحمانی خواب مومن کے حق میں بشارت ہوتی ہے۔ شیطانی خواب شیطان کے اثر سے ہوتے ہیں اور نفسانی خواب وہ ہوتے ہیں جو انسانی خوراک کے اثرات پر مرتب ہوتے ہیں۔ مگر بیرون کا خواب وحی ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کوئی حکم خواب کے ذریعے بھی دے دیتا ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ نبوت طے سے چھ ماہ قبل تک جو خواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آتے تھے وہ سچے ہوتے تھے اور ان کا نتیجہ روزِ روشن کی طرح سامنے آجاتا تھا۔ پھر اس کے بعد نزولِ وحی شروع ہو گیا۔ قرآنِ پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس کی تعبیر اگرچہ طویل عرصہ کے بعد جا کر نکلی مگر وہ حرفِ برون صحیح تھا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے بھی خواب دیکھا تھا کہ آپ طوائف کو

خواب کی
حقیقت

ابراہیم علیہ السلام کو بابل سے ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ نبیوں کی زندگی میں ہجرت بھی ایک مشکل سوز آہ ہے۔ گھر بار وطن کا دربار سب کچھ اللہ کی رضا کی خاطر چھوڑنا پڑتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے لیے بھی یہ وقت آچکا تھا۔ وَقَالَ الْإِنْفُ ذَاهِبْ إِلَىٰ رَبِّي آپ نے کہا تحقیق میں اپنے پروردگار کی طرف یعنی اس کے حکم کے مطابق بیاں سے جانے والا ہوں سَيَقْبَلُونِي اس راستے میں وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔ میں جس مالک الملک کے حکم سے نقل مکانی کر رہا ہوں، وہ ضرور مجھے ٹھکانے پر لگائے گا۔ چنانچہ آپ کے لیے حکم ہوا کہ آپ بابل کی سرزمین کو چھوڑ کر مکہ شام اور فلسطین کی طرف چل دیں۔ آپ نبیل مکہ میں بیوی اور بچے کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے مصر پہنچے۔ پہلے تبادشاہ نے آپ کی بیوی حضرت سارہ کو ہتھیانا چاہا مگر پھر اس نے حضرت ہاجرہ کو بھی آپ کے ہمراہ کر دیا۔ اور اس طرح آپ مکہ فلسطین میں آکر آباد ہو گئے۔

شادی کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۳۲ سال تھی۔ یہ سب طویل عرصہ تک آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اب آپ کی عمر مبارک اسی سال ہو چکی تھی تَرَأْسُ دَقْتِ اپنے اپنے پروردگار کا منہ درخواست کی رَبِّ هَبْ لِي مِنْ الصَّالِحِينَ کہ مولا کریم! مجھے نیکوں میں سے بیٹا عطا کر دے۔ آپ اس وقت تک حضرت ہاجرہ سے نکاح نہ کیے تھے اللَّهُ تَعَالَىٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور فرمایا فَبَشِّرْنَاهُ بِعَلِيٍّ حَلِيمٍ ہم نے آپ کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔ اس بردبار بیٹے سے حضرت اسماعیل علیہ السلام مراد ہیں کہ آپ کی اولاد میں سے سب سے پہلے انہی کی ولادت ہوئی۔ آپ کے دو بڑے بیٹے حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام میں۔ بہر حال بیاں پر بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کی بشارت کا ذکر ہے، جو بڑے حوصلے اور تحمل والے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کا خواب فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّنَىٰ جب یہ بچہ تنگ و دو کی عمر کو پہنچ گیا سہمی

کام ہی نہیں کہہ رہی تھی۔ اور اسے آواز آئی وَ نَادَيْتُهُ أَنْ يَا قَرِيبُ
 اللہ نے فرمایا، ہم نے آواز دی ہے ابراہیم! قَدْ صَدَقْتَ الرَّسْمُ يَا قَرِيبُ
 خواب کر سچا کر دکھایا۔ آپ اس آزمائش میں پورے اترے۔ اِنَّا كَذَلِكَ
 نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم سچی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ابراہیم
 علیہ السلام نے تو تعمیل حکم کرتے ہوئے بیٹے کے گلے پر چھری چلا دی مگر اللہ تعالیٰ
 کو اسماعیل علیہ السلام کی جان بچا یا مقصود تھی، لہذا اُس نے باپ کو اُس کا بیٹا صحیح
 سلامت لوٹا دیا۔

اللہ نے فرمایا اِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ یہ ایک صریح
 آزمائش تھی جو ابراہیم علیہ السلام پر ڈالی گئی جس میں آپ پورا اترے۔ اور پھر اللہ
 نے یہ احسان بھی فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بھی دیدیا۔ فرمایا وَ قَدْ يَسَّرْنَا
 بِذِيحِ عَظِيمٍ اور ہم نے اُسے ایک عظیم جانور کے ذبح کرنے کا فدیہ دیا۔
 یہ عظیم جانور ایک مینڈھا تھا، جو اللہ نے جنت سے نازل فرمایا اور ابراہیم علیہ السلام
 کی چھری اسماعیل علیہ السلام کی بھلے اس مینڈھے کی گردن پر چل گئی، وہ ذبح ہو
 گیا اور اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ گویا مینڈھا آپ کا فدیہ بن گیا
 مفسرین کو اِس فرماتے ہیں کہ ذبح عظیم سے مراد صرف جانور کی قربانی نہیں
 اگرچہ وہ بہشت سے نازل شدہ عظیم جانور تھا۔ بلکہ اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے
 کہ ہم نے قربانی کا ایک بہت بڑا اصول قائم کر دیا ہے جو اِ قیامت جاری ہے
 گا اور اصل جذبہ ایمان و اطاعت تو وہی تھا جو بیٹے کی قربانی کے لیے موعظن تھا
 مگر اللہ نے جان کے بدلہ کے طور پر اسے جانور میں منتقل کر دیا۔ لہذا انہی جذبات
 کے تحت آئندہ کے لیے جانور انسانی جان کا فدیہ ہوگا۔ یہ کس طور پر قیامت تک
 زندہ رہے گا اور اہل ایمان ہر سال جانوروں کی قربانی کرتے رہیں گے۔

ہے ہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ شاید اسی سال یہ خواب پورا ہو گا۔ اور آپ عمرہ کی سعادت حاصل کریں گے مگر اُس سال آپ بغیر عمرہ ادا کیے مقام حدیبیہ سے واپس آ گئے اور اگلے سال جا کر عمرہ ادا کیا۔ اس طرح لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُوْلَهُ التَّوْبَا بِالْحَقِّ (الفتح - ۲۷) اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دیا۔

اسماعیل علیہ السلام
کا قربانی

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بار بار یہ خواب آ رہا تھا۔ کہ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خواب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بتلا کر اُن کی رائے لی تو سعادت مند بیٹے نے جواب دیا۔ قَالَ يَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمِرُ اے باپ! جس کام کا اچھا حکم دیا جا رہا ہے اُسے کر گزرو یعنی اللہ کے حضور میری قربانی پیش کر دو۔ جہاں تک میری ذمت کا تعلق ہے میں حکم خداوندی کی تعمیل میں کوئی پس و پیش نہیں کروں گا لَٰكُم مِّنْ عَمَلٍ شَاٰءَ اللّٰهُ مِمَّنِ الصّٰبِرِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ اَبْرَارًا مَّجِيْدٌ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں حکم خداوندی کے سلسلے سے تسلیم ختم کرتا ہوں، آپ میری گردن پر چھری چلا دیں۔ یہی وہ بردباری ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کے مزاج میں رکھ دی تھی۔ اللہ نے آپ کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کیا تھا، چنانچہ آپ کی تربیت بچپن سے کمال درجے کی ہو رہی تھی۔ بہر حال آپ نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔

فَلَمَّا اسْلَمْنَا بِحَرْبٍ دُونَ بَابِ بَيْتِ الْمِيْمِ اَوْ كُنْتُمْ لِيْ عِيْنًا مِّنْ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَاَنْصُرُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لِيُحْلِلَ لَكُمْ اَرْضَكُمْ وَابْنَاءَكُمْ وَابْنَاتَكُمْ وَاصْوَابَكُمْ يَوْمَ تَقُومُ السّٰجِدَةُ لِرَبِّهَا وَرَوُّوا وَاَنْصُرُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ لِيُحْلِلَ لَكُمْ اَرْضَكُمْ وَابْنَاءَكُمْ وَابْنَاتَكُمْ وَاصْوَابَكُمْ يَوْمَ تَقُومُ السّٰجِدَةُ لِرَبِّهَا وَرَوُّوا

حکم خداوندی کی تعمیل کا جذبہ مدد و جہد بیدار ہو گیا۔ وَتَسْكَنُ السّٰجِدَةُ لِرَبِّهَا اور ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل گرا دیا تاکہ آپ کی گردن پر چھری چلا دیں۔ پیشانی کے بل لٹانے کا یہ مطلب ہے کہ بیٹے کا خوبصورت چہرہ دیکھ کر باپ کے دل میں کہیں جذبہ ترحم نہ پیدا ہو جائے اور حکم الہی کی تعمیل میں فرق نہ آجائے۔ بہر حال جب باپ نے بیٹے کو لٹایا تو چھری گردن پر تیز چھری بھی چلا دی۔ مگر ابراہیم علیہ السلام یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ چھری اپنا

کچھ خوفزدہ ہوئے تو فرشتوں نے تسلی دی کہ خوف نہ کھائیں، ہم تو قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہؓ جو پاس کھڑی تھی ہنس پڑی فَبَشِّرْ نَهَا بِإِسْحَاقَ لَا وَهْمٌ قَدْ آتَاكَ إِسْحَاقُ يَعْقُوبُ (آیت - ۷۱) پھر ہم نے اُس کو اسحاق اور اُن کے پیچھے (اُن کے بیٹے) یعقوب کی بشارت دی۔ وہ کہنے لگی، بلے میرے کیسے بچہ ہوگا کہ میں بڑھیا ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہو چکے ہیں ایہ تو عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا، کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو، تم پر خدا تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں تمہارے خاندان پر۔ اللہ تعالیٰ علم والا بیٹا عطا کرے گا۔ اور اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام اپنے پوتے یعقوب علیہ السلام کو بھی دیکھیں گے چنانچہ یہ بشارت بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی۔

یہودیوں نے اس مسئلہ کو اگجا دیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس بیٹے کی قربانی دی تھی وہ اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام۔ حقیقت یہ ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تھی جو حضرت باجرہؓ کے بطن سے تھے اور اسحاق علیہ السلام سے سولہ سال بڑے تھے امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں اسی سال کی عمر میں پیدا ہوئے جب کہ اسحاق علیہ السلام بغیر دعا کے پیدا ہوئے جس کی بشارت قوم لوط پر عذاب لانے والے فرشتوں نے حضرت سارہؓ کو دی جس نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کیونکہ اس وقت میاں بیوی دونوں بوڑھے ہو چکے تھے۔ مطلب یہ کہ قربانی کا واقعہ اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہی پیش آیا تھا۔

البتہ البین کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیش کیا گیا تھا۔ دراصل یہ یہودیوں کے جمبوٹ اور تورات

قربانی -
اسماعیل علیہ السلام
یا اسحاق علیہ السلام

اس قدر سے بعض ضمنی مسائل بھی متفرع ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانے گا تو وہ حرام ہوگی کیونکہ جہاد کے علاوہ انسانی جان کو قربانی کے لیے پیش کرنا جائز نہیں۔ اللہ نے از خود کسی انسان کو ذبح کرنے کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس اور امام ابوحنیفہ سے یہ منقول ہے کہ بیٹے کی قربانی کی نذر ماننے والے کو جالور کی قربانی کرنی چاہیے کہ اس کی نذر یا قسم کا یہی کفارہ ہوگا۔ حضرت عمران بن حصین کی روایت میں آتا ہے کَفَّارَةُ الْيَسْمِينِ یعنی نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوتا ہے بعض لوگ نذر مان کر بچوں کو ذبح کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے جو کہ قطعی حرام ہے۔

فَرَمَا وَتَرَكْنَا عَلَيْهٖ فِي الْاٰخِرِيْنَ اُوْرَهْمَ نِيْ اِسْ كَا ذِكْرٍ خَيْرٍ
 پچھلوں میں چھوڑا ہے۔ سَلَّمَ عَلَکَ اَبَا هَيْمٍ سَلَامَتِيْ هُوَ اَبُو اِبْرٰهِيْمَ
 علیہ السلام پر گزرا کہ کَذٰلِكَ يَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ہم سچی کرنے والوں کو اسی
 طرح بدلہ دیتے ہیں اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ بے شک وہ ہمارے
 کامل الایمان بندوں میں سے تھے۔

اسحاق علیہ السلام
 کی بشارت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور بیٹے کی قربانی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحٰقَ نَبِيًّا وَنَا الصّٰلِحِيْنَ اور ہم نے بشارت دی (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق علیہ السلام کی جو اللہ کا نبی اور نیکوں میں سے تھا۔ اس بشارت کا ذکر سورۃ ہود میں تفصیل کے ساتھ ہوا ہے قوم لوط پر مذاب لیکر آنے والے فرشتے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس اتاریں شکلوں میں آئے۔ انہوں نے مہمان سمجھ کر بیٹھا ہوا لکھڑا اُن کے سامنے رکھا مگر اُن کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تھے جس کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام

۱۔ احکام القرآن للجصاص ص ۲۴۷ ج ۳

۲۔ احکام القرآن للجصاص ص ۲۴۷ ج ۳ (فیاض)

تمام عرب پیدا ہوئے اور پھر انہی میں سے اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
 کو پیدا فرمایا۔ دونوں خاندانوں میں نیچو کار بھی ہیں اور گنہگار بھی ان میں موعود بھی ہیں
 اور مشرک بھی جن کا ذکر اللہ نے قرآن پاک میں جا بجا کیا ہے۔

میں تخریف کا نتیجہ ہے۔ یہودی بہتان طراز قسم کے لوگ تھے اور جھوٹ بولنے میں ذرا بھی گریز نہیں کرتے تھے، بائبل میں لکھا ہے کہ اسرائیلیوں کی موآبی کے ساتھ دشمنی تھی۔ یہودیوں کی موآبی قبائل کو حرامی ثابت کرنے کے لیے حضرت لوط علیہ السلام پر اتہام باذہاکہ انہوں نے نعمت باللہ شراب پی کر خود اپنی بچیوں سے بدکاری کی جن کی اولاد موآبی ہیں۔ بالکل اسی طرح یہودیوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ قربانی اسحاق علیہ السلام کی ہوئی تھی حالانکہ قربانی کا واقعہ تو اس وقت پیش آیا جب اسحاق علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور اسماعیل علیہ السلام اپنے باپ کے اکیلے بیٹے تھے۔ اس مقام پر بھی اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اور ذبح عظیم کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت بھی دی۔ واقعاتی لحاظ سے بھی قربانی کا واقعہ سنی میں پیش آیا اور یہیں ہر سال حاجی لاکھوں کی تعداد میں قربانیاں کھتے ہیں اس کے برخلاف حضرت اسحاق علیہ السلام تو شام و فلسطین میں رہے۔ اگر قربانی کا واقعہ ان کے ساتھ پیش آتا تو اس کا ذکر بھی مکہ کی بجائے شام و فلسطین ہوتا۔ بہر حال قرآن پاک کے اسلوب سے واضح ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تھی اور یہودی اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

خاندان
ابراہیم علیہ السلام

فرمایا ہم نے بشارت دی اسحاق علیہ السلام کی جو نیچوں میں سے نبی تھے
 وَابْنُ كَتَا حَلِيْمٌ وَعَلَى اسْتَمْتَقَ اور ہم نے برکت دی اُس پر
 یعنی ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پر۔ وَصِفَتْ ذُرِّيَّتَهُمَا
 اور دونوں کی اولاد میں سے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت اسماعیل اور اسحاق
 علیہما السلام کی اولاد میں سے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ مُحَمَّدٌ وَظَلَمُوا
 لِنَفْسِهِمْ مَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ اور اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے بھی۔ خاندان اسحاق میں سے آگے ہزاروں
 شانیں نکلیں جو شام و فلسطین میں پھیلیں۔ اور اسی طرح خاندان اسماعیل میں سے

إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَيْرِينَ ﴿٣٥﴾ ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِينَ ﴿٣٦﴾
 وَإِنَّا لَنَكْمُرُكُمْ كَتَمُرُونَ عَلَيْهِمْ مُّصْحِحِينَ ﴿٣٧﴾
 وَبِالْيَلِيلِ ؕ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٣٨﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا موسیٰ اور
 لہرون علیہما السلام پر ﴿٣٥﴾ اور ہم نے ان دونوں کو نجات
 دی اور ان کی قوم کو بھی بڑی تکلیف سے ﴿٣٥﴾ اور ہم
 نے ان کی مدد کی، پس تمہے وہی غالب ہونے والے ﴿٣٦﴾
 اور وہی ہم نے ان دونوں کو ایک واضح کتاب ﴿٣٧﴾
 اور ہم نے راہنمائی کی ان دونوں کی صراطِ مستقیم کی طرف ﴿٣٨﴾
 اور چھوڑا ہم نے ان کے اوپر پچھلے لوگوں میں ﴿٣٩﴾ کہ
 سلام ہو موسیٰ اور لہرون علیہما السلام پر ﴿٣٩﴾ بیشک ہم
 اسی طرح بدلہ جیتتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿٣٧﴾ بیشک تمہے
 وہ دونوں ہمارے ایماں دار بندوں میں سے ﴿٣٦﴾ اور بیشک
 ایسا علیہ السلام البتہ اللہ کے رسولوں میں سے تمہے ﴿٣٥﴾
 جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے کیا تم ڈرتے نہیں؟ ﴿٣٧﴾
 کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو سب سے بہتر
 خالق کو ﴿٣٥﴾ اللہ جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے آباؤ اجداد
 کا بھی پروردگار ﴿٣٦﴾ پس ان لوگوں نے جھٹلایا اُس
 کو۔ پس بے شک وہ (عذاب میں پکڑے ہوئے) حاضر
 کیے جائیں گے ﴿٣٥﴾ مگر اللہ کے مخلص بندے ﴿٣٨﴾
 اور چھوڑی ہم نے ان کے اوپر پچھلے لوگوں میں دیکھ
 بات، ﴿٣٧﴾ کہ سلام ہو ایسین پر ﴿٣٦﴾ اسی طرح ہم بدلہ

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ①١٣٣ وَجَعَلْنَاهُمَا
 قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ①١٣٥ وَنَصَرْنَاهُمْ
 فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ①١٣٦ وَأَتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ
 الْمُسْتَبِينَ ①١٣٧ وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ①١٣٨
 وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْأَخْرِينَ ①١٣٩ سَلَامٌ عَلَىٰ
 مُوسَىٰ وَهَارُونَ ①١٤٠ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي
 الْمُحْسِنِينَ ①١٤١ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ①١٤٢
 وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ①١٤٣ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ
 أَلَا تَتَّقُونَ ①١٤٤ أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ
 أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ①١٤٥ اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبَّ
 آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ①١٤٦ فَكَذَّبُوهُ فَأَنَّهُم
 لَمُحْضَرُونَ ①١٤٧ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ①١٤٨
 وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْأَخْرِينَ ①١٤٩ سَلَامٌ عَلَىٰ
 إِبْرَاهِيمَ ①١٥٠ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ①١٥١
 إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ①١٥٢ وَإِنَّ لُوطًا
 لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ①١٥٣ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ①١٥٤

کہ دوسری بیوی حضرت سارہ سے بھی بیٹے کی بشارت ملی اور اللہ نے ان کے ماں بھی حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا عظیم المرتبت بیٹا تولد فرمایا جن کی اولاد کا سلسلہ دو تک گیا اور جس میں اللہ نے ہزاروں نبی مبعوث فرمائے۔ اس واقعہ میں حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا عنصر بھی ہے کہ دیکھو اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں نے کیسی کیسی تکالیف اٹھائیں اور کتنے امتحانات سے گزرے تو پھر اللہ نے ان پر انعامات بھی بے شمار کیے۔ اب اگلی آیات چند دیگر انبیاء اور ان کو پہنچنے والی تکالیف اور پھر ان کی کامیابی کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام اور آپ کے تابعین کو سمجھانا مقصود ہے کہ مخالفین کی ایذا رسانیوں سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ بالآخر کامیابی تمھارے ہی مقدر میں ہوگی۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ مَنَعْنَا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات قرآن پاک میں چھیلے ہیں سے زیادہ مرتبہ مختلف سورتوں میں بیان ہوئے ہیں تاہم یہاں پر اختصار کے ساتھ یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ان پیغمبروں اللہ کی وحدانیت کا پیغام پہنچانے کے لیے کن کن مشکلات کا سامنا کیا۔ مگر بالآخر اللہ نے انہی کو کامیاب بنایا۔ ارشاد ہوتا ہے وَجَعَلْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكُرْبِ الْعَظِيمِ اور ہم نے ان دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) اور دونوں کی قوم کو بڑی اذیت سے نجات دی۔ وَقَصَّرْنَاهُمَا اور ہم نے ان کی مدد کی فَصَكَّانُوا هُدَىٰ الْقَلْبَيْنِ اور آخر کار وہی غالب آئے فرعون اور اس کی قوم کو اللہ نے بحر قلزم میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل آزاد ہو گئے۔

پھر فرمایا وَأَتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَقِيمَ اور اللہ کے دونوں پیغمبروں کو ہم نے ایک واضح کتاب بھی دی۔ اس سے مراد توورات ہے۔ جو اصل میں تو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تاہم چونکہ دونوں پیغمبر اسی کتاب کی تبلیغ کے پابند تھے، لہذا اللہ نے اس کتاب کو دونوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس وقت

موسیٰ اور ہارون
علیہما السلام
کا ذکر

ہیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو (۱۳۱) تحقیق وہ تھے ہمارے نیک بندوں میں سے (۱۳۲) اور بیکس لوط علیہ السلام بھی البتہ اللہ کے رسولوں میں سے تھے (۱۳۳) جب کہ بجایا ہم نے اُن کو اور اُن کے گھر والوں سب کو (۱۳۴) سگڑ ایک بڑھیا جو بیچھے سُننے والوں میں تھی (۱۳۵) پھر ہلاک کیا ہم نے دوسروں کو (۱۳۶) اور بے شک تم (اے اہل مکہ) البتہ گزرتے ہو اُن پر صبح کے وقت (۱۳۷) اور رات کو بھی کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟ (۱۳۸)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے دونوں فرزندوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کا ذکر فرمایا۔ یہ تینوں حضرات اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ یہ سب اصحاب کامل درجے کے ایماندار اور اعلیٰ پیمانے کی نیکی کرنے والے تھے فَلَمَّا اسْتَلَمَا کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ باپ اور بیٹا ہر وقت اطاعت خداوندی میں مصروف رہتے تھے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو مسئلہ توحید سمجھایا تو وہ مخالف ہو گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو صنفویہتی کے باہر کھینے کے منصوبے بننے لگے۔ چنانچہ تاریخ عالم کی عظیم ترین آگ جلائی گئی جس میں ابراہیم علیہ السلام کو پھینک دیا گیا۔ یہ تو اللہ کی قدرت کی نشانی اور عظیم معجزہ تھا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام اس آگ سے صحیح سلامت بچ نکلے مگر اس کے باوجود قوم کے لوگ آپ کی دعوت کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ پھر آپ نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی اور اپنی مقررہ جگہ پر پہنچ کر بارگاہ رب العزت میں بیٹھے۔ یہی دعائیہ جبر اللہ نے قبول فرمائی۔ پھر جب بچ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچ گیا تو اللہ نے اُس کی قربانی کا حکم دیا۔ ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے مینڈھا بھیج کر قربانی کی تکمیل کی اور اسماعیل علیہ السلام کو بچالیا۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام

ربط آیت

المؤمنین یہ دونوں ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پہلے حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے لیے بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اب موسیٰ اور ہرون علیہما السلام کو بھی اللہ نے کامل ایمانداروں میں شمار کیا ہے۔

ایسا علیہ السلام
کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک اور نبی حضرت ایسا علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح فرمایا **وَإِنَّا لَنَسِئُكَ أَلَمُ الْمُسْمِكِينَ** اور بیشک ایسا علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ معلوم ہوا کہ اللہ نے نزول وحی کے علاوہ آپ کو مستقل شریعت بھی عطا کی تھی۔ قرآن پاک میں ایسا علیہ السلام کا ذکر صرف دو مقام پر آیا ہے۔ پہلا مقام سورۃ الانعام ہے جہاں اللہ نے اٹھارہ انبیاء کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ اگر وہ بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو ان کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ ان میں حضرت ایسا علیہ السلام کا نام بھی مذکور ہے۔ اور دوسرا مقام اس سورۃ میں ہے جہاں اللہ نے آپ کی دعوتِ توحید کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ آپ کی بیچ اور ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔

اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ ایسا علیہ السلام حضرت ہرون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اور ان کا زمانہ الیسع نبی کا قریبی زمانہ ہے۔ آپ شرقی اردن کے ایک مقام جلعاد میں پیدا ہوئے اس زمانے میں بعل بکٹ بڑا تمدن شہر تھا۔ اللہ نے آپ کو اس شہر کی طرف مبعوث فرمایا تاکہ وہاں کے لوگوں کو توحید کی دعوت دیں۔ حضرت ایسا علیہ السلام کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ وہ زندہ ہیں، حالانکہ یہ روایت صحیح نہیں ہے حقیقت یہی ہے کہ آپ اپنا درگزار کر اپنے رب کے ہاں پہنچ چکے ہیں۔

بائبل میں بعل بک کے بارشاہ کا نام اجباب اور اہس کی مشکہ بیوی کا نام ازابل

بعل بک
کی پوجا

۱۔ تفسیر کبیر ص ۱۶۱ و التلخیص المغیر ص ۳۸۹
۲۔ طبری ص ۹۳ و معالم التنزیل ص ۲۱۴ تا ۲۱۸ (فیاض)

بائبل کے پہلے پانچ باب تورات پر مشتمل ہیں۔ قرآن پاک کے بعد یہ دوسرے نمبر پر عظیم الشان آسمانی کتاب ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے عقائد، اخلاق، حدود و تعزیرات کے علاوہ معاشرتی احکام بھی بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کی عظمت کے پیش نظر اللہ نے سورۃ القصص میں قرآن اور تورات کے متعلق مشترکہ طور پر فرمایا: قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا (آیت - ۴۹) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان دونوں کتابوں سے بہتر ہدایت دہندہ کوئی کتاب ہے تو لے آؤ۔ مطلب یہ کہ یہ دونوں کتابیں یعنی قرآن اور تورات سب سے زیادہ جامعیت کی حامل ہیں۔ ان کے علاوہ باقی دو آسمانی کتابیں انجیل اور زبور میں مگر وہ اتنی جامع نہیں ہیں ان میں زیادہ تر اخلاقی تعلیم ہے، مسائل اور تعزیرات کم ہیں۔ البتہ توحید کا اثبات اور شرک کی تردید تمام کتب سماویہ میں پائی جاتی ہے۔

پھر اللہ نے اپنے دونوں انبیاء یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق فرمایا وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اور ہم نے دونوں کی راہِ راست کی طرف رہنمائی کی۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں صراطِ مستقیم کے راہی تھے۔ اللہ نے ان کے قول و فعل میں استقامت بخشی تھی۔ دیگر انبیاء کی طرح اللہ نے ان کو بھی مخاند کھانڈ اور ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھا تھا۔ ان میں کمال درجے کی عبادت و پرہیزگاری تھی اور وہ صبر و تحمل اور بردباری کا پیکر تھے۔ نیز فرمایا وَنَزَّلْنَا عَلَيْهَا فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے پھیلوں کے لیے بھی ان دونوں کے حق میں یہ بات چھوڑ دی یعنی بعد میں آنے والے لوگ بھی ان کو اچھائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں سَلَّمَ عَلَيَّ مَوْسَىٰ وَهَارُونَ سلام ہو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر۔ اللہ نے ان کو وہ مرتبہ بخشا کہ قیامت تک آنے والے لوگ ان کے لیے سلامتی اور رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ فرمایا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیک کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا

فرمایا وہ بہترین پیدا کرنے والا اللہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے رَبُّكُمْ وَرَبُّ
 آبَائِكُمْ الْأَوَّلِينَ جو تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد
 کا بھی تم اس کی بجائے بعل کی پوجا کرتے ہو جو بے جان مورتی ہے اور تمہارے
 کسی کام نہیں آسکتی۔ آج بھی مشرک لوگ ویسا ہی کام کر رہے ہیں۔ وہ یہ معاملہ توں
 کے ساتھ کرتے تھے۔ آج کے مسلمانوں نے یہی معاملہ قبروں کے ساتھ شروع
 کر دیا ہے قبروں کو پختہ کیا جاتا ہے، ان پر گنبد بنائے جلتے ہیں، پھر چادریں
 چڑھتی ہیں۔ اور گل پاشی ہوتی ہے اور پھر نادان لوگ ان کو سجدے کرتے ہیں۔
 — اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ کفر، شرک اور بدعات کی باتیں ہیں
 جن میں رسومات باطلہ بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ اور شرک کے یہ اڈے بعض لوگوں
 کی معیشت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ پھر لوگ انہیں کاروباری لحاظ سے ترقی
 دیتے ہیں۔ ان کے حق میں ان سیدھا پراپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ عرس اور میلے
 منعقد ہوتے ہیں اور اس طرح ان کا کاروبار چل نکلتا ہے۔

تو ایسا علیہ السلام نے فرمایا، کیا تم بہترین پیدا کرنے والے کو چھوڑ کر بعل کی
 پوجا کرتے ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ اللہ خالقِ کُلِّ شَیْءٍ (الزمر - ۶۲) ہر چیز کا پیدا
 کرنے والا (خالق) تو اللہ ہے مگر احسن الخالقین کے لفظ سے مترشح ہوتا ہے
 کہ کوئی اور بھی خالق ہیں جن میں سے بہترین خالق اللہ ہے۔ قرآن بہترین خالق
 اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ مجازی طور پر انسان بھی تو بعض چیزیں تیار کرتے ہیں۔
 مثلاً کیمٹری والوں نے بے شمار مرکبات تیار کیے ہیں اور فزکس کے ماہرین نے
 بہت سی مشینری ایجاد کی ہے جس سے ضروریاتِ زندگی کی لاتعداد چیزیں بنائی
 جا رہی ہیں۔ بندہ اپنے عطا شدہ اختیارات کو بروئے کار لا کر ہر تھرا پاؤں ہلاتا ہے
 جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ مگر حقیقی خالق وہی
 ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں گمراہ چکا ہے کہ انسان کے افعال کا خالق بھی

اللہ نے فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْكَ فِي الْاٰخِرِيْنَ ہم نے ان کا ذکر خیر
 بچھڑوں میں چھوڑا یعنی بعد میں کہنے والے لوگ بھی کہیں گے مَسَلَّمًا عَلٰى اِلٰیٰیٰسِیْنَ
 سلام ہو الیاسین پر۔ اس سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہی ہیں۔ عمری قرأت میں
 بعض دفعہ ایسے بھی پڑھتے ہیں جیسے طُوْرًا سِیْنَا کہ طُوْرًا سِیْنِیْنَ (التین ۱۲)
 بھی کہا گیا ہے۔ فَرَمٰی اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْنِیْ الْمُحْسِنِیْنَ ہم نجاتی کرنے والوں
 کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں اِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ وہ
 ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے تھے، اسی لیے اللہ نے انہیں رسالت و
 نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور پھر آپ نے دیکھا کہ انہوں نے کس خلوص و
 لگن کے ساتھ اپنی قوم تک دعوت توحید پہنچائی اور کس طرح مصائب کو برداشت
 کیا۔ اگرچہ یہاں پر آپ کی ایذا رسانیوں کی تفصیل نہیں دی گئی تاہم یہ ایک مملکت
 ہے کہ توحید کی دعوت دینے والوں کو مشکلات کی گھاٹی عبور کرنا ہی پڑتی ہے
 اور جیسا کہ میں نے اشارہ کیا کہ آپ کچھ عرصہ تک روپوش رہے کیونکہ قوم آپ
 کی جان کے درپے تھی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی نبوت و رسالت
 کا تذکرہ فرمایا وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِّنَ الْمُرْسَلِیْنَ اور بیشک لوط علیہ السلام
 بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ انہوں نے بھی وحدانیت کی تبلیغ اور
 براہوں سے منع کرنے کی پاداش میں سخت تکالیف اٹھائیں۔ آپ کی بعثت
 شرق اردن میں بارہ لاکھ سے زیادہ آبادی والی قوم کی طرف ہوئی جن کے سدوم
 اور عامورہ وغیرہ چھ بڑے بڑے شہر تھے اور جن کی آبادی چار لاکھ سے زیادہ
 تھی اور باقی چھوٹی بتیاں اور دیہات تھے۔ آپ عرصہ تک ان کو تبلیغ حق
 کرتے رہے، ان میں ہم جنسی کی نہایت ہی قبیح بیماری پیدا ہو چکی تھی جس سے
 آپ منع کرتے رہے مگر قوم نہ مانی بلکہ ان آپ کو طرح طرح سے ایذا میں
 پہنچائیں۔ آپ کی بیٹیوں کے سوا کوئی شخص بھی ایمان نہ لیا حتیٰ کہ آپ کی بیوی

وہی ہے۔ غرضیکہ تمام انسانی مہتموں کی بنائی ہوئی مصنوعات کو سامنے رکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ سب سے بہتر خالق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ کوئی انسان مادے کے بغیر کوئی چیز تخلیق نہیں کر سکتا اور مادہ خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ نیز جب اللہ تعالیٰ کوئی چیز پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ زمین اور آسمان کو بغیر آئے اور مادے کے تخلیق کر سکتا ہے، اور بغیر آپ کے بیٹا عطا کر سکتا ہے، مگر کوئی سائنسدان یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ ہی بہترین خالق ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ بہترین خالق وہ اللہ ہے جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے آباء و اجداد کا بھی۔ وہی تمہیں تدریج مدد کمال تک پہنچاتا ہے اور تمہیں تمام ضروریات زندگی مہیا کرتا ہے۔

اس دعوت توحید کے جواب میں فکذکوبہ قرم کے لوگوں نے ایسا علیہ السلام کو مجھلا دیا۔ انہوں نے آپ کی کوئی بات نہ مانی بلکہ اللہ آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے حتیٰ کہ بادشاہ اپنی بیوی کے کہنے پر آپ کے قتل کے درپے ہوا اور تفسیری روایات کے مطابق آپ کا فی حدیث تک رہا۔ فرمایا ان کی اس گستاخی، نافرمانی اور تکذیب کا نتیجہ یہ نکلتے گا فَلَا تَنْفَعُكُمْ خُضْرُؤُنَّ کہ قیامت طے دن وہ مگر فتنہ کے اللہ کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ مگر اس کے مخلص بندے اس گرفت سے بچ جائیں گے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں گے، ظلم فریادتی سے باز آجائیں گے، عدل و انصاف کا دامن تھام لیں گے، وہی اللہ کے مخلص بندے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ جائیں گے۔

میں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہو مگر باطن میں اُس کے ساتھ دوستانہ ہے۔ تم اکثر کام شیطان کی خواہش کے مطابق انجام دیتے ہو۔ تمام رسم و رواج، بدعات، شرکیہ اور کفریہ عبادت اور فضول خرچی شیطان کی خواہش کی تکمیل ہی تو ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ نے ابن آدم کو خطاب کر کے فرمایا ہے أَلَمْ آعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (آیت ۶۰) اے ابن آدم! کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے مگر تم پھر بھی اُس کے دام میں پھنس گئے۔

فرمایا، شیطان کو اپنا دشمن سمجھو إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنَ أَصْحَابِ السَّعِيرِ بے شک وہ اپنے گمراہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ سب دوزخ والوں میں ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی جماعت بنا کر ان کو جہنم میں لے جانا چاہتا ہے۔ لہذا اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کا انجام بھی بیان کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ كَفَرُوا وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ کفر کا انجام لازماً بُرا ہوگا۔ کفر کا معنی دین، شریعت اور توحید کا انکار ہے۔ یہ سخت جرم ہے جس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان کے متعلق فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہوگا۔ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ دوسری منزل ہے اگر ایمان کی بنیاد مستقیم ہے تو نیکی بھی مقبول ہوگی، ورنہ نہیں، نیک اعمال میں سب سے پہلے فرائض یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج آتے ہیں۔ پھر جہاد قربانی، اور صدقہ و خیرات کا نمبر ہے، انسان سے بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے معاف فرمائے گا۔ دوسرے

کفر اور ایمان کا انجام

بھی کافرہ ہی رہی۔ یہ تجارت پیشہ لوگ تھے۔ یمن سے شام و فلسطین اور مصر تک پہنچنے والی شاہراہ پر واقع تھے۔ یہاں سے قافلے ہر وقت گزرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ خاصے آسودہ حال تھے۔

ارشاد ہوا کہ لوط علیہ السلام بھی ہمارے رسولوں میں سے تھے۔ اللہ نے آپ کو مستقل شریعت عطا فرمائی تھی۔ آپ نبی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے اور قوم نے آپ کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ بالآخر قوم کی تباہی کا وقت آگیا۔ اللہ نے حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو لے کر راتوں رات بستی سے نکل جاؤ کیونکہ ان پر عذاب آنے والا ہے۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور اپنی بچیوں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اس طرح آپ اور آپ کے گھر والے توجیح گئے اِذْ جَعَلْنَا وَاٰهْلًا اَجْمَعِيْنَ ہم نے نجات دی آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو اِلَّا سَجُوْا زَاٰفِي الغیبین سولے بڑھیا کے جوڑے پہننے والوں میں تھی۔ یہ آپ کی بیوی تھی جو آپ کے ساتھ رات کو نہیں نکلی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ نکلی تو تھی مگر راستے سے واپس پلٹ گئی تھی۔ تو رات کی ہدایت کے مطابق حکم یہ تھا کہ بستی سے نکل جاؤ مگر پلٹ کر نہ دیکھیں مگر بیوی تھوڑی دور چلی پھر پلٹ کر بستی کی طرف دیکھا تو اللہ نے اُس کو وہیں سنج کر دیا اور وہ پتھر بن گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ گھر میں ہی پھری رہی اور باقی قوم کے ساتھ عذاب کا شکار ہو گئی اللہ نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا اور پھر اُد پر سے پتھروں کی بارش بھی کی جس سے ساری قوم ملیا سیٹ ہو گئی۔ اسی چیز کے متعلق فرمایا کہ لوط علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں یعنی بچیوں کو تو ہم نے بِجَالِيَا ثَمُوْدَ مَسْنَا الْاٰخِرِيْنَ پھر دوسروں کو تیس تیس کر دیا۔ تدمیر کا معنی تہ و بالا کر دینا ہوتا ہے۔ اللہ نے کسی فرد واحد کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

آگے اہل مکہ کو تیبہ کی جا رہی ہے اور عبرت دلائی جا رہی ہے وَإِنَّكُمْ لَتَعْرِوْنَ عَلَيْهِمْ مَوَاصِيحِينَ اور بٹیک تم ان پر سے گزرتے ہو صبح کے وقت وَبِالْأَيْدِي اور ان تباہ شدہ بستیوں پر تمہارا گزرتا رات کے وقت بھی ہوتا ہے۔ تم تجارتی سفر پر مصر، شام اور فلسطین کی طرف جلتے ہو۔ تو ان بستیوں کے کھنڈرات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہو حضور علیہ السلام کے زمانہ تک ان بستیوں کے کھنڈرات موجود تھے جنہیں مشرکین مکہ دیکھتے تھے مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے تھے۔ بحیرت کو تو خدا تعالیٰ نے اس قدر برباد کر دیا کہ اُس میں اب بھی کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ اللہ نے عبرت دلاتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ کر بھی تم راہِ راست پر نہیں آتے۔ انہوں نے اپنے نبی لوط علیہ السلام کی تکذیب کی۔ ان کو ایذا نہیں پہنچائیں، حق کو تسلیم نہ کیا تو ان کا کیا حشر ہوا۔ اگر تم بھی انہی کے راستے پر چلتے ہوئے نبی آخر الزمان کی مخالفت کر دو گے اُن کو تکالیف پہنچاؤ گے اور ان پر ایمان نہیں لاؤ گے تو تمہارا انجام بھی قوم لوط سے مختلف نہیں ہوگا أَفَلَا تَعْقِلُونَ کیا تم سمجھ نہیں سکتے۔ تمہاری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ کافروں، مشرکوں اور بدکردار لوگوں کا انجام کیا ہوتا ہے؛ ان کو دیکھ کر ہی نصیحت پڑ لو تو رنج جاؤ گے وگرنہ خدا کے عذاب میں مبتلا ہونے بغیر نہیں رہو گے۔

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝۱۳۹ إِذَا بَقِيَ إِلَى الْفُلِّ الْفَلْكَ الْمَشْحُونِ ۝۱۴۰ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝۱۴۱ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ۝۱۴۲ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ۝۱۴۳ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝۱۴۴ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۝۱۴۵ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ ۝۱۴۶ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۝۱۴۷ فَآمَنُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۝۱۴۸

ترجمہ :- اور بیشک یونس علیہ السلام اللہ کے رسولوں میں سے ہیں ۱۳۹ جب وہ بھاگ گئے بھری ہوئی کشتی کی طرف ۱۴۰ پس قرعہ اندازی میں شریک ہوئے پس وہی تھے مغلوب ہونے والوں میں ۱۴۱ پس لقمہ بنا یا اُن کو ایک مچھلی نے اور وہ ملامت والے تھے ۱۴۲ پھر اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ تسبیح پڑھنے والوں میں ہوتے ۱۴۳ تو البتہ محضرتے وہ احمس (مچھلی) کے پیٹ میں لوگوں کے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن

تک (۱۴۴) پھر ہم نے ڈال دیا اُن کو ایک چٹیل میدان میں اور وہ بیمار تھے (۱۴۵) اور اگایا ہم نے ان کے اوپر ایک بیل دار درخت (۱۴۶) اور بھیجا ہم نے اُن کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف (۱۴۷) پس وہ ایمان لائے۔ پھر ہم نے اُن کو فائدہ پہنچایا ایک وقت تک (۱۴۸)

ربط آیت

پہلے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر ہوا، پھر ایسا علیہ السلام کا اور پھر لوط علیہ السلام کا۔ یہ سب اللہ کے نبی اور رسول تھے جنہوں نے ایمان اور توحید کی بات لوگوں تک پہنچائی، مگر لوگوں نے تسلیم نہ کیا بلکہ شدید مخالفت کی اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے اُن کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ نوح علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں اللہ نے اُن کی قوم کو غرق کیا، موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے مخالفین بھی بحرِ قلزم میں ڈوبے۔ حضرت ایسا علیہ السلام نے قوم کو بعل کی پوجا سے منع کیا۔ وہ بھی باز نہ آئے تو اللہ نے اُن پر بھی عذاب بھیجا۔ اللہ نے حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں کو بستی سے نکال کر باقی لوگوں کو نیست و نابود کر دیا۔ ان کی بستیاں اُلٹ دی گئیں اور اُدپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ یہ سارے واقعات اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ عرب اور بعد میں آنے والوں کے لیے بطور عبرت ذکر کیے ہیں، اور یاد دلایا ہے کہ اگر تم بھی نافرمانی سے باز نہ آئے اور دعوتِ حق کو قبول نہ کیا تو تمہارا انجام بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

اب اسی سلسلہ رسالت کی کڑی کے طور پر حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے **وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ** اور یونس علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ وہ صاحبِ وحی تھے اور اللہ نے ان پر صحیفہ بھی نازل فرمایا جو کہ بائبل میں صحیفہ یوناہ یا یونان کے نام پر شامل ہے موجودہ بائبل میں پہلے پانچ باب تو رات کے ہیں اور کل انتالیس صحائف

یونس علیہ السلام
کا تذکرہ

دوسرے نبیوں کے ہیں جن میں یونسؑ نبی کا صحیفہ بھی ہے۔ آگے زبور ہے اور آخر میں چار انجیلیں ہیں۔ جس طرح عیسائیوں نے انجیل کو بگاڑ دیا ہے اسی طرح مقدس کتاب کلمانے والی تورات بھی انسانی ہمتوں کی دست برد سے محفوظ نہیں رہی۔

یونس علیہ السلام کا اصل وطن تو شام و فلسطین تھا۔ مگر اللہ نے اُن کو عراق کے صوبہ موصل میں دریائے فرات کے کنارے واقع مشور شمرینینا کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال قبل کا ہے آپ بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جس میں اللہ نے کم و بیش چار ہزار نبی مبعوث فرمائے۔ نینوا کا شہر ایک متمدن علاقہ تھا جہاں مستقل بادشاہت تھی۔ آپ وہاں عرصہ دراز تک لوگوں کو تہجد کی دعوت دیتے رہے مگر لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ آخر آپ نے اللہ کے حکم سے لوگوں کو وعید سنائی۔ کہ اگر اب بھی ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو۔

یونسؑ کی
خطائے
اجتماعیہ

یونس علیہ السلام لوگوں کو عذاب کی وعید سناتا کہ اُس بستی سے از خود نکل گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہ کیا۔ جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے۔

فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ رَجُوعًا رَبِّهِ (آیت ۸۷) انہوں نے گمان کیا کہ بلا اجازت بستی چھوڑ دینے سے اُن پر اللہ کی گرفت نہیں آئے گی۔ یہ آپ کی خطائے اجتماعی تھی، مگر نہ انہیں خدا تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے تھا جب حکم ہوتا اُس وقت بستی سے نکلتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس جلد بازی کو بے صبری سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ سورۃ القلم میں حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ (آیت ۷۸) آپ اپنے پروردگار کے حکم کے لیے صبر کریں اور پھلی مارے یعنی یونس علیہ السلام کی طرح نہ بن جائیں۔ بہر حال اس واقعہ میں یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ صرف اجتہادی غلطی تھی جس کی بنا پر آپ پر اللہ کی طرف

سے گرفت آگئی۔ کسی عام مومن پر تو ایسی معمولی خطا پر کچھ نہیں ہوتی۔ مگر انبیاء علیہم السلام چونکہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ اور ان کی تہمت تہذیب زیادہ مقصود ہوتی ہے، اس لیے اس قسم کی اجتہادی خطا پر بھی آزمائش میں ڈال دیے جاتے ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ کے کسی نبی سے معمولی لغزش تو ہو سکتی ہے جیسے یونس علیہ السلام سے ہوئی مگر ان کو یہ گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ ان سے گناہ نہیں سرزد ہوتا۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کوئی نبی بالقصد والاختیار گناہ کا مرتکب ہو تو دائرۂ نبوت سے ہی خارج ہو جائے گا۔ عصمت انبیاء کی شہادت خود قرآن پاک نے دی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آتے ہیں کَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ (یوسف - ۲۴) یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے دلم فریب سے بچا کر فرمایا کہ ہم اسی طرح اپنے بندوں کو برائی اور بے حیائی سے دور رکھتے ہیں۔ اور یوسف علیہ السلام تو ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔ اللہ نے عام نبیوں کے متعلق بھی فرمایا ہے إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرِي الدَّارِ (۴۶) وَفِيهِمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ (۴۷) (سورۃ ص ۳) ہم نے ان کو آخرت کے گھر کی یاد جیسی خصوصیت سے ممتاز کیا ہے، اور وہ ہمارے برگزیدہ اور منتخب بندے ہوتے ہیں وہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ انبیاء چونکہ حقیقی گناہ سے پاک ہوتے ہیں، اس لیے معمولی لغزش پر ان کی سزا بھی حقیقی نہیں ہوتی بلکہ ان کو صرف جسمانی تکلیف دی جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام حقیقی گناہ اور حقیقی عقوبت

سے پاک ہوتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں۔
 "انبیاء علیہم السلام در اقبال امر الہی بیسج و حج تقصیر نہ کردہ اند یعنی اللہ کے نبی اللہ
 سے کسی طرح بھی کوتاہی نہیں کرتے۔ چنانچہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے
 بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **يَلْفِ مَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ
 قرآن لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ** (المائدہ - ۶۷) جو کچھ آپ
 پر نازل کیا گیا ہے۔ آپ اُسے بلا کم و کاست پہنچادیں اور اگر آپ نے ذرہ بھر
 بھی کوتاہی کی تو گویا آپ نے حق رسالت ہی ادا نہیں کیا۔ اہل سنت والجماعت
 کا عقیدہ تو یہ ہے کہ انبیاء کی کسی لغزش کا تذکرہ بھی نہیں کرنا چاہتے جس سے ان
 کی کمزوری مترشح ہوتی ہو۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ شیبانی لکھتے ہیں۔ **لَا يَجُوزُ
 ذِكْرُ ذَلَّةِ الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّ ذَلَّتْهُمْ تَوَجِبُ كَمَالَ الْإِنْبَاءِ إِلَى
 اللَّهِ وَرَفَعَ دَرَجَاتِهِمْ وَمِنْ اعْتِرَاضٍ عَلَى أَحَدٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ
 فَقَدْ كَفَرَ** انبیاء علیہم السلام کی لغزش کا ذکر کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کی لغزشیں
 کمال انابت الی اللہ اور ان کے رفع درجات کو واجب کرتی ہیں۔ اور جس شخص
 نے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک پر بھی اعتراض کیا تو اُس نے گویا کفر کیا۔
كَيْفَ لَمْ يَفْرِقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ (البقرہ - ۲۸۵) ہم اللہ
 کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔ صحیحین کی روایت
 میں یہ بھی آتا ہے **مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ الْإِنِّ خَيْرٌ مِنْ
 يُونُسَ بْنِ مَتَّى** کہ کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کہے میں یونس
 ابن متی سے افضل ہوں۔

مولانا محمود
 کی غلطی

مسئلہ عصمتِ انبیاء کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ بعض لوگوں
 کو اس معاملہ میں غلطی ہوئی ہے۔ یہود و نصاریٰ نے گویا نبی کی نسبت

انبیاء کی طرف کی ہے، تاہم ہمارے زمانے کے مفسر قرآن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اس مسئلہ میں سخت غلطی کی ہے جس کی وجہ سے علماء نے ان کا تعاقب کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا مرحوم بڑے ذہین آدمی تھے انہوں نے اپنی زندگی صحافت سے شروع کی اور وہ بہترین صحافی ثابت ہوئے۔ آپ نے انگریزی، عربی اور فارسی سے شناسائی پیدا کی اور بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں، مگر ان کی کمزوری یہ تھی کہ ان کا سارا علم مطالعہ کے زور پر تھا۔ باقاعدہ استادوں کے سامنے زانوئے ادب طے نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ جو شخص کتابیں، رسالے اور اخبارات پڑھ کر عالم بنا ہو وہ غلطیاں بھی کرے گا۔ تو مودودی صاحب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ انہوں نے بہت بڑی تفسیر لکھی ہے مگر اس میں غلطیاں بھی کی ہیں۔ اس معاملہ میں علامہ اقبال کی حیثیت مختلف ہے۔ وہ عالم دین تو نہیں تھے بلکہ فلسفہ میں ڈاکٹر میٹ (P.H.D) کیا تھا، لہذا جہاں دینی مسائل درپیش ہوئے تو وہ علماء کی طرف رجوع کرتے تھے۔ علامہ اقبال نے راہنمائی کے لیے سید سلیمان ندوی اور مولانا انور شاہ کشمیری کی طرف خطوط لکھے، مولانا معین الدین جمیری کو مشکوک مسائل کے متعلق خطوط لکھے، انکے تھے کہ میں دینی مسائل میں علماء کا محتاج ہوں اور ان کی تحقیق کو سند کا درجہ دیتا ہوں۔ آپ حجیتہ علم نے ہند کی بات کو بھی سند مانتے تھے، باقی سیاسی اور دیگر معاملات میں اپنی صوابدید پر عمل کرتے تھے۔

بہر حال مولانا مودودی کی یونیس علیہ السلام کے متعلق غلطی یہ ہے کہ آپ نے سمجھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے ان پر اتلا آئی۔ یہ بات بنیادی طور پر غلط ہے کیونکہ اگر نبی فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے تو وہ تو منصب نبوت کا اہل ہی نہیں رہتا۔ بلا اجازت بستی سے نکل جانا حضرت یونس علیہ السلام کی اجتہادی غلطی تھی نہ کہ فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی۔

بعض لوگوں کو بعض انبیاء کی دعاؤں کے الفاظ سے بھی غلط فہمی ہوتی ہے

خود یونس علیہ السلام نے مذکورہ لغزش سرزد ہوجانے پر دعا کی تھی **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
 سُبْحَانَكَ عَمَّا يُشْرِكُونَ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** (الانبیاء - ۸۷) اے مولا کریم! تیرے
 سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے، بے شک میں ہی ظالموں میں سے تھا۔ جب
 موسیٰ علیہ السلام کے لہجوں ایک قبیلے کا قتل ہو گیا۔ تو انہوں نے بھی بارگاہِ عزت
 میں یوں دعا کی تھی۔ **رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغْفَرَ لَہٗ**
 (القصاص - ۱۶) پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، پس مجھے معاف کرنے
 تو اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا میں بھی یہ لفظ
 آیا ہے **رَبِّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کَمَا کُنَّا نَعْفُو لَنَا وَتَرْحَمْنَا
 لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ** (الاعراف - ۲۳) اے ہمارے رب!
 ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا۔ اور ہم پر
 رحم نہیں کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔

یہ کوئی بالقصد واردہ گناہ نہیں تھے بلکہ معمولی لغزشیں تھیں انبیاء نے اپنے
 منصب کے پیش نظر ان کو بھی ظلم و زیادتی سے تعبیر کیا اور اللہ تعالیٰ سے
 معافی کی درخواست کی۔ انبیاء علیہم السلام ہا اپنی طرف ظلم کی نسبت کرنا مجازی
 معنی میں ہے۔ نبیوں کی شان چونکہ بلند اور رفیع ہوتی ہے۔ اس لیے معمولی سی
 غلطی بھی بڑی نظر آتی ہے۔

کشتی میں
 سواری

بہر حال یونس علیہ السلام قوم کو وعید سنا کر بتی سے نکل کھڑے ہوئے
 اور اللہ کے حکم کا انتظار نہ کیا اور پھر بڑھیم خود اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 عدم گرفت پر محمول کیا۔ **اِذْ اَبَقَ الْحَبْلُ الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ** جب کہ
 وہ بھاگے بھری ہوئی کشتی کی طرف۔ ابا کی کا سٹی ہے غلام کھانے آقا سے بھاگ
 جانا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو غلام اپنے آقا سے بھاگ جائے اس کی نماز قبول
 نہیں ہوتی جب تک کہ وہ واپس نہ آجائے۔ بتی سے نکل کر دریا کے کنارے پہنچے
 اس وقت ایک کشتی مسافروں سے بھری کھڑی تھی۔ جو یافتہ سے ترسے کی طرف

جا رہی تھی۔ آپ بھی اُس میں سوار ہوئے۔ قدرتِ خدائی ایسی ہوئی کہ دریائے دریا میں تاشچ کہ یہ کشتی رک گئی حالانکہ دوسری کشتیاں بخوبی آجا رہی تھیں۔ ملاحوں نے خطرے کا اعلان کیا کہ کشتی پر بوجھ زیادہ ہے اور یہ اس حالت میں دریا کو عبور نہیں کر سکتی، لہذا اس کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ایک آدمی کو دریا میں پھینک دیا جائے۔ اگرچہ بعض مفسرین نے ایسا ہی لکھا ہے مگر یہ بات قرین قیاس نہیں کیونکہ اگر بوجھ ہلکا کرنا مقصود تھا تو پہلے آدمی کی بجائے سامان کو پھینکا جاتا مگر انہوں نے اپنے دستور کے مطابق ہی گمان کیا کہ اس کشتی میں اپنے آقا سے بھاگا ہوا کوئی غلام سوار ہو گیا ہے جس کی نحوست کی وجہ سے کشتی کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایسے شخص کو دریا میں پھینک دیا جائے تاکہ باقی مسافروں کی جان بچ جائے۔ مگر یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ وہ کون سا کشتی سوار ہے جو اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہے۔

آخر کار اہل کشتی نے باہم مشاورت سے طے کیا کہ تمام مسافروں میں قرعہ اندازی کی جائے اور جس شخص کے نام پر قرعہ نکلے اُسے دیا برد کر دیا جائے فَاھَمَّ پس یونس علیہ السلام بھی قرعہ اندازی میں شریک ہوئے۔ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ پس وہی تھے مغلوب ہونے والوں میں یعنی قرعہ انہی کے نام نکلا تاکہ انہیں دریا میں پھینک دیا جائے۔ قرعہ اندازی میں یونس علیہ السلام کی شرکت کے متعلق بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آپ کی اچھی شکل و صورت دیکھ کر اہل کشتی نے آپ کو کہا کہ آپ قرعہ ڈالیں۔ بہر حال آپ نے بذاتِ خود قرعہ اندازی کی یا دوسروں نے کی بار بار ایسا کرنے پر نام آپ ہی کا نکلا مگر لوگوں کو اعتبار نہیں آ رہا تھا کہ اس شکل و صورت کا نیک آدمی بھاگا ہوا غلام ہو سکتا ہے۔

الہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، بیشک میں ہی زیادتی کرنے والوں میں ہوں یعنی میں ہی قصور دار ہوں۔ جب آپ نے مچھلی کے پیٹ میں یہ تسبیح بیان کی تو اسے عرش کے ارد گرد والے فرشتوں نے سنا اور عرض کیا ہو کریم یہ کمزور اور نحیف سی آواز کس کی آرہی ہے؟ اللہ نے فرمایا یہ میرے بندے یونس علیہ السلام کی تسبیح ہے جو اس وقت سمندر کی تہوں میں مچھلی کے پیٹ میں ہے۔ فرشتوں نے کہا، کیا وہی یونس علیہ السلام جس کے نیک اعمال ہر روز تیری بارگاہ میں پیش ہوتے تھے؟ فرمایا، ہاں۔ پھر فرشتوں نے بارگاہ رب العزت میں سفارت کی کہ مولا کریم اپنے بندے کو اس مصیبت سے نجات دے۔

ترمذی شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے دَعْوَةُ الْمَكْنُوتِ دَعْوَةُ ذِي النُّونِ یعنی مصیبت زدہ آدمی کی دعا ہی یونس علیہ السلام والی دعا ہے۔ جو شخص مصیبت کے وقت یہ دعا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ضرور اُس کو قبول کرے گا اور مصیبت سے رهایی عطا کرے گا۔ مطلب یہ کہ یہ دعا صرف یونس علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہر دعا گو کی مصیبت اس دعا کی برکت سے دور کرے گا۔

یونس علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے نتیجے میں اللہ نے فرمایا فَنبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ ہم نے اُن کو ایک چٹیل میدان میں پھینک دیا وَهُوَ سَقِيمٌ اور آپ بیمار تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نشارتھی کہ مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام کی ہڈیاں اور گوشت صحیح سلامت ہے البتہ اوپر کی کھال متاثر ہو کر نہایت نرم ہو گئی۔ بالکل اسی طرح جس طرح نو بولود بچے کی کھال بالکل نرم و نازک ہوتی ہے۔ آپ کی اسی حالت کو بیماری سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں بھی یونس علیہ السلام کی خاص مدد کی اور اپنی قدرت تامہ اور

پیٹ سے
بھاگ گئی

اور حکمت بالغہ سے وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهَا شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ، اُن پر ایک بیل در درخت اگایا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کدو کی بیل تھی، جو آپ پر سایہ فگن ہو گئی۔ عام طور پر یہ بیل زمین پر پڑھی پڑھی پھیلتی رہتی ہے۔ یا اگر قریب کوئی درخت وغیرہ ہو تو اس پر بھی چڑھ جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جہاں مچھلی نے آپ کو اگل دیا تھا دہاں کوئی خشک درخت یا جھاڑی وغیرہ ہو جس پر بیل چڑھ گئی ہو اور آپ کے نرم دناؤں کو جسم پر سایہ کر دیا ہو۔

ماہرین طب کہتے ہیں کہ تمام مرطوب سبزیاں انسانی حلقے کو کمزور کرتی ہیں مگر کدو میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ مرطوب ہونے کے باوجود ذہن متعل اور داغ کو تازگی بخشتی ہے۔ حضور علیہ السلام کدو کا سالن بڑے شوق سے تناول فرماتے تھے اس بیل کے پتے بڑے بڑے اور نازک ہوتے ہیں مگر ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر رکھی نہیں بیٹھتی۔ چنانچہ کدو کی یہ بیل یونس علیہ السلام کی نازک کھال کے لیے مزید آرام و آسائش کا ذریعہ بنی۔ پھر آپ کی خوراک کے لیے اللہ نے ایک ہرنی کو بھیج دیا جس کا دودھ آپ پی لیتے تھے۔ پھر جب آپ تندرست ہو گئے تو اللہ نے واپس اپنی بیٹی کی طرف جانے کا حکم دیا اور آپ نے تعمیل حکم کی۔

جب یونس علیہ السلام اہل بیٹی کو عذاب کی وعید سن کر چلے گئے تو دیکھے عذاب کے آثار نظر آنے لگے جس سے اہل بیٹی سخت خوفزدہ ہوئے اور سب کے سب گھروں سے باہر میدان میں آکر توبہ استغفار اور چیخ و پکار کرنے لگے۔ انہوں نے یونس علیہ السلام کی تلاش بھی شروع کر دی تاکہ ان کو ساتھ لے کر اللہ سے معافی مانگیں بہر حال جب قوم تائب ہو گئی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ان سے آنے والا عذاب ٹال دیا۔ پھر جب یونس علیہ السلام تندرست ہو کر اللہ کے حکم سے قوم میں واپس آئے تو لوگوں نے — خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ سورۃ یونس میں موجود ہے۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَوْمًا مِّنْتُمْ فَتَفْعَمَهَا أَيْمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ (آیت - ۹۸) یہ انسانی تاریخ کا منفرد واقعہ

بیٹی میں
واپسی

ہے کہ کسی قوم پر عذاب نمودار ہونے کے بعد اس کو نجات مل گئی ہو یہ صرف توہم
یونس علیہ السلام ہے۔

یونس علیہ السلام کی واپسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا وَادْسَلْنَاہُ اِلٰی
مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ مِئَاتَيْنِ وَاَوْفَاہُمْ نِعْمًا لِّمَنۡ لَّمۡ یَرْکُبِ الْاِسۡتِغَاثَہُ بِرِجۡلِہِ
کِی طرف بھیجا۔ اس سے وہی آپ کی سچی مراد ہے جس کی آبادی اتنی تھی۔ ترمذی شریف
بیس ایک لاکھ بتیس ہزار کا ذکر آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ باغ مردوزن تو ایک
لاکھ تھے اور باقی بیس ہزار بچے بھی تھے۔ فرمایا فَاَمَنُوا وہ لوگ ایمان لے
آئے، کفر و شرک اور برائی سے باز آگئے فَمَتَّعْنٰہُمُ الْاٰلَ حِیۡنٍ تو ہم نے
ان کو ایک مقررہ وقت تک فائدہ پہنچایا۔ جب تک وہ لوگ ایماندار رہے
اللہ کی طرف سے انہیں آرام و راحت بھی ملتا رہا۔ پھر جب زمانہ بدل گیا اور وہ
پھر اپنی پرانی روش سے پڑ آگئے تو اللہ نے ان پر انعام و اکرام کا دروازہ پھر بند کر دیا

(فیاض)

لے ترمذی ص ۱۳۶ و نظری ۸۶

فَاسْتَفْتِهِمُ الرِّبِّيكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ﴿۱۴۹﴾
 أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ﴿۱۵۰﴾
 إِلَّا أَنَّهُمْ مِّنْ أَفْكِهَمْ لَيَقُولُونَ ﴿۱۵۱﴾ وَكَدَّ اللَّهُ
 وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۵۲﴾ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى
 الْبَنِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ تَفْتَنُ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۱۵۴﴾ أَفَلَا
 تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۵﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاتَّبِعُوا
 بِكَيْبِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوا
 بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ
 الْجَنَّةُ أَنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللَّهِ عَمَّا
 يُصِفُونَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ﴿۱۶۰﴾
 فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿۱۶۱﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ
 بِفٰتِنِينَ ﴿۱۶۲﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿۱۶۳﴾
 وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿۱۶۴﴾ وَإِنَّا
 لَنَحْنُ الصّٰفِقُونَ ﴿۱۶۵﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿۱۶۶﴾

ترجمہ :- پس آپ ان سے پوچھیں کیا تیرے پروردگار
 کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ﴿۱۴۹﴾ یا پیدا

کیا ہے ہم نے فرشتوں کو عورتیں، اور یہ دیکھتے تھے (۱۵۰) آگاہ رہو، بیشک یہ لوگ جھوٹ بنانے کی وجہ سے (یہ بات) کہتے ہیں (۱۵۱) کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔ اور بے شک یہ لوگ البتہ جھوٹے ہیں (۱۵۲) کیا چُن لیا ہے اُس نے بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلے میں؟ (۱۵۳) کیا ہو گیا ہے تمہیں، تم کیا فیصلہ کرتے ہو (۱۵۴) کیا تم غور نہیں کرتے؟ (۱۵۵) یا تمہارے لیے کوئی کھلی سند ہے (۱۵۶) پس لاؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو (۱۵۷) اور ٹھہرا (مشرکوں نے) اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ، اور البتہ تحقیق جانتے ہیں جن کہ وہ (پکڑے ہوئے) حاضر کیے جائیں گے (۱۵۸) پس پاک ہے اللہ کی ذات اُن باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (۱۵۹) لیکن اللہ کے مخلص بندے (وہ خدا کی گرفت سے بچ جائیں گے) (۱۶۰) پس تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو (۱۶۱) نہیں ہو تم اللہ کے سامنے کسی کو بہکانے والے (۱۶۲) مگر وہ جو کہ داخل ہونے والا ہے جہنم میں (۱۶۳) اور (فرشتے کہتے ہیں) نہیں ہے ہم میں سے کوئی بھی ایسا مگر اُس کے لیے ایک ٹھکانا ہے مقرر (۱۶۴) اور بیشک ہم البتہ صاف باندھنے والے ہیں (۱۶۵) اور بیشک ہم البتہ تسبیح پڑھنے والے ہیں (پروردگار کی) (۱۶۶)

اس رکوع کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زینس علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا۔ آپ نے طویل عرصہ تک قوم کو توحید کی دعوت دی۔ مگر قوم نہ مانی۔ بالآخر زینس علیہ السلام قوم کو

عذاب کی وعید سنا کر بستی سے نکل گئے عذاب کے آثار نظر آنے لگے تو قوم تائب ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو طال دیا۔ اس سے پہلے تاریخ انبیاء کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، اور حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ سب نے اپنی اپنی قوموں کو کفر اور شرک سے منع کیا، اور توحید کی دعوت دی مگر اس سلسلہ میں انہیں بڑی مشکلات کا سامنا اور بڑی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔

خدا کی اولاد
کا عقیدہ

عرب کے بعض کافر اور مشرک قبائل بنو خزاعہ اور بنو اسلم وغیرہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے۔ وہ فرشتوں کو معبود سمجھ کر ان کی عبادت بھی کرتے اور ان سے حاجات بھی طلب کرتے تھے۔ اس باطل عقیدے کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاسْتَفْتِهِمْ اے پیغمبر! آپ ان سے پوچھیں أَلَكُنَّ ابْنَاتُ الْبَنَاتِ وَلَهُمُ الْبَنُونَ کیا تیرے پروردگار کیلئے بیٹیاں ہیں، اور ان کے لیے بیٹے ہیں؟ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَّا قَائِمَاتٌ ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا وہم شہدُونَ اور یہ اس چیز کے چشم دید گواہ ہیں کہ ہم نے واقعی فرشتوں کو عورتوں کی صنف میں پیدا کیا ہے۔ کفار و مشرکین تو بھلا اس سوال کا کیا جواب دیتے اور فرشتوں کے صنف نازک ہونے کا کونسا ثبوت پیش کرتے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس مسئلہ کی وضاحت فرمادی۔ أَلَا سَنُوْا اور آگاہ رہو إِنَّهُمْ مِّنْ أَفْئِدَتِكُمْ لَيَقُولُنَّ کہ یہ لوگ جھوٹی بنائی ہوئی باتیں کہتے ہیں وَلَا تَقُولُوا کہ اللہ کے ہاں اولاد ہے۔ وَلَا تَقُولُوا لَكِنَّهُمْ كَذِبُونَ بے شک یہ البتہ جھوٹے ہیں۔ ان کے اس عقیدے میں کوئی صداقت نہیں بلکہ یہ صریح جھوٹ ہے۔

کے فرمایا، دیکھو! یہ کس قدر نامعقول لوگ ہیں کہ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَيَّ

الْبَسِيْمِ اُنہوں نے خدا کے لیے بیٹیوں کی بھلے بیٹیوں کا انتخاب کیا ہے۔
 حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ یہ خود بیٹیوں کو بیٹیوں پر ترجیح دیتے ہیں ورنہ
 مَا لَكُمْ تَمْيِيزُ كَيْفَ هِيَ جَوَابِي سَبِيْحِي بَاتِيں کرتے ہو کَيْفَ تَحْكُمُوْنَ
 تم کیا فضول اور نامعقول فیصلہ کرتے ہو کہ اللہ کی اولاد بہ اور فرشتے اس
 کی بیٹیاں ہیں اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا تم ذرا بھی غور و فکر نہیں کرتے کہ کیا کہہ ہے جو
 اور کس قسم کا عقیدہ بنا رکھا ہے؟ سُوْرَةُ النَّجْمِ میں اللہ نے مشرکوں
 کو خطاب کر کے فرمایا ہے اَلْكُمْ اَلَّذِكْرُ وَكَلَهُ الْاَنْثٰى (۲۱) تِلْكَ
 اِذَا قِسْمَةٌ ضِئِيْى (۲۲) کیا تمھارے لیے تو بیٹے ہیں یعنی تم تو اپنے لیے
 بیٹے پسند کرتے ہو اور بیٹیوں کو خدا کے کھاتے میں ڈال دیتے ہو۔ یہ تو بڑی بے انصافی
 کی تقسیم ہے جو تم کرتے ہو۔ تمھاری تقسیم تو عقل و نقل اور فہم و فراست کے ہی
 خلاف ہے اور بالکل بے انصاف ہے۔

اللہ نے سمجھایا کہ خدا تعالیٰ تمھاری ان بیوردہ باتوں سے پاک ہے۔ وہ تو
 بڑی قدرت اور عظمتوں کا مالک ہے۔ فرشتے خدا کی مشرب اور پاکیزہ مخلوق
 ہیں۔ اللہ نے ان کو تذکیر و انثیت سے پاک رکھا ہے، وہ مجرہ ہیں، اور ان
 کی تخلیق بھی لطیف مادے سے ہوئی ہے۔ اگر تم نے خدا کے لیے اولاد ہی
 تجویز کرنا تھی تو پھر اس قدر گناہی اور بے ادبی کا ارتکاب تو نہ کرتے کہ اپنی
 دانست میں کمزور مخلوق کو اس کی طرف منسوب کر دیا، فرمایا، کسی پر عیب لگانے
 کے لیے بھی کچھ تو عقل و شعور سے کام لیتے۔ خدا تعالیٰ تو بیوی اور اولاد سے
 پاک ہے۔ سورۃ جن میں اَمْسُ كَادَا ضَحْ اِرْشَادُ كُوْرُوْهِيْ وَ اَنْتَ تَعَالٰى جَدُّ
 رَبِّىْ مَا اَتَّخَذَ مَعْرَجَةً وَّلَا وَّلَدًا (آیت ۳) اور بیٹیک ہمارے
 پیور و کار کی شان تو بہت ریفیع اور بلند ہے، وہ نہ بیوی رکھتا ہے اور نہ اولاد
 دراصل انسان کے دل میں اولاد کی خواہش دو وجوہ سے ہوتی ہے ایک
 یہ کہ اس کی بدولت اس کا سلسلہ نسب قائم ہے گا۔ اور دوسری یہ کہ بڑھاپے میں اولاد اس کی

خدمت کر سکے گی۔ بجز حقیقت یہ ہے اللہ الصمد (الخلاصہ - ۲۰) اللہ تعالیٰ تو ان چیزوں سے غنی اور بے نیاز ہے اس کو تو بھانے نسل کی ضرورت ہے اور نہ اس پر کبھی بڑھاپا طاری ہوگا کہ دوسرے کی مدد کی ضرورت پڑے۔ پھر جلا خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا کس قدر حماقت کی بات ہے۔ خاص طور پر اللہ کی طرف ضعف نازک کی نسبت کرنا تو مزید بیوقوفی کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں اس بات کا ذکر کیا ہے **وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهَهُ مُسْؤًًّا قَهْوًا وَهُوَ كَظِيمٌ** (آیت - ۵۸) عرب کا کوئی مشرک کسی مجلس میں بیٹھا ہوتا اور وہاں آکر اُسے کوئی خبر دیتا کہ تمہارے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے تو غم کے مارے اُس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ اندوہناک ہو جاتا۔ اُسے لڑکی کی پیدائش سے اس قدر نفرت ہوتی۔ یہ خبر سن کر وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا اور پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ آیا زلت برداشت کرنے کے لیے اس لڑکی کو زندہ بہنے دے **أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ** (آیت - ۵۹) یا اُسے زندہ زمین میں گاڑ دے۔ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کا نظریہ یہود و نصاریٰ میں بھی پایا جاتا ہے۔ **وَقَالَتِ الْيَهُودُ حَسْبُنَا ابْنُ اللَّهِ وَ قَالَتِ النَّصْرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ** (التوبہ - ۳۰) یہودی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ فرمایا یہ محض ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ بھی پہلے کافروں کی طرح اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ ہندوؤں میں بھی دیوی دیوتا کا عقیدہ اسی نوع کا ہے ان کی دیویاں بھی خدا کی یہ مقدس مخلوق فرشتے میں جنہیں وہ خدا کا شریک مانتے ہیں بلکہ عیسائی تو ان سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔ وہ اقا نیم ثلاثہ کے قائل ہو گئے یعنی ایک کی بجائے تین خدا مانتے گئے ہیں، باپ، بیٹا اور روح القدس۔ مسیح علیہ السلام کے متعلق لکھا کہ آپ خدا کے بیٹے ہیں یا تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔ اس سارے باطل عقیدہ کے متعلق اللہ نے فرمایا **أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ**

مُبِینٌ کیا اس باطل عقیدے کی تمھارے پاس کوئی کھلی سند ہے؟ فَاتُوا بِكِتَابِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنی کتاب لے آؤ اور دکھاؤ کہ اس میں کیا لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں العیاذ باللہ۔ ظاہر ہے کہ کافر و مشرکوں کے پاس کون سی دلیل ہے جو وہ پیش کرتے۔ لہذا آج تک اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے اور نہ آئندہ کبھی دے سکیں گے

جنات سے
رشتہ داری کا
عقیدہ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور باطل عقیدے کا ذکر فرمایا ہے۔
وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِجَابًا اور ٹھٹھریا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان رشتہ۔ جب مشرکین نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تسلیم کر لیا تو پھر سوال پیدا ہوا کہ فرشتوں کی مائیں کون ہیں جن کے بطن سے یہ بیٹیاں پیدا ہوئی ہیں؟ پھر عذر گناہ بدتر گناہ کے مصداق کفار و مشرکین نے اللہ تعالیٰ کا رشتہ جنات کے ساتھ جوڑا اور کہنے لگے کہ یہ بڑی بڑی جنینیاں فرشتوں کی مائیں ہیں، گویا جنات کو خدا تعالیٰ کا سرال بنا دیا۔ العیاذ باللہ۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ کتنی غلط بات ہے جو جنوں کی طرف منسوب کی جا رہی ہے۔ جنات تو اللہ کے عجز مخلوق ہے اور وہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔
فَرِيًّا وَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ اور الجنۃ جنات جانتے ہیں کہ وہ تو گرفتار شدہ اللہ کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ اگر ذرا دیکھیں تو یہی کہیں گے تو اللہ کی گرفت میں آئیں گے۔ ان کی حالت تو یہ ہے کہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں مگر ان ظالموں نے ان کی خدا تعالیٰ کے ساتھ رشتہ داری قائم کر دی۔

مہارزی اور بعض دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ بعض زندقہ فرقہ کے

لوگ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس آپس میں بھائی بھائی ہیں (نعوذ باللہ)
 اس پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر کا خالق ہے اور ابلیس شر کا خالق۔ مجوسیوں کا
 بھی یہ عقیدہ ہے۔ وہ بھی خیر و شر، نور و ظلمت اور نیکی اور بدی کے دو مختلف
 خدا مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نیکی کا خدا یزدان ہے۔ اور بدی کا ابومن ہے۔ یہ
 عقیدہ پیرانے ایران کے ایک شخص مانی کا وضع کردہ ہے۔ بعض بادشاہوں نے
 اس مذہب کے پیروکاروں کو سزا بھی دی مگر پھر بھی یہ مذہب پھیل گیا۔ یہ عقیدہ
 اللہ تعالیٰ کی صفات میں شراکت پیدا کرتا ہے، اور یہ اسی طرح باطل ہے۔ جس
 طرح اللہ کی ذات میں شریک ٹھہرانا۔

چوتھی صدی میں سنی ایک مشہور عربی شاعر گزرا ہے اُس نے اس دو خداؤں
 والے عقیدے کی اپنے انداز میں نفی کی ہے۔ وہ کہتا ہے

وَكَمْ لَظَلَمَ اللَّيْلُ عِنْدَكَ مِنْ يَدٍ

تَحَدَّثَ انْ الْمَانُويَةَ تَكْذِب

مجھے تو رات کے اندھیرے میں بھی بہت سی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں مگر مانوی کہتا
 کہ ظلمت کا خدا ہی اور ہے، حقیقت یہ کہ اس معاملہ میں مانوی جھوٹا ہے اُسکا
 یہ دعویٰ غلط ہے کہ ظلمت محض، شر پر مشتمل ہے اور اس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں
 مجھے تو شب و روز بے شمار نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں، دو خداؤں کا عقیدہ خدا کی
 ذات میں شرک کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ تمام نیک
 و بد مخلوق خواہ انسان ہوں، جنات یا فرشتے سب کا خالق ایک ہی وحدہ لا شریک
 ہے، کوئی دوسرا خالق نہیں سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ اللہ تعالیٰ
 کی ذات پاک ہے اُن غلط باتوں سے جو یہ کافر اور مشرک لوگ بناتے ہیں۔
 اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے، نہ بھائی اور نہ ہی کوئی اولاد ہے۔ یہ سب
 نقص اور عیب پر دلالت کرنے والی چیزیں ہیں۔ جب کہ اللہ کی ذات ہر

ثنوی عقیدہ
 کی تردید

نقص اور عیب سے مبرا اور منزہ ہے اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے لوگ لازماً مجرم نہیں گئے اور خدا کی عدالت میں بچ کر حاضر کیے جائیں گے۔

مخلصین
کی جماعت

فریاد، الستریک جماعت اس گرفتِ خداوندی سے بچ جائے گی اور وہ ہے إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ اللہ کے مخلص، منتخب اور برگزیدہ بندے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائیں گے، وہ باعزت اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور پھر انہیں نہایت محکم کے ساتھ اللہ کے عزت کے مقامِ جنت تک رسائی ہوگی۔ پھر اللہ نے مشرکوں سے فرمایا فَاتَّكُمُ وَمَا قَعَبُدُونَ پھر بے شک تم اور جن کی تم پوجا کرتے ہو خدا کے سوا مَا آنتُمْ عَلَيْهٖ بِفَعْلَتِ خَلْقِ اللَّهِ تَمَّ ذَا تَعَالَى کے مقابلے میں کسی کو بکام نہیں سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ تم لاکھ اپنے عقیدے کا پراپیگنڈا اور میرے بندوں کو پھیلانے کی کوشش کرو مگر میرے مخلص بندے تمہارے دامن فریب میں نہیں آئیں گے۔ تمہارے بہکاوے میں وہی آئے گا إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَهَنَّمِ میں داخل ہونے والا ہے۔ تمہارا داؤد جہنمی لوگوں پر ہی چلتا ہے۔ جو عقل و شعور کو بردھنے کا نہیں لاتے اور ضد و عناد پر اڑے بہتے ہیں۔ تم انہی کو گمراہ کر کے جہنم تک لے جا سکتے ہو۔ میرے مخلص بندے تو ہر وقت مناجات اور دعائیں کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ میرے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ تجھی سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں، لہذا وہ شیطانی داؤ بیچ سے محفوظ رہتے ہیں۔

مشرکین کی بات ختم کر کے آگے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبان سے بات کروائی ہے۔ فرشتے تو خدا کی بیٹیاں ہیں اور نہ ہی وہ معبود ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اس کے مطیع اور عابد بندے ہیں۔ وہ کسی کی جبری سفارش بھی اللہ کے پاس نہیں کر سکتے۔ وہ تو خود اللہ کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں، اور اس کی رضا کے طالب ہوتے ہیں۔ اسی بات کو فرشتوں نے اپنی زبان سے کہا وَمَا مِنْ آلَاٰهٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَ مَعْلُومٌ اللہ نے ہم میں ہر ایک کے لیے

فرشتوں کی
سندھ کا

ایک مقام اور مرتبہ مقرر کیا اور ہم اس مقام سے آگے نہیں جاسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی جو ڈیوٹی لگا دی ہے۔ ہم اسی کو ادا کرتے کہتے ہیں اور حکم خداوندی سے سب مبرا نخواستہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور ہم تو اس کے حکم کی تعمیل میں وَإِنَّا لَخُنُّ الصَّافِقُونَ ہمیشہ صفت بستہ ہوتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرشتوں کی صفت بندی کو سجاری قرار دیا اور لوگوں سے فرمایا کہ تم نماز اور جہاد کے لیے فرشتوں کی طرح صفت بندی کیوں نہیں کرتے تو عرض کیا حضور فرشتے کس طرح صفتیں بناتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ دل کو کھڑے رکھتے ہیں اور درمیان میں کوئی رخنہ نہیں چھوڑتے پہلے اٹھ صغیروں کو مکمل کرتے تھے پھر پچھلی صفتیں بتا کر صفت بندی سے جماعتی تنظیم کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ بظنی ہرگز پسندیدہ چیز نہیں۔ اگر صفت خراب ہوگی، غیر منظم اور ٹیڑھی ہوگی تو دل اور عقیدے بھی خراب ہو جائیں گے۔ لہذا حضور علیہ السلام نے درست صفت بندی کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، لوگو! جو بات میں سنا ہوں، وہ اگر تم بھی سنتے اور جو بات میں جانتا ہوں، وہ اگر تم بھی جانتے تو یقیناً تم ہنستے تھوڑا اور روتے نیاہ فرمایا ایسی صورت میں تم دہشت میں مبتلا ہو جاتے اور بستروں پر عورتوں کے پاس لیٹنا چھوڑ کر خشکوں اور بیا بانوں کی طرف بھاگ جاتے اور چیختے چلاتے پھرتے۔ فرمایا آسمان پر ایک بالشت بھر بھی کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اللہ کا کوئی فرشتہ اس کی عبادت و ریاضت کو کدے، سجد اور عیب میں مصروف نہ ہو۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ فرشتوں کی عبادت و ریاضت کی وجہ سے آسمان اس طرح چرچر رہتا ہے۔ جس طرح نیا کجاوہ یا چپڑے کا نیا جو آچر چرچا رہتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے

۱۔ ابن کثیر ص ۲۱۴ و خازن ص ۱۶۴ و نظری ص ۱۰۵

۲۔ قرطبی ص ۱۲۴ ۳۔ خازن ص ۲۹ ۴۔ خازن ص ۲۹

۵۔ ابن کثیر ص ۲۴ ۶۔ (فیاض)

کہ ہماری صفیں بھی اللہ نے فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی ہیں۔ یہ آپ کی امت کی خصوصیت ہے کہ اگر ان کی صفیں درست ہوں گی تو یہ بھی فرشتوں کی صفوں کی طرح شمار ہوں گی۔ اس آخری امت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے اس کے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا ہے اور ہم لوگ زمین کے ہر پاک خطے پر عبادت کر سکتے ہیں، ہماری عبادت محض عبادت خالوں تک محدود نہیں ہے۔ اور تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے ہمارے لیے مٹی کو پاک صاف قرار دیدیا ہے۔ اگر پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر کے طہارت حاصل کی جاسکتی ہے۔

بہر حال فرشتوں نے کہا کہ ایک تو ہم صفت بہتے ہیں۔ اور دوسرا وَإِنَّا لَلْحَنَّ الْمَسِيحُونَ اور بے شک ہم ہر وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر نقص، عیب، کمزوری اور شرک سے پاک ہے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے، اس کا لوگوں کی طرف سے منسوب کی گئی کمزوری سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ہر لحاظ سے پاک اور منزہ ہے۔ جو شخص اس کی ذات یا صفات میں شریک بنے گا وہ خود بے حیثیت ہجرم خدا کی بارگاہ میں گرفتار شدہ پیش کیا جائیگا۔

خدا تعالیٰ
کی تسبیح

وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ①۶۷ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ
 الْأَوَّلِينَ ①۶۸ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ ①۶۹ فَكَفَرُوا
 بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ①۷۰ وَلَقَدْ سَبَقَتْ
 كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ①۷۱ إِنَّهُمْ لَهُمُ
 الْمَنْصُورُونَ ①۷۲ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ①۷۳
 فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ①۷۴ وَأَبْصَرَهُمْ
 فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ①۷۵ أَفِعْذَابِنَا يُسْتَعْجِلُونَ ①۷۶
 فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ①۷۷
 وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ①۷۸ وَأَبْصَرَ فَسَوْفَ
 يُبْصِرُونَ ①۷۹ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا
 يَصِفُونَ ①۸۰ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ①۸۱
 وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ①۸۲

ترجمہ :- اور بے شک یہ لوگ البتہ کہتے تھے ①۶۷ اگر
 ہوتی ہمارے پاس نصیحت پہلے لوگوں کی ①۶۸ البتہ ہوتے
 ہم اللہ کے مخلص بندوں میں سے ①۶۹ پس کفر کیا
 انہوں نے اس کے ساتھ ، پس عنقریب جان لیں گے ①۷۰

اور البتہ تحقیق پہلے ہو چکی ہے ہماری بات ہمارے بھیجے ہوئے رسولوں کے لیے (۱۷۱) کہ بیشک البتہ وہی مدد میے جائیں گے (۱۷۲) اور بے شک ہمارا شکر البتہ وہی غالب ہو گا (۱۷۳) پس آپ رخ پھیر دیں انہی طرف سے ایک وقت تک (۱۷۴) اور آپ دیکھتے رہیں ان کو، پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے (۱۷۵) کیا یہ ہمارے عذاب کے ساتھ جلدی کرتے ہیں (۱۷۶) پس جب وہ اترا ان کے صحن میں، پس بڑی ہے صبح ڈرائے ہوئے لوگوں کی (۱۷۷) اور آپ رخ پھیریں ان کی طرف سے ایک وقت تک (۱۷۸) اور آپ دیکھتے رہیں، عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے (۱۷۹) پاک ہے تیرا پروردگار جو عزت کا مالک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ بیان کرتے ہیں (۱۸۰) سلامتی ہے اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں پر (۱۸۱) اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (۱۸۲)

گزشتہ درس کی آخری تین آیات میں فرشتوں کا کلام ذکر کیا گیا تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ٹھکانا اور حد مقرر ہے، جس سے ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہم صفت بتہ سہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ یہی وہ فرشتے ہیں جن کو مشرک لوگ خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں، ان کو مجبور دمان کہ ان سے حاجت براری کرتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ جو مخلوق اپنے پروردگار کے سامنے معجز و انکاری کے ساتھ صفت بتہ کھڑی ہے، اس کی تسبیح و تنزیہ بیان کرتی اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے ہر وقت تیار ہے، اور ان میں سے ہر ایک کا ایک ٹھکانا اور حد

ربط آیات

مقرر ہے، وہ دوسروں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے کریگی اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور اس کی ذات و صفات میں کوئی بھی شریک نہیں، مشرک لوگ غلط عقیدہ رکھتے ہیں اور لایعنی باتیں کرتے ہیں۔

ہدایت یافتہ
کے لیے
مشرکین کا
غیر رنگ

اب اللہ نے مشرکین کے ایک مہم جوئے ہانے کا ذکر کر کے ان کی غلط بیانی کا پردہ چاک کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُنَّ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَائِكُمُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ رَحْمَةً عَلَيْهِمْ وَسُخَاءٌ لِقَوْمِهِمْ يُهَيِّئُونَ لَهُمْ يَوْمَئِذٍ يُنَادُونَ لِلَّهِ الْأَوْلِيَّاءِ لِمَنْ كَانُوا يُشْرِكُونَ اور بیشک مشرکین محکم کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے پاس تو آسمانی کتابیں موجود ہیں مگر اس کے باوجود یہ لوگ اس ہدایت سے مستفید نہیں ہوتے بلکہ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرُ الْأَوَّلِينَ اگر ہمارے پاس بھی پہلے لوگوں کی کوئی نصیحت ہوتی لکن کتاب عباد اللہ المخلصین تو ہم اللہ کے مخلص بندوں میں ہوتے اور اہل کتاب کی طرح نافرمانی نہ کرتے پہلی آیت میں مذکور الفاظ وَإِنْ كَانُوا مِنْكُمْ يَشْرِكُونَ ان شرط کے لیے نہیں بلکہ یہ دراصل آیت ہے اور مطلب یہ بنتا ہے کہ بیشک شان بہ ہے کہ مشرک لوگ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی کوئی نصیحت یعنی کتاب، صحیفہ، نوشتہ یا ہدایت ہوتی تو اس پر عمل کرتے اللہ کے منتخب بندوں میں شمار ہوتے۔ اور اس طرح ہم عبادت و ریاضت، معرفت عمل اور اخلاق میں ترقی کرتے۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بعد عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ نازل ہوا۔ برخلاف اس کے اہل کتاب کے پاس کتابیں موجود تھیں۔ مگر ان کتابوں سے انحراف کو دیکھ کر مشرکین کہتے تھے کہ یہ بڑھمت لوگ ہیں کہ ان کے پاس کتاب، ہدایت، اور احکام موجود ہیں مگر ان کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اگر ہمارے پاس ایسی کوئی چیز ہوتی تو ہم ضرور اس سے مستفید ہوتے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ جب اللہ کا آخری رسول اور اس کی آخری کتاب قرآن مجید ان لوگوں کے پاس آگئے تو انہوں نے تسلیم کرنے کی بجائے فَكْفُرُوا بِهِ اس کا سکر سے انکار ہی کر دیا۔ اور

نصیحت کے آنے اور اس پر عمل درآمد کے جو وعدے کرتے تھے ان سے ہو گئے جب قرآن پیش کیا جاتا تو کہتے انْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (الانعام-۲۵) یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اس میں پرانی اقوام عادیہ نمود و خیر کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، ہمارے لیے یہ کیسے سفید ہو سکتے ہیں سورۃ الانعام میں اللہ نے مشرکین کی اس جید سازی کو اس انداز سے بیان کیا ہے ہم نے یہ مبارک کتاب اتار دی ہے، اتباع کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اور تاکہ تم یوں نہ کہو کہ ہم سے پہلے دو گمراہوں (سیود و نصاریٰ) پر کتابیں اتری ہیں مجھے ہم ان کی درس و تدریس سے بے خبر تھے۔ یا پھر تم اس طرح نہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم اس پر عمل کر کے لَکُنَّا اِهْدٰی مِنْهُمْ (آیت-۱۵۸) ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ آگے اللہ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی صورت میں تمہارے پاس دلیل، ہدایت اور رحمت آچکی ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ بِآيَاتِ اللّٰهِ (آیت-۱۵۸) اب اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرے۔ یہاں بھی فرمایا کہ جب ان کے پاس مطلوبہ ہدایت آگئی تو ان ظالموں نے اس کا انکار کر دیا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ عَن قُرْبٍ يَّرْجُوْنَ (آیت-۱۵۸) کہ ان کی جید سازی اور تکذیب کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

دنیا میں جب بھی انبیاء علیہم السلام نے توحید کی دعوت دی تو لوگ خلاف ہو گئے اور توحید کے پروگرام کو ہر طرح سے ناکام بنانے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے نہ صرف انبیاء کی تکذیب اور توہین کی بلکہ عام لوگوں کو دین کے قریب آنے سے روکنے کے لیے مال و دولت صرف کیا اور لوگوں کو نہ صرف دکھیاں دیں بلکہ عملی طور پر ان کو طرح طرح کی سزائیں بھی دیں۔ ان تمام مشکلات کے باوجود خدا تعالیٰ کی منشا ہمیشہ یہ رہی کہ وہ اپنے دین کو غالب بنائے گا اور اس مقصد کے لیے اس نے اپنے انبیاء کی مدد بھی کی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَاتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ اور البتہ تحقیق ہمارے رسولوں

انبیاء کی مدد کا وعدہ

کے حق میں ہماری یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی ہے **إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ** کہ جھگڑے
وہی مدد دے جائیں گے، اگر اللہ نے کفر و شرک کے خلاف اپنے منتخب بندوں کی مدد کا
وعدہ کر رکھا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ بعض اوقات دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں
کو ظاہری طور پر کامیابی نہیں ہوتی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا
بلکہ ایسی صورت میں اللہ کا یہ وعدہ آخرت میں جا کر پورا ہوگا۔ اہل ایمان وہاں پر منظور
ہوں گے اور ان کے مخالفین مقہور ہو کر خدا تعالیٰ کے عذاب میں پختے جائیں گے۔
سورۃ المؤمنین میں اللہ کا فرمان ہے **إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُعْطِيهِمُ الْأَشْهَادُ** (آیت - ۵۱) بے شک
ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں، اور اس دن بھی مدد کریں گے
جس دن گواہ کھڑے ہوں گے قیامت کے دن۔

بعض فرماتے ہیں کہ دنیا میں کفر و شرک کا طوفان سیلاب کی مانند ہوتا ہے جو وقت
طور پر غوب ابھرتا ہے مگر آخر کار ختم ہو جاتا ہے۔ سورۃ الرعد میں اللہ نے حق و باطل کی
کشمکش کو سیلاب کے جھاگ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس طرح سیلاب کے جھاگ میں مٹی طو
پر جوش و خروش پایا جاتا ہے، اسی طرح باطل کو بھی ابال آتا ہے جو جلد ہی ختم ہو جاتا ہے
جس طرح سیلاب کا جھاگ ختم ہو جاتا ہے اور سفید پانی زمین کی سیرابی کے لیے باقی رہ
جاتا ہے۔ اسی طرح کفر و شرک کا طوفان تو ٹھپٹ جا آتا ہے اور پائیدار حق باقی
رہ جاتا ہے۔ اگر دنیا میں اللہ کے نبی یا اس کے نیک بندے مغلوب بھی ہو جائیں۔
پھر بھی اللہ تعالیٰ حق کو ہی غالب کرنا ہے جیسے فرمایا **وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ
الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا** ربنی اسرائیل - ۸۱) اے پیغمبر!

آپ کے سر دین کہ حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ بیشک باطل ٹٹنے ہی والی چیز ہے۔ باطل کو کبھی ثبات حاصل نہیں ہوتا اور پھر یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اللہ نے ظاہر طور پر بھی اپنے نبیوں کی مدد کی اور باطل مغلوب ہوا۔ اس ضمن میں قوم عاد و ثمود، قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم صالح علیہم السلام اور قوم موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اس طرح حضور خاتم النبیین کی پوری زندگی بھی ہماری نگاہ میں ہے۔ آپ نے کن نامساعد حالات میں اپنے مشن کا آغاز کیا اور کیا کیا تکالیف برداشت کیں مگر بالآخر اللہ نے اپنے انبیاء کی مدد فرمائی اور ان کو غالب بنایا۔

فرمایا ہمارے منتخب بندوں کے متعلق پہلے ہی یہ بات طے ہو چکی ہے کہ انہی کی مدد کی جائے گی وَإِنَّا جُنْدٌ نَّا لَكُمْ الْعَلِيُّونَ اور بالآخر ہمارا لشکر ہی غالب آئے گا۔ اس لشکر سے اللہ کے نبی اور ان کے پیروکار مراد ہیں۔ سچے مومن ہی حقیقت میں جند اللہ یعنی اللہ کا لشکر ہیں جو اللہ کے دین کی خاطر جان و مال کی قربانی پیش کرتے ہیں اور انہی کی مدد کی جاتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ابتلاء بھی آتی ہے۔ جس کا ذکر اللہ نے مختلف سورتوں میں بالتفصیل کیا ہے۔ جب اللہ کے رسول اور اس کے نیک بندے آزمائش پر پورا اترتے ہیں تو پھر قلب بھی انہی کو حاصل ہوتا ہے۔

جند اللہ
کا لقب

اس اصول کے پیش نظر اللہ نے فرمایا فَتَوَلَّوْا حَتَّىٰ حِينٍ پس آپ ایک مقررہ وقت تک ان سے رخ پھیریں یعنی ان کو نظر انداز کر دیں۔ وَأَبْصُرْهُمْ اور ان کی طرف دیکھتے رہیں یعنی انتظار کریں فَسَوْفَ يَبْصُرُونَ پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔ کہ ان کے انکار مخالفت اور ایذا رسانی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ سورۃ التہجد میں بھی مندرج ہے فَاعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ (آیت - ۳۰) آپ ان ناہنجاروں سے روگردانی کر لیں اور ہمارے فیصلے کا انتظار کریں۔ یہ لوگ بھی انتظار میں ہیں۔ اور جلدی ہی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ ان کو پست

چل جائے گا۔ کہ کون غالب آتا ہے اور کون دنیا میں شکست اور آخرت میں دائمی عذاب کا مستوجب بنتا ہے۔

عذاب کا
مطلبہ

فرمایا یہ لوگ اس قدر بے انصاف ہیں اَفِيعَٰذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ
 کیا یہ ہمارے عذاب کے ساتھ جلدی کرتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی توجہ اور
 اس کے رسول کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ جو عذاب ہم پر لانا چاہتے ہو جلدی
 لے آؤ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے
 اَوْ تَسْقُطَ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمْتُمْ عَلَيْنَا كَيْفًا (آیت - ۹۲)
 یا جیسا کہ تم خیال کرتے ہو، ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دو، کبھی کہتے، قیامت
 برپا کر دو، وہ آتی کیوں نہیں۔ تو فرمایا یہ بڑے بے انصاف لوگ ہیں، جو
 اپنے منہ سے عذاب طلب کرتے ہیں، مگر یاد رکھو اَفَاذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ
 جب عذاب ان کے صحن میں اترے گا فَسَاءَ صَبَاحَ الْمُنذَرِيْنَ
 تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت ہی بُری ہوگی، جب ہمارا عذاب آجائے
 گا تو پھر یہ بیچ نہیں سکیں گے اور ان کا انجام بہت بُرا ہوگا۔

حضور نبی الصلوٰۃ والسلام اور اہل ایمان سے بیچ سے رقت خیر پر حملہ کیا
 جب کہ اس وقت، وہ لوگ کاشمیری کے یہ اپنے کھیتوں کی طرف جا
 رہے تھے۔ جب اردن نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے بخدا یہ تو محمد صلی اللہ
 وسلم نظر آتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا اَحَدًا بَيْتَ حَبِيْبٍ يَعْنِي خَيْرٍ اَجْرًا
 گیا اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَتِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحَ الْمُنذَرِيْنَ
 تو بیاں پر بھی آپ نے وہی الفاظ استعمال کیے کہ جب ہم کسی قوم کے صحن
 میں اتریں گے تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت بُری ہوگی۔ چنانچہ خیر
 پر حملہ کے نتیجہ میں جنگ ہوئی، خیر فتح ہوا اور وہ سارا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں

آگیا۔ ویسے بھی اکثر نافرمان قوموں پر صبح کے وقت ہی عذاب آیا ہے۔ قوم لوط کا حال دیکھ لیں۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو تسلی دی اور کہا کہ آپ اپنے اہل کو لے کر راتوں رات نکل جائیں کیونکہ اس نافرمان قوم کی درگت بننے والی ہے

إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ (ہود - ۸۱) ان کے لیے عذاب کے وعدے کا وقت صبح ہے، اور کیا صبح اب قریب نہیں ہے بہر حال اللہ نے فرمایا وَقَوْلًا عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ایک وقت تک آپ ان سے رُخ پھیر لیں وَأَبْصُرْ آپ دیکھنے رہیں کہ کیا ہوتا ہے فَسَوْفَ يَبْصُرُونَ پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے اور کون مبتلائے عذاب ہوتا ہے۔ فرمایا آپ کچھ دیر انتظار کریں اور حالات کا مشاہدہ کرتے رہیں۔

اب انہوں نے اللہ نے سارے مضامین کا خلاصہ دیا ہے۔ یہ گویا ساری سورۃ کا پانچواں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُونَ تیرا پروردگار جو تمام عزتوں کا رب ہے وہ پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ اپنی زبانوں سے بیان کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کی کفر و شرک کی باتیں، خدا کی اولاد تجزیہ کرنے کی بات فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینا اور اللہ کا رشتہ جنوں کے ساتھ قائم کرنا، ابلیس کو خدا تعالیٰ کا بھائی سمجھنا، دو خداؤں پر اعتقاد رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اس کے علم یا قدرت میں کسی کو شریک بنانا یہ سب یہودہ باتیں ہیں جن سے نفرت اللہ بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لغویات سے منزہ ہے۔

اللہ کے نبی اور رسول ہمیشہ ایمان اللہ توحید کی دعوت دیتے رہے انہوں نے لوگوں کو اذھیروں سے نکال کر بددینی کی طرف لانے کی جدوجہد کی، کفر و شرک کو چھڑا کر ایمان و توحید کا درس دیا۔ ہدایت کا راستہ واضح کیا۔ اللہ کے پیغمبر اللہ کے نزدیک نہایت ہی برگزیدہ اور پاک ہستیاں ہوتے ہیں۔ وہ اپنی زندگیاں دین کے مشن

خلاصہ
مضامین

پہلیوں پر
سلام

کو پورا کرنے کے لیے لگاتار ہی سنتی کہ اپنی جان کی پرواہ بھی نہیں کرتے لہذا ان پر سلام بھیجنا چاہیے۔ اسی لیے فرمایا وَسَلِّمْ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ، اور سلامتی ہو اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں پر۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب تم مجھ پر سلام بھیجتے ہو تو اللہ کے سارے رسولوں پر سلام بھیجا کرو اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رسولوں پر سلام بھیجنے کے لیے اس آیت کی تلاوت بھی کافی ہے۔ سورۃ کی یہ آخری تین آیات فرد بھی ہے، رسولوں پر سلامتی کے ذکر کے ساتھ نہوت و رسالت کا مفہوم بھی بیان ہو گیا۔

حضورِ تعالیٰ

رسولوں پر سلام کے بعد حمد باری تعالیٰ کے طور پر فرمایا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس سے مراد تمام جہان ہیں خواہ وہ ارٹھی ہوں یا سماوی، عالم بالا کے ہوں یا عالم زیریں کے، علوی ہوں یا سفلی، تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اسی طرح مختلف انواع و اقسام کے جہان بھی الگ الگ ہیں جیسے چوہنیوں کا جہان، مچھلیوں کا جہان، پرندوں اور درندوں کا جہان، شجر و جگر کا جہان، برزخ کا جہان، حشر کا جہان امد آخرت کا جہان۔ ان تمام جہانوں کو پرورش کنندہ بھی اللہ رب العزت ہی ہے، لہذا ساری حمد و ثنا اسی کے لیے ہے طبرانی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جس شخص نے یہ آخری تین آیات نماز کے بعد تین دفعہ تلاوت کیں، اس نے گویا اپنے لیے پورے پیمانے پر اجر پاپا لیا۔ کم از کم ایک مرتبہ ضرور پڑھ لینی چاہئیں۔ کسی مجلس میں بیٹھ کر طرح طرح کی باتیں ہوتی ہیں، اس لیے حضور علیہ السلام نے تعلیم دی ہے کہ ہر مجلس کے اختتام

لہ قرطبی ج ۱۴۲ و ابن کثیر ج ۲۵ و طبری ج ۱۱۶
۲ ابن کثیر ج ۲۵ و روح المعانی ج ۱۵۹
(فیاض) ۲۳۳

پر بھی یہ آیات تلاوت کر لینی چاہئیں۔ اگر ان آیات کے آخر میں یہ بھی کہہ دیا جائے
 سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ
 إِلَيْكَ تَرَاهُ تَعَالَى اس مجلس کی ساری غلطیاں معاف فرما دیگا۔ ان آیات میں
 اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر ہے جس سے عقیدہ درست ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ
 کی حمد و ثنا بھی ہے اور رسولوں پر سلامتی کا ذکر بھی ہے اور یہ آیات درود بھی ہیں۔ یہ
 ساری سورۃ کالب لباب ہے جو آخر میں بیان کر دیا گیا ہے۔

حج پر جانے والے خواتین و حضرات کے لیے انمول تحفہ

احکام حج

مع زیارات مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ

تصنیف

محمد فیاض خان سواتی

اس کتاب میں حج کا طریقہ اور اس میں پیش آنے والے تمام مسائل کو درج کیا گیا ہے۔

صفحات ۱۳۸ قیمت ۲۰ روپے۔

ملنے کا پتہ : مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

حی علی الفلاح

از

حضرت مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

ناز مسنون کلاں مصنفہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان صاحب سواتی مدظلہ
قرآن کریم، احادیث مبارکہ، تعامل صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ،
سلف صالحینؓ اور اہل سنت والجماعت احناف کے مسلک
کے مطابق ایک اہم ترین جامع اور مثبت دلائل سے مزین کتاب
ہے۔ اہل حدیث (غیر مقلدین) نے اسکی شہرت اور مقبولیت کے
خائف ہو کر اسکی اہمیت کو کم کرنے کے لیے نماز مسنون کے بعض
مسائل پر بے جا اعتراضات کر دیئے جو کہ "حی علی الصلوٰۃ" نامی کتاب
کی صورت میں شائع ہوئے تھے ان اعتراضات کے مدلل جوابات آپکو
اس کتاب "حی علی الفلاح" میں ملیں گے۔ اور غیر مقلدین کی
کذب بیابانیاں اور خیانتیں واضح ہوں گی۔

ضخامت : ۹۶ صفحات

قیمت : ۱۸/- روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ درس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

نمازِ مَسْنُونِ کلاں

تالیف

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی

دامت برکاتہم

نمازِ مسنون غورد کے بعد نمازِ مسنون کلاں ایک ایسی مفید اور نماز کے موضوع پر جامع کتاب ہے جو نماز کے تمام ضروری مسائل مع قوی دلائل از کتاب و سنت، احادیث صحیحہ، تعامل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مضبوط اقوال سے مزین ہے جس میں طہارت، اذان، اوقات نماز، فرض، سنن و مستحبات، مکروہات و مفسدت کا پورا بیان ہے۔ ارکان، واجبات و سنن کی پوری حکمت اور ضروری مباحث درج ہیں۔ جمعہ و عیدین، نماز جنازہ اور نوافل وغیرہ کے جملہ اہم مباحث اور اس کے ساتھ اذکار و دعوات اور خطبات کا ایک بہترین نصاب درج ہے۔

عام قارئین کے علاوہ علماء کرام، اساتذہ عظام اور خصوصاً طلباء علم دین کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جس کا انداز بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔

عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت، معیاری جلد بندی، قیمت - ۱/۵۰ روپے

ناشر

مکتبہ درویشی

فاروق گنج گو جبرالوالہ

مباحث کتاب الایمان مع شہیل و توضیحہ مقدمہ صحیح مسلم

صحیح مسلم شریف، علم حدیث میں تین اہم ترین کتابوں میں ایک ہے اور صحیح بخاری کی طرح تمام صحیح اور حسان روایات پر مشتمل ہے۔ قرن سوم سے آج تک متداول و معمول کتاب ہے۔ اس میں کتاب الایمان کا ایک طویل اور اہم باب ہے جس کو امام مسلم نے سب سے پہلے درج کیا ہے۔ اس میں ایمانیات کے جملہ مسائل کا ذکر ہے اور بعض جہات اس کے نہایت اہم وقیع اور مثری ہیں۔ ان مباحث کی توجیہ و تعبیر درسیات کی تعلیم کے طریق پر اس رسالہ میں بیان کی گئی ہے جن کو سمجھنے سے ایمان کے جملہ مسائل نہایت ہی عمدہ طریق پر دل نشین ہو جاتے ہیں۔ اختلاف و مشکلات وغیرہ بخوبی حل ہو جاتے ہیں۔

نیز مقدمہ میں امام مسلم نے علم اصول حدیث کے ایسے اہم ترین مباحث ذکر کیے ہیں جو عام فن حدیث میں بہت کار آمد ہیں خصوصاً امام شریف کی احادیث میں بے حد مفید و نفع بخش ہیں۔ مقدمہ اپنی عبارت کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اس لیے اس کی تسہیل و توضیح مختصر طریق پر اور بہترین انداز میں کی گئی ہے۔

علم حدیث کے طلب کاروں کے لیے بہت نافع ہوگی اور اس کے پڑھنے سے بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ مصنف: حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ

عمدہ کتابت و طباعت ، قیمت ۳۵/- روپے

ناشر

مکتبہ درس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قرآن مجید مترجم

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

بانی مدرسہ نصرة العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

قرآن مجید کے صحیح ترجموں میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ، حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تراجم مشہور اور مقبول ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے بھی موجودہ دور کے مطابق جدید اردو زبان میں یہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی بیس جلدوں میں بھی شائع ہو چکا ہے اور حال ہی میں عمدہ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۷۰۴ صفحات پر مشتمل شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ قیمت ۲۵۰

ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

اجوبہ البعین

(در و افص)

(از حجۃ الاسلام مجددین و علوم بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی)
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا نام نامی ہی اس بات کی ضمانت کے لئے کافی ہے کہ کتاب
علوم و معارف حقائق و دقائق کا مجموعہ ہے۔

اجوبہ البعین میں حضرت نانوتوی کے علوم و فیوض مناظرانہ و تنقیدانہ مضامین کا وسیع
سرما یہ ہے۔ یہ کتاب اہل رفض و تشیع کے رد میں ہے، اس کتاب میں اہل رفض و تشیع کی طرف
سے اہل سنت و الجماعت پر کئے گئے چالیس اعتراضات کے عقلی و نقی طرد بردن ان شکن اور
مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔

حصہ اول میں اٹھائیس اعتراضات کے جوابات ہیں جو سرسب نانوتوی نے ایک دن رات
میں مکمل کئے، اس حصہ میں حضرت کے ساتھ حضرت کے داماد مولانا عبد اللہ انصاری سابق ناظم شعبہ
دینیات علی گڑھ یونیورسٹی بھی شریک تھے، ہر سوال کا ایک ایک جواب ان کا بھی ساتھ شامل ہے۔

حصہ دوم : بارہ اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اور یہ صرف حضرت نانوتوی کے قلم حق
رقم کا مرہونِ منت ہے، اس میں دقت نظر زیر کی 'عمیق حقائق و معارف لطائف و ظرائف کا
گنج گراں مایہ موجود ہے۔ حضرت نے اس حصہ میں متعہ کا مسئلہ فذک وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
جیسے اہم مسائل کے علاوہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ حصہ زیادہ قویق
اور مشکل اور بہت سے اہم علمی نکات پر مشتمل ہے۔

المجلد ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نضرۃ العلوم نے اس کتاب کو نہایت محنت کے ساتھ
کتاب میں سرخیاں حوالہ جات کے ماخذ، پیرے اور متعدد جگہ حواشی، عمدہ کتابت، علمی طباعت
و معیاری جلد بندی کیساتھ طبع کرایا ہے۔ کتاب کے شروع میں فہرست مضامین اور حضرت مولانا صوفی
عبد الحمید فاضل دارالعلوم دیوبند و بانی مدرسہ نضرۃ العلوم کا ۲۷ صفحات پر مشتمل مفید مقدمہ لگا دیا
گیاجے۔ - طبع دوم قیمت ۹۰ روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوہر انوالہ

مجالس العرفان - دوسرا القرآن

اقتادات

مفسر قرآن صوفی عبدالحمید سواتی صاحب
حضرت مولانا

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

صوت

الحاج لعل دین صاحب (ایم اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن مہمان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

منزل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

مذاہب

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ

محمد منیر صاحب Ph: 221943

مکتبہ دوسرا القرآن گوجرانوالہ